پشاور سے کوئٹہ تک

دامن کوہ میں قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات

پشاور • قبائلی علاقہ جات • کوہاٹ • ہنگو ٹل • کرک • بنوں • ٹانک • ڈیرہ اسماعیل خان • کوئٹہ

سلسلہ وار نویں تصنیف












مصنف: الحاج ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ (نشان گجرات)

پشاور سے کوئٹہ تک

دامن کوہ میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات

سلسلہ وار نویں اشاعت

...... ترتیب ......

☆ پشاور ☆ قبائلی علاقہ جات ☆ کوہاٹ

☆ ہنگو ☆ ٹل ☆ کرک ☆ بنوں ☆ ٹانک

☆ ڈیرہ اسمٰعیل خان ☆ کوئٹہ بلوچستان کی تاریخ

مصنف:

الحاج ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ (نشانِ گجرات)

ملنے کا پتہ:

یاسر اکیڈمی بالمقابل گلی سیشن کورٹ کچہری روڈ گجرات

فون نمبر:- 0433:602350-602150

نام کتاب: "پشاور سے کوئٹہ تک"

ناشر: یاسر اکیڈمی بالمقابل سیشن کورٹ کچہری روڈ گجرات

فون: 0433-602350-602150

سن اشاعت:-------------------2003ء

قیمت:-----------------------300 روپیہ

کمپوزنگ: مون کمپوزنگ سروس، ضلع کچہری گجرات

مطبع: رفاعی پرنٹرز عقب مزار حضرت داتا صاحبؒ لاہور

ٹائٹل: ایم۔اے ربانی، سرکلر روڈ گجرات پازیٹو: عابد حسین

سرورق

چنیوٹ میں حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر کی چلہ گاہ ڈیرہ اسمٰعیل میں حضرت پیر عبد الطیف بخاریؒ کا مزار سدرہ شریف ڈیرہ اسمٰعیل میں حضرت عبداللہ شاہؒ کا مزار ڈیرہ اسمٰعیل خان میں لعل ماڑہ کے کھنڈرات، گھمکول شریف کوہاٹ میں حضرت زندہ پیرؒ کا مزار، ہنگو میں پکی مسجد، ایمن آباد کے قریب ضلع گوجرانوالہ میں حضرت شیخ عبدالنبیؒ کا مزار، باجوڑ سکاؤٹ گوکھٹڑی پشاور کا مغربی دروازہ، باب خیبر

ترتیب

انڈکس: پشاور سے کوئٹہ تک

بویلہ شریف

تاریخ 20.1.2003

برادرِ عزیزِ مَن سلامت!

السلامُ علیکم! خط ملا! حال معلوم ہوا،

رب جی پاک!

مخلوق کو زندگی کا بیڑا پار ہونیوالی
ادا پاک عطا فرمائی جائے

آمین ۔

قبلۂ حاجات حضرت غلام سرور کی طفیل
ہو دعا مقبول مرشد اپنا کیواسطے

فقط والسلام بقلم خود :

المرسلہ : مُحَمّد حفیظ اللہ دُعا گو صاحبزادہ مُحمد رفیق اللہ

محبّ الفقر: حاجی ایم زمان کھوکھر صاحب

السلام علیکم:

میری اور صابری سلسلہ کے اولیائے کرام کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں جو آپ کو اپنے حضور بلا لیتے ہیں۔ مالک صدقہ حضور مخدوم پاک مہربانی فرمائیے گا (آمین) اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو،

دعا گو

شمیم صابر صابری مستند اراء

صابری دربار کلس شریف

نزد ملک وال ضلع سرگودھا

30/6/2003

اولیائے کرام کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں

دنیا کا کوئی خطہ اولیائے کرام سے خالی نہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کے بعد اولیائے کرام نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اللہ کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلا رہے ہیں۔ میری اور حاجی ایم زمان کھوکھر کی ملاقات بھی ان اولیائے کرام کی وساطت سے ہوئی جنہوں نے باطنی طور پر مجھے یہ فرض سونپا کہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اولیائے کرام کے آستانوں پر حاجی ایم زمان کھوکھر کی حاضری کرواں تاکہ دامن کوہ میں اولیائے کرام کے بارے کتاب تحریر کرسکیں چنانچہ زمان کھوکھر تین بار ڈیرہ اسمٰعیل خان آ چکے ہیں۔ ہم دونوں اولیائے کرام کے پروانوں نے قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات اولیائے کرام فقراء کے حضور حاضری دی بالخصوص لمبے مزارات جن میں بیشتر مزار انبیاء کرام مرسلین ان کے خلفاء، غازیوں اور شہداء کے ہیں پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے علاوہ ٹانک، قبائلی علاقہ جات کے سفر کئے۔ بزرگان دین کے کارنامے اکٹھے کر کے کتاب پشاور سے کوئٹہ تک کی زینت بنائے۔ بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ اسلام کے اولین نقوش دامن کوہ میں ہیں۔ ان ہی رستوں سے گزر کر اللہ کے نیک بندوں برصغیر پاک و ہند اور دور افتادہ علاقہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان برگزیدہ ہستیوں کے آستانے مخلوق خدا کے لئے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کام ایسے ہی نہیں

گا جس کو اولیائے کرام منتخب کر لیں ۔ یہ سعادت اس کے حصہ میں آتی ہے ۔ حاجی ایم زمان کھوکھر نے وطن عزیز کے کونے کونے میں اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری دے کر فوٹو حاصل کیے اور ان کے بارے لکھا ۔ اولیائے ہند کے حضور حاضری کے لئے چھ بار ہندوستان کے تکلیف دہ سفر کئے ۔ راہ حق کے رستے بڑے کٹھن ہوتے ہیں جن کو ایم زمان کھوکھر نے خندہ پیشانی سے قبول کیا ۔ ان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ ارض مقدس میں دو بار حاضری دے کر حجاز مقدس کا روحانی سفر اور ریاض الجنت جیسی بلند پایہ کتب تحریر کر چکے ہیں ۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ حاجی ایم زمان کھوکھر کو ہمت اور صحت دے ۔ وہ اولیائے کرام کے بارے لکھتے رہیں اور ہم ان کی تحریروں سے مستفید ہوتے رہیں ۔

محمد شریف سپرنٹنڈنٹ واپڈا
پیسکو ڈویژن فورٹ روڈ ڈیرہ اسمٰعیل خان (صوبہ سرحد)
تاریخ 15/7/2003

زمان کھوکھر نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا

وطن عزیز کی سرزمین کو دریاؤں چشموں، ندی نالوں اور آبی گزرگاہوں نے اپنی تحویل میں لے رکھا ہے۔ ٹھنڈے میٹھے پانی کی فراوانی کی وجہ سے یہاں کئی تہذیبیں پروان چڑھی۔ ان تہذیبوں کے آثار ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آئے روز اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوتی ہیں کہ فلاں علاقہ میں زیر زمین سکے اور قیمتی نوادرات پائی گئی ہیں۔ زمان کھوکھر ملک بھر میں قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر حاضری دے کر کوائف اکٹھے کر کے اب تک آٹھ کتابیں تحریر کر چکے ہیں ان کی نویں تصنیف "پشاور سے کوئٹہ تک" ایسے پر پیچ اور خطرناک علاقہ کے بارے میں جو ملکی قوانین سے بالاتر ہیں میری مراد قبائلی علاقہ جات سے ہے۔ زمان کھوکھر نے ان خطرناک علاقوں میں کئی طویل سفر کر کے اس علاقہ کے بارے تاریخ مرتب کی ہے جن کے بارے میں ہم بے خبر ہیں۔ اسلام کے اولین نقوش اس خطہ میں پائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے دامن سے نکلنے والے چشموں کے قریب اللہ کے نیک بندوں کی مراقبہ گاہیں اور انبیاء کرام ان کے خلفاء کی طویل قبریں کے بارے ایم زمان کھوکھر نے پہلی بار پردہ اٹھایا ہے۔ مجھے بھی کئی بار ایم زمان کھوکھر کے ہمراہ دور افتادہ علاقوں میں تباہ شدہ بستیاں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ گرمی ہو یا سردی برسات کے موسم اور سفری مشکلات کی پرواہ کئے بغیر ایم زمان کھوکھر نے تحقیق کا کام جاری رکھ کر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ آنے والی نسلیں مستفید ہوتی رہیں گی۔

سید مسعود پرویز شاہ ماہر نوادرات شاہدولہ روڈ گجرات مورخہ 30/6/2003

دین مصطفیٰؐ کے پروانوں کا خادم

گجرات کی علمی، ادبی اور روحانی شخصیت الحاج ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ نے اپنی زندگی بندگان خدا کی خدمت کے لئے وقف کردی ہے۔ بچپن سے ہی دین مصطفیٰؐ کے پروانوں کے مزاروں پر حاضری دے کر عقیدت کے پھول نچھاور کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات زندگی اور کرامات تحریر کر کے قارئین کی نذر کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے بعض برگزیدہ بندوں کے بارے پہلی بار قلم اٹھایا ہے جن کے مزار صدیوں سے مخلوق خدا کے لئے مینار نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حاجی ایم زمان کھوکھر ہر فریضہ پوری محنت، لگن اور خلوص سے سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ کام وہی سرانجام دے سکتا ہے جس کے دل میں عشق الٰہی ہو۔ الحاج ایم زمان کھوکھر کو اللہ تعالیٰ نے ہمت، حوصلہ اور جذبہ ایمان سے ہمکنار کیا ہوا ہے۔ ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی خدمات کے بارے جتنا بھی لکھوں کم ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہمت دے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور دین محمدؐ کے پروانوں کے بارے لکھتے رہیں اور ہم ان کی تحریروں سے مستفید ہوتے رہیں۔ میں اس انمول شخصیت کو صرف لفظوں کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے ان کے اس عظیم کارنامے پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ ان کے کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

میاں محمد اشرف میگزین ایڈیٹر روزنامہ جذبہ گجرات

ملک دے معروف مؤرخ، نامور محقق، بے مثال ادیب، قانون دان صحافی جناب الحاج ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ نشان گجرات دی معرکتہ الآرا کتاب "پشاور سے کوئٹہ تک" کا مختصر منظوم تعارف

نتیجۂ فکر: فقیر اثر انصاری فیض پوری

سنو! اعلان ضروری بھائیو
ہوئی کتاب اے پوری بھائیو

لکھی کتاب زمان کھوکھر نے
دتی سوغات زمان کھوکھر نے

پنڈ روپٹیاں دی ایس لائی
لائی اپنی نیک کمائی

قریہ قریہ جا کے ایہنے
سفر دے دکھ اٹھا کے ایہنے

جمع چا معلومات اے کیتی
علماں دی گل بات اے کیتی

رب دی زمیں تے جو وہایا
قوماں نے جو عمل کمایا

نیکاں نوں مل گئی چنگیائی
لعنت بھیڑیاں دے ول آئی

بستیاں جویں آباد ہویاں سن
کر ترقی شاد ہویاں سن

کنج گمراہی ولے مڑیاں
بھیڑیاں دے سنگ بھیڑیاں جڑیاں

آیا تد ے عذاب الٰہی
دتا کر خراب الٰہی

نیکاں نیک سن عمل کمائے
رب نے اجر عطا فرمائے

دین دنی وچ عزت مل گئی
مرن دے بعد بہشت مل گئی

نیکاں دا اج ناں قائم اے
چنگیاں دا اج تھاں قائم اے

قبراں اُتے بلدے دیوے
جھلدے آکے رانجھے کھیوے

ونڈدے پئے نیں جگ وچ مہکاں ہر جا گر تے چہکاں ٹہکاں
لنگر جاری ہر آستانے کھاندے اپنے تے بیگانے
زمان کھوکر نے آہر کیتا اے مولا بیڑا پار کیتا اے
لمے پینڈے ایس مکائے قصے ولیاں دے سنائے
جتھے جتھے قبر ڈٹھی اے نیکاں دی جو خبر ڈٹھی اے
کر تحقیق بیان سنائے سوہنے جیہے عنوان بنائے
ایس مؤرخ حد مکائی نویں اچرج گل سنائی
فوٹو ہر صفحے تے لائے بیٹھاں حالے لکھ چھپوائے
کوہ دے دامن تائیں تکیا پھر پھر کے زمان نہ اکیا
قدیمی تے تاریخی تھاواں ڈیرے لائے نیں اولیاواں
روحانی فیض ولی ورتاندے سوہے ساوے چولے پاندے
پشاور دے شہ زور قبیلے باجوڑ ایجنسی دے انکھیلے
مہمند ایجنسی گن کے دسی خیبر ایجنسی من کے دسی
اورکزئی ایجنسی تکی طبع مصنف دی نہ اکی
کرم ایجنسی ڈٹھی جا کے بنوں ٹانک نظر اٹھا کے
ڈٹھا شمالی وزیرستان ایتھوں دے وسنیک پٹھان
جنوبی وزیرستان علاقے ڈٹھے ایم زمان نے جا کے
ڈیرہ اسماعیل خاں تکیا کتے نہ ایہہ مصنف تھکیا
کلاچی تے پنیالہ بھائی سب دی اڈ اڈ گل سنائی
پشاور دی تاریخ دہرائی اج دے دن تک جو دہائی

لے کے آدم توں اج تائیں
ولیاں نے ایہہ ملیاں تھائیں

بالا حصار قلعے دے حالے
کر کے ونڈ زمان وکھالے

صوبے سرحد دیاں سب تھاواں
ہین پرانیاں گزرگاواں

درّے گن زمان بتائے
پہاڑ دریا نے سب سمجھائے

انگریزاں آ کے ظلم کمائے
ایہناں دے حقوق دبائے

نیک ماواں نے پتر جائے
کلمہ پڑھ کے ددھ پیائے

اوہناں حق دے نعرے لائے
ایتھوں سن انگریز نسائے

جویں جویں تاریخ ہے بیتی
ایم زمان نے رقم ہے کیتی

حق باطل دے معرکے ہوئے
لڑ دے کویں بہادر موئے

سب دی ہے تفصیل بتائی
درّے خیبر تھیں دنیا آئی

حملے آور قافلے آئے
کرن تجارت تاجر دھائے

نبی ولی سب ایتھوں آئے
وہناں دے ایس راہ وکھائے

بنوں دے تاریخی خاکے
ہندے رہے نیں جویں دھماکے

کافرکوٹ دی سب کہانی
دیس کھنڈراں دی زبانی

کوئٹے بلوچستان چہ جاکے
قدماں دے نقوش وکھاکے

تاریخ دا شیشہ ہے وکھایا
جویں جویں ہے حال دہایا

کوہ سلیمان دا حال سنایا
تخت سلیمان داذکر دہرایا

کوہاٹ توں لے کے ٹل تک بھائی
چھوٹی لائن انگریز بنائی

چشمے تے دریا نے ایتھے
منظر پر فضا نے ایتھے

پارہ چنار اے رنگ رنگیلا
ایہہ علاقہ اے انکھیلا

انگریزاں ایہنوں بڑا سراہیا چھوٹا لندن نام رکھایا
سب تفصیل زمان بتائی ہر صفحے تے مورت لائی
سائز تنی چھتی تے سولاں جی کردا کتاب میں کھولاں
علم ادب تاریخ خزانہ یاد رکھے گا کل زمانہ
لائبریری دا حُسن ودھاؤ اج ای لکھ کے خط اک پاؤ
یا سر اکیڈمی نے چھپوائی گجرات دے وچوں ملدی بھائی
سیشن کورٹ دے لاگے ہیگے علم دے بھرے پراگے ہیگے
کچہری روڈ نوں بھُل نہ جانا ایتھے زمان ہے مردر بانا
اللہ پاک نے کرم کمایا کملیؐ والے دا ایہہ سایہ
لکھ کتاباں ڈھیر لگاندا لا کے پلّہ ہے چھپواندا
آثر دی ڈھااے ارتا کے ملیا وچ گجرات دے جا کے
آثر نے اپنے گھر بلایا سر دے اُتے تاج رکھایا
گل طلائی ہار وی پائے گن کے گُن سارے سمجھائے
نیک نامی دی سند عطائی کیتا پیش ایوارڈ اک بھائی
اثر نے نظم طویل بتائی شیشے دے فریم جڑائی
لائکاں ایس فریم چہ لائیاں ایم زمان دے پیش ٹکائیاں
کیتے پیش انمول نذرانے آثر نے مہر پیار خزانے
اجے نہ حسرت پوری ہوئی ہر ویلے مجبوری ہوئی
جی کردا میں تولاں ایہنوں سونے دے نال تولاں ایہنوں
ایہدے ناں تے پنڈ وساواں زمان دی نگری نام رکھاواں

جناب حاجی محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ
کی تحقیقی کاوشوں کے اعتراف میں

دعوت فکر جہاں ہے ایم زمان کھوکھر کی ذات
سرِ معمولاتِ انسانی ہیں ان کی کاوشات
سوچ کو مہمیز ہے ان کی کتابوں کا چلن !
زندگی آموز ہے ان میں لکھی ہر ایک بات
چشم بینا کے لئے مدفون تہذیبوں کے راز
ان کتابوں کی خصوصیت سے ہیں یہ موضوعات
جن پہ ٹوٹا تھا کبھی قہر خداوندی یہاں
بستیوں کے مرگھٹوں کی چند ہیں یہ باقیات
جن سے دنیا حاجتیں اپنی طلب کرتی رہی !
کیا کوئی باقی بچا بھی ہے یہاں لات ومنات ؟
دفن یہ زیرِ زمیں نازاںؔ گواہ ہیں بستیاں
چاہتا ہے جس طرح کرتا ہے ربّ کائنات

ازاں پرویز حیدر آصف (نازاں سید)
مصنف "معجزہ قرآن" سوسن نازاں
ناظم اعلیٰ ادارہ علمی ترویج القرآن
معین الدین پور گجرات

10/7/2003

درصفت محقق ادیب وصحافی ایڈووکیٹ حاجی ایم زمان کھوکھر گجرات

پڑھو صلےٰ علیٰ محمدؐ تائیں رب وچ قرآن فرماوندا اے
ولی غوث قطب ابدال ہرکوئی کملیؐ والے دا نام چتاردا اے
ایڈووکیٹ محمد زمان کھوکھر نشان گجرات دی آن دا اے
سہرا اُٹھاں کتاباں دا سرا ایہدے ایہنوں جان دا ادب جہان دا اے
کتے حجاز مقدس دے سفر اندر ما سفر اے عالی سرکارؐ دا اے
گھوڑا قلم دا تیز رفتار ایہد ا محقق نوگزے مزار دا اے
درتے آیاں نوں خالی نہ موڑ دا اے کسے اعلیٰ اے خاندان دا اے
وانگ شہد دے مٹھی زبان ایہدی قاری بنیا اے پاک قرآن دا اے
وکیل ہوکے قلم دی جنگ لڑ دا چنڈیا کسے اے خاص انسان دا اے
کاتب اولیاء پاک وہند دیاں عظمتاں دا خادم بڑیلے شریف سرکار دا اے
پنجاب سندھ تے بلوچستان اندر اولیائے کرام دے بوئے کھڑکاوندا اے
پیراں فقیراں دیاں کتے درگاواں اُتے قطبے ناواں دے پیا سجاوندا اے
کتے تاریخ گجرات دی رقم کردا کچھ تصویراں کتے کتاب سجاوندا اے
کدی سیالکوٹ توں لے کے توڑ خیبر حال پچھد اہر مزار دا اے
روحانی لوکاں دی رہیندا تلاشِ اندر واقف تباہ شدہ بستیاں دے حالِ زار دا اے
تھکدا نئیں اے سفری شہزادہ کرم ایہدے تے رب غفار دا اے
گھوڑا قلم دا موڑ لے یار ارشی وقت ہوگیا استغفار دا اے
تیرے ورگیاں عاصیاں وحشیاں نوں کرم شاہ رحمت داواجاں مار دا اے

بابا ارشی گجرات

انتساب

میں اپنی نگارشات محمد شریف صاحب

سپرٹنڈنٹ واپڈا ڈیرہ اسمٰعیل خان اور

جناب خالد یوسف صاحب انجینئر پشاور کے نام نامی

اسمِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں

جن کی پرُ خلوص کوشش اور راہنمائی سے پشاور' کوہاٹ'

بنوں' ڈیرہ اسمٰعیل خان' کوئٹہ

کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تاریخ مرتب ہوئی۔

حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

زمین کے اُوپر اور نیچے کی دُنیا

مجھے ایسا لگا جیسے کوئی شخص تپتے ہوئے صحراؤں کی خاک۔ چھاننے کیلئے نکل کھڑا ہوا ہے اور گم گشتہ تہذیبوں کے نقوش پا تلاش کرتے کرتے ریت پر اپنے قدموں کی تصویریں بھی چھوڑتا چلا جارہا ہے۔ زمین کے نیچے تیل کی دریافت کرنے والوں کی کوشش بھی اِسی طرح کی ہوتی ہوگی، مگر اُس سے تو تجوریاں بھری جاسکتی ہیں جبکہ روحانی دولت کے ڈھیروں کو تلاش کرنے و:لا زمان کھوکھر کوئی تاجر نہیں۔ وہ تو اہلِ دُنیا کو خاکِ شفا دے کر اُن میں طمانیت بانٹ رہا ہے۔ وہ تو زمین کے اُوپر بسنے والوں کو زمین کے نیچے آباد دُنیا سے متعارف کروارہا ہے۔ زمان کھوکھر کی یہ کتابیں ایک آئینہ ہیں۔ جس میں زندہ لوگ اپنی صورتیں دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کہیں وہ اس سرزمین کی مٹی تو پلید نہیں کررہے۔

سیف الرحمٰن سیفی

(وزیراعظم ادبی ایوارڈ)

مورخہ: 31-12-2002

گوجر خان ۔ بزم ذکر حبیب ﷺ ۔شاخ ادب لاہور" ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں ہفت روزہ آئینہ بھی ان کی ذہنی کاوشوں کا آئینہ دار ہے جسے گزشتہ 15/16 سال سے گجرات سے شائع کر رہے ہیں لکھنے کا ان کا جذبہ اور شوق آج بھی جوان نظر آتا ہے جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ عرصہ 15 سال سے ہفتہ وار چھٹی گھر پر گزارنے کی بجائے ملک بھر میں پھیلی دینی درگاہوں، اولیاؤں کے مزارعات اور علمی شخصیات کے بارے میں تحقیق وجستجو پر صرف کرتے ہیں۔ان کے لکھنے کا عمل آج بھی جاری ہے۔اگر ان کی تحقیق،سفر،لکھائی اور کتابوں کی اشاعت کا حساب لگایا جائے تو خوش گوار حیرت سامنے آتی ہے کہ ایم زمان کھوکھر صاحب سونے،آرام کرنے اور کھانے کا ٹائم ٹیبل اپنی زندگی سے خارج کر چکے ہیں۔چند دن پہلے ان کے چیمبر ضلع کچہری گجرات میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ضلع شیخوپورہ کے درویش صنف لکھاری جناب فقیر اثر انصاری فیض پوری صاحب کے دیدار کا بھی موقع ملا جن کے ہاتھوں زمان صاحب کی نئی کتاب "ریاض الجنت" کی رسم بسم اللہ ادا ہوئی۔اس موقع پر راقم کے علاوہ المیر ٹرسٹ لائبریری کے بانی اور تاریخ جلالپور جٹاں کے مصنف جناب عارف علی میر ایڈووکیٹ بھی موجود تھے۔میرے نزدیک ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ایک ایسی ولی پرست اور انسان دوست شخصیت کا نام ہے جو ہر لمحہ دوسروں کی بھلائی کی خاطر سوچتا ہے۔۔انسان کو پستی سے اُٹھا کر اُسے اس اصلی مقام دلانا مجھے ان کے دلی منشور کا حصہ لگتا ہے۔زمان کھوکھر بزعم خویش اور دولت کے زور پر بڑا کہلانے والوں سے نفرت کی حد تک دور بھاگتا ہے۔سادگی اور سچائی اس شخص کی پہچان ہے۔۔ غریبوں کو انصاف دلانا ان کی زندگی کا ماٹو ہے ان کی وکالت اور سیاست نے اسی نظریے کے گرد گھوم کر انہیں خاکسار بنا دیا ہے۔میرے نزدیک ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ دردوں کی جاگیر کا ایک وارث ہے جو ہر غریب کے درد کو ایسے محسوس کرتا ہے جیسے اس کا اپنا درد ہو۔غریبوں کے درد کو اپنا جانتا اور گردانتا ہے۔ میں ان کامیاب زندگی کے لئے دعا گو ہوں۔

غفور اسلم گجرات

انہوں نے روحانی، تاریخی اور قدیمی مقامات پر مشتمل اپنی کتب گجرات تصاویر کے آئینے میں، گجرات تاریخ کے آئینے میں لکھنے کا معرکہ سر کیا۔ کتاب کو علمی، ادبی، تعلیمی اور صحافتی حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی ان حلقوں کی آشیر باد کی بدولت ایم زمان کھوکھر نے اپنے ذوق مطالعہ کی روشنی میں روحانی اور درگاہی ادب کے کھوج کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا جن کے شوق فراواں کی بدولت ان کی تیسری اور جامع کتاب "سیالکوٹ سے خیبر تک" منظر پر آئی۔ جن میں نارووال، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، منڈی بہاؤالدین، جہلم، چکوال، راولپنڈی، سرگودھا، خوشاب، اٹک، نوشہرہ، میرپور، مظفرآباد اور درہ خیبر کے علاقہ جات میں تاریخی واقعات کے علاوہ نوگز لمبے مزارعات کے بارے میں مکمل تفصیل درج ہے۔ 600 صفحات پر محیط یہ کتاب جو 1997ء میں شائع ہوئی ایک بار پھر قومی پریس کے تبصروں میں نمایاں جگہ کی حامل مصنف کی کاوش تھی۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا ہے کہ ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کچھ بیمار رہنے لگے۔ لیکن اللہ کی ذات، اس کے پیغمبروں، ولیوں، اولیاؤں اور فقراء کی ذات اور کرامات پر یقین محکم کا کہنے والی اس شخصیت نے اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زندگی کی مہلت مانگی کہ وہ اپنی ذات کی بجائے دین حق کے پروانوں کی خدمات پر کام کرنا چاہتا ہے۔ اس پرخلوص انسان کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ اللہ کا نام لے کر دینی ادب پر کمربستہ ہونے والے اس شخص کو ڈاکٹروں کی نشان زدہ بیماریوں نے خیرآباد کہہ دیا پھر کیا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار۔ گندھارا تہذیب تصاویر کے آئینے میں۔ خطہ یونان گجرات۔ جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات۔ اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان، دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی۔ حجاز مقدس کا روحانی سفر۔ گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں۔ پشاور سے کوئٹہ تک۔ چلتے چلاتے سلسلہ وار ۸ ویں اشاعت قارئین کے ہاتھوں میں تھی۔ زمان کھوکھر صاحب کی تمام کتب پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ اور بڑا دقیع طلب کام ہے۔ اس وقت ان کی سلسلہ وار چھٹی کتاب "اولیائے ہند اور مسلمانوں کی عظمت کے نشان (دہلی کی کہانی۔ تصاویر کی زبانی) اور ہندوستان میں قدیمی روحانی مقامات کے علاوہ مسلمان حکمران کی تعمیر کردہ عمارات اور یادگاریں میرے زیرنظر ہے۔ یہ کتاب

جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اولیائے ہند، دوسرا حصہ مسلمانوں کی عظمت کے نشان اور تیسرا حصہ دہلی کی کہانی کتاب کے سرورق پر تاج محل آگرہ، روضہ پاک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف، روضہ مبارک حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کلیر شریف، مقبرہ صفدر جنگ دہلی، مقبرہ شہنشاہ ہمایوں دہلی، قطب مینار دہلی اور لال قلعہ دہلی کی تصاویر پر نمایاں ہیں جن سے تاریخ پر انوار رکھنے والے اپنے اسلاف کے کارناموں اور اولیائے ہند کی دینی خدمات ان کی آنکھوں کے سامنے باب درباب نظر آتی ہیں جس سے تاریخ میں دل چسپی رکھنے والے طالبعلموں کو بھی پیغمبروں اور اولیاؤں کی ہندوستان آمد اور دین اسلام کی خاطر ان کے کارہائے نمایاں کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی اس عظیم کاوش کے حصہ دوم پر جو مسلمانوں کی عظمت نے نشان اور حکمرانوں کی زندگیوں پر مشتمل ہے سے ہمیں اپنے اسلاف کی تاریخ کے نمایاں پہلو نظر آتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق گم گشتہ میں جھانکنے کے لئے زمان صاحب نے اپنی وساطت سے ہمیں جو مواقع فراہم کئے ہیں اس کے لئے ہمیں ان کا احسان مند ہونا چاہیے کیونکہ ذاتی مفادات کی اس دنیا میں گھر بار کو چھوڑ کر اور سفر کی تکالیف اٹھا کر جامع تاریخ مرتب کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اسی باب میں جن حکمرانوں پر قلم اُٹھایا گیا ہے اگرچہ ان کی تفصیل بہت لمبی ہے لیکن میں ان میں سے چیدہ چیدہ حکمرانوں کے ناموں کا ذکر کروں گا جن میں سلطان التمش، رضیہ سلطانہ، سلطان ناصرالدین محمود شاہ۔ سلطان غیاث الدین بلبن، خلجی خاندان کے بانی جلال الدین فیروز شاہ خلجی، سلطان محمد بن تغلق، فیروز شاہ تغلق، سلطان بہلول لودھی، شہنشاہ نصیرالدین ہمایوں، آدھے دن کا بادشاہ نظام سقہ، شیر شاہ سوری، شہنشاہ ہند اکبر بادشاہ، ہندوستان کا انجنیئر بادشاہ ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہان، شاہ جہاں کی لاڈلی بیٹی جہاں آرا بیگم، دنیا کی حسین ترین عمارت تاج محل آگرہ، اورنگ زیب عالمگیر، موتی مسجد، بہادر شاہ ظفر، محمد شاہ رنگیلا، کوہ نور ہیرا تاج ہندوستان سے تاج برطانیہ تک، سید خاندان کا تاریخ ہند میں عروج و زوال، والی میسور حیدر علی اور سلطان فتح علی ٹیپو شہید قابل ذکر ہیں۔ حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ جو اپنے کام اور کارکردگی کی بدولت ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی شناخت اور مقام رکھتے ہیں جس کی بدولت "نشان گجرات۔ میرِ کلاں ایوارڈ

درگاہی ادب کا عظیم لکھاری ر ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

تاریخ کے طالب علم اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ دنیائے تاریخ میں بڑے بڑے لوگ ہمیشہ گوشہ گمنامی سے تاریخ عالم میں اپنے کام کی بدولت نام چھوڑ گئے۔ اس ضمن میں تاریخ، سائنس، سیاسیات، بادشاہت، عدل وانصاف، قانون، تجارت، سیاحت اور ایسے ہی بے شمار شعبہ جات ہیں جن میں مذکورہ لوگوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ایسے ہی افراد میں سے سوہنی کی دھرتی ایک جہد مسلسل کے سپوت ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ بھی ہیں جنہوں نے درگاہی ادب میں نمایاں کام کر کے اپنا نام عظیم لکھاریوں میں درج کرالیا ہے۔ راقم کی زمان صاحب سے شناسائی لگ بھگ 1970ء سے ہے۔ مجھے ان کا وہ دور اور شوق صحافت بھی یاد ہے جب وہ ہفت روزہ "ذوالفقار" گجرات کے ایڈیٹر ہوتے تھے۔ گجرات کے نامور صحافی اور معتبر سیاستدان جناب مسعود سرور راٹھور نے ہفت روزہ ذوالفقار اپنے قائد جناب ذوالفقار علی بھٹو کی محبت اور سیاسی عقیدت کی بدولت ان کی زندگی میں جاری کیا۔ زمان کھوکھر اس دور میں اپنے آبائی گاؤں بڑیلہ شریف میں رہتے تھے لیکن آگے بڑھنے اور نام پیدا کرنے کا جذبہ ان کے اندر اسی دور میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا تھا۔ ان کا گاؤں سے آکر شہر کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لینا ان کے شوق نمو کی عکاسی کرتا تھا۔ ایک انقلابی لیڈر کی حیثیت سے ان کی عوامی خدمات آج بھی تاریخ کا قابل تقلید حصہ ہیں۔ انہوں نے اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ جدوجہد کے اس پیکر نے ناسازگار حالات کے باوجود بڑیلہ شریف کو بالآخر خیر باد کہہ کر ضلع کے صدر مقام پر ڈیرے ڈال لئے۔ صحافت کے ساتھ ساتھ اس شخص نے پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کیا اور اسی طرح ایل ایل بی کر کے گجرات بار کی رکنیت اختیار کر کے گجرات کے مایہ ناز قانون دان، لکھاری، سیاح، مرد درویش اور ہر دل عزیز شخصیت جناب خواجہ محمد احسن کے جونیئر کے طور پر وکالت کا آغاز کیا۔ لحہ بہ لحہ اور سال بہ سال آگے بڑھتے اس شخص نے جہاں صحافت کے ساتھ اپنا رابطہ بحال رکھا وہاں زمان صاحب کی بڑیلہ شریف کی روحانیت سے گوندھی مٹی سے اٹھنے والے خمیر کی جلوہ نمائی کا ظہور اس وقت ہوا جب

میں صدقے جاواں زمان کھوکھر توں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس خود قلم کی قسم کھا رہی ہے اور پھر میرے آقا کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قلم بڑے کام کی چیز ہے اور پھر اس سے بڑھ کر قلم کی حرمت کیا ہو گی اور پھر بہت کچھ ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جو قلم سے وابستہ ہیں فی زمانہ لکھنے والوں کی تعداد ان گنت رہی ہے آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی اگر میں ان اہل قلم کے نام لکھنا شروع کر دوں تو یقیناً ایک نہیں بلکہ کئی ایک کتابیں بن جائیں اور پھر بھی اہل قلم کے نام ختم نہ ہوں مگر آج میں ان اہل قلم سے صرف ایک کردار کو بے نقاب کرنا چاہوں گا کچھ لوگ اسے قانون دان کہتے ہیں اور کچھ محقق کچھ نقاد کہتے ہیں اور کچھ صحافی اور پھر نہ جانے اس کے پس پردہ کتنے اور روپ ہوں گے جن کو ہر آدمی نہیں جانتا یہ تو صرف وہی شخص بتا سکتا ہے بھلا جس شخص کے بارے میں بات چل رہی ہے وہ کون ہے؟ معلوم نہیں تو چلو میں بتائے دیتا ہوں قلم قبیلہ کے لوگ اُسے ایم زمان کھوکھر کے نام سے خوب جانتے ہیں جو آئے روز نت نئی کتاب پیش کر دیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے اس پر کرم دیکھئے کہ وہ کتاب ایک گوہر نایاب کی صورت اختیار کر جاتی ہے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے زمان کھوکھر صاحب کے حوالے سے اپنے کالم میں انہیں ''گجرات کے ماتھے کا جھومر'' قرار دیا تھا یقیناً وہ گجرات کے ماتھے کا جھومر ہیں اس لئے تو نشان گجرات کے اعزاز سے نوازے گئے ہیں۔ آج ایک بار پھر میں اس درویش منش انسان کی ادبی خدمات کو سلامی دینے چلا آیا ہوں۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس دنیا سے چلے جانے والوں سے پیار کرتا ہو، ان کی باتیں کرتا ہو، ان کے ساتھ رہتا ہو، ان

کی تعریف کرتا ہو، ان کے ہمراہ راز و نیاز کی باتیں اور زندگی گزارتا ہو یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا کیونکہ اپنے سے تو سبھی پیار کرتے ہیں مگر ہر کسی سے پیار کسی کسی کے نصیب میں لکھا ہوتا ہے اور وہ بھی ان لوگوں سے جو بیگانے بھی ہوں اور اس دنیا سے بھی بہت دور چلے گئے ہوں وہ ایسے انسان کو آپ فرشتہ ہی کہیں گے نیز یہ ایک الگ بات ہے جب اس شخص سے جی بھر کے باتیں کیں تو اس پر پھر کبھی کالم لکھوں گا فی الحال میں آپ کو اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے جس میں یہ ساری کی ساری خوبیاں موجود ہیں جی ہیں یہ وہی ایم زمان کھوکھر ہیں جن کے بارے میں مجھے نہیں بلکہ سب کو بہت کچھ لکھنا ہے لیکن میں اس کے بارے میں کیا لکھوں؟ کیونکہ اہل قلم نے خوب قرض چکائے اور اس کے بارے میں وہ کچھ لکھ ڈالا جو شاید میں لکھوں تو شاید اس کے معیار پر پورا نہ اُترے حقیقت تو یہ ہے کہ ایک درویش اور فقیر منش انسان کے بارے میں نشتر زنی کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں اور پھر ایسے شخص کی شخصیت پہ قلم اٹھانے سے قبل بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب مجھے ایم زمان کھوکھر صاحب نے اپنی کتاب ارسال کی تو میں نے سمجھا وہ انسان نہیں کوئی جن ہے، جن نہیں کوئی فرشتہ ہے مگر دل ناداں نے کہا وہ نہ تو جن ہے اور نہ ہی فرشتہ بلکہ وہ تو ایک انسان ہے ایک عام سا آدمی ہے پھر آپ بھی اس سے ملکر دیکھیں مزہ آئے گا۔ مگر وہ تو انسانوں سے محبت کرتا ہے اور پھر ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ اور آقا کملی والے کے دین پر قربان کر دیں اور لوگوں کو فلاح کا درس دیا اور پھر جب ایم زمان کھوکھر ایسے ہی اللہ والوں سے محبت کی انتہا کرتا چلا جاتا ہے تو حجاز مقدس کا روحانی سفر گجرات تاریخ کے آئینے میں گجرات تصاویر کے آئینے میں سیالکوٹ سے خیبر تک اولیائے ہند اور مسلمانوں کی عظمت کے نشان جیسی کتابیں جنم لیتی ہیں جن کو پڑھ کر انسان ایک مرتبہ اس روحانی دنیا میں سفر کرنے لگتا ہے جہاں بس اللہ والوں کے بسیرے ہیں مگر جب ایم زمان کھوکھر کی سلسلے وار اشاعت کی آٹھویں اشاعت ''گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں'' سامنے آتی ہے تو پھر بے ساختہ قلم اُٹھ جاتا ہے اور وہ'' میں

صدے جاواں زمان کھوکھر توں'' جیسا خوبصورت کالم لکھ ڈالتا ہے۔

ایم زمان کھوکھر کی روحانی ادب خدمات کا اعتراف یوں تو زمانے بھر میں ہونے لگا ہے مگر میرے کم تر علم کے مطابق حکومت پاکستان کی جانب سے ان کی روحانی ادبی خدمات کا اعتراف نہ جانے ابھی تک کیوں نہیں کیا گیا میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ادب کو لوٹنے والوں کو تو ایک مجموعہ یا کتاب لکھنے پر ہی حسن کارکردگی جیسے ایوارڈ سے نواز دیا جاتا ہے مگر وہ لوگ جو اصل میں اس ایوارڈ کے حقدار ہوتے ہیں وہ پردہ سکرین سے غائب...... آخر کیوں؟ انہی لوگوں میں ایم زمان کھوکھر بھی شامل ہیں جنہیں میرے خیال میں ان کا حق نہیں دیا گیا...... معاف کیجئے گا میں کسی اور جانب چل نکلا تو بات ہو رہی تھی جناب ایم زمان کھوکھر کی نئی کتاب ''گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں'' یہ کتاب بھی حسب روایت روحانی علمی خزانوں سے مالا مال ہے اس کتاب کو موصوف نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی گجرات کی روحانی شخصیات تباہ شدہ بستیاں اور آپ کا خط ملا اس کتاب کا ہر حصہ ایک مکمل کتاب ہے روحانیت سے تعلق رکھنے والوں کیلئے یہ کتاب کسی گوہر نایاب سے کم نہیں 616 صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب ہمیں دعوت فکر دے رہی ہے کہ مجھے پڑھو اور سبق حاصل کرو، عبرت پکڑو ہو سکتا ہے آپ کی بگڑی سنور جائے۔

''گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں'' کی اشاعت پر میں کھوکھر صاحب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سیلوٹ پیش کرتا ہوں اور حکمرانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان کی تمام تر کتابیں ملک بھر کی ادبی بیٹھکوں کیلئے منظور کرتے ہوئے ان کی مالی معاونت کرے تا کہ ہماری روحانی علمی پیاس بجھانے والی یہ شخصیت اور بھی معرکے سر کرے اور کامیابیاں اس کا حقدار ٹھہریں جی تو چاہتا ہے کہ زمان کھوکھر کی ادبی خدمات کے اعتراف میں کوئی کتاب لکھ ڈالوں مگر ہم تو خود فقیر لوگ ہیں ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ورنہ میں قلم کے اس عظیم جرنیل کے فن اور شخصیت پر کوئی نہ کوئی کتاب مرتب ضرور کرتا اور پھر ادب کو لوٹنے والوں پر یہ ثابت کر دیتا کہ آج بھی زمانے میں بے لوث ادبی خدمات دینے والے

موجود ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے روحانی شخصیات کے حوالے سے زمان کھوکھر کی کاوشوں کی میں کارِعظیم ہی قرار دوں گا کیونکہ وہ ادب کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں لوگوں کو حق کی راہ دکھا رہے ہیں اور ہمارے جیسے گناہگاروں کی سوچوں کا رخ بدل رہے ہیں روحانی علمی ادبی پیاسوں کی پیاس بجھا رہے ہیں اور بچھڑنے والوں سے اپنی عقیدت اور محبت کو اَمر کر رہے ہیں اس لئے تو میں کہتا ہوں ''میں صدقے جاواں زمان کھوکھر توں'' مگر کالم ختم کرنے سے قبل میری اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ زمان کھوکھر کو اور بھی طاقت عطا فرمائے تاکہ وہ تاحیات پوشیدہ روحانی شخصیات کو بے نقاب کرتا رہے۔ (آمین)

محمد یعقوب فردوسی

پی او چک نمبر 2 شمالی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

مورخہ: 27-09-2002

واجب الاحترام جناب الحاج ایم زمان کھوکھر صاحب ایڈووکیٹ ''نشانِ گجرات''

گلہائے محبت و اسلام شوق ملاقات (آئینہ گجرات) موصول ہوا۔ بڑا کرم کہ آپ نے میری کتاب ''شیشۂ نازک'' کی خبر آئینہ میں لگائی بہت بہت شکریہ!

آپ کی عطا کردہ آپ کی تصنیف لطیف گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں۔ زیر مطالعہ ہے۔ میں تو تاریخ اور ادب کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ اِتنی استعداد نہیں رکھتا کہ کتاب ہذا کے اسلوب و بیان پر اظہارِ خیال کروں۔ یہ بہت مشکل مرحلہ ہے۔ اظہارِ خیال تو صحیح طور پر اُس صورت میں کر سکتا ہوں۔ جب میری استعدادِ علم صاحب کتاب سے زیادہ ہو یا کم از کم برابر ہو۔ ایسی کوئی بھی صورت نہیں۔ البتہ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ کتاب اپنے قاری کو اپنے حصار میں لئے رکھتی ہے۔ پہروں مطالعہ کرتے رہیں تو جی اُچاٹ نہیں ہوتا اور معلومات میں ہر صفحہ اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ ملک کے طول و عرض کی سیر گھر بیٹھے آدمی کر سکتا ہے۔ ہزاروں سال کی بکھری ہوئی اور گم شدہ داستانیں پڑھ کر انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کسی شاعر کا یہ مصرعہ ؎ ''خاک میں کیا صورتیں ہونگی! جو پنہاں ہو گئیں'' یاد آتا ہے۔ تو اُس مالک الملک کی کبریائی کا احساس اور شدت سے ہوتا ہے اور سرِ نیاز خود بخود جھک جاتا ہے۔ اگر کوئی انسان آپکی اس تصنیف کو اس انداز اور نظریے سے پڑھے کہ ہزاروں سال کی یہ دبی ہوئی اور ذہنوں سے محو ہوئی داستانیں ہمیں کیا کہہ رہی ہیں ہمیں کسی کی کبریائی کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔ کسی کے متصرف کل ہونے کا اعلان کر رہی ہیں۔ تو اس مادہ پرستی کے دور میں پتہ نہیں کتنوں کی اصلاح ہو جائے۔

دوسرے مذید حیرت واستعجاب میں ڈوب ڈوب جاتا ہوں کہ اُس خالق کائنات نے بیک وقت آپ کو کن کن خصاص اور اخلاص سے نوازا ہے کہ فکر معاش الگ اور ذوقِ آ گہی اس نقطہ کمال تک کہ تحقیق وترویج میں اپنی کارتک فروخت کردی اور بندگان خدا کی گمشدہ تاریخ کو منظر عام پر لانے کے لئے قریہ قریہ پہاڑ وریگ زار تک چھان مارے۔ مجھے یہاں بھی یہ کہنے میں ذرا بھر تعامل نہیں کہ اس کام کے لئے آپ کو کسی نادیدہ طاقت نے منتخب فرمایا اور "اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" کی مصداق ہستیوں کے متصرف من اللہ نادیدہ نفوص قدسیہ آپکے ہمراہ تھے اور آپ کے ہمراہ ہیں۔ ورنہ آج کے دور کا انسان جسے روٹی، کپڑا اور مکان کے جھنجٹ میں اہل اقتدار نے ایسے جکڑ رکھا ہے کہ علم کو پڑھنا علم حاصل کرنا، علم سیکھنا ایک ثانوی حیثیت بن کے رہ گیا ہے۔

اہل مغرب جسے ہم غیر مسلم قرار دیتے ہیں وہاں یہ عالم ہے کہ اگر کسی نے ایک سوئی کے نقے کے برابر کوئی ایجاد یا تحقیق کی ہے۔ تو اُسے فکر معاش سے آزاد کر دیا گیا ہے اور حکومت وقت اُس کے ہر معاملات زندگی کی ذمہ داری لے لیتی ہے۔ اُسے پر سکون ماحول اور ضروری ذرائع بہم پہنچائے جاتے ہیں کہ وہ شخص ہر فکر حیات سے بے نیاز ہو کر اپنا تحقیقی کام جاری رکھ سکے۔ مگر یہاں اہل قلم و تحقیق کو مرنے کے بعد خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے اور اُس کے نام کے لیبل کو استعمال کر کے خود کھانے پینے اور عیاشی کے مواقع تلاش کئے جاتے ہیں۔ سیمینار مقرر کئے جاتے ہیں صرف اپنی شہرت کے لئے اہل تحقیق و قلم یہاں کسمپرسی کے عالم یں سسک سسک کر دن سے رات اور رات سے دن کرتے ہیں۔ مگر کوئی دیکھنے والا نہیں۔ ایک غریب شب وروز کی محنت شاقہ سے اپنے بچہ کو ایف۔ اے یا بی۔ اے تک کی تعلیم دلاتا ہے تو اس کے لئے باعزت نوکری نہیں۔ افسر شاہی نے پورے ملک میں دو طبقاتی نظام پیدا دیا ہے۔ جس میں اِن وڈیروں لوٹ مار کرنے والوں اور چور دروازوں سے وزارتوں تک پہنچنے والے لوگوں کے بچوں کیلئے نصاب تعلیم الگ بیرون ملک آزادانہ آتے جاتے رہنے کی سہولتیں اُن کو سیاست کے گُر وپیچ سکھائے جاتے ہیں تاکہ وہ مغرب کی

سان پر تیز ہو کر آئیں اور آ کر اپنے ملک میں رہنے والی اپنی قوم کی رگیں کاٹیں اور اُن رگوں سے بہنے والا خون خود بھی چاٹیں اور اپنے مغربی آقاؤں کو بھی تحفہ کے طور پر بھیجیں۔

شاعر ہوں مجھے آتا ہے دُکھ میں بھی ہنسانا

غربت کے نظر آتے جو آثار بدلتے

اصل موضوع سے ہٹتا جا رہا ہوں۔ مقصد تو آپکی سعئ جمیلہ کا بہ صمیم قلب و تعمق اقرار کرنا تھا اور حوصلہ افزائی تھی۔ مگر دل آخر دل ہے پتھر نہیں کہ زندگی کی ان ناہمواریوں پہ تڑپ نہ اُٹھے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ آپ جیسے مورخ وہ محقق ارضیات کو بمعہ بچوں کے فکر معاش سے حکومت وقت بے نیاز کر دے۔ اِتنا زیادہ اور کھلا وظیفہ مقرر کرے کہ آپکو اپنے اور اولاد کے رہن سہن بود و باش کی فکر نہ رہے۔ ایک اعلیٰ درجے کی گاڑی ہو پٹرول آپ کیلئے ہر پٹرول پمپ پر فری ہو اور آپکے ذمے صرف اور صرف یہی تحقیق و ترویج کا کام ہو۔ مگر ہائے قسمت! کوئی اہل دل حکمران ہو۔ ادب کا داعی ہو ادب نواز ہو سخن شناس ہو۔ بہرحال آج آپکی اس مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے ایک غریب شاعر حاضر ہے اور دل کی گہرائیوں سے آپکے اس سارے قزیئے پر آپکو اسلام پیش کرتے ہوئے صرف اور صرف آپکی خدمت میں چند اشعار کے پھولوں کا گلدستہ پیش کرتا ہے۔ ”گر قبول افتد زہے عز و شرف“

جہاں میں اہل قلم ہیں بہت! بہت ہونگے

زمان! تجھ سا قلم زد! کہیں نہیں دیکھا

ہزاروں سال کی تاریخ اُجالنے کے لئے

جنون ایسا ہو سر پر! کہیں نہیں دیکھا

سلام تجھ پہ! جلائے ہیں تو نے ایسے چراغ

ہوا کے دوش پہ دھر کر! کہیں نہیں دیکھا

جو نکلے سینہ سپر ہو کے رزم دنیا میں

ہو جان ہتھیلی پہ رکھ کر کہیں نہیں دیکھا

وہ جسکا اشک فشانی پہ دل پگھل جائے
جہاں میں کوئی بھی دلبر کہیں نہیں دیکھا
جو جانثاروں کی پچھلی قطار میں ہوا میر
وہ جائے معرکہ سرکر! کہیں نہیں دیکھا
حیاتِ نوجسے کہتے ہیں قبل موتو ہے
فغاں! کہ ہم نے تو مرکر کہیں نہیں دیکھا
نصیرجسکا خدا ہو عطا ہو مہرعلی
رہے جہاں میں وہ بے پر! کہیں نہیں دیکھا
اے دوست دوستی نازک فقیر سے کر لو
کہو گے ایسا بھی زرگر! کہیں نہیں دیکھا

دعاؤں کے ساتھ اجازت:

محمد اشرف کپور صراف المعروف نازک کنجاہی خاکسارِ گولڑہ
سرپرست بزم غنیمت کنجاہی مین بازار کنجاہ (ضلع گجرات)
مورخہ: 09-01-2003

پشاور سے کوئٹہ تک

مصنف: حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

گجرات تصاویر کے آئینے میں۔ گجرات تاریخ کے آئینے میں۔ سیالکوٹ سے خیبر تک۔ پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار۔ گندھارہ تہذیب تصاویر کے آئینے میں۔ خطہ یونان گجرات۔ جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات۔ اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان۔ حجاز مقدس کا روحانی سفر۔ گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں کے بعد راقم کی تحریر کردہ نویں کتاب پشاور سے کوئٹہ تک آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب پشاور۔ درہ آدم خیل۔ کوہاٹ۔ ہنگو۔ ٹل۔ بنوں۔ ٹانک۔ کراچی۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور کوئٹہ کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات جو آنکھوں دیکھا حال جو سفر ناموں پر مشتمل ہے اسلام کے اولین نقوش کے آثار اس خطہ میں ہیں۔ اس سفر نامہ کی ابتداء پشاور سے کی گئی ہے پشاور دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے یہ کئی بار اُجڑا کئی بار آباد ہوا شمال مغرب کی جانب سے آنے والے حملہ آوروں کا پہلا پڑاؤ۔ جو اسے اُجاڑتے بھی رہے دوسرے اسے آباد کرتے رہے آئندہ نسلوں کے لئے امانت کے طور پر چھوڑ دیا۔ یہ شہر وسطی ایشیائی ممالک اور غیر منقسم ہندوستان کے درمیان ہمیشہ ایک اہم موڑ رہا ہے۔ قدیم مذاہب کی کتابوں ویدوں۔ پرانوں۔ جین مت۔ بدھ مت۔ آتش پرست ہندو شاہیہ قدیم ایران اور یونان کے تذکرہ نگاروں اور تاریخوں میں اس شہر کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتاب مہابھارت جس میں کورو پانڈوں کی جنگ کا حال درج ہے اس کتاب کے ہیرو پانڈوں کی ایک پارگاہ 800 قبل مسیح پنج تیرتھ کے آثار قدیمہ کے قدیم ترین آثار میں شمار کی جاتی ہے جس کا قیام پاکستان کے بعد حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے دریائے باڑہ کا پانی روزہ ہضم اور صحت کے لئے مفید تھا۔ کتاب میں پشاور کے مشہور سولہ دروازے کا تذکرہ کیا گیا ہے مشہور روحانی شخصیات بہلول دانا۔ حضرت بری شاہ لطیفؒ کی بیٹھک حضرت سخی شاہ مردانؒ۔ حضرت ستار شاہؒ بادشاہ۔ حضرت

شاہ ولی قتالؒ۔ حضرت شاہ قبول اولیاءؒ حضرت سرکار میراں بادشاہؒ حضرت سید کریم شاہ بخاریؒ۔ حضرت شیخ جنید باباؒ۔ حضرت سید میر ہمانی شاہؒ۔ حضرت شاہ رسولؒ پیر حضرت شادی پیرؒ۔ سید فضل حق " صاحبزادہؒ۔ حضرت پیر دست بہ دستؒ۔ حضرت آغا سید ضیا جعفریؒ۔ حضرت شیخ حبیبؒ۔ تکیہ نوشاہاوی پیرؒ۔ اللہ داد غازیؒ۔ قاضی مظہر علی شاہ المعروف مراد شاہؒ بابا کریم شاہ بخاریؒ سلطان شاہ غازیؒ سید شاہؒ کے علاوہ دوسرے اولیاءکرام مشہور چیلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جناح پارک۔ نذر باغ۔ وزیر باغ۔ شاہی باغ۔ قلعہ بالا حصار۔ اسلامیہ کالج۔ مسجد مہابت خان شاہ جی دیاں ڈھیریاں گور گھٹڑی۔ ککڑ ککڑی دی قبر۔ پری چہرہ۔ مقبرہ بی بی جان مندر کالی مائی۔ چوک یادگار۔ گھنٹہ گھر کے علاوہ دیگر مشہور مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پشاور کے قریب درہ آدم خیل کی کہانی۔ کوہاٹ کا تاریخی پس منظر۔ قلعہ کی کہانی مشہور عجب خان کا کردار مشہور چشمے۔ حضرت حاجی بہادرؒ۔ گمگول شریف میں آستانہ عالیہ زندہ پیر کے بارے تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بنوں تاریخ کے آئینے میں بنوں میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات قلعہ کی کہانی۔ آبی گزرگاہوں آکرہ کے کھنڈرات مشہور دروں کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے قبائلی علاقوں جنوبی وزیرستان شمالی وزیرستان ٹانک کا جائزہ لیا گیا ہے اور قبائلی علاقہ جات کا تعارف پیش کیا گیا ہے مشہور درے اور وادیاں کے علاوہ قبائلی علاقوں میں نوگز لمبی قبروں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اسلام کے اولین نقوش کے آثار بھی یہاں پائے جاتے ہیں اس خطہ نے برصغیر کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ تخت سلیمان کی کہانی، درہ گومل کی تاریخی اہمیت جو برصغیر افغانستان کے درمیان رابطہ کا ذریعہ تھا ڈیرہ اسماعیل خان دریائے سندھ کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے اپنے اندر کئی داستانیں لئے ہوئے ہے ڈیرہ اسماعیل خان میں مغرب کی جانب کوہ سلیمان جسے وادی دامان کے نام سے پکارا جاتا ہے ڈیرہ اسماعیل کے گردنواح لاتعداد اولیائے کرام کے مزارات ہیں کلاچی میں روحانی مقامات کے علاوہ پہاڑوں کے دامن میں اولیائے کرام کے آستانے جہاں سے رشد ہدایت کی کرنیں پھوٹیں جن کی روشنی سے برصغیر منور ہوا حملہ آوروں کی گزرگاہ انڈس

ہائی وے کے گردنواح مشہور شہروں کا تاریخی پس منظر ڈیرہ اسماعیل خان پہاڑ کی چوٹیوں پر کافر کوٹ کے کھنڈرات بلوٹ شریف بل اور بل کے کھنڈرات کوٹلہ لوہ بار ، پنیالہ شریف کے علاوہ ڈیرہ اسماعیل خان میں نوگز لمبے مزار کے علاوہ اولیائے کرام حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری ثم دامانی ، قطب الاولیاء حضرت خواجہ عثمان دامانی ، حضرت خواجہ محمد سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) ، حضرت خواجہ غلام قاسم صاحب نمبوہ شریف ، امام المشائخ حضرت شیخ امام محمد رضا نوحانی زکوڑیؒ ، حضرت شیخ امام محمد حسن جیو صاحبؒ المعروف حضرت لالہ صاحب زکوڑی شریف ، حضرت شیخ امام محمد عبدالقادرؒ صاحب نوحانی زکوڑی ، حضرت پیر محمد عبداللطیفؒ نوحانی زکوڑی ، حضرت خواجہ محمد امیر قدس سرہٗ اٹلوی (اٹل شریف) ، حضرت خواجہ شمس الدینؒ اٹلوی ، حضرت مولانا مقیم الدین صاحب (ممریز والے) ، حضرت حافظ خدایار کوٹ جائی ، مولانا غوث محمد صاحبؒ بڈھ ، پیر سید بادشاہ الجیلانی القادریؒ سیدرہ سریف ، حضرت مولوی غلام حسین صاحبؒ ملقب بہ میاں جی صاحب نقشبندی ، جناب مولوی فتح محمد صاحبؒ چودھوان ، میاں عبدالغفارؒ اخوندزادہ چودھوان ، مولوی محمد حیاب صاحبؒ نقشبندی ، حضرت مولوی احمد صاحبؒ ، حضرت سلطان احمد سخوؒ ، حضرت سلطان اللہ دادؒ صاحب ، حضرت سید شاہ مراد صاحبؒ لنڈا شریف ، حضرت شاہ حسین شیرازی صاحبؒ جمعہ شریف ، حضرت سید احمد شاہ جلال آبادیؒ ، حضرت پیر لعل شاہؒ ماڑھا ، حضرت سلطان نور محمد موچیؒ ، حضرت سلطان میاں حسین (رودنہ) ، حضرت خاکی شاہ قلندرؒ ، حضرت جہاں خان فقیر منگل زئی ، حضرت میاں محمد پناہؒ (کلاچی والے) ، قطب العارفین حضرت خلیفہ محمد بارانؒ (کلاچی) ، حضرت پیر عبداللطیف شاہ بخاریؒ ، حضرت منور شاہ صاحبؒ ، حضرت شیخ بہاؤالدین صاحبؒ ، حضرت شیخ یوسف صاحبؒ ، حضرت فقیر سائیں لعل دین نقشبندیؒ مندھرہ شریف ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ ، حضرت حافظ خیر محمد صاحبؒ ، حضرت فقیر نور محمد سروری قادری (کلاچی) ، حضرت فقیر عبدالحمید سروری قادریؒ ، حضرت فقیر گل احمد صاحبؒ پہاڑپوری ، حضرت شاہ عیسیٰؒ بلوٹ شریف ، حضرت پیر عبدالوہاب زہدالانبیاء ، حضرت حاجی باباؒ پنیالہ ، حضرت بابر ید

انصاریؒ پیر روشنی، بابا فقیر ملکھنہ (ٹانک روڈ)، حضرت سراج الدینؒ (مدرسہ نعمانیہ)، شاہ اصحاب، شیخ یعقوب، مالو بابا، ولی چاچڑ، حاجی متی ینگا کا ذکر کیا گیا ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے ایک سڑک کوئٹہ کی طرف جاتی ہے وادی کوئٹہ میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات کے علاوہ اہم تاریخی واقعات آبی گزرگاہوں قدیم شاہراؤں کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے کتاب میں مشہور مقامات کی رنگین تصویریں اور ہر مضمون کے ساتھ اس مقام کا فوٹو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بھی میدانوں میں تحقیق مکمل کر کے لکھی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں قبائلی اور پہاڑی علاقوں کے علاوہ پشاور درہ ارم خیل کوہاٹ بنوں ٹانک جنوبی وزیرستان ڈیرہ اسماعیل خان کلاچی اور کوئٹہ کے لیے سفر کیے گئے۔ اس بات کا مشاہدہ کیا متذکرہ شہر کیسے معرض وجود میں آئے۔

باجوڑ ایجنسی مہمند ایجنسی خیبر ایجنسی جنوبی وزیرستان ایجنسی کرم ایجنسی کے دور آفتادہ پہاڑی علاقوں میں سفر کر کے معلومات اور فوٹو حاصل کیے۔ کوہاٹ ہنگوٹل کے بارے وہاں گھوم پھر کر معلومات حاصل کیں چھوٹی ریلوے لائن بھی دیکھی چھوٹی لائن پر چلنے والے چھوٹے ڈبوں کے فوٹو حاصل کیے۔ دریاؤں چشموں آبی گذرگاہوں کا مشاہدہ کیا۔ جن کے کناروں پر قدیمی شہر آباد ہیں۔ ان آبی گذرگاہوں کے کنارے اللہ کے نیک بندوں کے مزار ہیں۔ جنہوں نے اپنی ساری زندگی رشد وہدایت کیلئے وقف کیں۔ آج بھی ان نیک لوگوں کے مزاروں پر مخلوق خدا حاضری دے کر دینی دنیاوی فیض حاصل کر رہی ہے۔ انگریز دور کے تعمیر کردہ قلعے اس علاقہ کے حریت پسندوں کی داستانیں راقم کیے ہوئے ہیں۔

اظہار تشکر

پشاور سے کوئٹہ تک کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے پاکستان کی مغربی سرحد افغانستان کی پہاڑوں کے دامن انڈس ہائی وے کے قریب مشہور شہر پشاور، کوہاٹ، بنوں ٹانک، ڈیرہ اسماعیل خان کوئٹہ میں قدیمی، تاریخی، روحانی مقامات کی مختصر سی تاریخ ہے یہ سلسلہ وار نویں اشاعت ہے۔اس کتاب کے مرتب کرنے کیلئے تین بار ڈیرہ اسماعیل ٹانک کئی بار پشاور، کوہاٹ بنوں، کوئٹہ کے مطالعاتی دورے کئے۔فوٹو اور معلومات حاصل کی۔ پہاڑی علاقوں کا سفر اُکتا دینے والا سفر ہوتا ہے۔ میدانی علاقوں بالخصوص پنجاب میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی پررونق شہر آباد ہیں لیکن ڈیرہ اسماعیل خان بنوں کوئٹہ میں میلوں تک آبادیوں کے نام ونشان نہیں ہیں البتہ جہاں کہیں پانی کی گزرگاہ ہے وہاں چھوٹے بڑے شہر آباد ہیں سرحد کے قبائلی علاقوں کا اپنا ایک مزاج ہے۔ یہ لوگ مہمان نواز ہونے کے علاوہ قوم پرست ہیں بیشتر علاقے انتہائی پسماندگی سے دو چار ہیں۔ فرنگی سامراج کے خلاف جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔کئی قوم پرستوں نے سامراجیوں کو ناکوں چنے چبوائے جن کے کارناموں پر تاریخ فخر اور ناز کرتی ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں چھوٹے اور بڑے درے ہیں۔ ان دروں کے راستے حملہ آور اور تجارتی قافلے گزرتے رہے اسلام کے اولین نقوش بھی اس سرزمین پر پائے جاتے ہیں اس علاقہ کی تاریخ مرتب کرنے کیلئے راقم نے مختلف راستوں سے سفر کئے۔تاکہ ان علاقوں کے بارے زیادہ سے زیادہ معلومات مہیا ہو سکے۔اس کتاب کے مرتب کرنے کے لئے ڈیرہ اسمٰعیل کی علمی ادبی روحانی شخصیت محمد شریف کا پُرخلوص تعاون ہمیشہ یاد رہے گا جنہوں نے ڈیرہ اسمٰعیل اور گرد ونواح گومنے پھرنے کے لئے گاڑی مہیا کی۔اور اس علاقہ کے بارے درجنوں کتب کی فوٹو

کا پیاں کرا کے راقم کے حوالے کیں۔ نایاب کتب مہیا کیں دورانِ سفر وہ اس علاقہ کا پسِ منظر اور تاریخ بھی بیان کرتے جاتے۔ بالخصوص اولیائے کرام کے بارے ان کے پاس معلومات کا خزانہ ہے بیشتر مقامات کے بارے ٹیلیفون پر راہنمائی فرماتے رہے میری دُعا ہے اللہ تعالیٰ اُنہیں اجرِ عظیم دے (آمین)۔ پشاور کے سول انجینئر خالد یوسف کا بھرپور تعاون میرے ساتھ رہا جب بھی پشاور کے دورے پر گیا اُنہوں نے ٹانگہ، کار، اور موٹر سائیکل مہیا کیا اور قدم قدم پر میرے ہمراہ رہے اور پشاور کے بارے معلومات فراہم کرتے رہے میں ونگ کمانڈر خالد جاوید کا بھی ممنون اور مشکور ہوں بنّوں کے دورہ کے لئے سہولتیں مہیا کیں میں ڈیرہ اسمٰعیل کے محمد نواز کا بھی شکرگذار ہوں جو دورافتادہ علاقہ کے مطالیاتی دورہ پر بہترین کارڈرائیونگ کرتے رہے دراین کے دورہ پر راستہ میں شدید قسم کی ژالہ باری سے ہمیں اور کار کو بھی محفوظ رکھا ان کے علاوہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ڈاکٹر محمد خالد محمود، قیوم نواز، مرزا جمال احمد چشتی نظامی، کڑی شموزی کے مولانا ضیاالحق نقشبندی پنیالہ شریف کے دسار خان کا بھی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے میرے اعزاز میں پرخلوص دعوتوں کا اہتمام کیا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اسرار قادری کا بھی خراجِ تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے ٹانک اور جنوبی وزیرستان کے لئے اپنی گاڑی مہیا کی اور دورہ افتادہ پہاڑی علاقہ میں میرے ساتھ رہے۔ میں جمشید افضل کھوکھر کا بھی ممنون اور مشکور ہوں جو کتب کی ترتیب اور پیسٹنگ کرتے رہے اور انتھک محنت کی۔ آخر میں میری تحریر کردہ کتب پڑھنے والوں کا ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے لاتعداد حوصلہ افزائی کے خطوط لکھے۔ قومی اخبارات اور رسائل کے مالکان اور ان کے نمائندگان کا بھی شکرگذار ہوں جنہوں نے بروقت کتب پر شاندار بہترین الفاظ میں تبصرے شائع کیے اور میری محنت کی داد دی۔ میری آئندہ شائع ہونے والی کتب ریاض الجنت جو کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سرزمین حجاز مقدس کے بارے میں ہے۔ گوجرخان کہوٹہ میں اولیائے کرام قدیمی، تاریخی، روحانی مقامات تیسری کتاب جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے حضورؒ جو والیے ہند کے نام سے مشہور

ہیں کے بارے میں ہے۔ جو راقم نے ان کے عرس ہائے مبارک کے موقع پر اجمیر شریف بھارت میں دو دفعہ حاضری دے کر معلومات حاصل کیں۔ یہ کتابیں عنقریب شائع ہو رہی ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو خواجہ غریب نواز سے جو دلی عقیدت ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ عرس مبارک کے موقع پر پورے بھارت سے بیس لاکھ عقیدت مندوں کی حاضری عجیب منظر پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری یہ محنت قبول فرمائیں۔ مجھے جو ڈیوٹی سونپی گئی ہے راقم نے یہ فرض دل کی گہرائیوں اور عقیدت سے نبھایا ہے۔ تمام کتب موقع پر جا کر حاضری دے کر تحقیق کر کے تحریر کی ہیں۔

میں زر قیاز خان بی اے جن کا تعلق للی بھرت آکرہ ضلع بنوں سے ہے کا ممنون مشکور ہوں جنہوں نے آکرہ کے کھنڈرات کے بارے دورہ کے دوران رہنمائی اور لمبے مزاروں کے بارے معلومات اور فوٹو مہیا کئے پارہ چنار پریس کلب کے صدر اور عظمت علی علیزئی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کرم ایجنسی پارہ چنار کے بارے مواد اور فوٹو ارسال کئے۔ سید سلیمان یوسف، ہارون کلر لیب گجرات نے بہترین فوٹو تیار کر کے دیئے، ٹھیکیدار محمد رفیق، خادم حسین کا ممنون ہوں جنہوں نے کوہاٹ میں قیام کا اہتمام کیا۔ روحانی شخصیت جناب حنیف حنفی تکیہ میر کلاں چنگا میرا گوجر خان بابائے ادب فقیر اثر انصاری فیض پور خورد ضلع شیخوپورہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو میری راہنمائی فرماتے رہے۔ عائشہ ذوالفقار منیر احمد جلالپور جٹاں شکریہ کے مستحق ہیں جو مواد فراہم کرتے رہے۔ پیر شاہد الحسن المعروف مہر شاہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ دھمہ شریف گوجر خان سائیں امجد محمود پھروال دولعل گوجر خان خالد بٹ ریلوے روڈ گوجر خان میاں سعید پگانوالہ گجرات عدیم سیالوی ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کا شکر گزار ہوں جو دورہ آفتادہ مطالعاتی دوروں کا اہتمام کرتے رہے۔ آخر میں ایک بار پھر ڈیرہ اسمٰعیل خان کی روحانی علمی ادبی شخصیت محمد شریف سپرنٹنڈنٹ واپڈا پیسکو ڈویژن فورٹ کا ممنون و شکر گزار ہوں جنہوں نے پشاور سے کوئٹہ تک کتاب کے لئے بھرپور مواد مہیا کیا۔

الحاج محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ نشان گجرات

مورخہ: 30-06-2003

سفرنامے

پاکپتن شریف کا روحانی سفر

راقم نے ۱۸ جولائی تا ۲۴ جولائی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ کے عرس مبارک میں شرکت کی۔ دہلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ، حضرت امیر خسرو اور دوسرے تمام بڑے بڑے اولیاء کرام کی درگاہوں پر حاضری دی۔ اسی دوران راقم کو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی نے پاکپتن حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی درگاہ پر حاضری کا حکم دیا۔ راقم دہلی میں ہی تھا کہ ڈپٹی کمشنر پاکپتن سلیم شیر افگن کیانی نے راقم کے گھر



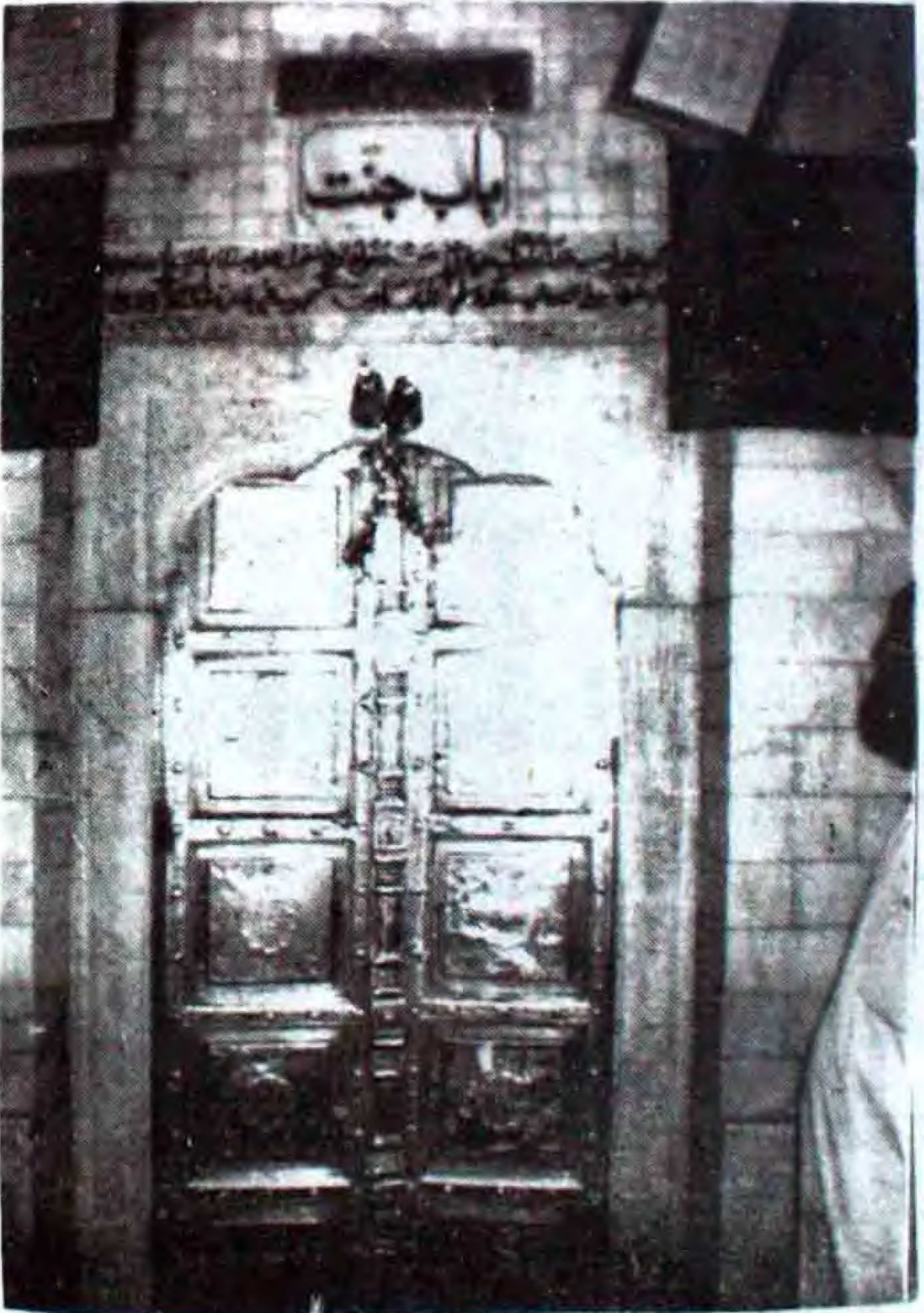
حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مزار کا اندرونی منظر



پاک پتن میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام منسوب
قطب الدین بختیار کاکیؒ چوک

فون پر پاکپتن آنے کی دعوت دی یہ قطب صاحبؒ اور محبوب الہی کی کرامت تھی۔ حاجی محمد اکرم مستان سے (جو ہر ہفتے داتا صاحب کے حضور اور پاکپتن باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں) راقم نے ان کے ساتھ حضرت بابا فرید کے در پر حاضری کر پاروگرام بنایا۔ انہوں نے جمعرات ۳ اگست دو بجے گاڑی لیکر آنے کا وعدہ کیا مقررہ وقت پر حاجی محمد اکرم مستان محمد رخسار قادری صابری اور محمد اکرم نظامی، غلام رسول راقم کے دفتر ضلع کچہری پہنچ گئے۔ اولیائے کرام کے دیوانوں کا یہ قافلہ یا فرید یا فرید حق فرید کا ورد کرتا ہوا پاکپتن شریف کے روحانی سفر پر روانہ ہوا۔ مغرب کے قریب حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانہ پر حاضری دی ضیاء الحق مرحوم نے مسجد داتا دربار اور نواز شریف شہباز شریف نے داتا کمپلکس تعمیر کر کے

عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے رات ایک بجے پاکپتن حضرت عبداللہ علمدار المعروف عزیز مکیؒ کے آستانہ پر پہنچے اسلامی مہینے کی پہلی جمعرات کی وجہ سے پاکپتن میں زائرین کا بہت زیادہ رش تھا۔ عزیز مکی کی درگاہ پر زائرین کے قافلے حاضری دینے کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے حضور حاضری دیتے ہیں۔ پاکپتن شریف کے بازاروں گلیوں میں بسوں ویگنوں کاروں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں رات اڑھائی بجے کے قریب درگاہ شریف بابا فرید



باب جنت

" پہنچے۔ درگاہ کے احاطہ صحن، بازار اور گلیوں میں ہر طرف زائرین اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کر رہے تھے۔ بابا صاحب کے مزار بہشتی دروازے اور حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے حجرہ کے ارد گرد انسانوں کا ایک سمندر تھا۔ چلنے کیلئے مشکل سے راستہ مل سکا صابر کے چاہنے والے جوق در جوق حاضری دے رہے تھے۔ ایک طرف نعت خوانی ہو رہی تھی تو دوسری طرف سماع کی محفلیں حمد و ثناء بیان کر رہی تھیں۔ یا فریدؒ حق فریدؒ کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ رات کے پچھلے پہر حاضری مکمل ہوئی تو چند گھنٹوں کے لیے محلہ عیدگاہ میں رانا سیف اللہ کے ہاں قیام کیا۔ پاکپتن کے رہنے والوں میں خلوص و محبت کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے مہمان نوازی کو فخر سمجھتے ہیں ان ہی جذبات کا اظہار رانا سیف اللہ نے کیا۔ محمد سعید مدرس بھی سرزمین پاکپتن کے بارے راقم کو معلومات فراہم کرتے رہے۔ سلیم شیر افگن کیانی ڈپٹی کمشنر پاکپتن کو مطلع کیا کہ ہم رات گئے درگاہ میں پہنچ گئے تھے۔ درگاہ سے معلوم ہوا کہ سلیم شیر افگن کیانی ابھی ابھی بابا فریدؒ کے حضور حاضری دے کر گئے ہیں۔ جب ہم دفتر پہنچے تو سلیم شیر افگن کیانی ہمیں خلوص اور محبت سے ملے۔ وہ اولیاء کرام سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے ہیں۔ اسی لگن کی بناء پر انہوں نے چوک بختیار کاکیؒ میں شاندار یادگار تعمیر کی ہے پاکپتن شہر میں یہ خوبصورت یادگار حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے مرشد پاک حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ دوسرے چوک کا نام غوث اعظمؒ کے نام سے منسوب کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے انہوں نے الفرید ڈسٹرکٹ پبلک ہائی سکول پاکپتن کا اجراء کیا اس منصوبے پر 70 لاکھ کے قریب لاگت آئی ہے۔

ڈپٹی کمشنر کمپلیکس، دفاتر اور عدالتوں کا حال ہی میں افتتاح ہوا ہے۔ یہ کمپلیکس ڈیڑھ کروڑ روپے کی لاگت سے تعمیر ہوا ہے سلیم شیر افگن کیانی پہلے ڈپٹی کمشنر ہیں جو نئے دفتر میں منتقل ہوئے ہیں۔ تمام دفاتر خوبصورت اور دیدہ زیب ہیں سلیم شیر افگن کیانی کو بابا فرید سے بہت زیادہ عقیدت ہے وہ اکثر و بیشتر رات گئے حاضری دیتے رہتے ہیں۔ بطور ڈپٹی کمشنر انہوں نے پاکپتن کو چار چاند لگا دیے ہیں درگاہ کی جامع مسجد کی تعمیر، عرس کی تقریبات



حاجی ایم زمان کھوکھر پاکپتن میں درگاہ حضرت بابا فرید بہشتی دروازہ کے قریب دعا مانگ رہے ہیں

کے علاوہ ہفتہ وار اور ماہانہ تقریبات پر خصوصی دھیان دیتے ہیں تاکہ کوئی بد نظمی پیدا نہ ہو۔ انہوں نے میاں محمد رمضان منیجر اوقاف کو فون پر مطلع کیا کہ گجرات سے چند مہمان آئے ہیں انہیں لنگر اور تبرکات پیش کیے جائیں اور خادم درگاہ محمد صدیق بھٹی سے ملاقات کرائی جائے۔ درگاہ میں میاں محمد رمضان ہمارے منتظر تھے انہوں نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ؒ کے روضہ مبارک پر ہماری حاضری کا انتظام کیا اور باب جنت میں خصوصی طور پر ہماری

دستار بندی کی اور تبرکات پیش کیے۔ اس کے بعد ہم نے حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے حجرہ میں حاضری دی جن کا مزار ہندوستان کے شہر کلیر شریف ضلع رڑکی میں ہے وہاں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو عرس مبارک منعقد ہوتا ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ کے عرس کے بعد کلیر شریف میں دوسرا بڑا عرس صابر سرکار کا ہوتا ہے چوکھٹ پر صابر کے چاہنے والوں کی عقیدت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے آپ کا حجرہ مبارک آپ کے روضے کے مطابق تعمیر کیا گیا ہے بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ چوکھٹ کے چاروں طرف شعر تحریر ہیں:

فریدالدین کے گلشن میں ہزاروں پھول کھلتے ہیں...... مہک اٹھا چمن جس سے وہ پیا مخدوم صابر ہیں

جسے جنت سمجھتا تھا وہ کلیر کی گلی نکلی.......... میرے صابر کی چوکھٹ سجدہ گاہ ہر دلی نکلی

کوئی ہو پیر کسی کا مرید رہے.......... میرے نصیب میں سنگ در فرید رہے

حاضری مکمل ہونے کے بعد محمد صدیق بہشتی صابری سے ان کے کمرہ میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا جو عرصہ قریباً بیس سال سے یہاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں گھربار کو خیر آباد کہہ دیا ہے محمد صدیق بہشتی صابری بابا فریدؒ کے خاص خادموں میں ہیں درگاہ میں انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے انہوں نے خصوصی طور پر ہمیں لنگر پیش کیا دعاؤں کے ساتھ الوداع کیا۔ بابا فریدؒ نے جس مقام پر سب سے پہلے قیام کیا وہ مقام گوڈڑی کے نام سے مشہور ہے چاردیواری کے اندر آپ کی نشست گاہ پھولوں سے لدی رہتی ہے۔ دیوار پر یہ عبارت تحریر ہے "یہ وہ جگہ ہے جہاں پر بیٹھ کر آپ نے جادوگر جوگی بشر ناتھ سے مقابلہ کیا اور اسے زیر کر کے حلقہ بگوش اسلام کیا"۔ پاکپتن سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر بابا نانک سر گاؤں ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہ سکھوں کی متبرک جگہ تھی۔ یہاں گردوارہ اور سکھوں کی درس گاہ خستہ حالت میں ہے اسی احاطہ میں حضرت بابا فتح اللہ اور سائیں تلوار شاہ کا مزار ہے۔ مزار کے اندر دیوار آپ کی کرامت کی وجہ سے گھوڑا بن گئی اس گھوڑے کی قبر مزار کے قریب



حاجی ایم زمان کھوکھر حاجی اکرم مستان درگاہ حضرت بابا فرید کے خادم صدیق بھٹی
ہمراہ بیٹھے ہیں۔ محمد صدیق بھٹی عرصہ بیس سال سے درگاہ خدمات سرانجام دے رہیں ہیں۔

ہی ہے۔ واپسی پر دیپال پور شہر دیکھا جو خلجی دور میں پنجاب کا دار لحکومت رہا اس قلعہ نما شہر کے دروازے اور برج خستہ حالت میں ہیں قریب ایک ٹبہ پر تباہ شدہ شہر کے آثار ملتے ہیں۔ یہ ٹبہ دلاور پور کے نام سے مشہور ہے۔ دیپال پور قلعہ کی مکمل تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی مقامات میں درج ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ کے مزار کے قریب حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ کی چلہ گاہ ہے یہاں ون کے پانچ درخت ہیں۔ کئی سو سال گزرنے کے باوجود صحیح حالت میں ہیں چلہ گاہ کے قریب عالی شان مسجد تعمیر کی گئی ہے چلہ گاہ کے دروازے حضرت معصوم شاہؒ کا مزار ہے رات گئے۔ ہمارا قافلہ حق فرید یا فرید کی صدائیں بلند کرتا ہوا۔ روحانیت کے پھول جھولیوں میں ڈالے، واپس گجرات پہنچا۔

تین روزہ روحانی سفر

راقم نے میاں سعید پگانوالہ کے ساتھ سال 1997ء میں پہلا روحانی سفر ہندوستان کے شہر کلیر شریف میں حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے عرس مبارک پر اُنکے ساتھ کیا۔ اس عرس کے موقع پر خواجہ محمد احسن ایڈووکیٹ مرحوم بھی تھے جنہیں اولیائے کرام کے ساتھ بہت زیادہ عشق اور لگاؤ رہا۔ بالخصوص ہندوستان کے اولیائے کرام کے آستانوں پر متعدد بار حاضریاں دیں۔ میاں سعید پگانوالہ کے ساتھ دوسرا روحانی سفر دسمبر 1999ء میں کیا۔ جنوبی پنجاب کے خطہ میں اولیائے کرام کے آستانوں پر جی بھر کر حاضریاں دیں۔ چنیوٹ، چشتیاں اس علاقہ میں دیگر اولیائے



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ۔ میاں محمد سعید پگانوالہ۔ رائے زاہد حسین جرال مزارنجی ؛ سردو



چنیوٹ میں نوگز لمبے مزار پر حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ دعا مانگ رہے ہیں

کرام کے آستانوں پر حاضری کا شدت سے انتظار رہا۔ بالخصوص چنیوٹ کی قدیمی سرزمین میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات دیکھنے کا برسوں سے اشتیاق تھا۔ یہ مسئلہ میاں سعید پگانوالہ نے حل کر دیا۔ راقم کے علاوہ عارف علی میر ایڈووکیٹ، راجہ زاہد حسین جرال، الحاج صوفی غلام حسین نقشبندی، حافظ محمد صدیق قادری، چوہدری شبیر احمد، محمد رشید شریک سفر تھے۔ 10 اکتوبر کو میاں سعید نے یاد دہانی کرائی کہ صبح 4 بجے یعنی 11 اکتوبر کو اس روحانی سفر پر روانہ ہونا ہے۔ تمام دوست مقررہ وقت پر میاں سعید پگانوالہ کے گھر پہنچ گئے۔ میز پر ناشتہ تیار تھا ہلکا پھلکا ناشتہ کیا اور یہ قافلہ روحانی سفر پر روانہ ہوا۔ میاں صاحب نے آرام دہ اور نئی گاڑی کا اہتمام کر رکھا تھا۔ گوجرنوالہ حافظ آباد پنڈی بھٹیاں سے گزرتے ہوئے تقریباً دس گیارہ بجے چنیوٹ پہنچے۔ چنیوٹ میں چوہدری بشیر احمد سابق وائس چیئرمین بلدیہ چنیوٹ ہمارے منتظر تھے جو بڑے خلوص اور محبت سے ملے۔ کھانا تیار ہونے میں چند لمحے تھے۔ اس دوران راقم

نے چنیوٹ میں دو تین نو گز لمبے مزاروں اور حضرت شعبہؒ کے مزار پر حاضری دی اور فوٹو حاصل کئے۔ کھانے کے بعد چوہدری بشیر احمد نے چنیوٹ کی شاہی مسجد دکھائی جو شاہ جہاں کے چہیتے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان نے تعمیر کروائی تھی۔ سعد اللہ خان کا تعلق چنیوٹ کی سرزمین سے تھا۔ مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر ہم نے دریائے چناب اور چنیوٹ کا نظارہ کیا۔ شاہی مسجد دیکھنے کے بعد دنیا کا خوبصورت ترین محل عمر حیات دیکھا۔ یہ محل پانچ منزلہ تھا اب اسکی تین منزلیں رہ گئی ہیں۔ عمر حیات محل



چنیوٹ میں نوگز لمبا مزار



چنیوٹ میں عمر حیات محل

پاکستان کا ہی نہیں بلکہ دنیا کا خوبصورت ترین محل ہے جو آجکل محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ عمر حیات محل نو دس سال میں 1922ء سے 1929ء تک مکمل ہوا۔ محکمہ اوقاف کا ملازم مشتاق اور چوہدری بشیر احمد ہمیں عمر حیات محل کی ایک ایک چیز دکھا رہے تھے۔ آجکل اس محل میں لائبریری بنادی گئی ہے۔ غیر ملکی سیاح عمر حیات محل کو دور دراز سے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ کینیڈا کی ایک سیاح عورت نے کہا اگر حکومت پاکستان یہ محل فروخت کرے تو وہ اسے ہر قیمت پر خریدے گی۔ جاپانی سیاح کے بقول عمر حیات محل پاکستان کے پاس بہت بڑا ورثہ ہے۔ اسے اچھی طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس محل کی خاص بات یہ ہے کہ ہر کمرہ کی تعمیر و ڈیزائین مختلف ہے۔ لکڑی اور چھت کا کام بہت نفاست سے کیا گیا ہے۔ عمر حیات محل کے بارے تمام تفصیل ایک علیحدہ

مضمون میں تحریر کی جائے گی۔ عمر حیات محل دیکھنے کے بعد زائرین کے قافلہ نے حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ کے مزار پر حاضری دی۔ یہ مزار بہت بلند اور عالی شان انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ برہانؒ جن کا وصال 1065ء میں ہوا۔ آپ بہت بڑے ولی اللہ ، درویش ہو گزرے ہیں۔ نواب سعد اللہ خان کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم شاہ جہاں بادشاہ نے آپ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کرا دیا ہے۔ مزار کے اندر تمام کام سنگ مرمر سے ہوا ہے۔ گنبد اور دیواریں سیاہ پتھر سے تعمیر کی گئی ہیں۔ بیرونی دیواروں پر چینی کاری کا شاندار کام ہوا ہے۔ مزار کے باہر کنواں ہے۔ کنواں کا پانی پینے سے ہر قسم کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ کنواں کے پاس تالاب ہے جو اب خشک ہو چکا ہے۔ مزار شاہ برہانؒ پر 12 رمضان کو عرس ہوتا ہے۔ سماع کی محفلیں ہوتی ہیں۔ اس مزار کی خوبی یہ ہے کہ سنگ مرمر کے ایک ہی ٹکڑا کو



چنیوٹ میں بادشاہی مسجد



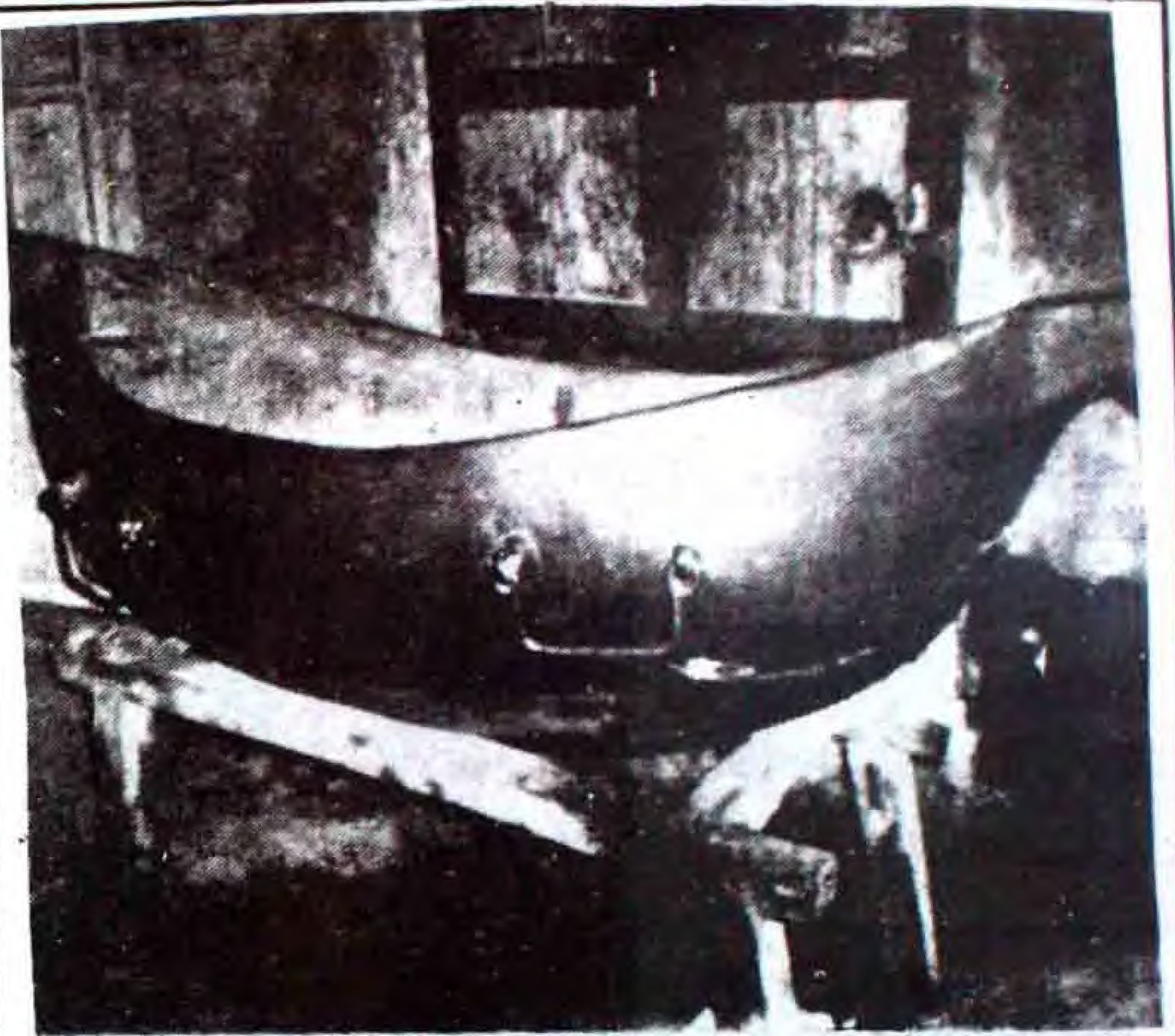
چنیوٹ میں حضرت شاہ برہانؒ کے مزار کا اندرونی منظر۔مزار کا تعویز سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر کو تراش کر بنایا گیا ہے

تراش کر تعویز بنایا گیا ہے۔ جو فن سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہا ہے۔ چنیوٹ کے پہاڑوں کے دامن میں حضرت شیخ احمد ماحی المعروف سائیں سکھ کا بہت ہی خوبصورت مزار ہے۔ قریب ہی سائیں سکھ کی بیوی حضرت مائی عائشہ بی بی کا مزار ہے جن کا وصال 1974ء میں ہوا۔ یہ مزار بھی بہت خوبصورت ہے۔ دونوں مزاروں کے باہر دوہرے برآمدے بنائے گئے ہیں۔ گنبد خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ دریائے چناب کو عاشقاں کا دریا کہا گیا۔ اس دریا کے وسط میں ایک ٹیلہ پر حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر پانی پتی نے بارہ سال چلا کاٹا۔ قلندر سرکار کی چلہ گاہ بہت خوبصورت اور شاندار انداز میں تعمیر کی گئی ہے۔ بابا قائم سائیں نے تعمیرات کی ہیں۔ چوہدری بشیر احمد نے بتایا کہ چلہ گاہ تعمیر کرتے وقت دریا میں کئی فٹ پتھروں کی بھرتی ڈالی گئی۔ چلہ گاہ کے قریب بادشاہی مسجد لاہور کی طرز پر مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

دریائے چناب چلہ گاہ کے قریب ہی بہتا ہے۔ پہاڑوں کے دوسری جانب احمدیوں کا مشہور شہر ربوہ (چناب نگر) دکھائی دیتا ہے۔ وقت کی کمی کے باعث ربوہ نہ جا سکے۔ واپسی پر دریائے چناب میں وادی عزیز کو دیکھا۔ یہاں جنگل میں منگل کا سماں پیدا ہو چکا ہے۔ چنیوٹ میں لکڑی کا عمدہ کام ہوتا ہے۔ روزانہ بارہ کروڑ روپے کا لکڑی کا سامان دوسرے شہروں میں جاتا ہے۔ قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری کے بعد سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کے مزار کے قریب رات بسر کی۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت باہوؒ کے مزار پر حاضری دی اور ڈیرہ غازی خان کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دائرہ دین پناہ میں حضرت سید الحاج عبدالوہاب شاہ بخاریؒ المعروف سخی دین پناہ کے مزار پر حاضری دی۔ آپ کا وصال 1011ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار ملتانی طرز تعمیر پر بنایا گیا ہے۔ بہت خوبصورت مزار ہے۔ مزار کے دروازے کے قریب لوہے کا



دریائے چناب کے کنارے چنیوٹ میں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی بیٹھک



مزار دائرہ دین پناہ کے قریب لوہے کا وزنی کشکول

بہت بڑا وزنی کاسہ (کچکول) میز پر رکھا ہوا ہے۔ دائرہ دین پناہ آپ کے نام سے منسوب ہے یہاں حاضری کے بعد ڈیرہ غازی خان کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈیرہ غازی خان میں سیٹھ ریاض نے پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا۔ یہ تمام لوگ میاں سعید پگانوالہ کے جگری یار ہیں۔ ڈیرہ غازی خان میں مخدوم علی احمد شاہ کے مزار پر حاضری بھی دی۔ سجادہ نشیں مقبول محی الدین سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ کھانے کا بعد حضرت سخی سرورؒ کے مزر پر حاضری دی۔ سخی سرور کی بستی ڈیرہ غازی خان سے 32 کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ میں پاکستان کے سابق صدر فاروق احمد لغاری کا گاؤں چوٹی بھی ہے۔ جہاں حال ہی میں ہوائی اڈا تعمیر ہوا ہے۔ پورے راستہ میں کوئی آبادی، درخت، پانی کا نام ونشان نہیں ہے۔

حضرت سخی سرور کی درگاہ پر حاضری کے بعد راجن پور کے مشہور روحانی

شہر مٹھن کوٹ میں سرائیکی زبان کے مشہور شاعر غلام فریدؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اس احاطہ میں لاتعداد صاحبزدگان اور درویشوں کے مزار ہیں۔ ان کے علیحدہ علیحدہ مزار ہیں۔ گنبد ملتانی طرز تعمیر کی عکاسی کرتے ہیں۔ گردونواح کے عقیدت مند دن رات یہاں حاضری دیتے ہیں۔ سرائیکی زبان میں میٹھی میٹھی گفتگو کرتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ نذر نیاز تقسیم کرتے ہیں۔ میٹھے دانے ہاتھ میں دینے کی بجائے ہوا میں اچھال دیتے ہیں تاکہ تمام زائرین تک تبرکات پہنچ جائیں۔ مغرب کی نماز مٹھن کوٹ میں ادا کی اور میاں سعید پگانوالہ نے دریا کی خاص مچھلی پیک کروائی اور وہاڑی کے لئے روانہ ہوئے۔ رات بارہ بجے کے قریب روسٹ مچھلی کا مزا بہت اچھا رہا۔ رات دو بجے کے قریب وہاڑی محمد اسلم کے گھر پہنچے۔ محمد اسلم کی عالی شان رہائش میں آرام دہ بستروں نے راستے کی تمام تھکاوٹ دور کردی۔ محمد اسلم کے مکہ مکرمہ میں ہوٹل ہیں۔ صبح پر تکلف ناشتہ کے بعد چشتیاں میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے مزار پر حاضری دی۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ نے اس خطہ میں سلسلہ چشتیہ کو پروان چڑھایا۔ آپ کے مرشد پاک حضرت مولانا فخرالدینؒ جن کا مزار دہلی ہندوستان میں ہے سے فیض ملا۔

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ خاص حضرت شاہ سلیمان المعروف پیر پٹھان جن کا مزار تونسہ شریف ڈیرہ غازی خاں میں ہے۔ حضرت شاہ سلیمانؒ بڑے برگزیدہ بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کے ارشادات و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہان نے ہدایت پائی۔ آپ کے خلفاء ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ اور رشد وہدایت کے چراغ روشن کئے۔ چشتیاں میں حاضری کے بعد قصور میں حضرت بھلے شاہ سرکار کے حضور حاضری کے بعد لاہور میں بیبیاں پاک دامناں کے مزارات پر حاضری کے بعد حضرت داتا گنج بخش کے قدموں میں حاضری کے بعد میاں صاحب نے لاہور کے مشہور مقام ؟ن بازار سے سری پائے، مغز، تازہ تازہ

تنوری روٹیوں سے شام کے کھانے کا اہتمام کیا۔ اولیائے کرام کے حضور حاضری کے بعد تین روزہ دورہ مکمل کر کے رات بارہ بجے گجرات پہنچے۔ راقم نے قدیم تاریخی روحانی مقامات کی سو کے لگ بھگ تصویریں اور معلوماتی کتب حاصل کیں



دائرہ دین پناہ میں حضرت دائرہ دین پناہ کا مزار



ڈیرہ غازی کے قریب مزار حضرت سخی سرور کے احاطہ میں لنگر پکانے کے لئے دیگیں

ضلع اٹک کی تحصیل حضرو کے قریب نرتوپہ کے نزدیک تباہ شدہ بستی پر 40 گز لمبا مزار



نرتوپہ نزد حضرو غازی بروتھا نہر کے قریب 40 گز لمبا مزار

لارنس پور سے ایک سڑک تربیلہ کی طرف جاتی ہے غازی بروتھا نہر اور موٹروے کے درمیان ایک بلند و بالا تباہ شدہ بستی جو کم از کم دوسو کنال رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے ٹبہ کافی بلندی پر ہے ٹبہ پر بڑے سائز کی اینٹیں مٹی کے برتن، سیاہ رنگ کی مٹی اس بات کی گواہی دے رہی ہے تھی کہ کسی زمانہ میں یہاں ایک شہر آباد تھا۔ ٹبہ کے اوپر چالیس گز لمبی قبر ہے جو پختہ تعمیر کی گئی ہے چار دیواری تراشے ہوئے پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ مشرقی جانب چھوٹی اینٹوں سے تعمیر شدہ ایک برآمدہ نما کمرہ ہے جس کے شمال کی جانب نرتوپہ گاؤں کا قبرستان ہے۔ چالیس گز لمبا مزار جو اس علاقہ میں چالیس گزی قبر کے نام سے مشہور ہیں۔ یہاں تک پہنچنے لارنس پور کے علاوہ کیلئے دوسرا راستہ اٹک کے قریب ہٹیاں کا مشہور سٹاپ ہے اٹک کی جانب سے آنے والی چھوٹی بڑی گاڑیاں ہٹیاں سٹاپ

کے قریب رکتی ہیں ۔ جو حضرو اور غور غشتی کی طرف جاتی ہیں اس سڑک کے قریب مشہور قصبہ نرتوپہ ہے نرتوپہ سے چالیس گز مزار تک پہنچنے کیلئے تانگہ مل جاتا ہے۔ یہاں کی زبان پنجابی، ہندکو ہے۔ دریائے سندھ کے پار مغرب کی جانب پشتو زبان بولی جاتی ہے جبکہ دریائے سندھ کے مشرق کی طرف اٹک کا ضلع ہے یہاں بھی پنجابی زبان بولی جاتی ہے جس کے تلفظ وسطی پنجاب میں بولی جانے والی پنجابی سے قدرے مختلف ہیں باجوڑ کے علاقہ میں حضرت متوشلیخؑ المعروف غازی بابا کے مزار پر حاضری کے بعد میری اگلی منزل چالیس گزی قبر پر حاضری اور فوٹو گرافی تھی ۔ چالیس گزی قبر پر راقم کی حاضری کیسے ہوئی ۔ پیر خلیل احمد گولیکی جو ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر جو سید دیوان حضوریؒ کی اولاد سے ہیں راقم نے دیوان حضوری کے قریب بھلوٹ میں حضرت سلسا نوشؑ کے نوگز مزار پر حاضری کا ارادہ کیا تو پیر خلیل احمد نے حامی بھر لی ۔ دیوان حضوری میں صاحبزگان سے ملاقاتیں کرتے ہوئے صاحبزادہ مبارک شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ وہاں راقم کی ملاقات حبیب الرحمٰن، فضل الرحمٰن سے ہوئی انہوں نے بتایا کہ ہمارے گاؤں موسیٰ کے قریب چالیس گز لمبی قبر ہے راقم باجوڑ میں غازی بابا کے مزار پر حاضری کے بعد چالیس گز المعروف چالیس گزی قبر پر حاضری کیلئے روانہ ہوا۔ دریائے سندھ کے کنارے پل کے گردونواح قلعہ اٹک کے علاوہ کئی پرانی عمارتوں کے آثار ملتے ہیں، جو دوران سفر سرسری نظر سے دیکھے جا سکتے ہیں، بس نے قومی شاہراہ پر ہٹیاں سٹاپ پر اتار دیا۔ ہٹیاں سے حضرو کیلئے ویگن تیار کھڑی تھی ۔ دو روپے کرایہ ادا کر کے موسیٰ اسٹاپ پر اترا۔ موسیٰ اسٹاپ پر تانگہ کے ذریعے گاؤں موسیٰ پہنچا، حاجی سیف الرحمٰن مغل جو کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں راقم کو بڑے پیار خلوص سے ملے ۔ کھانے کے بعد چند لمحے آرام کیلئے مل گئے ۔ پسماندہ علاقوں میں تانگہ ہی آمدورفت کا ذریعہ ہوتا ہے ۔ کوچوان صدیق نے بتایا کہ چالیس گزی قبر پر پہنچنے کیلئے پکی سڑک کے ذریعے فاصلہ بہت دور ہے کچا راستہ کافی نزدیک ہے چنانچہ

یہ تباہ شدہ شہر تقریباً دو سو کنال رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ شمال کی جانب دو تین ٹبے ہیں۔ ان ٹبوں سے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے تراشے ہوئے پتھر، ہڈیوں کے علاوہ چکیوں کے پاٹ ملتے ہیں گردوں نواح دیہات کے بزرگ لوگوں نے بتایا یہ تباہ شدہ بستی کئی سو سالہ پرانی ہے قریب آبی گزرگاہ ہے جو اب خشک ہو چکی ہے، کسی زمانہ میں دریائے سندھ کی ایک



حضرو کے قریب تربیلا روڈ پر نزٹو پہ میں چالیس گز لمبے مزار پر راقم ایم۔ زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ٹانگے کے ذریعے حاضری دینے جا رہے ہیں

صدیق کوچوان ایک خشک آبی گزرگاہ کے کنارے افغان مہاجرین کی بستی سے گزرتا ہوا ڈیڑھ دو گھنٹے کی مسافت کے بعد غازی بروتھا کی زیرِ تعمیر نہر کے قریب سے گزرتے ہوئے موٹروے جس پر زور و شور سے کام جاری ہے۔ ان دونوں زیرِ تکمیل قومی منصوبوں کا نظارہ کرتے ہوئے زرتوپہ کے قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے اس تباہ شدہ بستی پر پہنچے۔ شاخ اس تباہ شدہ بستی کے قریب سے گزرتی تھی قدیمی شاہراہ کے آثار بھی ٹبہ کے قریب پائے جاتے ہیں شاید یہ کسی زمانہ میں گزرگاہ تھی۔ زرتوپہ کے ٹبہ پر چالیس گز قدیمی قبر بھی پرانی ہے یہاں اللہ کا نیک بندہ دفن ہے جو رشد و ہدایت کیلئے یہاں آئے نافرمان قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور یہ بستی تباہ ہوگئی۔ نافرمان قوموں پر خدا کا عذاب ان کے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتا ہے چالیس گزی خانقاہ پر حاضری کے بعد تباہ شدہ بستی کے تراشے پتھر، مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے حاصل کیے اور زرتوپہ کے دوسرے نوگزے مزار پر حاضری دی۔ صدیق کوچوان کا تانگہ نہر غازی بروتھا جس میں عارضی طور پر گزرنے کا رستہ بنایا گیا ہے، سے گزرتے ہوئے حضرو ہٹیاں کی پکی سڑک پر لے آیا ویگن کے ذریعے نیشنل ہائی وے پر پہنچا، میں خیالوں میں گم تھا کہ وطن عزیز کے چپہ چپہ پر کتنی ہی تہذیبیں پروان چڑھیں تباہ ہوئیں، جس کے آثار وطن عزیز کے سینہ میں دفن ہیں۔

حضرت خواجہ عبد السلام چشتیؒ کا مزار

آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ ہیں



شکرگڑھ کے قریب قصبہ کنجروڑ میں حضرت صوفی امین القادری کے عرس میں قمر بٹ کی وساطت سے حاضری ہوئی۔ عرس کی تقریبات رات گئے تک جاری رہیں۔ راقم نے صبح سویرے مسرور بڑا بھائی میں حضرات خواجہ عبدالسلام چشتی اور نوگز لمبے مزار پر حاضری۔ تغلق دور کے کھنڈرات دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ عرس کی تقریبات میں شامل اسد نے راہنمائی کی کہ صبح سویرے میری دکان اسد اٹوز درمان روڈ شکرگڑھ آجانا وہاں سے بڑا بھائی ضرور چلیں گے ابھی ہم موٹر سائیکلوں پر واپس گھر جا رہے ہیں دوسرے روز صبح سویرے بس نے کچہری کے سامنے اُتار دیا۔ اسد دکان پر میرا منتظر تھا۔ شکرگڑھ کے شمال مشرق کی

طرف ہندوستان کی سرحد ہے۔ گذشتہ دو جنگوں میں یہ علاقہ میدان جنگ رہا۔ بلکہ ماضی میں بھی ابی گذرگاہوں اور اُس علاقہ میں حق باطل کے معرکے ہوئے۔ شکر گڑھ کے قریب آبی گزرگاہوں کے کنارے ان تہذیبوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ سیالکوٹ سے خیبر تک کتاب کی تیاری کے لئے راقم 1997ء میں ٹرپی تک اس علاقہ میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری دے چکا ہے لیکن وقت کی قلت کے باعث مسرور بڑا بھائی میں حاضری نہ ہو سکی۔ یہ حاضری اب اسد کی وساطت سے ہوئی۔ انہوں نے اپنا موٹر سائیکل سٹارٹ کیا اور ہم سرور بڑا بھائی کی طرف روانہ ہوئے اسد جنگلی جانوروں اور مچھلیوں کا شکاری ہیں شکار کے لئے اکثر بیشتر اس علاقہ میں اتار رہتا ہے شکر گڑھ نارووال سیالکوٹ کی شکاری گاہیں کے بارے کافی معلومات رکھتا ہے شکر گڑھ سے مسرور بڑا بھائی کا فاصلہ تقریباً چودہ پندرہ کلو میٹر ہے باتوں ہی باتوں میں ہم مسرور بڑا بھائی میں داخل ہوئے۔ مسرور بڑا بھائی میں حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کے استانہ کے سجادہ نشین ڈاکٹر مبارک علی غوری سے میری واقفیت تھی۔ ڈاکٹر مبارک علی غوری علمی ادبی اور روحانی شخصیت میں درویشوں کے انداز میں انہوں نے ہمارا خیر مقدم کیا وہ راقم کی لکھی ہوئی کتب کا مطالعہ کر چکے ہیں انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کے آئندہ شائع ہونے والی کتاب میں حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کا ذکر ضرور آئے گا ڈاکٹر مبارک علی غوری ہمیں خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کے مزار پر لے گئے۔ وہاں حاضری کے بعد محکمہ اوقاف کے عملہ نے ہماری دستار بندی کی اور لنگر پیش کیا مسرور بڑا بھائی نام کی بستی ایک بہت بلند بالائیہ پر ہے نشیبی علاقہ سر سبز اور شاداب ہے دریائے راوی اور برساتی نالوں میں سارا سال پانی رہتا ہے۔ ہندوستان کی سرحد مسرور بڑا بھائی سے دو کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے مسرور بڑا بھائی کی بستی ماضی میں بلندی پر ہونے کی وجہ سے مضبوط اور ناقابلِ تسخیر بستی تھی شمال مشرق کی طرف کشمیر پنجاب اور ہندوستان کی سرحدیں چلتی ہیں وہاں پانی کی فراوانی ہے کہ بغیر ٹیوب ویل یا موٹر کے پانی پائپوں کے ذریعے زمین سے حاصل ہو جاتا ہے اسد نے اس علاقہ میں وہ بڑے بڑے پائپ بھی دکھائے جن کے منہ پر لیور لگے

ہوئے ہیں لیور کھولتے ہی پانی خود بخود زمین سے نکلنا شروع ہو جاتا ہے اس علاقہ میں اللہ کے کسی نیک بندے کی دعا ہے بغیر بجلی اور تیل کے پانی مفت زمین سے ابشار کی صورت میں نکل رہا ہے بڑا بھائی مسرور کے قریب ٹبوں ٹیلوں کے درمیان تغلق دور کے کھنڈرات بھی دکھائی دیتے ہیں ۔ حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کون ہیں اور اس علاقہ میں کیسے آئے ڈاکٹر مبارک علی غوری کے مرتب کردہ رسالہ تذکرہ و شان حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ المروف



شکر گڑھ کے قریب بڑا بھائی مسرور میں نو گز لمبے مزار پر راقم ایم ۔ زمان کھوکھر ایڈووکیٹ دعا مانگ رہے ہیں

بڑا بھائی کے مطابق برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے محسن اور روحانی پیشوا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے فیوض و برکات نے انسانی زندگی میں عظیم انقلاب پیدا ہوا۔ آپؒ کی محبت و خلوص کا چرچا عام ہوا اور اللہ تعالیٰ کا فیض ہر سو نظر آنے لگا۔ آپؒ کے مریدین کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا اور ہر خاص و عام آپ کی ہدایات سے فیض یاب ہوتا۔ مختلف روایات ہیں کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے نامور خلفاء بائیس یا چالیس یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ حضرت امیر خسروؒ، حضرت شیخ حسام الدین، حضرت شیخ برہان الدینؒ، حضرت شیخ شمس الدینؒ اور حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کا شمار ا ن ہی خلفاء خاص میں ہوتا ہے۔ خواجہ عبدالسلام چشتیؒ علاقہ غور کے ایک گاؤں پا کذ میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ ہی برس کی عمر پائی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ علاقے کے رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم گاؤں کے چھوٹے سے درس میں حاصل کی قرآن پاک کو گاؤں ہی میں حفظ کیا۔ آپؒ کو بچپن ہی سے مذہبی فرائض کی ادائیگی کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ علوم باطنی کو حاصل کرنے کی تڑپ بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اور یہی جذبہ و شوق آپ کو ہر وقت بے قرار کیئے رکھتا۔ خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کو جب حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے متعلق معلومات ملیں اُن کے چرچے سُنے تو آپؒ کی بے قراری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ جب دو بھائیوں میاں کمال الدین اور میاں حسین الدین نے تجارت کی غرض سے دہلی کا رُخ کیا تو خواجہؒ کو بے حد مسرت ہوئی اور وہ ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب محبوب الٰہیؒ کی قیام گاہ پر پہنچے تو خواجہ عبدالسلام چشتیؒ آپ کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ اور جوتیاں سیدھی کرنے لگے۔ پیرو مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں عوام الناس کا ہجوم شب و روز موجود رہتا۔ آپؒ کی بزرگی اور پارسائی کے چرچے چار دانگ عالم میں زبان زد عام تھے۔ آپؒ کے ہاں محفل سماع ہر وقت جمی رہتی۔ صوفیانہ اور عارفانہ کلام سے ہر کوئی استفادہ کرتا۔ حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزارتے آپ بہت کم گو تھے۔ جب بھی آپؒ

کے پاس وقت ہوتا آپؒ نوافل ادا کرتے۔ دُرود شریف کا وِرد کرتے اور رات بھر تلاوتِ کلام پاک میں گزار دیتے۔ آپؒ دُور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کو بھی درس دیتے اور نیکی کے کاموں کی تلقین کرتے۔ جس طرح جوہری ہیرے کی پہچان میں زیادہ دیر نہیں لیتا اسی طرح محبوب الٰہیؒ کو جلد ہی جوہرِ قابل ہاتھ لگ گیا۔ معمولی سے بہت کم عرصہ میں خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کا شمار حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء خاص میں ہونے لگا۔ ایک دفعہ کسی خاص بات پر حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے خواجہؒ کو گلے لگالیا اور فرمایا۔ میں تمہیں درویشانہ صفات سے بھراپا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم جیسا عبادت گزار خدمت دین کیلئے نہایت موزوں ہے۔ میری دُوربین نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ قدرت تم سے تبلیغ دین کا اہم کام لینا چاہتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالسلام چشتیؒ نے اپنے کندھوں پر بوجھ محسوس کرنا شروع کر دیا۔ آپؒ نے کچھ پریشان بھی رہنا شروع کر دیا کیونکہ آپؒ اپنے پیرو مرشد سے جُدا نہ ہونا چاہتے تھے۔ ایک روز پیر و مرُشد محبوب الٰہیؒ نے خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کو طلب کر کے فرمایا کہ میں تم میں درویشانہ صفات کو مکمل پاتے ہوئے کشمیر کی ولائت عطا کرتا ہوں۔ خواجہ عبدالسلام چشتیؒ نے رختِ سفر باندھا۔ ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کا دور تھا۔ مگر اسلام کی تبلیغ کے مسائل جوں کے توں تھے۔ اگرچہ سلطان محمد تغلق کی حکومت تھی مگر دہلی اور اس کے گردو نواح کو چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں ہندو راجاؤں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ سارا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ کشمیر کے جنوب میں اور پنجاب کے شمال مشرق کونے میں جسروٹہ کی ریاست پر ڈوگروں کا تسلط تھا۔ اُس وقت دیوارائے اس ریاست کا حکمران تھا۔ ریاست جسروٹہ کا یہ علاقہ جواب پنجاب کشمیر اور ہندوستان کا سنگم ہے پر راجا دیورائے نے کھدیاں سنگھ کو حکمران بنا رکھا تھا اُس کا پایہ تخت تحصیل شکر گڑھ کا ایک تاریخی گاؤں تھا۔ کھدیاں بھی اپنے ظلم وستم کی وجہ سے اپنے آقا سے کسی طور بھی پیچھے نہ تھا۔ کھدیاں سنگھ نے اپنی سلطنت (اُس وقت منڈی خیل، ظفروال، کنجروڑ، سنکھترہ تک کے علاقہ شامل تھے) ایک ایسا علاقہ جو اپنے قدرتی مناظر، وسیع

میدانوں اور بہتے دریاؤں کے باعث جنت نظیر تھا۔ گجر نسل یہاں تعداد میں زیادہ تھی جن کا پیشہ کھیتی باڑی اور مویشی پالنا تھا۔ میاں جمال الدین، میاں کمال الدین اور میاں حسین الدین جب حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ پر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کے ہم سفر حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ اپنا مقام حاصل کر چکے ہیں اور تبلیغ دین کی خاطر عنقریب روانہ ہونے کو ہیں۔ ایک طرف خواجہ عبدالسلام چشتیؒ ظلمتوں کیخلاف جہاد کی تیاری اور ایک ایسے علاقہ کی طرف پیش قدمی کرنے کو تیار ہیں۔ جہاں ہر محاذ پر مزاحمت کا سامنا متوقع تھا۔ دوسری طرف ان کے ہم وطن تینوں بھائی انہیں تنہا چھوڑنے کو تیار نہیں۔ دنیاوی تجارت میں تو وہ کامیاب تھے ہی لیکن اب اخروی کمائی باقی تھی۔ تینوں بھائی خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ''ہم نے دنیا کا بہت سامال اکٹھا کر لیا ہے مگر ہم سمجھتے



شکر گڑھ کے قریب بڑا بھائی مسرور میں صرف پائپ کے ذریعے پانی زمین سے آرہا ہے۔ راقم ایم۔ زمان کھوکھر ایڈووکیٹ مشاہدہ کررہے ہیں

ہیں کہ ہمارے دامن میں وہ کچھ نہیں جس سے آخرت میں ہمیں نجات ملے۔ ہم آپکی رفاقت کو کبھی نہ چھوڑیں گے۔'' خواجہؒ صاحب نے بہت سمجھایا کہ میری منزل بہت کٹھن ہے۔ میں کفر کے گڑھ میں جا رہا ہوں جہاں مصائب ہی مصائب ہیں۔ میں ایک روشن پیغام کوظلمت کے اندھیروں تک ہر حالت میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ تم لوگ جاؤ کیونکہ تمہاری منزل یہ نہ ہے۔ لیکن تینوں بھائیوں کی کایا پلٹ چکی تھی۔ وہ کسی بھی طور اس کٹھن وقت میں ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ اُن کو جو سکون دین کی محبت میں ملا وہ پہلے کبھی نہ ملا تھا۔ اُن کے ارادے غیر متزلزل تھے۔ اُنہوں نے یک زبان ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے برگزیدہ انسان! اگر ہماری زندگیاں اور مال واسباب دین اسلام کی تبلیغ میں کام آسکیں تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ عشق مصطفیٰؐ سے لبریز مگر دُنیاوی جاہ وحشمت سے خالی چار افراد پر مشتمل ہے یہ قافلہ جس کی قیادت خواجہ عبد السلام چشتیؒ کر رہے تھے جب حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی درگاہ سے روانہ ہوئے تو اِن کے ساتھ بزرگان دین کی دُعائیں تھیں اور سینوں میں پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی تڑپ تھی جو ہر آہنی دیوار سے ٹکرانے کی سکت عطا کئے ہوئے تھی۔ یہ قافلہ کھیاں سنگھ کے دار الحکومت مسرور (شکر گڑھ) پہنچا۔ ہر طرف کفر تھا اور علاقے کا پہلا مسلمان حضرت خواجہ عبد السلام چشتیؒ اپنے تین ساتھیوں سمیت کفر کے جم غفیر میں پہنچ چکا تھا۔ کھیاں سنگھ مکاری اور دھوکا دہی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے مشیر کے ذریعے خواجہ عبد السلام چشتیؒ کو کھانے پر مدعو کیا۔ یہ ایک سازش تھی جس کے تحت کھانے میں زہر ملا دیا گیا تھا۔ جب چشتیؒ صاحب اور اُس کے تینوں مریدین خاص کھانا کھائیں گے تو فوراً ہلاک ہو جائیں گے مگر اللہ والے تو صاحب نظر ہوتے ہیں۔ مکروہ عزائم کو سمجھنا اور اُن کا مقابلہ کرنا اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ جب کھانا پیش ہوا تو خواجہؒ صاحب نے وہ کھانا کتے کے آگے ڈال دیا۔ کتا دیکھتے ہی دیکھتے مر گیا۔ یہ کھیاں سنگھ کی پہلی شکست تھی۔ جب خواجہ عبد السلام چشتی اور اُن کے ساتھی دیوان عام کے پہلو میں ایک مسجد کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ یہ تاریخی مسجد آج بھی مزار کے پاس موجود ہے۔ علاقہ میں

یہ پہلی مسجد بابا صاحب کے مشن کو آگے لے جانے میں سب سے زیادہ ممد ومعاون ثابت ہوئی۔ کھدیاں سنگھ در پردہ آپؒ اور آپ کے ساتھیوں کی زندگیوں کے درپے تھا۔ ایک دفعہ کھدیاں سنگھ نے شکار کے بہانے آپؒ کو اور آپ کے رفقاء کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کھدیاں نے شکار پر چلنے کی دعوت دی جو خواجہ صاحبؒ نے قبول فرمالی۔ ان کا ارادہ یہ تھا بابا جی چشتیؒ کے پاس نہ تو سواری ہوگی اور نہ ہی وسائل ہوں گے اِس طرح درندے اور دیگر جنگلی جانور اِن کو کھا جائیں گے۔ ہر خاص وعام کے پاس سواری بھی تھی اور شکار کا سامان بھی بابا جی اور اُس کے ساتھیوں کے پاس قوت ایمانی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ چنانچہ جب سب درباری اور شکاری جنگل میں جا پہنچے تو آپؒ بھی اللہ کی مدد کے ساتھ جنگل میں جا گھسے۔ آپؒ گھنے جنگلوں میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے آپؒ سیدھے وہاں تک پہنچ گئے جہاں آدم خور شیر اور زہریلے سانپ کثیر تعداد میں موجود تھے۔ راجا اور اُس کے ساتھیوں کو پختہ یقین ہو چکا تھا کہ اُن کا منصوبہ کامیاب رہا ہے لیکن اُنہیں معلوم نہ تھا کہ جنگلی جانور بھی آپؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو چکے ہیں۔ روایت ہے کہ جب آپؒ جنگلی جانوروں کے دیس میں پہنچے تو ایک شیر ازراہِ عقیدت آپؒ کی طرف بڑھا اور اپنی سواری پیش کی۔ نیز محبت کے اظہار کے لئے شیر نے چشتیؒ کے قدموں کو چوما۔ خواجہ عبدالسلام چشتیؒ کو اپنی روحانی فتح کا یقین تھا سو ایسا ہی ہوا آپؒ نے شیر کی سواری کی اور اپنے تین جانثاروں کے ہمراہ راجہ کے لشکر کی طرف روانہ ہو پڑے۔ جب آپؒ راجا اور اُس کے شکاریوں کی طرف بڑھ رہے تھے تو سراسیمگی کا عالم قابلِ دید تھا۔ جونہی شکاریوں نے خواجہؒ کو شیر پر سوار آتے دیکھا تو اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ آخر کار مایوس اور شکست خوردہ راجا حضرت عبدالسلام چشتیؒ کے قدموں میں گر گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالسلام چشتیؒ ''بڑا بھائی'' کے نام سے علاقہ بھر میں مشہور ہو گئے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ اور لوگ جوق در جوق آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ بلعموم پورے علاقے میں خواجہؒ کی کرامات کا چرچا تھا۔ اپنی بے بسی کا اندازہ لگاتے ہوئے کھدیاں سنگھ بابا جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور

عرض کی کہ حضور ہمیں کسی دوسری جگہ جانے کا حکم دیا جائے آپؒ نے اُس کو جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ میں ایک پتھر یہاں سے پھینکوں گا جہاں یہ گرے وہاں ڈیرہ لگا لو۔ سنگھ نے عرض کی کہ حضور ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ پتھر کہاں گرا پڑا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ جو پتھر رات کو چمکتا نظر آئے وہ ہمارا پھینکا ہوا ہوگا۔ اور وہی تمہاری قیام گاہ کی جگہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہؒ صاحب کا پھینکا ہوا پتھر سات میل دور جسروٹہ (ہندوستان) کے مقام پر گرا اور سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے وہاں پہنچ کر سکھ کا سانس لیا۔ آپؒ کی کرامات کی بدولت ہی خطہ کے لوگوں میں اسلام کی تڑپ اور دین کی محبت پیدا ہو چکی تھی۔ گاؤں کے گاؤں آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور واپس جا کر لوگوں کو حضرت کی تعلیمات سے آگاہ کرتے۔ آپؒ سارا سارا دن دور دراز سے آئے ہوئے علم کے پیاسوں کو درس دیتے۔ مذہبی تعلیم سے آگاہ کرتے اور مذہبی اقدار کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے۔ آپؒ کو ہر وقت دین کی خدمت کی فکر رہتی اور آپؒ کا کوئی لمحہ خدا کی یاد سے غافل نہ گزرتا۔ ایک دفعہ آپؒ کی مجلس میں ایک شخص نے عرض کی کہ دریا ابھی تک علاقہ میں خطرے کی علامت بنا ہوا ہے۔ آپؒ نے دریا کو ایک میل دُور ہٹ جانے کا حکم دیا جو ابھی تک وہیں بہہ رہا ہے۔ اِرد گرد کے راجے نہایت عقیدت سے آپؒ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ آپکی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ آپؒ کے ہاں لنگر کا بندوبست موجود تھا۔ آپؒ کے دَر پر محفلِ سماع جمی رہتی اور غربا کو کھانا تقسیم کیا جاتا۔ آپؒ مظلوم کی دادرسی کا حکم دیتے اور ظالم کے ساتھ کوئی رعایت روا نہ رکھتے۔ آپؒ کا فرمان ہے کہ مرید ہر وقت تین غسل کرتا رہے۔ (۱) شریعت کا غسل (۲) طریقت کا غسل (۳) حقیقت کا غسل۔ شریعت کے غسل سے مراد بدن وغیرہ کو صاف رکھنا۔ طریقت کے غسل سے مراد تجرد اختیار کرنا۔ جبکہ حقیقت کے غسل سے مراد باطنی توبہ کرنا ہے۔ آپؒ سے جو چشمے پھوٹے اور جنہوں نے تبلیغ اسلام کو اپنا مشن بنائے رکھا ان میں بابا مست علی سرکار، بابا مراد شاہ، حضرت سید پکا شریف، پیر شہدا دلی، بابا بودلہ شاہ بخاری قلندر پاک، جناب پیر جلالہ شریف، جناب پیر چراغ شاہ صاحب، بارہ منگا جیسی ہستیاں شامل

ہیں۔ راویت ہے کہ میاں کمال الدین نے تصوف میں بھی وہ مقام حاصل کر رکھا تھا جو کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ درگاہ شریف حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ پر ہر سال ماہ جیٹھ کی نو چندی کو عرس منعقد ہوتا ہے۔ یوں تو مزار شریف پر عقیدت مندوں کا ہجوم معمول کی بات ہے مگر عرس کے دو دن اَن گنت ہجوم کی لپیٹ میں ہوتے ہیں۔ دور نزدیک کے تمام مرد وزن ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مندی کے لئے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ مزار شریف پر ہر وقت قوال نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ لنگر کا معقول بندوبست ہوتا ہے۔ مزار حضرت خواجہ عبدالسلام چشتیؒ بلند بالا ٹبہ پر جو شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے بلند پر ہونے کی وجہ سے دور دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ مزار کے مغرب کی جانب قدیمی مسجد ہے جو محکمہ اوقاف کی وساطت سے از سر نو جدید انداز میں تعمیر ہوئی ٹبہ سے نیچے اُترنے کیلئے لاتعداد سیڑھیاں ہیں ان سیڑھیوں کے قریب نو گز لمبا مزار ہے راقم نے یہاں حاضری دی مزار کے قریب ہی آپ کے ساتھ آئے ہوئے خدام کے مزار بھی ہیں۔ ڈاکٹر مبارک علی غوری نے بڑے خلوص اور محبت سے ہمیں الوداع کیا۔ راقم کا دامن خوشیوں سے بھر گیا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے خلیفہ حضرت خواجہ عبدالسلام چشتی اور نو گز لمبے مزار پر حاضری کی منظوری ہوئی جو رشد ہدایت کے لئے اس علاقہ میں آئے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود اللہ کے نیک بندوں کے مزار رشد ہدایت کا منبع ہے مخلوق خدا دن رات یہاں حاضر ہو کر دینی دنیاوی فیض حاصل کر رہی ہے۔ آپ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے اُستاد صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا مقبرہ



ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کا قدیمی اور تاریخی شہر ہے۔ ایمن آباد کئی بار اُجڑا اور کئی بار آباد ہوا۔ ایمن آباد سے مشرق کی طرف واہنڈہ نام کا قصبہ ہے موجودہ بستی کے قریب ٹبہ کی صورت میں تباہ شدہ بستی کے آثار ملتے ہیں واہنڈہ سے کوٹلی نواب ایک سڑک صابو کی دندیاں کی طرف جاتی ہے یہی سڑک کوٹلی مقبرہ میں اختتام پذیر ہوتی ہے صابو کی دندیاں سے چھوٹی نہر کے ساتھ ساتھ ایک سڑک کالی صوبہ کی طرف جاتی ہے جو مرید کے نارووال روڈ سے جاملتی ہے ضلع سیالکوٹ کا قدیمی قصبہ قلعہ کالروالہ کوٹلی مقبرہ سے دواڑھائی کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ کوٹلی مقبرہ کے قریب ترنگ شادی مٹا کے مشہور دیہات ہیں کوٹلی مقبرہ میں مغلیہ دور کا ایک بہت بڑا قدیمی مزار ہے جو مقبرہ شیخ النبی کے نام سے مشہور ہے پہلی مرتبہ راقم کے علاوہ عدیم سیالوی، سید مسعود پرویز، جمشید افضل کھوکھر، آفتاب تنویر مقبرہ

دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے لیکن اچانک صابو کی دندیاں میں گاڑی خراب ہو گئی خچر ریڑہ کے ذریعے کوٹلی مقبرہ پہنچے لیکن سورج غروب ہو جانے سے راقم فوٹوگرافی اور مقبرہ کا مکمل طور پر ملاحظہ نہ کر سکا دوسری مرتبہ 20 اکتوبر 2002ء کو راقم کے علاوہ سید اسلم شاہ، محمد اعظم، آفتاب تنویر سویرے سویرے کوٹلی مقبرہ پہنچے۔ مقبرہ شیخ عبدالنبی کے چاروں طرف دھان کی فصل کی خوشبو نے ماحول کو خوشگوار بنا دیا۔ مقبرہ شیخ عبدالنبی چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ بہت بڑا گنبد کے علاوہ چار مینار ہیں۔ زیر زمین تین قبریں ہیں درمیان والی قبر شیخ عبدالنبی کی ہے عمارت تین منزلہ ہے محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹ کے مطابق مقبرہ 41 کنال زمین میں تعمیر کیا گیا ہے۔ 9 دسمبر 1917ء کو محکمہ نے مقبرہ کو اپنی تحویل میں لیا۔ محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹ کے مطابق یہ مقبرہ شیخ عبدالنبی کا ہے جو مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے اُستاد تھے۔ اکبر کے دور حکومت میں صدر الصدور کے عہدہ تک پہنچے۔ اعلیٰ مقام اور عزت پائی۔

ابوالفضل فیضی نے شیخ عبدالنبی کے خلاف گہری سازش کی اس شرط کے ساتھ اور



زیر زمین قبر کا تعویز



مقبرہ شیخ عبدالنبی کے میناروں کی بنیادیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ مینار کسی وقت بھی گر سکتے ہیں۔

شیخ عبدالنبی کو مکہ مدینہ روانہ کر دیا گیا کہ وہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر واپس ہندوستان نہ آئیں لیکن شیخ عبدالنبی بادشاہ کی اجازت کے بغیر ہندوستان آ گئے 1583ء میں بھارتی صوبہ گجرات کے شہر احمد آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اکبر اعظم کے حکم پر شیخ عبدالنبی کو سابقہ رنجش کی بناء پر گرفتار کر لیا گیا اور قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور بعد میں قتل کر دیا گیا یا وہ طبعی موت مرے۔ تاریخ خاموش ہے شیخ عبدالنبی کا مقبرہ ایک بہت بڑے پلیٹ فارم پر تعمیر کیا گیا ہے بہت بڑا گنبد چار منیار زیر زمین حصہ میں تین قبریں ہیں چوڑی چوڑی دیواریں کھڑی کر کے دوسری منزل پر بہت بڑا گنبد تعمیر کیا گیا ہے زیریں دیواروں کی چوڑائی آٹھ فٹ کے قریب ہے۔ جہاں قبریں ہیں تین اطراف روشنی اور ہوا کے لئے سوراخ رکھے گئے ہیں تا کہ عمارت نمی سے محفوظ رہے۔ مغلیہ طرز کے مقبروں میں سطح زمین کے نیچے قبریں بنائی جاتی تھیں چھت کے اوپر بطور نمونہ مزید قبریں تعمیر کی جاتی تھیں زیر زمین مزار تک جانے کیلئے جنوب کی طرف راستہ یا گیا ہے گنبد اور میناروں کی برجیوں پر نقش

ونگار اور بیل بوٹے کے نادر نمونے ہیں جن کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ مقبرہ کے چاروں اطراف دروازے ہیں ہشت پہلو مینار ہیں گنبد کے اُوپر چھ فٹ سنگ مرمر کا خوبصورت تراشہ ہوا کلس ہے ایسے ہی کلس میناروں کے اُوپر بھی بنائے گئے ہیں۔ میناروں کے اندر 36 سیڑھیاں ہیں۔ یہ سیڑھیاں جنوبی مینار میں ہیں گنبد گچ گارا چونا چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا۔ گنبد کا محیط دو سوفٹ سے زیادہ ہے۔ چونا گچ گارا کا تقریباً ایک فٹ موٹا پلستر ہے جو اب جنوب مشرق کی طرف سے اُکھڑ چکا ہے گنبد کے گرد پلیٹ فارم بنایا گیا ہے حفاظتی دیوار ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔ مقبرہ کے بعض حصوں سے قیمتی پتھر چوری کر لئے گئے ہیں دروازوں کے شہتیر دہلیز سرخ تراشے ہوئے پتھروں کی ہے مقبرہ کے اندر چھ بڑے اور چھ چھوٹے طاقچے ہیں۔ تمام تعمیرات چھوٹی اینٹوں چونا گچ گارا سے کی گئی ہے چونا گچ گارا سے تعمیر کی گئی عمارت نمی سیل سے محفوظ رہتی ہے چاروں میناروں کے نیچے اینٹ اُکھڑ چکی ہیں جسکی وجہ سے ان میناروں کی بنیادیں کمزور ہو رہی ہیں جو کسی وقت بھی گر سکتی ہیں۔ آہستہ آہستہ اس قدیمی عمارت کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

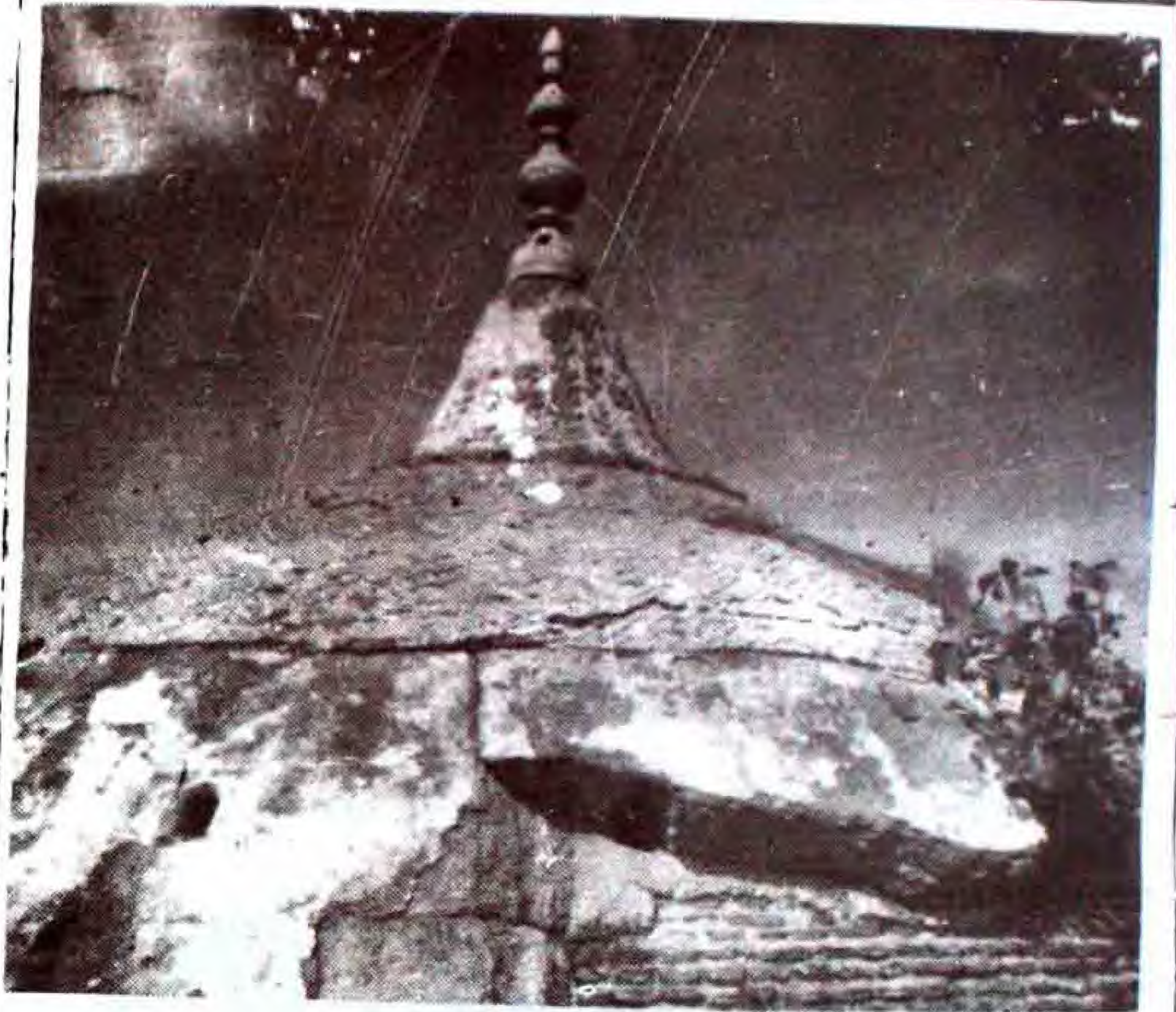
مقبرہ شیخ عبدالنبی کے اندر باہر کوئی تحریر نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ عمارت کب تعمیر ہوئی۔ اندازہ یہی کیا جا سکتا ہے یہ قدیمی عمارت اکبر یا جہانگیر کے دور میں تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت حکومت پاکستان اور محکمہ آثار قدیمہ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ اگر حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ نے توجہ نہ دی تو اس قدیمی عمارت کے گرنے کا خدشہ ہے کہ شیخ عبدالنبی کا مزار کن حالات میں اس علاقہ میں تعمیر ہوا اور یہ مزار کس نے تعمیر کروایا۔ شیخ عبدالنبی کے ساتھ دو قبریں کن کی ہیں یہ ایک تحقیق طلب پہلو ہے کتاب دربار اکبری ازمولانا محمد حسین آزاد صفحہ نمبر 320 میں شیخ عبدالنبی کے بارے تحریر کیا ہے۔

شیخ عبدالنبیؒ ولد شیخ احمدؒ بن شیخ عبدالقدوس اصل وطن اندری۔ علاقہ گنگو اور خاندان مشائخ میں نامور تھا۔ ابتداء میں دل عبادت دریافت کی طرف بہت مائل تھا۔ ایک پہر کامل حبس دم کے ساتھ ذکر میں مصروف رہتے تھے۔ کئی دفعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے۔



مقبرہ شیخ عبدالنبی کے گنبد کا پلستر اکھڑ چکا ہے

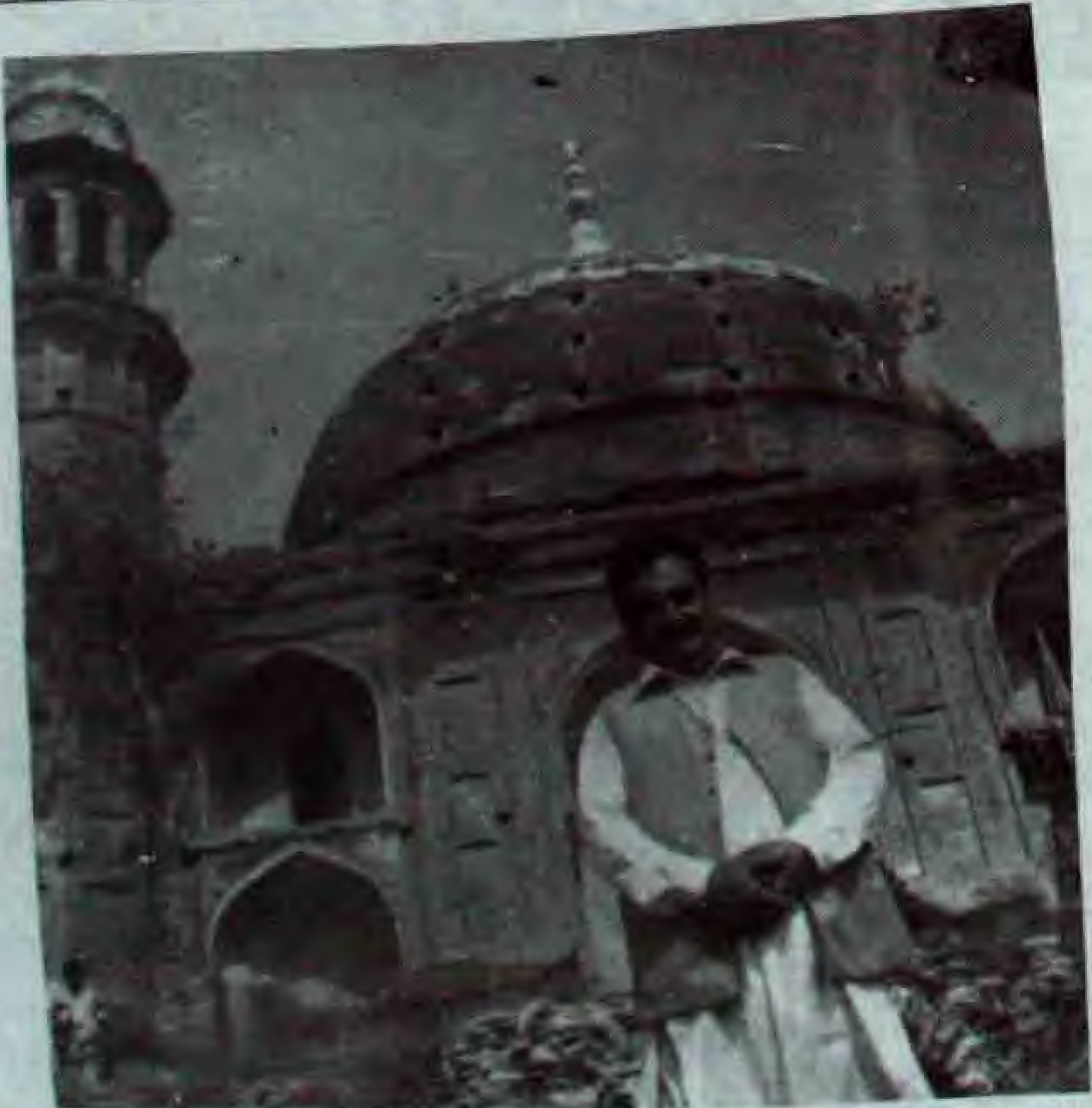
وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ اوّل سلسلہ چشتیہ میں تھے۔ آباؤ اجداد کی محفل حال وقال میں غنا اور سماع بھی تھا۔ انہوں نے وہاں سے آ کر نا جائز سمجھا اور محدثین کا طریقہ اختیار کیا۔ تقویٰ، پرہیز گاری، طہارت،، پاکیزگی اور عبادت ظاہری میں مشغول رہتے تھے اور درس وتدریس وعظ ونصیحت میں بشدت سرگرم تھے۔ اکبر کو اپنی سلطنت میں تقریباً 18 برس تک مسائل اسلام کی پابندی اور علمائے اسلام کی عظمت کا بڑا خیال رہا۔ 976ھ میں مظفر خاں وزیر کل تھا اسی کی سفارش سے انہیں صدر الصدور کر دیا۔ فاضل بداؤنی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالنبی کو عالم اوقاف وانعامات اور وظائف با استحقاق بخشے گئے اور اس قدر کہ اگر تمام بادشاہان ہند کی بخششوں کو ایک پلے میں رکھیں۔ اور اُس عہد کے انعام کو ایک پلہ میں۔ تو بھی یہی جھکتا رہے گا۔ تعظیم واحترام کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی علم حدیث کے سننے کو بادشاہ خود ان کے گھر جاتے تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں مسجدوں کے امام بادشاہ کی طرف سے ہوا



مقبرہ شیخ عبدالنبی کے گنبد کا پلستر اکھڑ چکا ہے

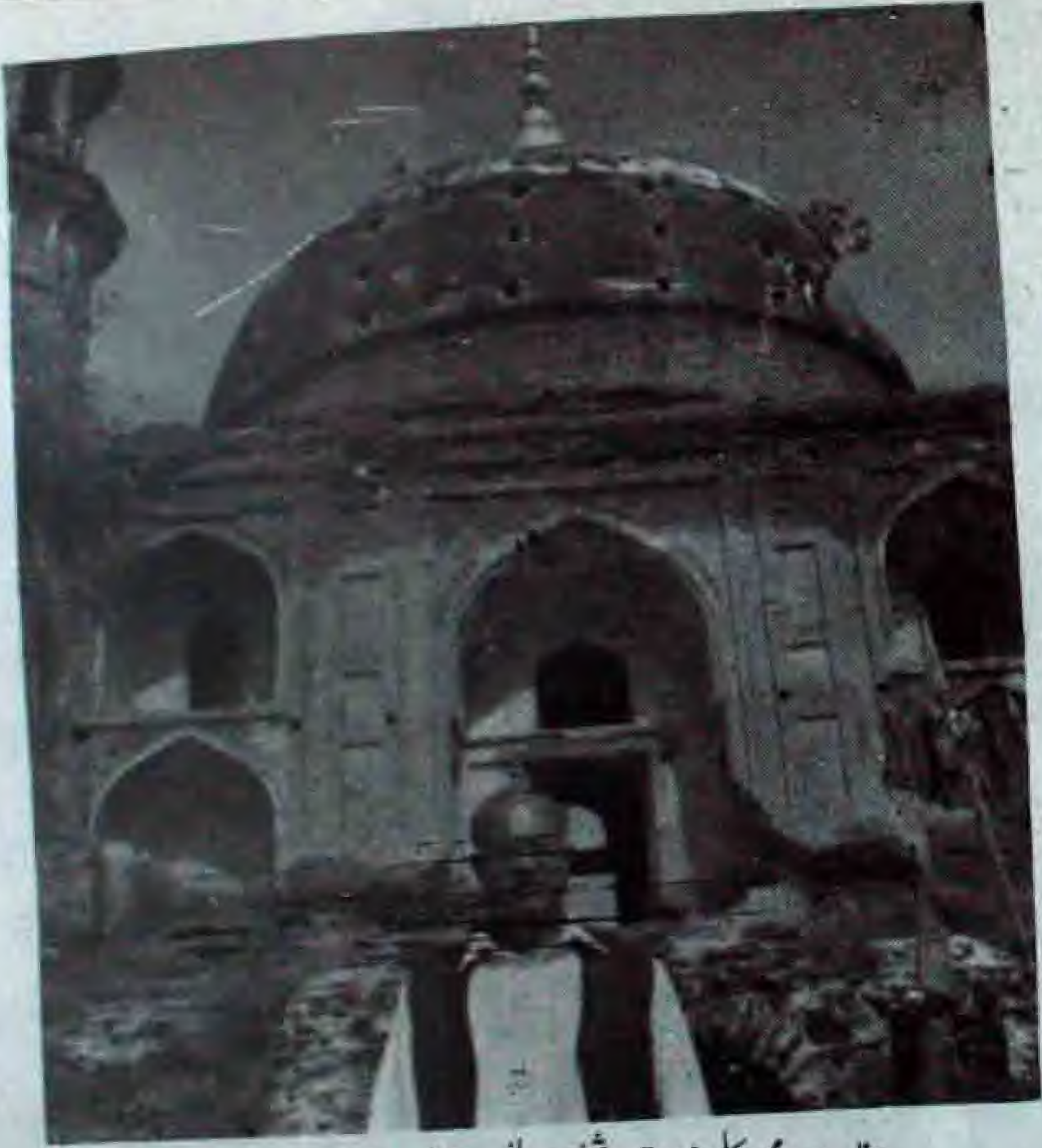
وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ اوّل سلسلہ چشتیہ میں تھے۔ آباؤ اجداد کی محفل حال وقال میں غنا اور سماع بھی تھا۔ انہوں نے وہاں سے آکر ناجائز سمجھا اور محدثین کا طریقہ اختیار کیا۔ تقویٰ، پرہیزگاری، طہارت،، پاکیزگی اور عبادت ظاہری میں مشغول رہتے تھے اور درس وتدریس وعظ ونصیحت میں بشدت سرگرم تھے۔ اکبر کو اپنی سلطنت میں تقریباً 18 برس تک مسائل اسلام کی پابندی اور علمائے اسلام کی عظمت کا بڑا خیال رہا۔ 976ھ میں مظفر خاں وزیر کل تھا اسی کی سفارش سے انہیں صدر الصدور کر دیا۔ فاضل بداؤنی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالنبی کو عالم اوقاف وانعامات اور وظائف باستحقاق بخشے گئے اور اس قدر کہ اگر تمام بادشاہان ہند کی بخششوں کو ایک پلے میں رکھیں۔ اور اُس عہد کے انعام کو ایک پلہ میں۔ تو بھی یہی جھکتا رہے گا۔ تعظیم واحترام کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی علم حدیث کے سننے کو بادشاہ خود ان کے گھر جاتے تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں مسجدوں کے امام بادشاہ کی طرف سے ہوا

کرتے تھے۔ اور وہ سب صاحب خاندان عالم فاضل متقی پرہیزگار ہوتے تھے۔ سلطنت سے اُن کے لئے جاگیریں مقرر ہوتی تھیں چنانچہ انہیں دنوں میں حکم ہوا کہ تمام ممالک محروسہ کے امام جب تک اپنی مدد معاش اور جاگیروں کے فرمان پر صدر الصدور کی تصدیق اور دستخط نہ حاصل کرلیں۔ تب تک کروڑی اور تحصیلدار اُس کی آمدنی انہیں مجرا نہ دیں۔ یہ بااستحقاق لوگ انتہائے ممالک مشرقی سے لے کر سرحد، سندھ تک سب صدر کے حضور میں پہنچے۔ شیخ جب مسند جاہ وجلال پر بیٹھتے تھے۔ تو دربار کے بڑے بڑے عالیشان امرا اہل علم اور اہل صلاح کو ساتھ لے کر شیخ کے دیوان خانہ میں شفاعت اور سفارش کے طور پر لاتے تھے۔ ان کو ارض مقدس سے ہندوستان کی مٹی کھینچ کر لائی تھی۔ افسوس کہ اخیر وقت میں انجام اچھا نہ ہوا۔ احمد آباد گجرات میں آئے۔ تو معلوم ہوا ہندوستان پنجاب کابل تک ایک



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ مزار شیخ عبدالنبی کے قریب کھڑے ہیں

میدان ہے۔ اور سونے چاندی کا دریا ہے۔ کہ لہراتا ہے یا باغ ہے کہ لہلہاتا ہے۔ وہیں جاں بحق ہوئے۔ یہاں بھی پہنچانے والوں نے خبریں پہنچادی تھیں اکبر کی بیدینی اور بداعتقادی کے باب میں جو جو باتیں ان کی برکت سے مکہ اور مدینہ میں مشہور ہوئی تھیں۔ حرب بحرف بلکہ حاشیہ چڑھکر آئی تھیں۔ اکبر آگ بگولا ہو رہا تھا۔ جب گفتگو ہوئی تو ادھر کہن سال کی پرانی عادتیں خدا جانے کیا کہہ دیا۔ یہاں اب خدائی کے دعوے۔ خود بادشاہ نے انہیں کچھ سخت الفاظ کہے (الٰہی تیری امان) یہ وہی شیخ صدر ہیں۔ جن کے گھر میں خود حصول سعادت کے لئے جاتے تھے۔ جس ہاتھ سے جوتی ان کے سامنے رکھی۔ آج وہی ہاتھ تھا کہ اس عالم کہن سال کے منہ پر زور کا مکا ہو کر پڑا۔ اس وقت اس بیچارے نے اتنا کہا کہ بکار چرانمے زنی۔ جب مکہ کو بھیجا تھا تو اہل قافلہ کے خرچ اور وہاں کے علماء و شرفا کے لئے ستر ہزار روپیہ بھی دیا تھا۔ ٹوڈرمل کو حکم ہوا۔ کہ حساب لو۔ اور تحقیقات کے لئے شیخ ابوالفضل کے سپرد کر دیا۔ دفتر خانہ کی کچہری میں جس طرح اور کروڑی قید تھے۔ اسی طرح یہ بھی قید تھے۔ اور وقت پر حاضر ہوتے تھے۔ شان الٰہی جن مکانوں میں وہ خود دربار کرتے تھے۔ اور امراء اور علماء حاضر ہوتے تھے۔ کوئی پوچھتا نہ تھا۔ آج وہاں خود جواب دہی میں گرفتار تھے۔ غرض مدت تک یہی حال تھا۔ اور شیخ ابوالفضل کی حوالات میں تھے۔ ایک دن سنا کہ رات کو گلا گھونٹ کر مروا ڈالا۔ دوسرے دن عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور مناروں کے میدان میں لاش پڑی تھی۔ معتمد خاں نے اقبال نامہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ ابوالفضل نے بادشاہ کے اشارہ سے مروا ڈالا۔ کتاب بزم تیموریہ از صباح الدین عبدالرحمٰن میں شیخ عبدالنبی کے بارے تحریر ہے شہنشاہ اکبر شیخ عبدالنبی کا بہت احترام کرتا تھا۔ بلکہ انکی جوتیاں تک سیدھی کرتا تھا۔ شیخ عبدالنبی کو دربار شاہی میں بہت زیادہ عزت واحترام حاصل تھا۔ شہنشاہ اکبر جوانی کے عالم جشن سالگرہ کی تقریب پر زعفرانی لباس پہن کر محل سے باہر آئے۔ شیخ عبدالنبی نے منع کیا اور عصا کا سرا بادشاہ کے کپڑوں کو لگا لیکن بادشاہ نے کوئی جواب نہ دیا حرم سرا میں آکر اپنی والدہ مریم مکانی سے شکایت کی۔ ماں نے بیٹے سے کہا۔



جناب سید محمد اسلم شاہ مقبرہ شیخ عبدالنبی کے قریب کھڑے ہیں

اس بات کا رنج مت کرو باعث نجات ہے کتابوں میں لکھا جائے گا ایک پیر فصلوک نے ایسے بادشاہ عالی جاہ کو عصا مارا وہ فقط شرع کے ادب سے صبر کر کے برداشت کر گیا۔ فاضل بداونی کہتے ہیں شیخ عبدالنبی کو دربار اکبری میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔ شیخ عبدالنبی پر انعام وظائف کی بارش ہوتی تھی۔ آپ نے وظائف النبی قلمی نسخہ بھی تحریر کیا آخر بادشاہ سے اختلاف یا دربار کی سازشوں سے 991ھ میں شیخ عبدالنبی کو مروا دیا گیا۔ جس مقام پر آپ کا مقبرہ ہے ماضی میں کابل اور دہلی کے لئے قدیمی سڑک یہاں سے گزرتی تھی اس قدیمی گزرگاہ کے آثار ختم ہو چکے ہیں۔ کوٹلی مقبرہ کے بزرگ لوگوں نے راقم کو بتایا کسی زمانہ میں مقبرہ کے چاروں طرف باغ ہوا کرتا تھا جو اَب ختم ہو چکا ہے۔ قدیمی گزرگاہ گرد و نواح تباہ شدہ بستیوں کے آثار ٹبوں ٹیلوں کی صورت میں ملتے ہیں۔

انڈس ہائی وے پر پانچ گھنٹے کا سفر

صوبہ سرحد کے چند اضلاع پشاور سے کوہاٹ بنوں ٹانک ڈیرہ اسمٰعیل کو ریل کی سہولت حاصل نہیں۔ یہ اضلاع رابطہ سڑکوں کے ذریعے اپس میں ملے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے مغربی اضلاع جو صوبہ سرحد میں رابطہ کے لئے جدید انداز میں سڑک تعمیر کی گئی ہے۔ جو انڈس ہائی وے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سڑک پشاور کوہاٹ ڈیرہ اسمٰعیل سے ہوتی ہوئی صوبہ بلوچستان سندھ کی طرف جاتی ہے۔ بنوں انڈس ہائی وے سے تقریباً تیس پینتس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ انڈس ہائی وے کی تعمیر کے وقت بنوں کی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پشاور سے درہ ادم خیل تک سڑک دوطرفہ ہے۔ درہ ادم خیل سے کوہاٹ تک تمام پہاڑی علاقہ ہے۔ انڈس ہائی وے ان پہاڑوں سے گزرتی ہے۔ کوتل کی چیک پوسٹ تک چڑھائی ہے یہاں گیٹ تعمیر کیا گیا ہے۔ جو ہنڈی کیپ کے نام سے منسوخ ہے۔ جو یہاں قبائلیوں کے ساتھ ایک معرکہ میں مارا گیا۔ کوتل چیک پوسٹ سے اُترائی کا سلسلہ کوہاٹ تک جاری رہتا ہے۔ اگر کوہاٹ سے پشاور کی طرف جائیں تو کوہاٹ سے کوتل چیک پوسٹ تک چڑھائی پھر اُترائی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر بہت بڑے خطرناک موڑ آتے ہیں۔ سڑک تنگ ہے لیکن ہلکی اور بھاری گاڑیاں رواں دواں رہتی ہیں۔ جب مال بردار ٹرک ٹرالے یہاں سے گزرتے ہیں ان کی رفتار ست ہوتی ہے۔ چھوٹی گاڑیوں کو راستہ نہیں ملتا۔ اب پہاڑوں کے درمیان بہت لمبی سرنگ تعمیر کی جارہی ہے سرنگ مکمل ہونے سے پشاور اور کوہاٹ کے درمیان تقریباً ایک یا پون گھنٹے کی مسافت کم ہو جائے گی۔ کوہاٹ کے بعد انڈس ہائی وے مشہور شہر لاچی سے گزرتی ہے۔ پہاڑی اور خشک علاقہ ہونے کی وجہ سے دور دور تک آبادی کے آثار نہیں ملتے۔ سڑک کے مغرب کی طرف تمام راستہ میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں پہاڑوں کا یہ سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ تمام پہاڑ خشک ہیں۔ البتہ کہیں کہیں سرسبز شاداب پہاڑ بھی نظر آتے ہیں ان پہاڑوں کے دامن میں آبی گذرگاہوں کے کنارے

بستیاں آباد ہیں۔ پانی کی وجہ سے ہریالی ہے۔آبپاشی کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے زمینیں خشک پڑی ہیں۔ جو بارش کے رحم کرم پر ہیں۔ سڑک کے قریب بھیڑ بکریوں کے ریوڑ گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ بھیڑ بکریوں پالنا قبائیلوں کا دیرینہ پیشہ ہے۔ انڈس ہائی وے پر دورانِ سفر میلوں تک کوئی آبادی نظر نہیں آتی رات کے وقت سفر خطرہ سے خالی نہیں ہوتا ہے۔شام کے بعد عموماً سفری گاڑیاں اس سڑک پر نظر نہیں آتیں۔ڈیرہ اسمٰعیل سے پہلے لکی مروت اور شیخ بدین کے تاریخی شہر آتے ہیں۔ شیخ بدین کی پہاڑی موسم گرما میں موسم خوشگوار ہوتا ہے۔انگریزوں نے یہاں ریسٹ ہاؤس تعمیر کر رکھا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر جانے کے لئے رابطہ سڑکیں بھی انڈس ہائی وے سے ملتی ہیں۔ دروں کے راستے قبائلی علاقہ جات اور افتادہ دیہات اور افغانستان سے آنے والے قافلوں نے اپنے طور پر راستے بنا رکھے ہیں۔ پگڈنڈی نما ان راستوں سے خونخوار کتوں، اونٹوں اور گدھوں کے ہمراہ خانہ بدوشوں قافلے گزرتے رہتے ہیں۔ پہاڑی علاقہ میں نسوانی حسن گوڈری میں لعل چھپے ہوتے ہیں۔ یہاں پردہ کی پابندی سختی سے کی جاتی ہے۔ موسلادھار بارش ہو تو پہاڑوں کا پانی میدانی علاقہ میں آجاتا ہے۔اس پانی کو سٹور کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے ڈیم تعمیر کر کے بنجر زمینوں کو آباد کر کے اس علاقہ میں خوشحالی لائی جاسکتی ہے۔ انڈس ہائی وے جب ڈیرہ اسمٰعیل کی سرزمین میں داخل ہوتا ہے۔ سڑک کے دونوں اطراف ہریالی اور کھجوروں کے باغ ہی باغ نظر آتے ہیں۔ دریائے سندھ جو ڈیرہ اسمٰعیل کے قریب بہتا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں مشہور پتن تھا۔ پنجاب اور سندھ وسطی ہندوستان کی طرف سے آنے جانے والے قافلے یہاں قیام کرتے۔ سرزمین عرب سے آنے والے اپنے ہمراہ کھجوریں لاتے۔ کھجور میں یہ خوبی پائی جاتی ہے وہ سالوں سال خراب نہیں ہوتی دورانِ سفر بہترین غذا ہے۔ جہاں بھوک لگی کھجوریں پانی یا دودھ کے ساتھ کھالیں۔ جسم کو توانائی مل گئی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان دریائے سندھ کے کناروں پر میلوں کھجوروں کے باغ ہیں۔ انڈس ہائی وے ڈیرہ اسمٰعیل سے ہوتی ہوئی ڈیرہ غازی خان راجن پور سے ہوتی ہوئی بلوچستان سندھ کی طرف جانکلتی ہے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان سے انڈس ہائی وے کی ایک شاخ ژوب کوئٹہ کی طرف جاتی ہے۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان کی سوغات کچی کھجوروں کا پھل فروخت کیا جارہا ہے مقامی زبان میں کچی کھجوروں کو ڈوکا کہتے ہیں کھٹی میٹھی یہ کھجوریں بہت پسند کی جاتی ہیں مہمانوں کو بطور خاص ڈش پیش کی جاتی ہے۔

پشاور سے ڈیرہ اسمٰعیل کا سفر تقریباً پانچ گھنٹے سے اختتام پذیر ہوتا ہے۔ انڈس ہائی وے بین الاقوامی معیار کے مطابق تعمیر کی گئی ہے۔ اگست کے مہینے میں تیار کھجوریں مارکیٹ میں آجاتی ہیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب سڑک کے کنارے کچی کھجور لاکر فروخت کی جاتی ہیں۔ کچی کھجور کو ڈوکے کہتے ہیں۔ یہ کچی کھجوریں ٹہنیوں کے ساتھ ہی توڑ کر لائی جاتی ہیں۔ ذائقہ میں ترش اور میٹھی ہوتی ہیں۔ محمد شریف نے راقم کو یہ کھجوریں بطورِ تحفہ دیں۔ یہ کچی کھجوریں کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ٹوکری میں بند کرلی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خشک اور بنجر پہاڑی علاقہ کو میٹھے پھل کھجور سے نواز رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کیا خوب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جنگل بیابان ریگستان میں پہاڑوں میں ویرانوں میں کیسے کیسے لذیز اور میٹھے پھل پیدا کرر کھے ہیں۔

موٹر وے پر چند گھنٹے کا سفر اور اس کا تاریخی پس منظر

یہ سڑک قدیمی اور تاریخی گزرگاہ پر تعمیر کی گئی ہے



راقم کی عرصہ سے خواہش تھی کہ موٹر وے پر سفر کر کے جدید دور کی تعمیر کردہ سڑک پر سفر کا نظارہ کیا جا سکے۔ محمد شریف نے بتایا کہ راولپنڈی سے ایک ایک گھنٹہ کے بعد ڈیرہ اسمٰعیل کے لئے فلائنگ کوچیں چلتی ہیں۔ جب سے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کا نظام ختم ہوا ہے۔ جگہ جگہ گاڑیوں کے پرائیویٹ اڈے کھل گئے ہیں۔ مسافروں کی آرام دہ چھوٹی اور بڑی گاڑیاں دن رات سفر کے لئے مل جاتی ہیں۔ راقم نے 21 مارچ 2001ء راولپنڈی شاہد کے ہاں قیام کیا۔ 22 مارچ 2001ء صبح سویرے ڈیرہ اسمٰعیل کے لئے فلائنگ کوچ 8 بجے روانہ ہوئی۔ بکنگ کلرک کی وساطت سے گاڑی میں فرنٹ سیٹ مل گئی۔

راولپنڈی سے سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر پشاور روڈ کے قریب سے موٹروے کا آغاز ہوتا ہے۔ جوں ہی گاڑی موٹروے پر رواں دواں ہوئی۔ گاڑی کے ہچکولے چوں چراں ختم ہوگئی اور آرام دے سفر کا آغاز ہوا۔ موٹروے پر۔ صفائی موٹروے پولیس اور حفاظتی عملہ کی گاڑیاں۔ گومتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ ایمرجنسی کی صورت میں ٹیلیفون کی سہولت حاصل ہے۔ مناسب پوائنٹ پر ریسٹورنٹ اور آرام کرنے کے لئے جگہ مخصوص کی گئی ہے۔ سڑک کے کنارے ندی نالوں دریاؤں شہروں قصبے دیہات کے نام تحریر ہیں۔ لنک راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ موٹروے کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں کبھی میدان پتھریلی بنجر زمین دیکھنے کو ملتی ہے۔ پاکستان موٹروے کا تاریخی پس منظریوں ہے انگریزوں نے جو طویل عرصہ تک برصغیر پر حکمرانی کی اس میں ان کے ذرائع مواصلات کا بڑا دخل رہا۔ سب سے پہلے وہ اپنا نیٹ ورک مکمل کرتے پھر دھیرے دھیرے قدم جماتے چلے جاتے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ذرائع مواصلات ہر دور میں بڑی اہمیت کے حامل رہے اور جن قوموں نے اس پہ توجہ دی وہ آگے نکل گئیں اور جنہوں نے انہیں نظرانداز کیا وہ بہت پیچھے رہ گئیں۔ دوسری جنگ عظیم کی مثال لیجئے ہٹلر نے اقتدار سنبھالتے ہی اپنا جو اقتصادی پروگرام قوم کے سامنے رکھا اس میں ذرائع مواصلات کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ جرمنی کو معاشی کسمپرسی سے نکال کر جرمن قوم عروج سے زوال اور پھر سے عروج کی طرف گامزن ہے لیکن وہاں کا نیٹ ورک آج بھی ہٹلر کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اسی نیٹ ورک کی بدولت دوسری عالمی جنگ میں جرمن افواج فوراً ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ جاتیں۔ دراصل عسکری قوت کی کاری ضرب برق رفتاری میں ہی پنہاں ہوتی ہے۔ جرمنی میں یورپ کا بہترین موٹرویز کا نیٹ ورک موجود ہے۔ وہی فاصلہ جو کئی گھنٹوں میں طے ہوتا ہو وہ نصف وقت میں ہو جاتا ہے ہیوی ٹرالرز کی لمبی قطاریں اور بی ایم ڈبلیو و مرسیڈیز کی برق رفتاری صرف اور صرف کشادہ موٹرویز کی بدولت ہیں۔ جرمنی نے واقعی اس فیلڈ

میں تقریباً پورے یورپ میں برتری حاصل کر رکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قوموں کی دوڑ میں آگے ہی آگے جا رہے ہیں۔ فرانس کا مواصلات کا نظام بھی بہت ترقی یافتہ ہے تمام بڑے بڑے شہر چھ لین اور چار لین کی موٹرویز سے منسلک ہیں۔ قیام پاکستان سے لیکر اب تک ایک واحد قومی شاہراہ جی ٹی روڈ ہے جو کراچی سے پشاور تک پوری قوم کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ بڑے بڑے تمام شہر اسی سے منسلک ہیں اور روز بروز اس پہ ٹریفک کا بوجھ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور اگر بدقسمتی سے کبھی کوئی گاڑی ٹرک یا ٹرالر خراب ہو کے کھڑا ہو جائے تو میلوں لمبی قطاریں لگ جاتی ہیں۔

موٹروے کی تعمیر کا ڈائیوو کمپنی نے کنٹریکٹ ملتے ہی برق رفتاری سے اس کی تعمیر شروع کی کیونکہ انہیں صرف 36 مہینے کا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ اربوں روپے کی مشینری درآمد کی گئی جو معاہدہ کی رُو سے موٹروے کی تعمیر مکمل ہوتے ہی حکومت پاکستان کے حوالہ کر دی گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں ورکر بھرتی کیے گئے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے لوکل فرموں کو ٹھیکے دیئے گئے اور اس طرح ترقی کا نیا دور شروع ہو گیا۔

موٹروے پہ سفر کا آغاز کرتے ہی اک نئی دنیا میں آ جانے کا احساس ہوتا ہے۔ کہاں وہ خستہ حال سڑکیں اور کہاں یہ چھ رویہ سڑک۔ شروع ہی سے ان گنت پلوں اور گزرگاہوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پلوں کے ڈیزائن اور مضبوطی کا جو معیار ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے۔ لہراتی، بل کھاتی موٹروے ان علاقوں سے گذرتی ہے جو واقعی پسماندہ ہیں۔ اب ان علاقوں کے لوگ پر امید اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں گم نظر آتے ہیں۔

موٹروے کے نقطہ آغاز سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر پہلا پہاڑی سلسلہ ہے جسے کھیری مورت کا پہاڑ کہا جاتا ہے یہاں ایک بلند مضبوط پہاڑ کو کاٹ کر موٹروے گذاری گئی ہے۔ اس عظیم شاہراہ کی مضبوطی و پائیداری کا اندازہ اس چیز سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے زمین کو کئی فٹ گہرا کھودا گیا اور تازہ دم مٹی ڈال کر پریس کی گئی یعنی ارتھ

ورک پہ بہت زور دیا گیا۔ ڈیزائن میں حتیٰ الوسعیٰ کوشش کی گئی ہے اس میں کم سے کم موڑ ہوں تاکہ سپیڈ برقرار رکھی جاسکے۔ موٹروے کے راستے میں جو بھی سڑکیں پہلے سے موجود تھیں انہیں اور ہیڈ برج بنا کر گذارا گیا ہے۔ البتہ گزرگاہیں موٹروے کے نیچے سے گذاری گئی ہیں۔ اور ایسی سینکڑوں گذرگاہیں آبادی کے لحاظ سے مناسب جگہوں پہ تعمیر کی گئی ہیں۔

موٹروے پہ زیادہ سے زیادہ سپیڈ **120** کلومیٹر فی گھنٹہ مقرر کی گئی ہے جسے مستقبل قریب میں **130** کر دیا جائے گا۔ اسی سپیڈ سے سفر کرتے ہوئے اسلام آباد سے تھوڑی مسافت پر پہلا بڑا قصبہ چکری ہے۔ یہاں سے دریائے سواں گزرتا ہے اور ایک لمبا پل تعمیر کیا گیا ہے۔ چکری سے آگے چل کر سڑک خوبصورت علاقوں میں سے گذرتی بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی مین ہائی وے یعنی چکوال تلہ گنگ روڈ بلسکر سے گذرتی ہے یہاں دوسرا انٹرچینج بنایا گیا ہے یہ علاقہ تیل کی پیداوار کیلئے مشہور ہے۔ بلکسر سے سالٹ رینج کا پہاڑی سلسلہ بڑا واضح دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہاں سے چند منٹ کے فاصلے پر کلر کہار واقع ہے اور اس سے ذرا پہلے سرگودھا چکوال روڈ موٹروے کو کراس کرتی ہے۔ کلر کہار پر انٹرچینج تعمیر کیا گیا ہے یہ جگہ بہت خوبصورت ہے ایک چھوٹی سی ندی پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے ساتھ ہی ایک پھل دار باغ نے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں مغل بادشاہ ظہرالدین بابر نے بھی اپنی تزک بابری میں کلر کہار کی خوبصورتی کا ذکر کچھ یوں کیا ہے ''اس تالاب کے قریب ایک مرغزار بھی ہے ایک ندی بھی ہے اور دامن کوہ میں ایک چشمہ بھی پھوٹتا ہے یہ جگہ اور اس کا ماحول مجھے بہت پسند آیا۔ اس لئے میں نے یہاں ایک باغ لگوایا اور اس کا نام باغ صفا رکھا۔'' اب اس جگہ کو نیشنل پارک قرار دے دیا گیا ہے۔ کلر کہار سے موٹروے سالٹ رینج کے پہاڑی سلسلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس دشوار گذار علاقے میں اتنی عمدہ شاہراہ کی تعمیر سول انجینئرنگ کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔

سالٹ رینج کو پار کرتے ہی یعنی پہاڑوں سے نیچے اُترتے ہی سامنے وادی جہلم ہے صدیوں پہلے دریائے جہلم ان پہاڑوں کو چھو کر گذرتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا گیا یہاں سے میدانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے پہاڑوں سے نیچے اُترتے ہوئے موٹروے کا نظارہ بہت دلکش وحسین نظر آتا ہے۔

دریائے جہلم اور سالٹ رینج کے درمیان للہ ٹاؤن ہے جہاں تیرا انٹرچینج بنایا گیا ہے ایسا ہونے سے اس علاقے کے ''بھاگ'' جاگ اُٹھے ہیں۔ یہاں سے دس منٹ کی مسافت پر دریائے جہلم ہے۔ میدانی علاقہ ہونے کی وجہ سے بپھرے ہوئے دریا کو قابو کر کے ایک طویل پل بنانا واقعی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مترادف تھا۔ چھ رویہ ٹھوس پل قابل دید ہے۔ دریا کو عبور کرتے ہی بائیں جانب قدیم شہر بھیرہ واقع ہے۔

اب موٹروے کے کنارے پر دریا کے اس پار سرگودھا ضلع شروع ہو جاتا ہے سرسبز وشاداب کھیت، لہلہاتے کھلیان اور پھر نہ ختم ہونے والا کنو و مالٹے کے باغات کا سلسلہ اسی دھرتی کا زیور ہیں۔ یہاں کا پھل اپنی کوالٹی اور ذائقہ کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ خدائے برتر نے ہمیں ایسی کئی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ سرگودھا بھلوال بھیرہ اور منڈی بہاؤالدین والوں کے لئے انٹرچینج سالم چوک پر بنایا گیا ہے۔ یہاں سے موٹروے کوٹ مومن کی طرف نکل جاتی ہے۔ یہاں سے آگے چل کر سڑک طالب والہ پتن کے مقام پر دریائے چناب کو عبور کرتی ہے۔ طالب والہ پر پہلے سے نیا تعمیر شدہ پل جو سرگودھا کو لاہور سے ملاتا ہے اب موٹروے کے کام بھی آ گیا ہے۔ چناب عبور کرتے ہی پنڈی بھٹیاں کا انٹرچینج ہے جو حافظ آباد، گوجرانوالہ، چنیوٹ، جھنگ، فیصل آباد اور پنڈی بھٹیاں آنے جانے والوں کے زیر استعمال ہے۔ اس وقت ملک میں 90 فیصد سے زائد اشیاء اور مسافروں کی نقل وحرکت سڑکوں کے ذریعے ہوتی ہے جب کہ باقی ماندہ نقل وحرکت کا کام دوسرے ذرائع مثلاً ریل اور ہوائی راستے سے سرانجام پاتا ہے۔ ہمارے

پاس شمالاً جنوباً رابطہ کا صرف ایک ذریعہ ہے جسے کراچی، لاہور، پشاور قومی شاہراہ ہے۔ اور 75 فیصد اشیاء اور مسافروں کی نقل وحرکت کا انحصار اسی شاہراہ پر ہے۔ ملک کی 80 فیصد اقتصادی سرگرمیاں اسی قومی شاہراہ کے ذریعے سے سرانجام پاتی ہیں اور یہ شاہراہ ملک کے بڑے شہروں اور قصبوں سے ہو کر گزرتی ہے۔

موٹروے لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سرگودھا، جہلم، چکوال، اٹک اور راولپنڈی کے اضلاع سے گزرتی ہوئی اسلام آباد لنک روڈ کے ذریعے وفاقی دارالحکومت سے ملی ہوئی ہے۔ 333 کلومیٹر طویل ہے۔

بڑے شہروں، قصبوں اور مجوزہ صنعتی علاقہ کے مقامات پر 11 جنکشن بنائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مقامی آبادی کے موٹروے عبور کرنے کے لئے 35 فلائی اوورز اور 190 زمین دوز گزرگاہیں تعمیر کی گئی ہیں۔ جبکہ پانی کی نکاسی کا بھی خاطرخواہ انتظام کیا گیا ہے۔

اس عظیم منصوبے میں 106 پل جس میں چار بڑے دریاؤں چناب، جہلم، سواں کے پلوں کے علاوہ 1027 پلیاں بھی شامل ہے۔ موٹروے پر مجموعی طور پر 10 سہولتی مراکز تعمیر کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر غضنفر مہدی نے اس شاہراہ کا تاریخی پس منظر یوں بیان کیا ہے۔

دو ہزار سال پہلے جب بادشاہ کوشانا نے چین سے روم تک سلک روڈ بنانی شروع کی تو ایشیا کی خوشحالی کا نیا دور طلوع ہوا اور یہ اگلے 15 سو سال تک بڑھتا رہا جب تک کہ سمندری تجارت نے اس کی جگہ نہ لے لی۔ تقریباً دو ہزار پانچ سو سال پہلے ایرانی بادشاہ نے ٹیکسلا کو دنیا کا عظیم ترین شہر اور مشرق ومغرب کا مرکز بنا دیا۔ ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک ٹیکسلا نے یہ مقام قائم رکھا۔ مارین بادشاہ آسوکا نے دو ہزار دو سو پچاس سال قبل ٹیکسلا (پٹنہ) تک سڑک کے ذریعے توسیع دی اور مزید مشرق سے خلیج بنگال تک اگلے ایک ہزار سال سے ٹیکسلا جنوبی اور وسطی ایشیا میں سیاسی معاشی، مذہبی اور

تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا تھا۔ گندھارا کے دارلحکومت ٹیکسلا سے ہی بدھ راہب نکلے اور وسطی ایشیا، چین، کوریا اور جاپان پورے ایشیا سے طلبہ ٹیکسلا آتے اور ٹیکسلا کی یونیورسٹی سے علم کی پیاس بجھاتے۔ دنیا میں اپنی نوعیت کی واحد یونیورسٹی قائم تھی۔ شیر شاہ سوری نے **1540**ء میں دوبارہ برصغیر کی سڑک کو بنگلہ دیش میں سونارگان سے سندھ تک مرمت کیا۔ عظیم مغل شہنشاہ اکبر نے سڑک کو چوڑا کر کے ان راستوں سے گزارا جو کہ درہ مارگلہ سے نظر آتی ہے۔ اور ڈھاکہ اور دریائے کابل کے جنوب سے اٹک کے راستے پشاور تک سڑک کو توسیع کر دی اور پہلی دفعہ درہ خیبر کے راستے کابل تک راہداری دی اور وسطی ایشیا سے افغانستان کے راستے تجارت پورے برصغیر میں دوبارہ شروع ہوئی۔

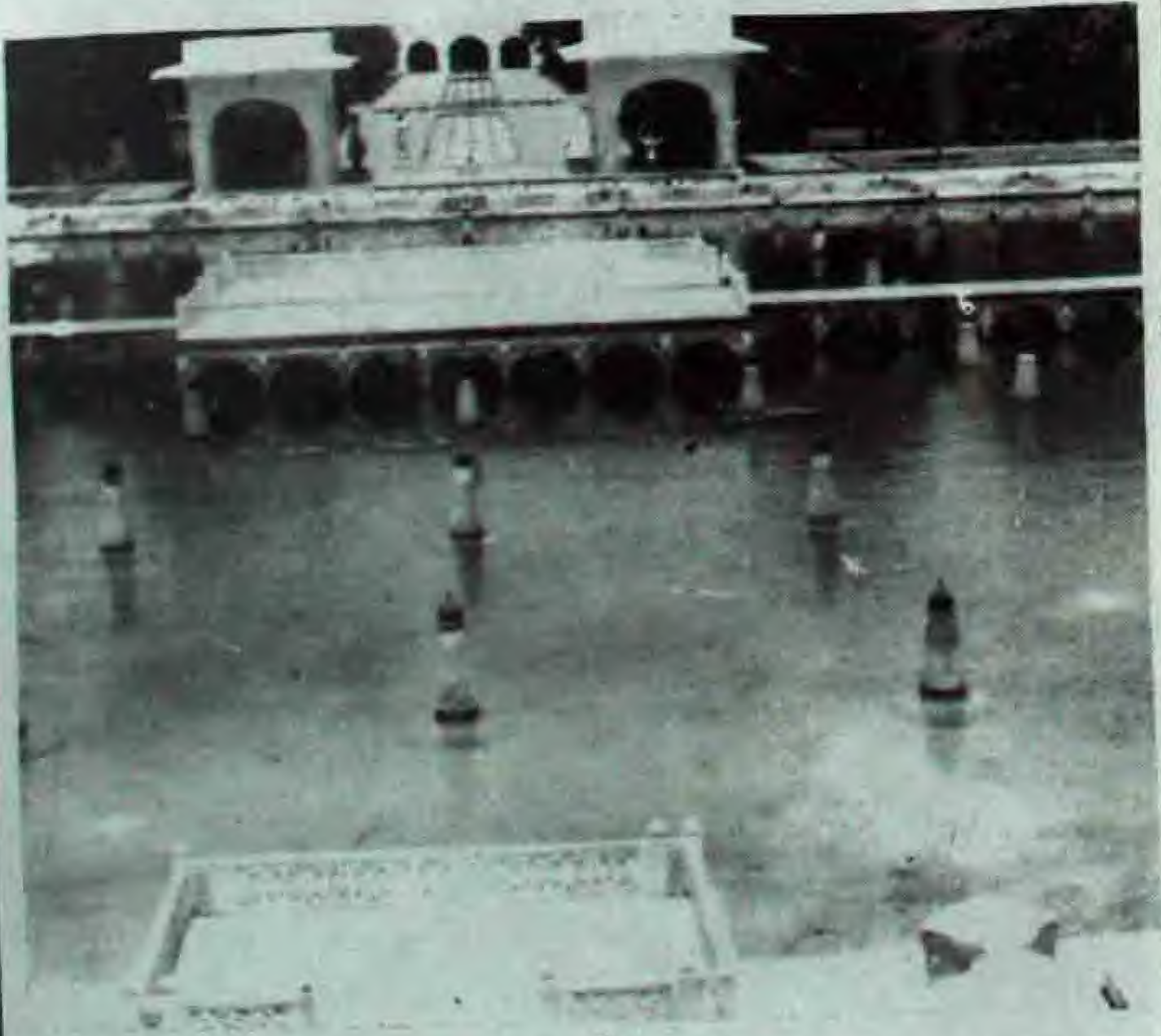
برطانیہ نے ہندوستان پر بادشاہت کے لئے اس سڑک کو جی ٹی روڈ کے طور پر کلکتہ سے پشاور تک بہتر بنایا سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد وسطی ایشیائی ریاستوں کی آزادی سے زمینی راستے کھلنے اور ہمسایہ ممالک کے تجارت اور تہذیب وتمدن میں تعاون کے روشن امکانات ہیں ایشیائی اپنے پرانے تعلق کی طرف واپس آ رہے ہیں جو کہ وہ پچھلی صدیوں میں بھول چکے تھے۔ لاہور اسلام آباد موٹروے اس طرف پہلا قدم ہے۔ سکندر اعظم نے ہند کے مقام پر دریائے سندھ عبور کر کے جس راستے پر اپنی فوجوں کے ساتھ پیش قدمی کی تھی اس راستے سے موٹروے گزرتی ہے۔ بہت عرصے بعد مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے بھی یہی راستہ استعمال کیا جس پر اب موٹروے بنائی گئی ہے۔ یہاں پر اب بھی بدھ مت کا مندر، ہندوؤں کا مندر، پکوڑا اور مغل اور سکھ عمارتیں ہیں۔ لیکن سب سے اہم اس جگہ کا ''مہابھارت'' ہیروز کے ساتھ اسکا تعلق ہے جن میں سے ایک کا نام ارجن تھا۔ سکندر اعظم اور بابر دونوں نے اس جگہ کو بائی پاس کیا تھا۔ دریا کے دائیں طرف واقع پرانا بھیرہ ہے۔ پرانا شہر دریا سے تباہ ہونے کے بعد مغلیہ دور کے شروع میں دریا کے دوسری جانب سلام چوک کے قریب نیا شہر تعمیر کیا گیا جو کہ ایک مشہور تجارتی مرکز بن

گیا۔اس شہر کے کچھ دروازے اب بھی باقی ہیں۔تاہم سب سے اہم شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ مسجد ہے۔عظیم معمار نے پرانی سڑک کے ساتھ ساتھ مسافروں کے لئے سرائے، کنوئیں، مندر اور مسجدیں بھی بنوائیں۔بھیرہ بھی اپنی آرٹ اور کرافٹ کی وجہ سے مشہور ہے یہ اپنی لکڑی کی ہینڈی کرافٹس ،لکڑی کی عمارتوں، مسجدوں اور گھروں کے منفرد انداز کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔آگے چل کر موٹروے اہم تاریخی جگہ شیخوپورہ سے گزرتی ہے۔ شیخوپورہ کا نام شیخو بابا سے نکلا ہے جو کہ مغل بادشاہ جہانگیر کا نام تھا۔شہنشاہ نے یہاں بہت اہم قلعہ تعمیر کیا جو کہ اب بھی اپنی حالت میں موجود ہے بعد میں قلعہ کے اندر ایک سکھ حویلی تعمیر کی گئی تھی جو کہ سکھوں کے وقت کی تصاویر اور اس دور کے سماجی حالات کی عکاسی کرتی ہے تاہم شیخوپورہ مغل شہنشاہ کی تعمیر کردہ ہران مینار کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔جنڈیالہ شیر خان میں ایک خوبصورت کنواں، کچھ مقبرے اور مشہور پنجابی شاعر وارث شاہؒ کا کمپلیکس موجود ہے۔



شیخوپورہ میں مغل دور کا تعمیر کردہ قلعہ

مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر نے دریائے راوی کے مغربی کنارے شاہدرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مغل بادشاہوں نے یہاں بہت سے باغات بنائے لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور شاہی قلعہ۔ شالامار باغ۔ بادشاہی مسجد۔ جہانگیر اور نور جہاں کا مقبرہ ہے۔ موٹروے مغل بادشاہوں کے شہر لاہور میں اختتام پذیر ہوتی ہے۔ موٹروے اس انداز سے تعمیر کی گئی ہے کہ بوقت ضرورت ہوائی اڈہ کا کام بھی دے سکتی ہے۔



شالامار باغ لاہور

میانوالی کا سفر

زیر طبع کتاب ''پشاور سے کوئٹہ تک'' کے بارے قبل ازیں راقم دو بار ڈیرہ اسماعیل خان کا مطالعاتی دورہ کر چکا ہے ہر دورے کا اہتمام یہاں کی روحانی شخصیت محمد شریف کے ذمہ ہوتا رہا گزشتہ سال 2001ء کو پہلی حاضری براستہ راولپنڈی موٹروے ہوئی دوسری بار پشاور سے بذریعہ انڈس وے ڈیرہ اسماعیل خاں پہنچے اگست کی گرمی کی وجہ سے یہ ٹور پروگرام مختصر کرنا پڑا۔ تیسری بار 22 مارچ 2002ء چونکہ 23 مارچ 24,25 محرم کی چھٹیاں تھیں اسلئے سرگودھا براستہ میانوالی کے راستے ڈیرہ اسماعیل جانے کا پروگرام طے ہوا۔ گجرات سے سرگودھا 180 کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔ 55 روپے کرایہ ہے ہر آدھا گھنٹہ یا گھنٹے کے بعد چھوٹی گاڑی سرگودھا کیلئے روانہ ہوئی۔ صبح چھ بجے پہلا ٹائم روانہ ہوتا ہے راقم کو سات بجے والی گاڑی مل گئی۔ ہائی ایس شادیوال روڈ سے گزرتی ہوئی بائی پاس روڈ کی ہموار سڑک پر پہنچی ہریالہ والا چوک سے سرگودھا روڈ سے گزرتی ہوئی کنجاہ' منگووال غربی' پاہڑیانوالی سے ہوتی ہوئی پھالیہ میں داخل ہوئی۔ پھالیہ میں شوگر مل کی وجہ



میانوالی میں حضرت میاں سلطان بادشاہؒ کا مزار

سے علاقہ بھرے آئی ہوئی گنے کی ٹرالیوں نے سڑک پر رکاوٹ بنی ہوئی تھی چھوٹی چھوٹی ٹرالیوں میں اسکی جسامت سے کئی گنا زیادہ گنا لاد کر شوگر مل کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے چونکہ سڑکیں تنگ ہیں گنے سے لدھی ہوئی یہ ٹرالیاں ٹریفک میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔

گنے کا سیزن دسمبر سے شروع ہو کر مارچ اپریل تک رہتا ہے پھالیہ کے کھٹالہ شیخاں روڈ کی یہی حالت تھی کٹھالہ شیخاں سے گزر کر کوچ گوجرہ میں داخل ہو گئی۔ پنجاب میں جن اضلاع میں سب سے زیادہ مالیہ حاصل ہوتا ہے ان میں منڈی بہاؤالدین ضلع بھی شامل ہے لیکن اس ضلع کی سڑکیں تنگ اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں' گوجرہ کے بعد ہیڈ فقیریاں جہاں نہر کا پانی تقسیم ہو کر مختلف راجباؤں میں تقسیم ہو جاتا ہے اس سرسبز شاداب سرزمین پر رینجر کے دفاتر ہیں مونہ ڈپو کے نام سے مشہور ہے یہاں سے آگے ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلوال کی حدود شروع ہوتی ہے پرانے بھلوال میں نوشہ پاک گنج بخشؒ آف رنمل شریف تحصیل پھالیہ



میانوالی کے قریب جہلم کا منظر

کے مرشد پاک حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کا مزار مبارک ہے۔ بھلوال میں شوگر مل کی وجہ سے ریلوے پھاٹک کے پاس سینکڑوں گنے کی ٹرالیاں بے یارومددگار کھڑی ہوتی ہیں سارا سال کماد کی فصل کی پرورش کرنے والا زمیندار اراب شوگر مل کے رحم و کرم پر ہوتا ہے شوگر مل والے کئی کئی روز تک گنے کی ٹرالی فارغ نہیں کرتے اور نہ ہی گنے کی قیمت فوراً ادا کرتے ہیں۔ بھلوال کے بعد سرگودھا شہر میں اڈا میں داخل ہوئے سفر کا پہلا مرحلہ طے ہوا۔ سرگودھا میں بسوں اور ویگنوں کا اڈا زیر تعمیر ہے پاکستان بھر کے ہر بڑے چھوٹے شہر کیلئے یہاں سے ہلکی اور بھاری گاڑیاں مل جاتی ہیں پاکستان میں بڑی بڑی سڑکوں سفر کیلئے آرام دہ ہیں وقت بھی زیادہ ضائع نہیں ہوتا۔ لاہور سے آنے والی گاڑیاں سرگودھا سے گزر کر میانوالی کی طرف جاتی ہیں سرگودھا اڈا پر میانوالی کیلئے گاڑی تیار کھڑی تھی۔ 138 کلومیٹر فاصلہ کیلئے 45 روپے کرایہ ادا کیا فرنٹ سیٹ مل گئی' سرگودھا سے شاہ پور صدر دریائے جہلم پر



شوگر ملز کے لئے گنا لایا جارہا ہے

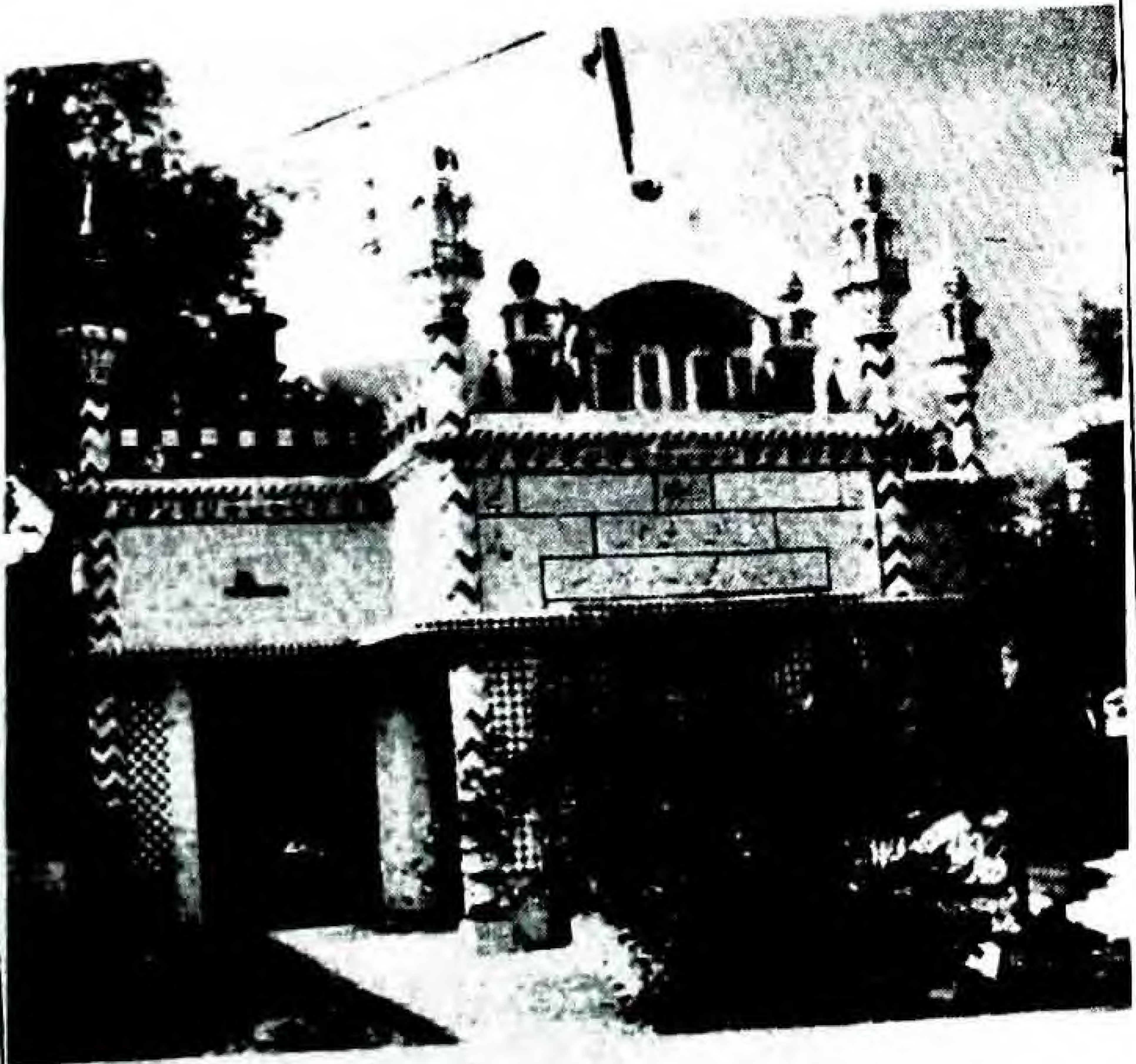
اب نیا پل تعمیر ہو چکا ہے جسکی وجہ سے وقت ضائع نہیں ہوتا اس پل کے قیام سے قبل ریلوے لائن کے ساتھ سڑک تھی یکطرفہ ٹریفک ریل کی آمد روفت سے یہاں کافی وقت ضائع ہوتا تھا بس خوشاب کی طرف رواں دواں تھی ۔ خوشاب ایک تاریخی شہر ہے قدیمی شاہراہ یہاں سے گزرتی تھی' نام خوش آب اچھا پانی کے ہیں لیکن خوشاب شہر کا پانی کڑوا ہے پینے کیلئے مشکوں کے ذریعے پانی لایا جاتا ہے خوشاب میں حضرت شاہ سلیمان نوریؒ کے مرشد پاک حضرت سید محمد معروف چشتی قادریؒ کا روضہ مبارک ہے ۔ خوشاب جو بادشاہوں حملہ آوروں تجارتی قافلوں کی گزرگاہ رہا۔ اس سرزمین سے گزرتے ہوئے بس جوہرآباد اور قائدآباد کی طرف روانہ ہوئی خوشاب سے کئی اضلاع کی طرف سڑکیں نکلتی ہیں' جوہرآباد میں شوگر ملز کی وجہ سے گنے کی ٹرالیاں گزرتی رہیں ۔ واں بھجراں کے شاپ پر جو دیسی مرغوں کی مارکیٹ ہے یہاں سے لاہور کو دیسی مرغے سپلائی کیے جاتے ہیں لاہور یے ہر روز



سلیم شیر افگن کیانی ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسر میانوالی

یہ ہزاروں دیسی مرغے چٹ کر جاتے ہیں۔ واں بھچراں کے بعد میانوالی پہنچے' میانوالی جدید شہر ہے' پپلاں اور کالا باغ اسکی تحصیلیں ہیں' ایک نہر ضلع کچہری کے قریب سے گزرتی ہے جوان دنوں خشک پڑی ہوئی تھی کچہری کی سڑکیں صاف ستھری اور کشادہ ہیں' قریب ہی ججز کالونی ڈی سی او کی رہائش گاہ ہے میانوالی کے ڈی سی او سلیم شیر افگن کیانی ہیں چونکہ وہ اولیائے کرام سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ پاکپتن میں بطور ڈپٹی کمشنر تعینات تھے انہیں بابا فرید گنج شکرؒ سے والہانہ عقیدت ہے اس رشتہ ناطہ سے ان کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات ہوئی۔ دوپہر کا کھانا ان کے ساتھ کھانے کے بعد ہم دونوں نے حضرت مخدوم حاجی صاحبؒ حضرت سلطان ذکریاؒ کے مزارات پر حاضری دیں۔ حضرت سلطان ذکریاؒ کے آستانہ کے سجادہ نشین محمد عالمگیر شاہ کئی بار سلیم شیر افگن کیانی کو مزار پر حاضری دعوت دے چکے تھے لیکن مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے اب یہ حاضری انہوں نے میرے ہمراہ دی ان بزرگوں کے مزار نوگز کے قریب ہیں۔ راقم کے ذہن میں خیال آیا نوگز لمبے مزار کو بہت قدیمی بزرگوں کے بنائے جاتے تھے کیونکہ اس دور میں گنبد مینار کا رواج نہیں تھا صاحب مزار کی اہمیت اور تقدس کے پیش نظر مزار لمبے تعمیر کر دیئے جاتے تھے میں نے میاں محمد عالمگیر کریانوالے سے سوال کیا یہ مزار لمبے کیوں تعمیر کئے جاتے ہیں تو انہوں نے میرے موقف کی تائید کی کہ صاحب مزار کی روحانیت شخصیت ان کے احترام اور تقدس کیلئے مزار لمبے تعمیر کئے جاتے ہیں سلیم شیر افگن کیانی جو خود گاڑی چلا رہے تھے نے بتایا کہ 1910ء میں انگریزوں نے میانوالی شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ وقت کی قلت کے باعث کسی اور تاریخی قدیمی روحانی مقام پر حاضری نہ ہو سکی البتہ میانوالی کی جیل کے قریب سے گزرنے کا موقع ملا۔ یہاں حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو نظر بند کیا جاتا ہے خطرناک ملزموں کو میانوالی جیل میں رکھا جاتا ہے۔ یہ جیل کافی رقبہ میں ہے میانوالی ضلع جو کبھی پنجاب میں جرائم میں سرفہرست ہوتا تھا اب یہ ضلع پر امن ہے۔ لوگ مہذب اور تہذیب یافتہ ہوتے جا رہے ہیں۔ فرقہ واریت نہ ہونے کے برابر ہے۔

سوہاوہ کے قریب دیوان حضوری کے نزدیک بہلوٹ کی سرزمین میں حضرت سلسانوشؒ کے نوگز لمبے مزار پر حاضری



پیر خلیل احمد جن کا تعلق ضلع گجرات کے مشہور قدیمی تاریخی قصبہ کولیلی سے ہے جو شاہ عبدالعزیزؒ دیوان حضوری کی اولاد سے ہیں۔ جن کا سلسلہ نسبت حضرت سید عبداللہ شاہ قادری المعروف دیوان حضوری آف بشندور سے جاملتا ہے۔ پیر خلیل نے محکمہ تعلیم میں خدمات سرانجام دیں۔ حالیہ دنوں بطور ہیڈ ماسٹر ریٹائرڈ ہوئے

ہیں۔ راقم نے اپنی کتاب گجرات تاریخ کے آئینے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دیوان حضوری جن کا مزار گولیکی میں ہے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور حضرت سید عبداللہ شاہ المعروف دیوان حضوری کا ذکر کتاب سیالکوٹ سے خیبر تک میں کیا ہے۔ پیر خلیل احمد اکثر و بیشتر دیوان حضوری حاضری دیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کتاب تذکرہ حضرت دیوان حضوری الحاج سید عبداللہ شاہ صاحب قادری تحریر کی ہے۔ تصوف کی دنیا میں اس کتاب کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ راقم نے پیر خلیل احمد سے کہا کہ وہ آستانہ عالیہ دیوان حضوریؒ حاضری دینا چاہتا ہے۔ اس علاقہ کے جنگل بیابان میں حضرت سلسانوشؒ کا ہزاروں سالہ قدیمی نو گز لمبا مزار ہے۔ اس مزار پر حاضری دینا چاہتا ہوں۔ پیر خلیل احمد نے رمضان شریف کے بعد کا وعدہ کیا۔ 30 دسمبر 2000ء پیر خلیل احمد نے فون پر بتایا صبح سویرے دیوان حضوری حاضری کے لئے تیار رہیں۔ چنانچہ پیر خلیل احمد 31 دسمبر سال کا آخری دن صبح سویرے تشریف لے آئے۔ ہم دونوں دیوان حضوری جس کا سابق نام بشندور ہے کے لئے روانہ ہوئے۔ راولپنڈی جانے والی ویگن نے ہمیں غوری چوک سوہاوہ کے قریب اتار دیا۔ غوری چوک سے سلطان شہاب الدین غوری کے مزار کے لئے ہلکی گاڑیاں چلتی ہی۔ اس چوک سے آستانہ عالیہ دیوان حضوریؒ کے لئے وقفہ وقفہ کے بعد گاڑیاں چلتی ہیں۔ پانچ چھ روپے فی سواری کرایہ وصول کرتی ہیں۔ دیوان حضوریؒ کا سابق نام بشندور تھا جو ایک قدیمی قصبہ ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں ہندو بھی آباد تھے۔ پرانے مکانوں کی دیواریں تراشے پتھروں سے تعمیر کی گئی ہیں۔ پانی کے ذخیرہ کے لئے ایک قدیمی تالاب ہے۔ تالاب کی کئی سیڑھیاں ہیں۔ برگد کے قدیمی درخت اس بستی کے قدیمی ہونے کے داعی ہیں۔ ماضی میں بھی بشندور کو اس علاقہ میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دیوان حضوری بستی کے گردونواح کھولے کھنڈرات اور بڑے بڑے کس یعنی ندی نالے ہیں۔ راقم نے گوجر خان کی سرزمین موٹر سائیکل پر گھوم پھر کر دیکھی ہے۔ یہ علاقہ کھولے کھنڈر کس یعنی ندی نالوں پر مشتمل ہے۔ دیوان حضوری

میں ہماری پہلی ملاقات صاحبزادہ حمید الرحمن شاہ سے ہوئی جو بڑے خلوص اور محبت سے ملے۔ فقیروں درویشوں کی اولاد محبت، شفقت جیسی دولت سے لبریز ہوتی ہے۔ انہوں نے دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ ان کے ہمراہ ہم نے الحاج سید عبداللہ شاہ قادری المعروف حضرت دیوان حضوریؒ کے آستانہ پر حاضری دی۔ حاضری کے بعد صاحبزادہ مظہر حسین شاہ سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد راقم پیر خلیل احمد کے ہمراہ صاحبزادہ دلدار شاہ سے ملاقات کے لئے ان کے درِ دولت پر حاضر ہوئے لیکن وہ گوجر خان گئے ہوئے تھے۔ یہاں شہزاد شاہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے بعد صاحبزادہ مبارک شاہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ تمام بزرگ حضرت دیوان حضوریؒ کی اولاد سے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا سہرہ جن بزرگان دین کے سر ہے۔ انہیں عرف عام میں اولیائے کرام یا صوفیائے کرام کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ انہی اولیائے کرام کے صدقے ان کے اخلاق و کردار کی بدولت برصغیر میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ خطہ پوٹھوہار میں اشاعت اسلام کرنے والے قدیم اولیائے کرام میں حضرت دیوان حضوری کا نام سر فہرست ہے۔ آپ کے آباء و اجداد غزنی سے ہجرت کر کے پہلے چنیوٹ پہنچے وہاں سے تخت پڑی اور پھر بشندور میں سکونت پذیر ہوئے۔ دیوان حضوری مادر زاد ولی تھے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم مکمل کی۔ لیکن بچپن میں ہی کرامات کا ظہور شروع ہو گیا۔ اور مخلوق خدا جوق در جوق حاضری کے لئے آنا شروع ہو گئی۔ لیکن آپ اس بات کو پسند نہ فرماتے تھے لہذا گھر سے نکل پڑے۔

سید سرمست شیرازی آپ کے ہمراہ تھے۔ لاہور پہنچے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضری دی اور فیض حاصل کیا۔ بعد میں بادبانی جہاز کے ذریعے حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک جزیرہ پر جہاز ٹھہرا۔ آپ دور جا کر عبادت میں معروف ہو گئے۔ جہاز کے جانے کا علم نہ ہوا۔ آپ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ سرور

کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی۔ چاروں خلفاء ساتھ تھے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ تیری پاک اولاد میں سے یہ شخص اس جزیرہ میں پریشان حال ہے۔ حضرت علیؓ نے آپ کو اٹھا کر گلے سے لگایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "عبداللہ کیا خواہش ہے؟" آپ نے عرض کی "یارسول اللہ حج کو جانا چاہتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "آنکھیں بند کرو" پھر آواز آئی۔ آنکھیں کھولو۔ آپ نے دیکھا تو اپنے آپ کو جدہ کی بندرگاہ پر پایا۔ آپ نے متواتر بارہ حج کئے۔ ہر سال نبی اکرم ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے۔ اور متواتر بارہ سال بغداد شریف حضرت غوث الاعظمؒ کے آستانہ پر گزارے۔ بغداد شریف سے واپسی پر آپ کو غوث الاعظم کی امانتیں اور خطابات پیش کئے گئے۔ آپ نے حضرت شاہ محمد بدگی بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ واپس آکر بشندور کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ درسگاہ قائم کی اور ہزاروں انسان آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ ہزاروں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ شاہ جہاں بادشاہ کے بیٹے شہزادہ دارالشکوہ، بیٹی شہزادی جہاں آراء بیگم نے آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ نے 20 شوال 1072ھ کو وصال پایا۔

میاں محمد صاحب کھڑی شریف دربار پر حاضر ہوئے تو سوہاوہ سے ہی پاپوش اتار لیتے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف اس علاقہ سے گزرتے تھے تو تعظیماً سواری سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے "یہاں پیر پیراں کا لاڈلا آرام کر رہا ہے"۔ تحریک مجاہدین میں دیوان حضوریؒ نے سکھوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ جس کی پاداش میں سکھ جرنیل ہری سنگھ نلوا نے دربار پر حملہ کیا۔ کتب خانہ جلادیا اور دو صاحبزادگان کو رہتاس قلعہ میں لے جا کر شہید کر دیا۔ حضرت دیوان حضوریؒ کے ایک صاحبزادہ شاہ عبدالعزیزؒ گولیکی (گجرات) چلے گئے۔ ان کی اولاد وہاں آباد ہے۔ اور دوسرے صاحبزادہ شاہ رحمت اللہ کی اولاد بشندور میں آباد ہوئی۔ حضرت دیوان حضوریؒ کا خاندان آج تک دینی اور دنیاوی طور پر خلق خدا کو فیض یاب کر رہا ہے۔ ہر سال 20 شوال کو عرس ہوتا ہے۔ جس میں دوسرے ممالک سے بھی لوگ شرکت کے

لئے حاضر ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں السید یوسف ہاشم الرفائی سابق وزیر اوقاف کویت دیوان سیدی آل رسول سجادہ نشین اجمیر شریف، سید برکات احمد شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف، مولانا عبدالستار نیازی صاحب، میاں محمد نواز شریف بطور وزیر اعلیٰ پنجاب، چیئرمین سینٹ وسیم سجاد صاحب اور دیگر سجادہ نشین بکثرت حاضری کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

صاحبزادہ حمید الرحمٰن شاہ دوپہر کے کھانے کے بعد بھلوٹ میں حضرت سلسانوشؒ کے مزار پر حاضری کے لئے ہمارے ساتھ روانہ ہوئے۔

علی انور جنکی عمر تقریباً اسی سال ہو گی وہ بھی بڑے شوق کے ساتھ ہمارے ساتھ ہو لیا۔ ان کے علاوہ مستری محمد صدیق، محمد عرفان جن کا تعلق گاؤں بھلوٹ نمبر 22 سے ہے۔ دیوان حضوری کے نوید حسین جو سوزو کی گاڑی کا مالک ہے۔ یہ لوگ جنگل بیابان میں راقم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ سوہاوہ سے دیوان حضوری کا فاصلہ تقریباً تیرہ کلومیٹر ہے۔ جبکہ بھلوٹ کا فاصلہ تیس کلومیٹر ہے۔ محمد غوری کے مزار کے لئے سوہاوہ سے سڑک جاتی ہے۔ بھلوٹ کے لئے پیر معصوم شاہ کے چوک سے جنوب کی جانب سڑک جاتی ہے۔ جو ڈوہنگی گاؤں کے قریب سے گزرتی ہے۔ سڑکوں کے کنارے جدید آبادیاں تعمیر ہو رہی ہیں۔ راستہ میں سڑک کے کنارے عالی شان کوٹھاں تعمیر ہو چکی ہیں۔ بیرون ملک محنت مزدوری کرنے والے جنگل بیابانوں میں جدید عالی شان کوٹھیاں تعمیر کر رہے ہیں۔ نوید حسن نے ایک عالی شان کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا اس کوٹھی کے نوے دروازے ہیں۔ اترائی چڑھائی۔ بڑے بڑے گھرے کس یعنی ندی نالوں مٹی کے بڑے بڑے پہاڑوں سے گزرتے ہوئے سڑک کے کنارے ایک مکان کے قریب پہنچے گاڑی مکان کے قریب رک گئی۔ عدالت حسین نے بتایا یہ شہید بابا کا مزار ہے۔ جو حال ہی میں سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ پھلاہی کے بڑے بڑے درختوں نے مزار پر سایہ کر رکھا ہے۔ خانقاہ شہید بابا کے مجاور نے بتایا یہ بہت قدیمی مزار ہے۔ اس قسم کے چار مزار اس علاقہ میں اور بھی ہیں۔ کبھی کبھی

رات کے اندھیرا میں ان مزاروں سے روشنی کی لکیر بلند ہوتی ہے۔اس نے بتایا آپ جس نوگزی قبر کی تلاش میں ہیں وہ کس یعنی نالہ کے کنارے جنگل بیابان میں ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد ٹیڑھے راستے سے گزرتے ہوئے آپ وہاں پہنچ سکیں گے۔ محمد عرفان جو اس قدیمی نوگزی قبر کے بارے معلومات رکھتا تھا۔راہنمائی کے فرائض سرانجام دیئے۔مزار کے لئے راقم نے دس گز چادر محمد عرفان کے حوالے کی۔اس علاقہ کے لوگ بڑے محبت اور پیار کرنے والے ہیں۔راقم اور پیر خلیل احمد اور صاحبزادہ حمید الرحمٰن کے علاوہ مقامی چار افراد ہمارے ہمراہ تھے۔ ہم حضرت سلسانوش ؒ کی نوگز لبے مزار کی طرف عقیدت لیے رواں داوں تھے۔ یہ لوگ راقم کی عقیدت اور تحقیق پر تمام راستہ داد دیتے رہے کہ گجرات کا وکیل ایک اللہ کے نیک برگزیدہ ہستی کے مزار کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔خار دار جھاڑیوں، سرکنڈوں، چھوٹے پہاڑوں، ندی نالوں سے گزرتے ہوئے آخری پہاڑی پر چڑھنے کے بعد کچھ میدانی علاقہ نظر آیا۔ جس راستے سے ہم گزر کر یہاں پہنچے کچا راستہ سرائے سیداں کی طرف جا نکلتا ہے۔اس میدان کے ایک ٹبہ پر ایک نوگزی قبر ہے۔ٹبہ کی دیواریں سیاہ پتھروں سے تعمیر کی گئی ہیں۔ٹبہ پر سیاہ پتھر جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ یہ پتھر مکانوں کی بنیادوں میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ نوگز لمبا مزار سیاہ تراشے ہوئے پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ سرہانہ دیابتی کے لئے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے طاقچہ بنایا گیا ہے۔ یہاں دیابتی روشن کی جاتی ہے۔پاؤں کی جانب پانی کا مٹکا رکھا ہوا ہے۔ جس کے اردگرد سیاہ پتھر نصب ہیں۔ مزار کے پاؤں کی جانب پھلاہی ون کے قدیمی درخت ہیں۔دعا کے بعد مزار پر چادر چڑھائی۔ جس ٹبہ پر یہ نوگز لمبا مزار ہے۔اسی ٹبہ پر مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔اور تراشے ہوئے سیاہ رنگ کے پتھر اس بات کے داعی ہیں کہ کسی زمانہ میں یہاں کوئی بستی آباد تھی۔ ٹبہ سے تھوڑے فاصلہ پر مشرق کی جانب ایک اور آبادی کے آثار ملتے ہیں۔ تراشے ہوئے پتھروں کی دیواروں کے آثار ملتے ہیں۔اور مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ قریب

ایک بہت گہرا نالہ بھی ہے۔ جو آجکل خشک ہے۔ صرف برسات کے موسم میں پانی کے آثار ملتے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ علاقہ ہموار میدان تھا۔ لیکن مسلسل بارشوں کی وجہ سے یہ علاقہ بڑے بڑے مٹی کے پہاڑوں کی صورت اختیار کر گیا۔ تھوڑے سے فاصلہ پر بھڈانہ میں بھی نوگز لمبا مزار ہے۔ صاحب مزار کا نام حضرت مرطوشؒ ہے گوجر خان کے علاقہ میں پھروال دلالان المعروف حامد جنگی میں بارہ کے قریب نوگز لمبے مزار ہیں جو ایک ہی احاطہ میں ہیں۔ صاحب مزارات کے نام راقم کی لکھی ہوئی کتاب "گجرات تاریخ کے آئینے میں" موجود ہیں۔ راقم پاکستان بھر میں نوگز لمبے مزارات



سوہاوہ بلوٹ کے قریب پشند در دیوان حضوری کے نزدیک حضرت سلسا نوشؒ کے نوگز لمبے مزار پر راقم ایم۔ زمان کھوکھر ایڈووکیٹ دعا مانگ رہے ہیں یہ مزار تراشے ہوئے سیاہ پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار ٹبہ پر ہے

پر حاضری دے چکا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب ''پاکستان میں محبوبان خدا کے نو گز لمبے مزار'' بھی تحریر کر چکا ہے۔ بھلوٹ کے رقبہ میں اس نو گز لمبے مزار پر راقم نے قبل ازیں کئی بار کوشش کی لیکن حاضری نہ ہو سکی۔ لیکن سال 2000ء کے آخری دن 31 دسمبر کو حاضری منظور ہوئی۔ حافظ شمس الدین کے قلمی نسخہ انوار الشمس کے صفحہ نمبر 326 نمبر شمار 416 کے مطابق صاحب مزار کا نام حضرت سلسانوش ؑ ہے۔ ساتھ بھلوٹ نزد بشدور ضلع راولپنڈی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب مرسلین سے جا ملتا ہے۔ پاکستان بھر میں انبیاء کرام ان کے صحابہ، نمازیوں، شہداء کا تذکرہ راقم کی لکھی ہوئی کتاب سیالکوٹ سے خیبر تک میں اور شجرہ گجرات تاریخ کے آئینے میں شامل کیا گیا ہے۔

اولیائے کرام حملہ آوروں تجارتی قافلوں کی گزرگاہیں

ماضی میں پاکستان کے پیشتر مقام اولیائے کرام حملہ آوروں اور تجارتی قافلوں کی گزرگاہ رہے۔ اس سرزمین کو ان بڑے بڑے اولیائے کرام کے قدم چومنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جنہوں نے سرزمین پاک ہند میں اسلام کی شمعیں روشن کیں جن کی پرخلوص کوششوں سے اس وقت برصغیر پاک وہند میں تقریباً 60 کروڑ کے قریب مسلمان ہیں۔ پشاور، لاہور، ملتان بلکہ پاکستان کے ہر علاقہ میں اولیائے کرام کے مزارات ہیں۔ یہاں مخلوق خدا حاضر ہو کر دینی دنیاوی فیض حاصل کر رہی ہے بلکہ بادشاہوں کے تعمیر کردہ قلعہ جات کے آثار آج بھی صدیاں گزر جانے کے باوجود دیکھے جاسکتے ہیں راقم نے پشاور کے لئے اپنے سفر کا آغاز گجرات سے کیا تھا۔ لہٰذا گجرات سے پشاور تک جی ٹی روڈ کے کنارے قدیمی بستیوں کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ گجرات میں انبیائے کرام مرسلین ان کے خلفاء

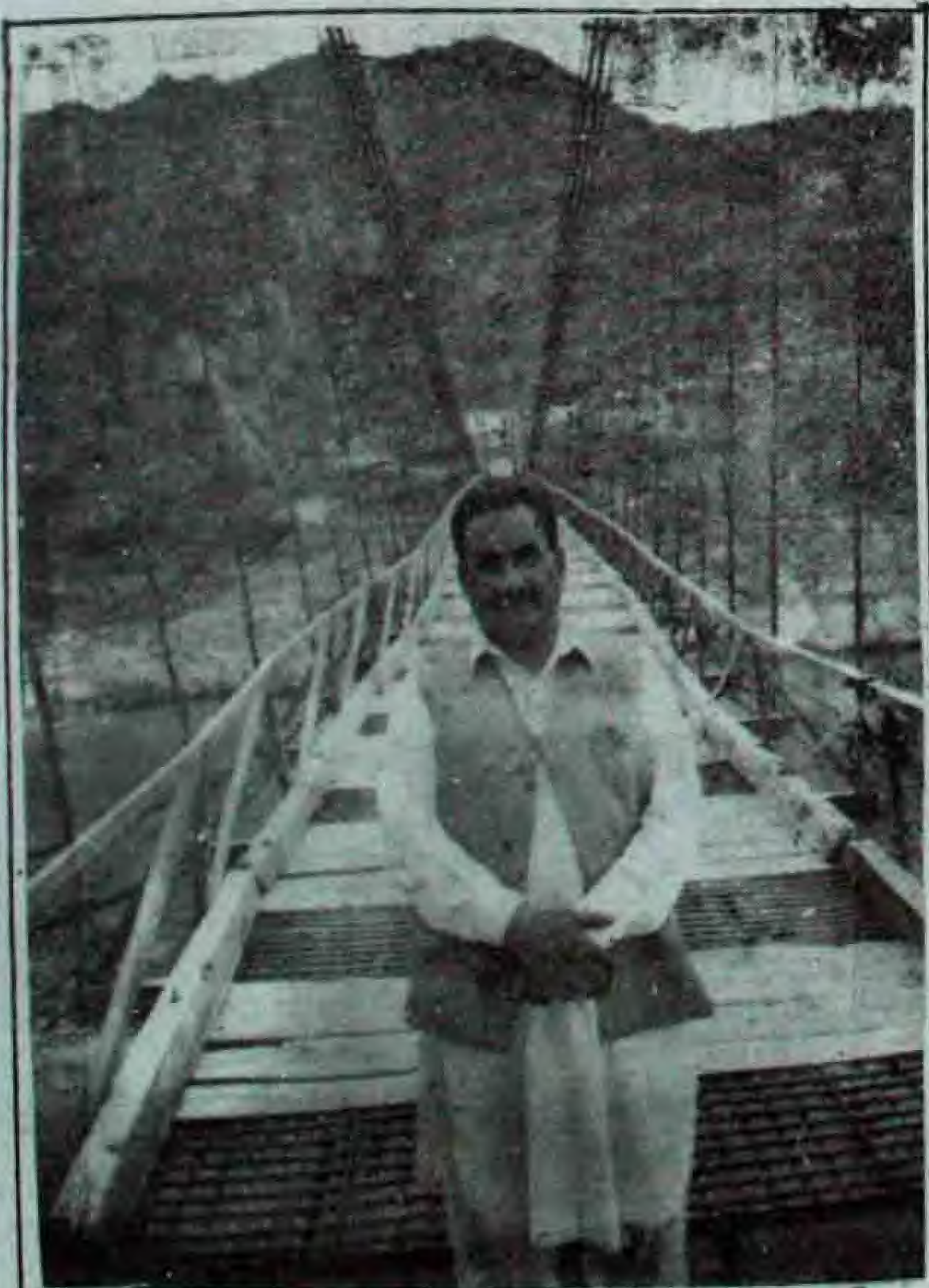


قلعہ دان گلی کے قریب دریائے جہلم کا منظر

شہیدوں کے لاتعداد مزار ہیں ۔ اس خطہ کو دریائے چناب، جہلم اور توی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے قدیمی گزرگاہوں کے آثار بھی اس سرزمین پر پائے جاتے ہیں حضرت شاہدولہ سرکارؒ، حضرت سائیں کرم الٰہی کانواں والی سرکارؒ کے مزار کے علاوہ لاتعداد اولیائے کرام کے مزار بھی گجرات میں ہیں ۔ گجرات کو یہ اہمیت حاصل ہے یہاں انسانوں چڑھاوے اور پرندوں میں سب سے زیادہ چالاک کوا پرندہ کو قابو کرلیا میری مراد حضرت شاہدولہ کے مزار پر انسانوں کے چڑھاوے اور حضرت کانواں والی سرکار کے گردونواح ہر وقت کوے موجود رہتے ۔عہد حاضر میں آستانہ عالیہ بڑیلہ شریف کی مثال دُنیا بھر میں نہیں ملتی ۔ یہاں ہزاروں انسانوں کو عزت واحترام سے روزانہ لنگر پیش کیا جاتا ہے ۔حاضرین کیلئے 11 بجے سے 12 بجے تک خصوصی دُعا ہوتی ہے ۔ان کے علاوہ گجرات کے ہر گاؤں ،بستی میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ شخصیات کے مزار ہیں ۔آزاد کشمیر کی سرحد گجرات سے ملتی ہے لالہ موسیٰ گجرات کا قدیمی تاریخی تجارتی قصبہ ہے پرانی سڑک لالہ موسیٰ سے گزرتی ہے کئی نوگز لمبے مزار ہیں ۔ لالہ موسیٰ کے بعد کھاریاں جو گجرات کی تحصیل ہے کابل اور ٹیکسلا سے آنے والی گزرگاہ کھاریاں سے ہوتی ہوئی وسطی ہند کی طرف جاتی تھی یہاں شہنشاہ ہند اکبراعظم کے دور کی تعمیر کردہ باولی بھی ہے کھاریاں سے کشمیر اور بھمبر کی پہاڑیوں کو راستے جاتے ہیں حملہ آور اور تجارتی قافلے لوان قدیمی شاہراؤں سے گزرتے رہے بھمبر کی پہاڑیوں میں اللہ کے نیک بندوں کے لاتعداد مزار ہیں ۔

سرائے عالمگیر جو شہنشاہ ہند اورنگزیب عالمگیر کے نام سے منسوب ہے دریائے جہلم کے کنارے ہونے کی وجہ سے اپنے اندر کئی تاریخی راز لئے ہوئے ہے پوران جہلم سے آنے والی سڑک سرائے عالمگیر سے گزرتی ہوئی کوٹلہ ارب علی خاں کی طرف جاتی ہے اس سڑک کے دونوں طرف بھی اولیائے کرام کے مزارات ہیں ۔ سرائے عالمگیر کے قریب مونگ کے میدانوں میں راجہ پورس اور سکندر کے درمیان تاریخی جنگ ہوئی ۔ضلع کا نام جہلم اور دریا کا نام بھی جہلم ہے قدیمی گزرگاہ جو جلالپور شریف سے گزرتی ہوئی دارا پور جہلم کی

طرف آتی ہے جہلم ایک قدیمی اور تاریخی شہر ہے اولیائے کرام حملہ آور تجارتی قافلے دریائے جہلم کے کنارے پڑاؤ کرتے جہلم چکوال نمک کی کانوں کی وجہ سے یہ علاقہ ماضی میں بھی مشہور تھا۔ جہلم کے بعد دینہ نام کا مشہور قصبہ آتا ہے یہاں سے شیر شاہ سوری کا تعمیر کردہ قلعہ روہتاس اور ٹلہ جوگیاں کو سڑک جاتی ہے مشرق کی جانب سے منگلا ڈیم میرپور چکسوازی کے لئے قدیمی گزرگاہ ہے یہ علاقہ بھی حملہ آوروں کی گزرگاہ رہا جس کے آثار



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر قلعہ دان گلی کے قریب دریائے جہلم پر لوہے کی تاروں سے بنائے ہوئے پل پر کھڑے ہیں۔



حاجی ایم زمان کھوکھر ٹلہ جوگیاں پر رواں دواں ہیں ٹلہ جوگیاں جہلم کے قریب ہے جو کئی سو فٹ بلند پہاڑیوں پر ہے۔ یہ مقام گورکھ ناتھ سلسلہ کا مقدس مقام ہے۔

تقریباً اب بھی موجود ہیں دینہ کے بعد سوہاوہ نام کا شہر آتا ہے۔ یہاں سے تھوڑے سے فاصلہ پر شہاب الدین محمد غوری کا مزار ہے جو ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے تعمیر کروایا ہے مزار اتنا شاندار اور خوبصورت ہے جس سے شہاب الدین محمد غوری کی بہادری اور عظمت کی جھلک نظر آتی ہے۔ چکوال کی طرف سے آنے والا قدیمی راستہ سوہاوہ کی طرف آتا ہے ماضی میں وسطی ایشیاء اور افغانستان سے ہندوستان آنے والے ان رستوں سے گزرتے رہے سوہاوہ کے قریب حضرت سید عبداللہ شاہ المعروف دیوان حضوریؒ کا مزار ہے جنہوں نے شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں اس علاقہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی۔ گوجر خان میں گکھڑوں کی بہادری اور جوانمردی کے کئی واقعات تاریخ کا حصہ ہیں گوجر خان کے چاروں طرف اولیائے کرام کے مزارات ہیں بالخصوص نوشاہی سلسلہ کے اولیائے کرام نے سیاہ

علاقوں کو منور کیا نالہ کانسی کے کنارے کئی قدیمی بستیاں ہیں۔ مندرہ چکوال کی پرانی گزرگاہ بھی تاریخی اہمیت کی ہے روات میں قلعہ اور مسجد کے آثار ہیں قلعہ کے اندر گکھڑ سرداروں کی قبریں ہیں روات کے قریب ہی دریائے سوآن بہتا ہے قلعہ پھروالہ اور قلعہ دان گلی گکھڑوں کی عظمت کی نشانیاں ہیں قلعہ پھروالہ دان گلی تقریباً آٹھ سو سال قبل گکھڑوں نے تعمیر کروائے۔ روات کے قریب مانکیالہ میں سینکڑوں سال پرانے بدھ مت دور کے آثار ملتے ہیں۔ پاکستان کا مشہور شہر راولپنڈی اور دارالخلافہ اسلام آباد ہے راولپنڈی سے پشاور اور کشمیر کے لئے سڑک جاتی ہے پشاور کی طرف مسافت کر رہے ہوں تو مارگلہ کی پہاڑیاں جہاں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ مارگلہ کے بعد ٹیکسلا ایک بین الاقوامی شہر ہے جو آثارِ قدیمہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ ٹیکسلا کے بعد واہ کینٹ جہاں چشمہ کے کنارے مغلوں کی رہائش گاہیں ہیں یہ مقام واہ گارڈن کے نام سے مشہور ہے۔ حسن ابدال تاریخی ہے یہاں سکھوں کا مذہبی مقام گردوارہ پنجہ صاحب ہے یہاں پہاڑیوں کی



ایم زمان کھوکھر ہندوؤں کے مقدس مقام شری راج کٹاس کے قریب کھڑے ہیں



گکھڑوں کا پایہ تخت دان گلی کا قلعہ۔ کبھی یہاں بادشاہوں کی قسمت کے فیصلہ ہوتے رہے۔

چوٹی پر بابا ولی قندھاری کی بیٹھک ہے حسن ابدال سے ایبٹ آباد ہزارہ شمالی علاقہ جات کو
ہستان کو سڑکیں جاتی ہیں اٹک بھی حملہ آوروں تجارتی قافلوں کی گزرگاہ رہا یہاں دریائے
سندھ پر اکبر بادشاہ نے قلعہ تعمیر کروایا تباہ شدہ بستیوں اور مندروں کے آثار ملتے ہیں
جہانگیرہ اکوڑہ خٹک قدیمی شہر ہے نوشہرہ کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نوشہرہ سے
رسالپور درگئی مردان مالاکنڈ کیلئے نوشہرہ سے سڑکیں جاتی ہیں پشاور درہ خیبر سے نکلتے ہی
حملہ آوروں کا پڑاؤ رہا۔ یہاں ہر گلی محلہ میں اولیائے کرام کے مزارات ہیں۔ پشاور سے
درہ خیبر کے رستے افغانستان اور قبائلی علاقوں اور وسطی ریاستوں کو شاہراہ جاتی ہیں۔ دیر
سوات چترال کا رابطہ سڑکوں کے ذریعے پشاور سے ملا ہوا ہے۔



کہوٹہ روڈ کے قریب قلعہ پھروالہ جس کے لئے کوئی سڑک نہیں ہے نہ ہی کوئی گاڑی جاتی ہے۔ علیوٹ، کے راستہ چند کلومیٹر پیدل چلنا پڑتا ہے راقم ایم زمان کھوکھر گدھا کے ذریعے قلعہ پھروالہ جا رہے ہیں



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر قلعہ دان گلی کے قریب دریائے جہلم کے کنارے حضرت سید داؤد حقانی کے مزار پر دعا مانگ رہے ہیں۔ حضرت داؤد حقانی المعروف داؤد حقانی حضرت شاہ عیسٰی کے خلیفہ ہو گزرے ہیں جن کا مزار ڈیرہ اسماعیل کے شہر بلوٹ میں ہے آپ ہمایوں بادشاہ کے دور میں ہو گزرے ہیں



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر کہوٹہ کے قریب پلا کھر نزد نالہ کانسی گکھڑ سلطان ہاتھی کے مقبرہ پر
کھڑے ہیں گکھڑ سرداروں نے اس علاقہ میں چھ سات سو سالہ دھڑلے سے حکومت کی



گوجرخان کے قریب قلعہ سنگنی کا بیرونی دروازہ



گوجر خان کے قریب روکھیا شریف میں حضرت میر کلاںؒ کا مزار چنگا میرا کے حنیف حنفی صاحب آپ کے مزار کے پیروکار اور خدمت گزار ہیں جنہوں نے چنگا میرا میں تکیہ میر کلاں کی بنیاد رکھ کر رشد و ہدایت علم عرفان کے چراغ روشن کر رکھے ہیں



گوجر خان میں روضہ مبارک سائیں محمد حسینؒ سرکار



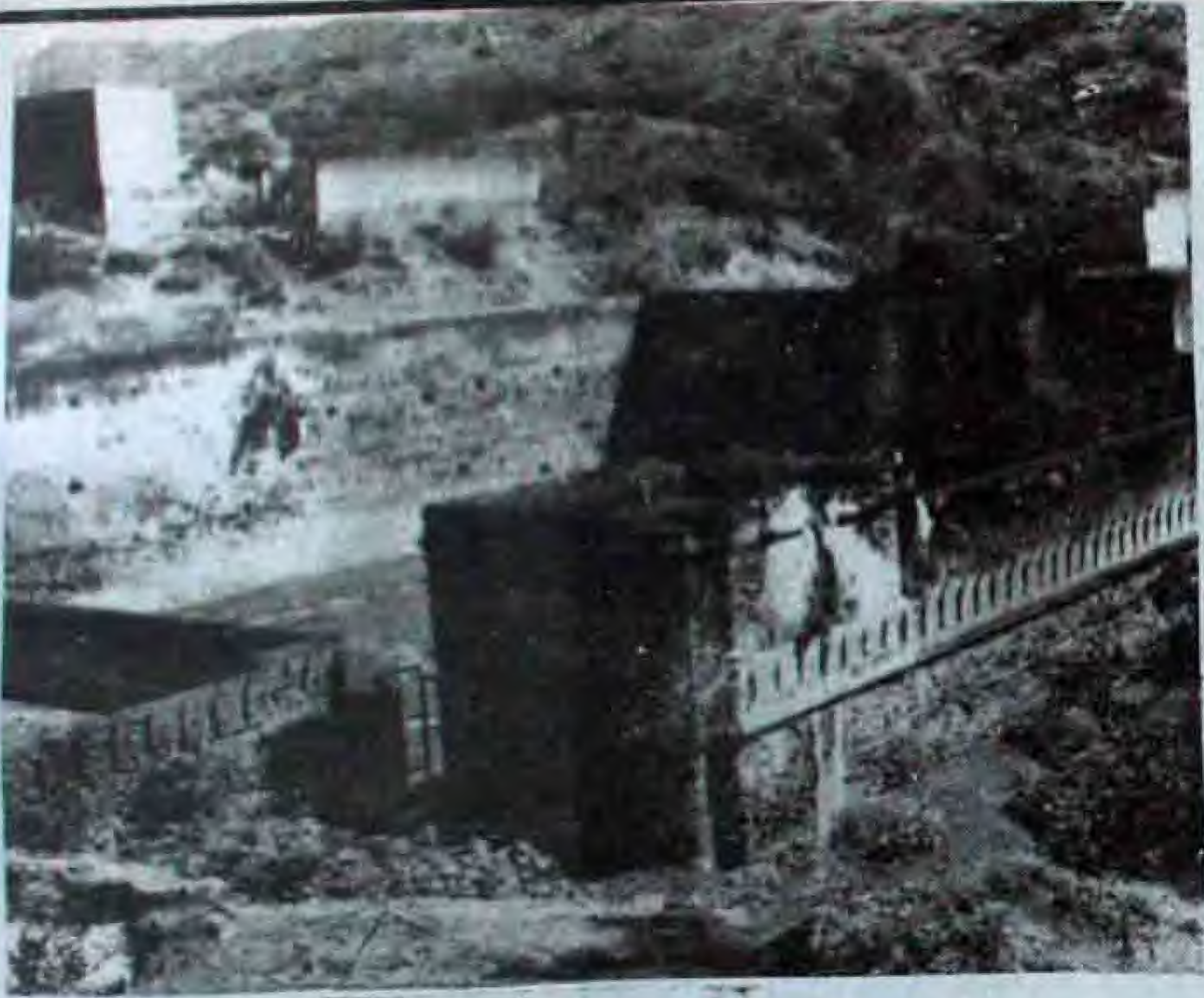
حاجی ایم زمان کھوکھر گوجر خان جی ٹی روڈ کے قریب شہید بابا کے مزار پر حاضری
دے رہے ہیں



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر روات کے قریب گکھڑوں کے تعمیر کردہ قلعہ کے پاس کھڑے ہیں۔



واہ کینٹ میں واہ گارڈن



اٹک میں مغلیہ دور کی عمارت



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر قلعہ پھروالہ جانے کے لئے دریائے سوان سے پیدل گزر رہے ہیں

صوبہ سرحد

کتاب پشاور سے کوئٹہ تک کی ایک جھلک

جدید دور میں ہر علاقہ کا گورنر کمشنر ڈی، سی، او، منتظم ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض علاقہ کی ولایت اس علاقہ کے کسی نہ کسی اللہ کے نیک بندے کے پاس ہوتی ہے۔ وہ بزرگ ہستی ولایت کا سرچشمہ ہوتی ہے حاجت منداس چشمہ سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ان نیک ہستیوں کی ہفتہ دار ماہانہ سالانہ محفلیں ہوتی ہیں۔ ان نیک ہستیوں نے راقم کو یہ فرض سونپا ہے کہ میں ان بزرگ ہستیوں کے مزارات پر حاضری دے کران حالاتِ زندگی اور کرامات لکھوں۔ ان بزرگ ہستیوں کی دعاؤں سے ایسے ایسے وسائل پیدا ہوئے کہ بندہ نے بہت آسانی سے ان کے استانوں پر حاضری دے کر فوٹو اور معلومات حاصل کر کے دس کے قریب کتب تحریر کی ہیں ان میں بعض ایسی برگزیدہ ہستیاں بھی ہیں جن کے بارے میں پہلی بار راقم نے قلم اُٹھایا ہے اور پاکستان کے دور افتادہ دشوار گذار علاقوں میں پہنچ کران نیک اور بزرگ ہستیوں کے مزارات پر حاضری دیں۔ اوران کے بارے میں لکھا۔ جیسے باجوڑ کے پہاڑی علاقہ میں اللہ کے نبیؑ حضرت متوشلحؑ المعروف غازی بابا کے لمبے 26 گز مزار پر حاضری کا اہتمام خالد یوسف اور باجوڑ خار کے رہائشی حاجی گل اور حضرت یونس نے کیا انتہائی دشوار گذار پہاڑی علاقہ میں جہاں قدم قدم پر مورچے بنے ہوئے ہیں عبدالعزیز کی کار میں خیر وعافیت سے حاضری ہوئی۔ حضرو کے قریب دور افتادہ مقام نرتوپہ میں چالیس گز لمبے مزار پر گاؤں موسیٰ کے حاجی حبیب الرحمٰن کی وساطت سے حاضری ہوئی۔ ڈیرہ اسمٰعیل میں محمد شریف کے تعاون سے وادی دامان یعنی کوہ سلمان کے دامن میں لمبے مزاروں اور اولیائے کرام کے مزارات پر حاضریاں ہوئیں راقم کا تعلق پاکستان کے مشرقی سرحدی ضلع گجرات سے ہے جبکہ محمد شریف کا تعلق پاکستان کے مغربی سرحد ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان سے ہے ہم دونوں کی ملاقات ان روحانی ہستیوں نے کرائی۔ ظاہری طور پر محمد شریف کو یہ فرض سونپا کہ وہ راقم کے ساتھ سفر کر کے اس علاقہ کے قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر

حاضریاں کرائے اللہ کے اس نیک بندے نے جو اولیائے کرام کی محبت سے سرشار ہے۔
راقم جتنی بار ڈیرہ اسمٰعیل خان میں حاضری دی محمد شریف نے خلوص اور محبت سے سفر کے لیے گاڑی، اچھی رہائش اور طعام کا اہتمام کیا اور اس علاقہ بالخصوص اولیائے کرام کے بارے درجن بھر سے زیادہ کتب مہیا کیں وادی دامان یعنی کوہ سلمان کے دور افتادہ دشوار گذار کچے پکے راستوں پر چل کر ہزاروں سینکڑوں سالہ قدیمی مزارات یعنی روحانی مراکز پر حاضریاں کرائیں۔ اور وہ تباہ شدہ بستیوں کا مشاہدہ کیا جو اپنے وقت میں عظیم الشان شہر تھے لیکن ان کا انجام نافرمان قوموں کی طرح ہوا اور وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں ان کے اثار آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا نشان ہیں پاکستان کی مغربی سرحد جہاں کی چھوٹے اور بڑے درے ہیں۔ ان دروں کے راستے اللہ کے نیک بندے برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوتے رہے اور آبی گذرگاہوں کے کنارے ڈیرے جما کر رشد ہدایت کی شمیں روشن کیں۔
اسلام کے اولین نقوش بھی اِس علاقہ میں پائے جاتے ہیں راقم نے ان نقوش کی تلاش میں اس خطہ کے بارے قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات کے بارے تاریخ مرتب کرنے اور اس خطہ کے اللہ کے ولیوں نے جو فرض سونپا وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے پایہ تکمیل تک پہنچا اور کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے پشاور شہر کے اولیائے کرام پر حاضریوں کا فریضہ چوہدری امتیاز اور چوہدری محمد ریاض اور آستانہ عالیہ سدرہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے خلیفہ مجاز غلام رسول قادری نے سرانجام دیا ان کے ہمراہ پشاور شہر کے اولیائے کرام کے مزارات پر راقم کی حاضری ہوئی۔ پشاور سے کوئٹہ تک یعنی پشاور، کوہاٹ بنوں ٹانک ڈیرہ اسمٰعیل خان کوئٹہ کے اولیائے کرام جن کے استانے اور دور افتادہ دشوار گذار پہاڑوں میں ہیں کے بارے مزید تحقیق کی ضرورت ہے جب وہ بلائیں گے ضرور حاضری ہوگی ان کے بارے مزید کتاب مرتب ہوگی۔ ڈیرہ اسمٰعیل کے اسرار احمد قادری نے اپنی گاڑی مہیا کی اور ٹانک کے علاوہ وزیرستان کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات بالخصوص دور افتادہ پہاڑی علاقہ میں نوگز لمبے مزارات پر حاضریں کروائیں، ٹانک میں اپنے محل نما رہائش گاہ میں اس علاقہ کی

بنی ہوئی ٹوپی سے دستار بندی کی اور دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ اور قدیمی بزرگاہوں کے بارے معلومات مہیا کیں۔ آستانہ عالیہ سدرہ شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر محمد انور شاہ قادری الگیلانیؒ کے حضور دو مرتبہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی انہوں نے اپنی دعاؤں سے نوازا۔ راقم کے اعزاز میں کئی کھانوں کا اہتمام کیا بلکہ مہمان نوازی کی ایسی مثال قائم کی جو ہمیشہ یاد رہے گی اپنے ہمراہ بیٹھا کر لنگر پیش کیا۔ روضہ مبارک پر مریدین کی موجودگی اولیائے کرام کے بارے میں نے جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کی تعریف کی ان کے فرمائے ہوئے الفاظ میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ زکوڑی شریف کے آستانہ عالیہ کے سجادہ نشین حضرت پیر نعمان صاحب بھی بڑے محبت اور پیار سے پیش آئے۔ لنگر خانہ کے وسیع عریض کمرہ میں چائے کا اہتمام کیا۔ آستانہ کے بارے کتب کا سیٹ پیش کیا۔ کلاچی میں آستانہ عالیہ حضرت فقیر نور محمد سرورئیؒ کے بارے صاحبزادہ ہارون صاحب نے آستانہ کے بارے لاتعداد کتابوں کا سیٹ پیش کیا اور ان بزرگوں نے روحانیت اور اس سلسلہ کے بارے لاتعداد کتب تحریر کر کے تصوف کی بہت خدمت کی اور پروان چڑھایا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی تحصیل درابن کے سید عبداللہ شاہ کی راہنمائی میں چودھوان درہ زندہ اور دیگر علاقوں میں حاضری دی چودھوان کی تباہ شدہ بستی کے قریب میلوں لمبے جوڑے قبرستان میں صحابی رسولؐ لاتعداد اولیائے کرام بالخصوص غوث پاک کی اولاد کے مزارات ہیں ان پر حاضری ہوئی اور مزارات کے فوٹو حاصل کیے۔ لعل ماڑہ کے قریب خلیفہ غلام رسول جو علاقہ کی نیک اور بزرگ ہستی ہیں سے شرف ملاقات ہوئی۔ مغل شہنشاہوں کے روحانی پیشوا بزرگ ہستیوں جن کے مزار بلوٹ شریف میں ہیں کے علاوہ نوگز لمبے مزاروں پر حاضری دی اور سعادت حاصل ہوئی۔ کافر کوٹ میں تباہ شدہ شہروں کے کھنڈرات دیکھنے کیلئے راستہ کی تلاش میں صحابی رسولؐ کے نوگز لمبے مزار پر حاضری ہوئی۔ کوٹلہ لودھیاں کھجوروں کے باغ میں دو نوگز لمبے مزاروں کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی سرسبز شاداب سر زمین پر یہاں تباہ شدہ بستیوں جو اب بھی ٹیوں ٹیلوں کی صورت میں موجود ہیں یہاں نوگز

لمبی قبروں پر حاضری دی۔ ڈیرہ اسماعیل خاں کے قریب درہ گومل برصغیر میں پاک ہند میں داخل ہونے والی گزرگاہ ہےاوردریائے گومل دریائے سندھ کے گردنواح اورڈیرہ اسماعیل خان میں لاتعداد روحانی مقامات پر حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ کوہاٹ میں حضرت حاجی بہادر زندہ پیر گھمکول شریف کے علاوہ نوگز لمبے مزاروں بنوں میں آکرہ کے کھنڈرات اورنوگزی قبروں سورانی میں سوگز لمبے مزار پر حاضری اس بات کا ثبوت ہیں ان نیک لوگوں نے بندہ کو اپنے در پر بلایا بقول شاعر وہی آتے ہیں جنہیں سرکار بلاتے ہیں۔ بنوں کے قریب تین ہزار سال قبل کے تباہ شدہ آکرہ ککی بھرت اور کئی سوگز، ساٹھ گز لمبی قبروں پر حاضری دے کر معلومات اور فوٹو حاصل کیے۔ مزید تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

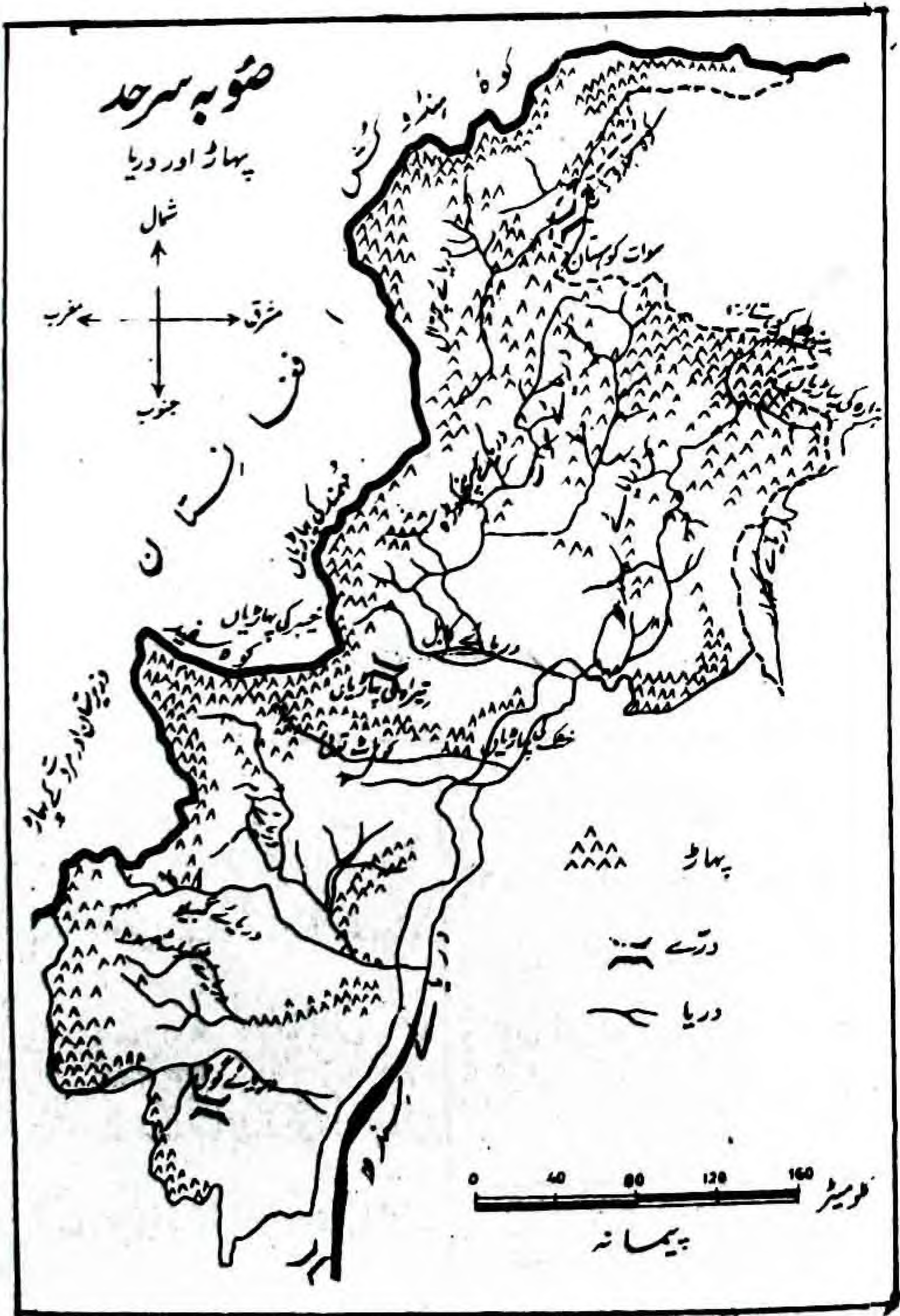
صوبہ سرحد کے مشہور پہاڑ

قدرت نے وطن عزیز کو وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے شمال مغربی علاقوں میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں جو معدنیات سے بھرے پڑے ہیں۔

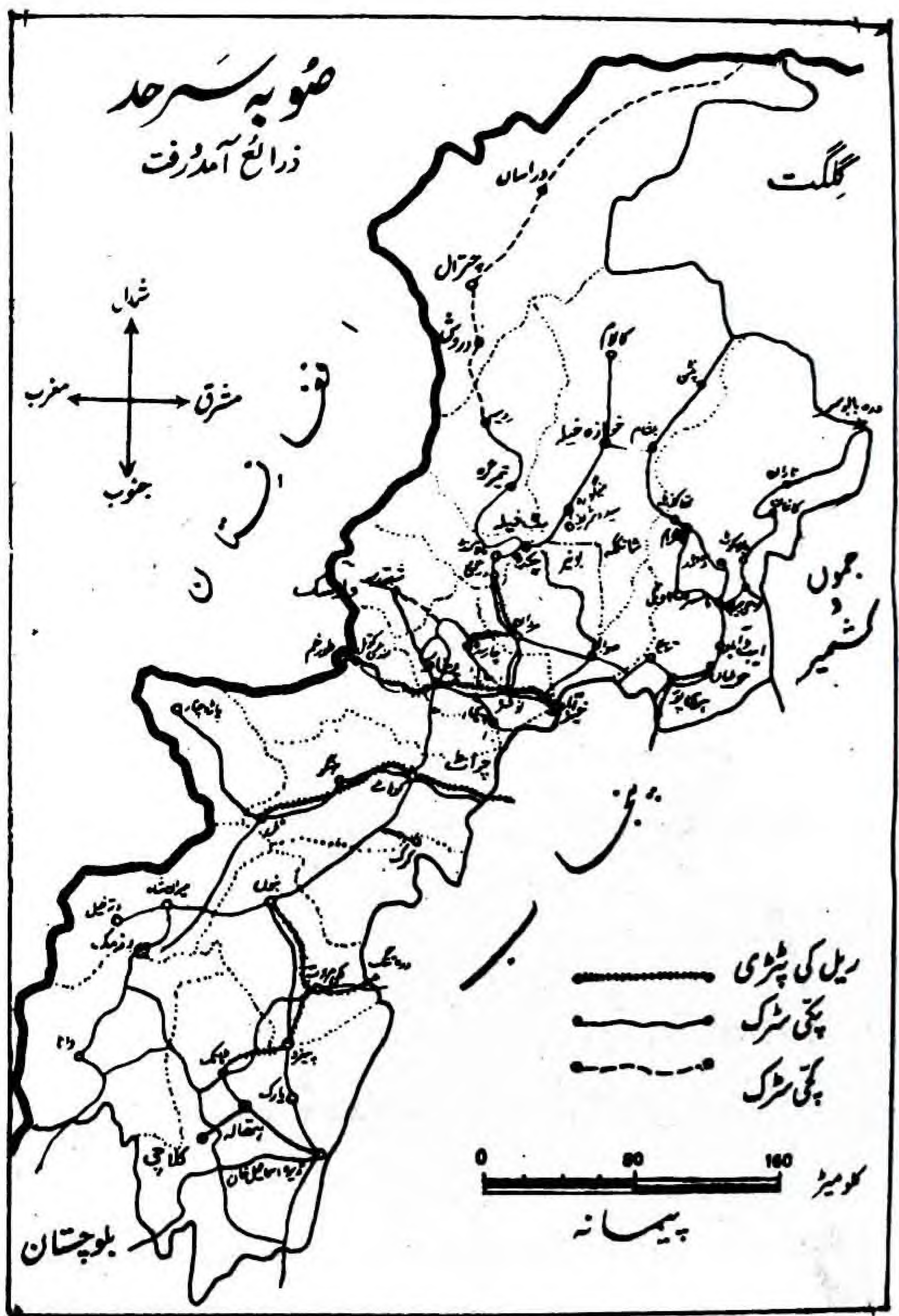
جغرافیائی اعتبار سے سرحدی قبائل ایشیاء کے ایک انتہائی اہم اور منفرد خطے میں آباد ہیں۔ یہ سرزمین صرف پاکستان کی شمال مغربی سرحد ہی نہیں بلکہ یہاں چین، روس افغانستان اور پاکستان کی چار مملکتیں گلے ملتی ہیں یہ علاقہ اس اعتبار سے بھی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں ایک طرف بلند و بالا پہاڑ اور برف پوش چوٹیاں، خطرناک گلیشئر اور دشوار گزار درے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف ریتلے میدان اور تنگ اور گہری وادیاں، بے آب و گیاہ ویرانے اور نوکیلی چٹانیں بھی موجود ہیں۔ جنگلات کے لحاظ سے بھی یہ علاقے خصوصیت کے حامل ہیں معدنی وسائل، زمرد، یاقوت اور قیمتی پتھروں کی دولت سے مالا مال ہیں یہاں اگر قدم قدم پر گنگناتے دریا، گیت گاتی ندیاں اور آبشار بناتے پہاڑی نالوں کی موسیقی کانوں میں رس گھولتی ہیں تو وہاں ہیبت ناک پہاڑی سلسلے اژدہا کی طرح منہ کھولے درے اور پرخطر گھاٹیاں قدرت کی شان جلالی کی مظہر بھی ہیں۔ یہاں [illegible] ت۔ جنگی قوت اور جفاکشی کی داستانیں ہے اور یہیں سے ہماری تاریخ بھی تموج و تلاطم سے آشنا ہوتی ہے۔ انہی دروں سے قوی و جری فاتحین کے طویل جلوس برآمد ہوتے ہیں جن کے اسمائے گرامی سے تاریخ عالم رنگین ہوتی ہے۔

کوہ ہندوکش کے سلسلے میں دریائے سندھ کے مغرب میں چترال، دیر، سوات اور بونیر کے پہاڑ ہیں ان کی اوسطاً بلندی 12 ہزار ہے۔ ترچ میر کی مشہور چوٹی سمندر سے 25,262 فٹ اونچی ہے۔ اکثر کوہ پیماؤں کی ٹیمیں دنیا بھر کے ملکوں سے یہاں آتی رہتی ہیں۔ سوات میں ۱۸۰۰،۷ فٹ اونچی چوٹی کاچی کونی بھی کوہ پیماؤں اور مہم بازوں کے لئے

بے حد دلچسپی کا باعث ہے۔ ان سلسلوں کے ڈھلوانوں پر چیڑ صنوبر اور دیودار کے سدا بہار جنگلات ہیں۔ کوہ سلیمان اور کوہ سفید کے پہاڑی سلسلے شمال میں دریائے کابل سے لے کر جنوب میں بلوچستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی اوسطاً لمبائی آٹھ ہزار فٹ ہے۔ سب سے اونچی چوٹی وزیرستان میں پیرغل (پریغل) ۱۱۵۵۶ فٹ ہے اور اس سے جنوب مشرق میں تخت سلیمان ۱۱۲۹۵ فٹ بلند ہے۔ یہ پہاڑی سلسلے پاکستان اور افغانستان کے درمیان حد فاصل کا کام دیتے ہیں۔ کوہ سفید پاراچنار کے مغرب میں واقع ہے جہاں سے ٹری منگل اور دوسرے مقامات سے افغانستان کے صوبے خوست اور غزنی کو راستے نکلتے ہیں۔ کوہ سلیمان کا سلسلہ وسیع معنوں میں شمال اور جنوب مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔



صوبہ سرحد
پہاڑ اور دریا
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
سوات کوہستان
خیبر کی پہاڑیاں
پہاڑ
درّے
دریا
پیمانہ
0
40
80
120
160



صوبہ سرحد
ذرائع آمد و رفت
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
گلگت
جموں و کشمیر
پنجاب
بلوچستان
چترال
دروش
کلاچی
ڈیرہ اسماعیل خان
ایبٹ آباد
ریل کی پٹڑی
پکی سڑک
کچی سڑک
0
80
160
کلومیٹر
پیمانہ


صوبہ سرحد
ضلعی تقسیم اور ایجنسیاں
ضلع چترال
گلگت
جموں و کشمیر
ضلع دیر
ضلع سوات
ضلع کوہستان
ضلع بونیر
ضلع کوہاٹ
ضلع کرک
شمالی وزیرستان
جنوبی وزیرستان
ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان
کرم ایجنسی
خیبر ایجنسی
پیمانہ
0
80
160
کلومیٹر

صوبہ سرحد کے مشہور درے اور دریا

راقم نے سوات جاتے ہوئے درہ مالاکنڈ دیکھا تختی پر شہداء کے نام درج ہیں درہ خیبر تا کرم تک موٹر سائیکل پر اور درہ گومل محمد شریف کے ہمراہ دیکھا۔ یہ درے تاریخی لحاظ سے مشہور ہیں۔

شمالی علاقہ جات اور صوبہ سرحد کے مشہور دروں سے حملہ آور برصغیر میں داخل ہوتے رہے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ جن کے درمیان سے آریا، یونانی، ترک، تاتار، مغل اور درانی تہذیبوں کے کاررواں قبائلی پہاڑی دروں سے ہو کر میدانی علاقوں تک پہنچتے رہے۔ ان ہی دروں نے برصغیر کی تاریخی تشکیل میں وہ کردار ادا کیا جو کسی اور مقام کو نصیب نہیں ہو سکا۔ درہ لواری چترال اور ترکستان کی جانب صوبہ سرحد میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ یہ کافی بلندی پر واقع ہے اور تیز ہوائیں چلنے کی وجہ سے بڑا دشوار گزار ہے۔ درہ مالاکنڈ وادی مردان کا شمالی دروازہ ہے۔ یونان کے سکندر اعظم اور دوسرے حملہ آوروں نے برصغیر پہنچنے کے لئے اسی درے کو استعمال کیا تھا۔ مالاکنڈ کے مشرق میں مردان کے اوپر درہ امبیلہ واقع ہے۔ ۱۸۶۳ء میں یہاں فرنگی اور قبائل کے مابین خون آشام معرکہ ہونے کے باعث تاریخ میں اس درے کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ اسکے جنوب میں برصغیر کی تاریخ میں مشہور ترین درہ خیبر ہے۔ یہ جمرود کے مقام سے شروع ہو کر ۳۲ میل تک دشوار گزار اور تنگ گھاٹیوں سے ہوتا ہوا اڈکہ کے مقام پر ختم ہوتا ہے۔ اس درے کے نام پر سارے علاقے کو خیبر ایجنسی کہا جاتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں یہاں ریلوے لائن بچھائی گئی۔ اس درے نے سکندر اعظم، تیمور، بابر، محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری، احمد شاہ ابدالی، سکھ اور انگریزوں کی کافی فوجی مہمات دیکھیں۔ درہ کرم کوہاٹ سے افغانستان کے صوبے خوست اور غزنی جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ یہاں مختلف قدیم باشندوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ درہ صدیوں سے ہندوستان اور افغانستان کے درمیان آمدورفت کا ذریعہ رہا ہے۔

محمود غزنوی اس درے کے ذریعے ہندوستان میں وارد ہوا تھا۔ درہ ٹوچی شمالی وزیرستان میں ہے۔ انگریز کے ہاں اس درے کی بڑی اہمیت تھی۔ مغرب کی جانب حفاظت کی خاطر یہاں جگہ جگہ سیمنٹ کے بلاک نصب کئے گئے ہیں۔ غزنی اور خوست سے بنوں، میانوالی اور ملتان جانے والے قافلے یہی راستہ اختیار کیا کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے اس درے کے ذریعے ملتان پر چڑھائی کی تھی۔

جنوبی وزیرستان کے جنوب میں درہ گومل ہے۔ جس کو افغانستان اور ہندوستان کے درمیان قدیم تجارتی شاہراہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ نسبتاً کم اونچے پہاڑوں میں واقع ہے، اسی لئے سال بھر کھلا رہتا ہے۔ اس گزرگاہ میں کئی پرانی تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں پاوندہ یا خانہ بدوش افغان باشندوں کی آمد و رفت کا بڑا راستہ یہی درہ ہے۔ ۱۹۷۴ء میں ڈیرہ اسماعیل خان میں یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس درے کی نسبت اس کا نام گومل یونیورسٹی رکھا گیا۔ ان دروں کے ذریعے حملہ آوروں کے ساتھ وہ مبلغین اسلام بھی آئے جنہوں نے کفرزار ہند میں اسلام کی شمع روشن کی۔ ان دروں نے کئی قوموں کا عروج و زوال دیکھا اور برصغیر کی تاریخ اور تہذیب و تمدن کو متاثر کیا۔ صوبہ سرحد کے شمال مغرب کی جانب دریاؤں کی وجہ سے چھوٹے دریاؤں کا جال بچھا ہوا ہے ان دریاؤں کے کنارے کئی تہذیبیں پروان چڑھیں بدھ مت تہذیب کے آثار اس خطہ میں پائے جاتے ہیں۔ راقم نے اس علاقہ میں دوران سفر بیشتر دریاؤں کا نظارہ کیا ہے۔

صوبہ سرحد کے شمال میں دریائے سوات ہے جس کی اونچائی سطح سمندر سے قریباً ۱۷ ہزار فٹ ہے۔ راستے میں بہت ساری ندیاں اس کی معاون بن کر مینگورہ کے مقام پر اسے خاصا چوڑا اور گہرا کر دیتی ہیں۔ بٹ خیلہ کے پاس امان درہ ہیڈ ورکس سے نہر نکالی گئی ہے۔ نوشہرہ اور اکوڑہ خٹک سے بہتا ہوا قلعہ اٹک کے پاس دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔ اس کے کل دورانیے کا چکر ۴۰۰ میل ہے۔ سوات کے جنوب میں مورو کی پہاڑوں میں سے دریائے کلپانی نکلتا ہے۔ پائزئے کے نواح میں دوسری ندیاں اس کی معاون بنتی ہیں۔ یہ

مردان کی زرعی خوشحالی کا ضامن ہے۔ کابل سے ۵۰ میل مغرب میں سرچشمہ کے مقام سے دریائے کابل نکلتا ہے۔ پاکستانی حدود میں ورسک کے مقام پر اس پر بہت بڑا ڈیم تعمیر کیا گیا ہے۔ آبپاشی کے لئے دو نہریں نکالی گئیں ہیں۔ یہاں بڑی مقدار میں بجلی پیدا ہوتی ہے۔ قلعہ اٹک سے کچھ اوپر دریائے سندھ سے جاملتا ہے۔ اس کا کل چکر ۳۱۶ میل ہے۔ خیبر کے جنوب میں تیراہ کی دلکش وادیوں میں سے بہتا ہوا دریائے باڑہ ہے۔ اس کا پانی بے حد صحت بخش اور میٹھا ہے۔ مغل اور سکھ حکمران یہاں سے کنستروں میں پانی بھر کر لاہور لے جایا کرتے تھے۔ یہ باڑہ سے شمال میں دو میل کے فاصلے پر دریائے کابل میں گرتا ہے۔ اس کا کل چکر ۱۰۰ میل ہے۔ راقم جب پشاور میں زیر تعلیم تھا شہر بھر میں دریائے باڑہ کے پانی کی سپلائی ہوتی تھی باہر سے آنے والے اس پانی سے صحت یاب ہوتے رہے۔

اس طرح تیراہ کی وادی خانکی سے کوہاٹ کا مشہور دریا توی نکلتا ہے۔ ہنگو اور کوہاٹ کے علاقوں کے امرود کے باغات اور کھیتوں کی شادابی اس کی مرہون منت ہے۔ اس کی کل لمبائی ۱۴۵ میل ہے۔ تیراہ اور اورکزئی کے پہاڑوں سے ٹیری توئے نکلتا ہے جو میرانزئی کی بالائی وادی میں آبپاشی کا وسیلہ ہے۔ مزید جنوب میں سندھیر کے سلسلہ کوہ سے دریائے کرم نکلتا ہے جو خرلاچی کے مقام پر پاکستانی علاقہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہ پاڑا چنار کی بارہ میل چوڑی وادی میں ہر قسم کے پھلوں، سبزیوں اور فصلوں کی شادابی کا باعث ہے۔ بنوں کے شمال میں کرم گڑھی کے مقام پر سکیم ورکس ہے جہاں بجلی پیدا ہوتی ہے اور آبپاشی کے لئے نہر بھی نکالی گئی ہے۔ لکی مروت کے پاس دریائے ٹوچی سے آن ملتا ہے۔ اس کا کل چکر ۹۵ میل ہے۔ اس کے جنوب میں دریائے ٹوچی ہے۔ جو کوہ سلیمان کے مشرقی ڈھلوانوں سے نکلتا ہے۔ مقامی لوگ کہیں کہیں پر اس کے پانی کو روک کر اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ (حال ہی میں حکومت نے اس کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے ڈیم بنانے کی غرض سے شمالی وزیرستان کے ماسٹر پلان میں شامل کیا گیا ہے) کمی کے پاس دریائے سندھ میں گرتا ہے اس کی کل لمبائی ۱۵۰ میل ہے۔ دریائے گومل وزیرستان کے

جنوب میں کوہ سلیمان کے کم اونچے پہاڑوں نے نکل کر وزیرستان میں بہتا ہوا ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔ علاقہ گومل میں مرتضیٰ کے مقام پر ۱۹۶۵ء میں ڈیم بنانے کی غرض سے اس پر کافی کام ہو چکا ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر سے بجلی کے علاوہ ٹانک درابن ڈیرہ اسماعیل خان اور پیزو تک لاکھوں ایکڑ بنجر اراضی پر سبز انقلاب آ جائے گا۔ ان دریاؤں کے بارے ڈاکٹر محمد نواز خان نے کیا خوب منظر کشی کی ہے۔

پہاڑوں کے یہ دریا میدانی دریاؤں کی نسبت بڑے دلچسپ اور دلکش ہیں۔ پہاڑوں میں پیچ کھاتے، آبشار بناتے اور گیت گاتے اپنا سفر طے کرتے ہیں جس کو دیکھنے سے شکوہ وجلال کا احساس ہوتا ہے۔ اکثر دریاؤں کا بہاؤ وادیوں میں ہے۔ یہ دریا قدیم تہذیبوں کا آثار قدیمہ ہیں جن کے مطالعے سے انسان کا تاریخی شعور پیدا ہوتا ہے۔



صوبہ سرحد کا خاص تحفہ نسوار اب مشینوں کے ذریعے تیار کی جا رہی ہے۔

صوبہ سرحد کی پولیس، گشت کا نظام اور روٹی کا معیار

میری یہ خوش قسمتی ہے کہ تحریر کردہ کتب کے لئے ملک کے کونے کونے میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری دی اور بیشتر مقامات پر موٹر سائیکل پر تحقیقی سفر کیا۔ اس علاقہ کے بارے ہر پہلو پر تحقیق کی۔ اس سلسلہ میں صوبہ سرحد کے بیشتر اضلاع بالخصوص پشاور اور قبائلی علاقوں میں کئی بار سفر کرنے کا موقع ملا۔ احسان اللہ کے ہمراہ اٹک کے پار صوبہ سرحد میں داخل ہوئے نوشہرہ پہنچنے سے پہلے مغرب کی اذان ہو چکی تھی رات کے سائے بڑھتے جا رہے تھے۔ نوشہرہ سے نکلتے ہی سڑک کے دونوں اطراف سرحد پولیس کے ملازم پیدل گشت کر رہے تھے۔ نوشہرہ کے قریب دریائے کابل کے کنارے ایک نوگز لمبے مزار پر حاضری دینی تھی۔ گشت کرنے والے پولیس ملازمین سے مزار کے بارے راہنمائی حاصل کی سب سے پہلے انہوں نے ہمیں سلام کیا۔ اور بتایا کہ اور ہیڈ برج کے شمال کی طرف



سرحد پولیس کا مونوگرام خدمت پاسبان عبادت

دریائے کابل کے کنارے نوگز لمبا مزار ہے ہم نے مزار پر حاضری دی ہم جی ٹی روڈ پر پشاور کے لئے رواں دواں تھے پبی کے قریب پیدل گشت کرنے والے ملازمین بہت اخلاق سے پیش آئے چائے کی پیشکش کی چمکنی کے قریب رات کے نو دس بجے گشت کرنے والے پولیس ملازمین نے ہم سے خریت پوچھی اور بتایا کہ پشاور شہراب تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ پشاور کے بازار چوکوں پر پولیس کے چاق چوبند جوان گشت پر تھے۔ پیر بابا کے حضور حاضری کے بعد سوات سے واپسی پر پورے راستہ میں سڑک پر پولیس کے جوان گشت کر رہے تھے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے گردونواح مطالعاتی دورہ کے بعد جب رات کو راقم محمد شریف اور محمد نواز کے ہمراہ واپس ڈیرہ اسمٰعیل خان آرہے تھے۔ سڑکوں چوکوں پولیس کے جوان گشت پر تھے راقم راولپنڈی سے کوہاٹ جارہا تھا جنڈ کے قریب مغرب کی اذان ہورہی تھی۔ خوشحال گڑھ کے قریب جوں ہی دریائے سندھ کو عبور کیا رات کے وقت کوہاٹ تک سڑک کے کنارے سرحد پولیس کا گشت کا بہترین نظام پایا حالانکہ اس رات موسم ابرآلود تھا اور کوہاٹ کے گردونواح ژالہ باری سے موسم سرد تھا۔ بادل گرجتے بجلی کڑکتی لیکن سرحد پولیس کے جوان چادراوڑھے اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

راقم بنوں کے قریب آکرہ لکی بھرت کھنڈرات دیکھنے جارہا تھا اس علاقہ میں پولیس کے جوان گشت پر تھے ان کے چہروں سے فرض شناسی ٹپک رہی تھی۔ ہنگو میں سرحد پولیس کا ٹریننگ کالج ہے پہاڑ پر تحریر ہے صوبہ سرحد کی پولیس کے گھر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ پولیس کے زیرتربیت جوانوں نے خلوص محبت کے ساتھ پولیس ٹریننگ کالج کے شعبہ دکھائے ساتھ ساتھ راہنمائی کرتے رہے۔ گھمکول شریف جاتے ہوئے ویگن والے نے شاپ سے دور اُتار دیا۔ راقم منزل کی طرف پیدل رواں دواں تھا۔ اچانک پولیس والوں کی گاڑی نے روک کر راقم سے پوچھا کوئی پریشانی مسئلہ تو نہیں۔ سرحد میں جو پولیس والا ملا خوش اخلاق اور چائے کھانا کی پیشکش کرتا رہا۔ مسجد میں نمازی ہاتھ تھام لیتے چائے کھانے کے بغیر نہیں جانے دیں گے۔ راقم نے قبائلی علاقوں کے مطالعاتی دورہ کے دوران یہ مشاہدہ

کیا۔ ملیشیا کے کپڑے پہنے خاصے دار پہاڑوں، سڑکوں اہم موڑوں پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ خاصے دار قبائلی علاقوں کی ایک قسم کی پولیس ہوتی ہے جو حفاظتی اُمور سرانجام دینے پر معمور ہوتی ہے صوبہ سرحد میں متاثر کن بات یہاں روٹی کا بہترین معیار اب تک قائم ہے۔ تندروں پر ترازو تھامے آٹا تول کر روٹیاں تیار کی جاتی ہیں یہ روٹیاں حکومت سرحد کے مقرر کردہ وزن کے مطابق ہوتی ہے اتنی لذیذ اور خستہ خوش ذائقہ ہوتی ہیں چائے قہوہ پانی کے ساتھ کھائی جاسکتی ہیں۔ چائے قہوہ بھی بہت ارزاں قیمت پر دستیاب ہوتا ہے یہاں کپ کا رواج نہیں ایک چینک چائے پانچ روپے میں مل جاتی ہے جس میں تین پیالیاں چائے دستیاب ہوتی ہے۔ پنجاب میں تین پیالیوں کی قیمت پندرہ روپے بنتی ہے ایک چینک میں قہوہ تین چار کپ سے زیادہ ہوتا ہے قہوہ کی چینک کی قیمت بھی پانچ روپے ہوتی ہے دوران سفر بسوں ویگنوں میں خواتین کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے جب تک خاتون مسافر کو سیٹ نہ مل جائے گاڑی روانہ نہیں ہوتی یا پھر اخلاقی طور پر مرد حضرات خواتین کے لئے سیٹیں خالی کر دیتے ہیں یہاں مہمان نوازی کی ایسی روایات قائم ہیں مہمان کے آگے کھانوں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں غرض صوبہ سرحد میں انسان دوستی اور قوم پرستی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے صوبہ سرحد کی پولیس کا گشت کا نظام بہت بہترین اور مثالی ہے پنجاب کی نسبت سرحد میں گاڑیوں کے کرائے کم ہیں۔ سڑکیں بہت معیاری اور کشادہ ہیں تعمیرات کے دوران ہیرا پھیری نہیں کی جاتی صوبہ سرحد کے سکولوں کے طلباء کا سیاہ رنگ کا ملشیاء کا یونیفارم جو ایک ہی ڈیزائن کا ہوتا ہے طلباء کے سر پر ٹوپی لازمی قرار دی گئی ہے۔ خان عبدالقیوم خان کے دور سے طلباء کی فیسیں معاف ہیں۔

پشاور



پشاور یہاں کئی تہذیبیں پروان چڑھیں

درہ خیبر کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے پشاور میں کئی تہذیبوں نے جنم لیا اور پروان چڑھیں تجارتی قافلے اور حملہ آور یہاں قیام کرتے جسکی وجہ سے یہاں کئی اقوام آباد ہو چکی ہیں ان کی زبان فارسی اور پشتو ہے لیکن یہاں کے قدیم باشندوں کی زبان ہندکو ہے جو پنجابی زبان سے ملتی جلتی ہے ماضی میں یہ قلعہ بند شہر تھا جس کے بارہ بڑے بڑے دروازے تھے جن میں چند دروازوں کے نشان باقی ہیں پشاور شہر کی آبادی قلعہ بند شہر سے باہر بہت پھیل چکی ہے مشہور بازار خیبر بازار قصہ خوانی بازار مسگراں دال گراں ڈبگری بازار ہشتنگری بازار کریم پورہ ارباب روڈ پشاور چھاؤنی کا علاقہ کے علاوہ کئی جدید آبادیوں کے نام ہیں سکندر اعظم سے مغلوں تک سب ہی اس شہر سے گزر کر آگے بڑھے انگریز جو مشرق کی طرف سے غلبہ حاصل کرتے ہوئے یہاں آئے پشاور کو آخری شہر قرار دیتے ہوئے یہاں ٹھہر گئے پشاور صوبہ سرحد کا وسطی شہر ہے پشاور کا عجائب گھر جو **1907**ء میں قائم ہوا تھا، یہاں گندھارہ دور کے فن پاروں گوتم بدھ کے خوبصورت مجسموں قدیم نوادرات مٹی کے برتن سنگ تراشی اور ہاتھی دانت کے شاہکار نمونے مقامی طور پر تیار کئے جانے والے ہتھیار کشیدہ کاری کے خوبصورت نمونے مغلیہ دور کی خطاطی اور مصوری کے نادر نمونے سنسکرت کے قدیم مخطوطات عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔

پشاور کے شمال میں شاہی باغ جنوب میں وزیر باغ اور مغرب میں قلعہ بالا حصار اور قلب شہر میں مسجد مہابت خان۔ مغل گورنر مہابت خان نے **1670**ء میں یہ شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ مغل طرز تعمیر کی اس مسجد کے صحن میں وسیع حوض ہے۔ شمال جنوب اور مشرق کی طرف قالین سے آراستہ کمرے ہیں جو دینی علوم حاصل کرنے والے طلبا کے کلاس روم تھے۔

نمازیوں کے اجتماع کے لیے مغرب کی طرف مستطیل نما بڑا ہال ہے اس ہال کی وسعت کو خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔محراب اور دیواریں آیات قرآنی کے نقش سے آراستہ ہیں۔مسجد مہابت خان کے دو مینار ہیں۔ ہر ایک کی بلندی 110 فٹ ہے ان کے درمیان چھ چھوٹے مینار ہیں۔نماز کے ہال پر سات گنبد ہیں جن میں سے تین بڑے اور نمایاں ہیں۔

پشاور کا نام پہلی صدی عیسوی کے تاریخی حوالوں میں ملتا ہے لیکن یہ شہر اس سے بھی قدیم ہے مختلف مورخوں نے اسے مختلف ناموں سے پہچانا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار سے تعلق رکھنے والے مورخ ابوریحان البیرونی نے اس شہر کا نام پرشاور بتایا ہے کچھ محققین کا خیال ہے کہ سمرقند اور بخارا سے آنے والے تجارتی قافلوں کی منزل ہونے کی نسبت سے یہ شہر دستکاروں اور صناعی کے ماہرین کا مرکز تھا یہاں مختلف پیشوں کے ماہر جمع تھے جو اپنی مصنوعات یہاں آنے جانے والے سوداگروں کے ذریعے وسط ایشیا سے جنوبی ایشیا تک کی وسیع منڈی میں بھیجتے تھے۔مختلف پیشہ ور لوگوں کے اجتماع کی بنا پر فارسی بولنے والے تاجر نے



۔پشاور صدر کے ایک چوک میں کنواں اور دیہات کا منظر

اسے ''پیشہ ور'' کہا جو ''پیشاور'' سے پشاور بن گیا۔ دوسری صدی عیسوی کے آغاز سے تعلق رکھنے والی اایک قدیم تحریر میں اس شہر کو پشپاپور کے نام سے پہچانا گیا ہے۔ پشپا سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پھول اس طرح پشپاپور پھولوں کا شہر ہوا۔ پشاور اپنے موسم اور پھولوں کی وجہ سے اس نام کا حقدار بھی ہے۔ پشپاپور یعنی شہر گل نے تاریخ کے دریچے سے بہت کچھ دیکھا ہے۔ وادی سندھ کی قدیم تہذیب کو پامال کرتے ہوئے گنگا جمنا کی وادی تک پھیلنے والے آریہ خانہ بدوش اسی علاقے سے گزر کر جنوبی ایشیا تک پہنچے۔

آج جو نسلیں اور قبائل پشاور کے اطراف میں آباد ہیں وہ ساتویں صدی عیسوی میں یلغار کے کے ذریعے اس خطے پر قابض ہوئی تھیں۔ اس خطے کی قدیم ترین آبادی کے بارے میں تاریخ کچھ زیادہ رہنمائی سے قاصر ہے لیکن عام خیال یہی ہے کہ یہ لوگ قدیم ہندوستانی نسل کے لوگ تھے۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ پشاور کے قدیم باشندے یادو تھے یہ لوگ قدیم ہندوستان کے وہ گلہ بان تھے جو خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے۔ ہندوستان میں



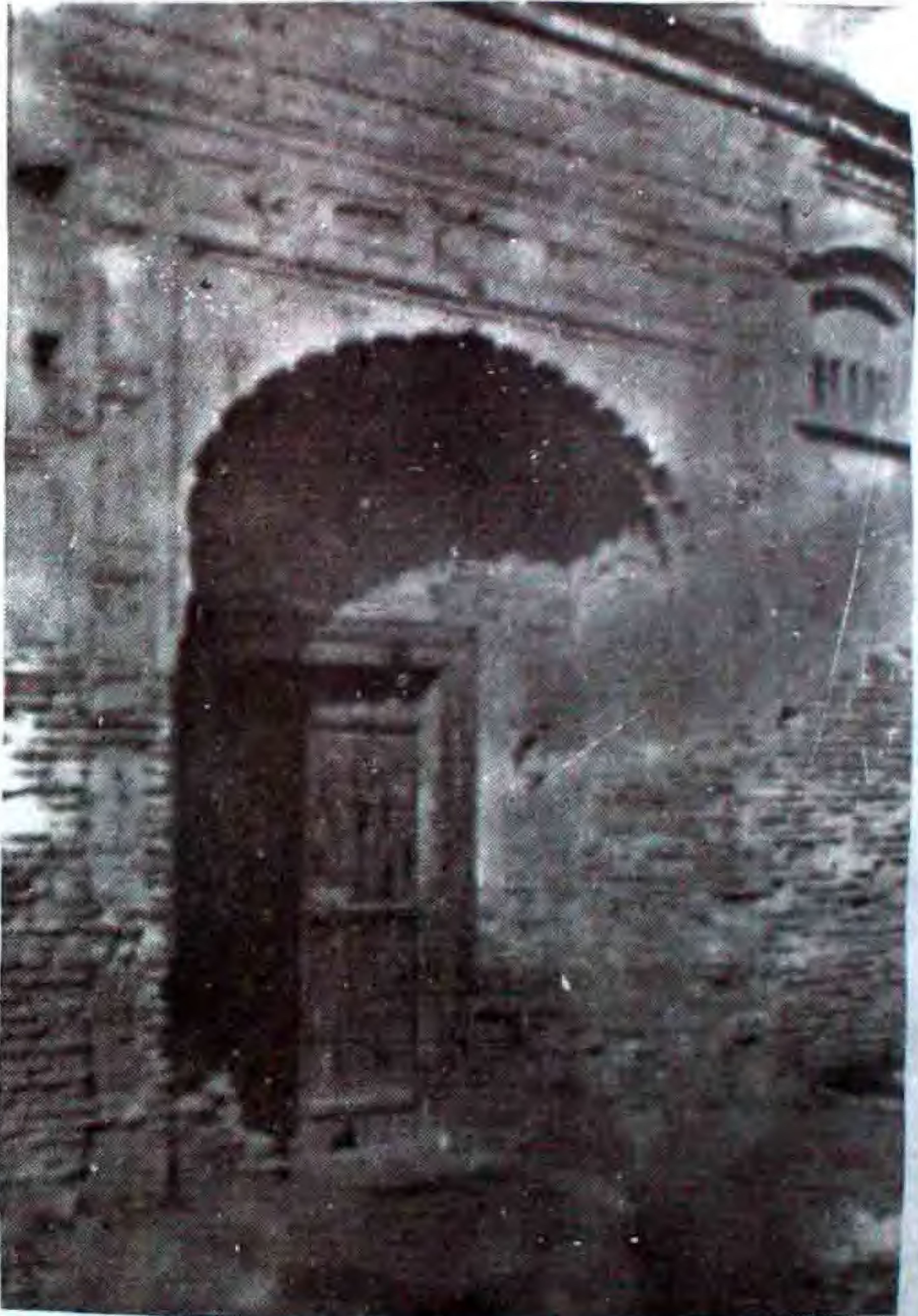
پشاور کی مشہور عیدگاہ جو چارسدہ روڈ پر واقع ہے۔

ان کی آمد کی تاریخ کا علم نہیں لیکن ہندوؤں کے اوتار کرشن مہاراج کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔صوابی اور ہزارہ ڈویژن کے اطراف آباد لوگ جو آج کل گدون کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ان ہی کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پشاور کے اطرف آباد قبائل میں خٹک ،مہمند، محمد زئی، خلیل ، داؤدزئی اور اعون قابل ذکر ہیں۔

کتاب عالم میں انتخاب پشاور مضمون نگار مختار علی نیر کے مطابق پشاور دنیا کے قدیم شہروں میں سے ایک ہے۔ یہ کئی مرتبہ اُجڑا اور بسا مگر پھر بھی اسکا شمار زندہ شہروں میں ہی رہا اس کے ساتھ بسنے والے شہر موہنجوداڑو ہڑپہ وغیرہ آج کھنڈر نظر آتے ہیں مگر پشاور جغرافیائی اعتبار سے اور شمال مغرب کی جانب سے آنے والے حملہ آوروں کا پہلا پڑاؤ ہونے کے حوالے سے قائم نظر آیا ہے۔ اگر کسی قبیلے یا قوم نے اسے اُجاڑا تو دوسرے کسی قبیلے یا قوم نے اسے آباد کر کے آئندہ نسلوں کے لئے امانت کے طور پر چھوڑ دیا۔ یہ شہر وسطی ایشائی ممالک اور



پشاور میں لکڑی سے تعمیر شدہ قدیمی مکانات

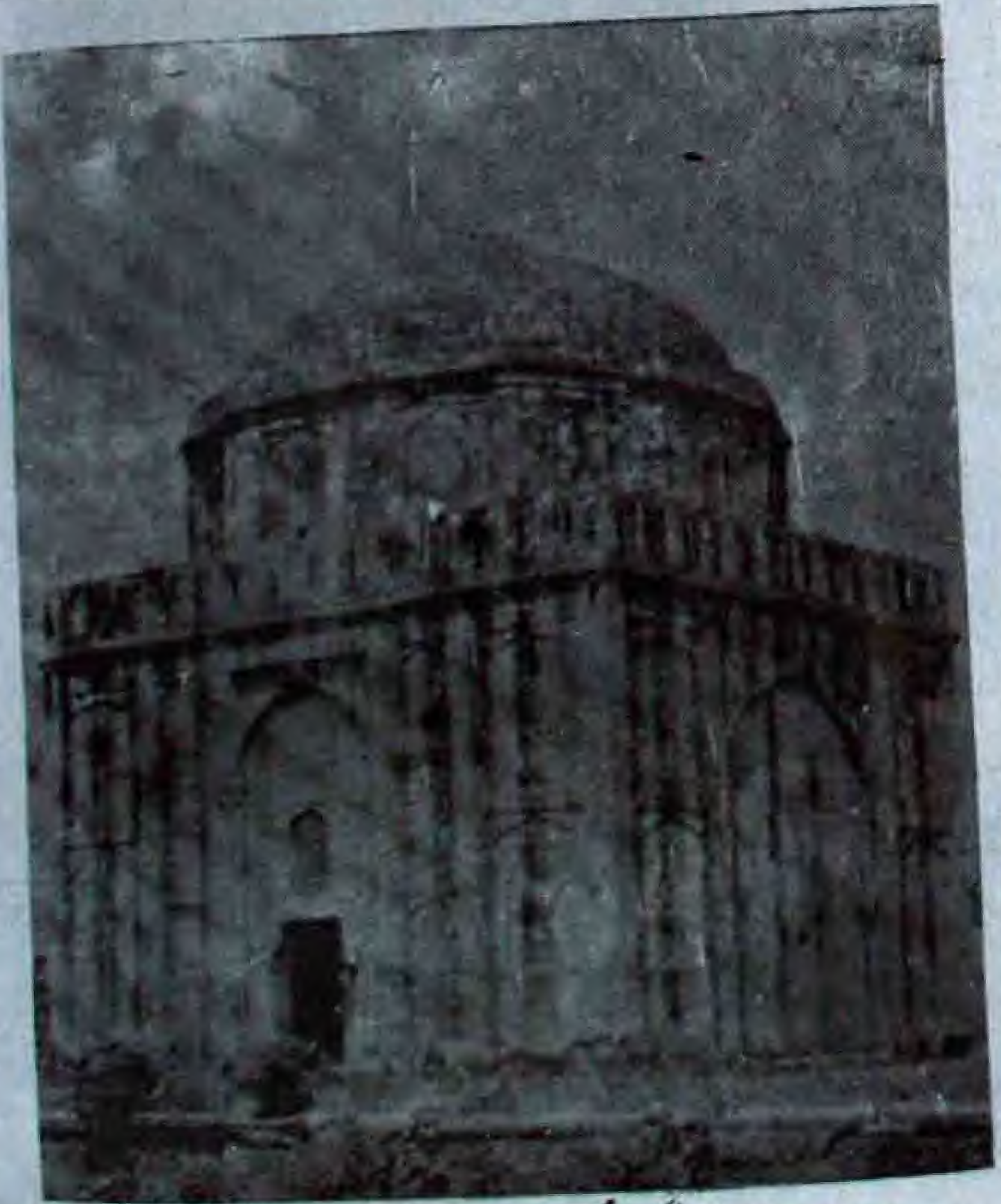


پشاور پنج تیرتھ کی یادگار کا ایک دروازہ یہ آثار قبل مسیح کے بیان کئے جاتے ہیں.

غیر منقسم ہندوستان کے درمیان ہمیشہ ایک اہم موڑ رہا ہے۔ ہر دور میں اسکی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اسے مرکزی منڈی، قبیلوں اور تہذیبوں کے سنگم کا اعزاز حاصل رہا ہے۔

قدیم مذاہب کی کتابوں، ویدوں، پرانوں، جین مت، بدھ مت، آتش پرست، ہندوشائیہ قدیم ایران اور یونان کے تذکرہ نگاروں اور تاریخوں میں اس شہر کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا۔ اگر چہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کب آباد ہوا کیونکہ آریاؤں کی پہلی آمد

کے مواقع پر یہ بستی آباد نظر آتی ہے۔ خاص طور پر جب آریاؤں کا شمال مغرب سے مشرق کی طرف رخ ہوا یہاں پر بستیاں موجود تھیں۔ وادی پشاور اپنے چاروں طرف ہلال کی طرف پہاڑی سلسلہ رکھتی ہے۔ جس میں یہاں کے باسی رہتے تھے۔ ڈاکٹر احمد حسن دانی اس مکمل شہر کی صورت کا ذمہ دار کشان عہد کو ٹھہراتے ہیں۔ اگر قدیم آریاؤں کی آمد اور یہاں آبادی کشان عہد سے اگر ہزاروں سال پہلے نہیں تو سینکڑوں سال پہلے ضرور موجود تھی۔ اس لئے کہ قدیم ویدوں میں قدیم آریاؤں کے شمال سے تیزی کے ساتھ یہاں پر آکر آباد ہونے سے پہلے یہاں کے پہاڑوں اور دریاؤں کے کناروں پر آبادیوں کا واضح ثبوت ملتا ہے۔



پشاور گوٹلہ محسن خان میں برج روشنائی۔



پشاور ماضی کی مشہور یادگار جو 'چوک یادگار' کے نام سے مشہور ہے۔

لارڈ ہسٹنگز اپنی تاریخ پشاور مطبوعہ 1864ء میں لکھتا ہے کہ چھٹی صدی ق م میں قدیم ایران کے بادشاہ کیومرث نے اپنے پوتے ہوشنگ بشیداد کے نام سے اس شہر کو آباد کیا۔

اٹک سے برآمد شدہ خروشتی خط میں تحریر کئے گئے ایک کتبے کے مطابق اس شہر کا نام ''پشاپور'' ثابت ہوتا ہے۔ خروشتی کے اس عہد کے ڈانڈے بھی قبل مسیح کے صدیوں کے دور سے ملتے ہیں۔

قدیم ایرانی کلاسیکی تاریخ میں اس شہر کو ''پرپارسینا'' بھی کہا گیا ہے۔ لیکن یہ دور بھی ایران میں آتش پرستی کے دور سے پہلے کا ہے۔

تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح کے ایک یونانی تاریخ دان اور سیاح ہیروڈوٹس اپنی تاریخ میں اس شہر کو "پشکی پوراس" لکھتا ہے اور اس میں آباد قبائل کا بھی ذکر کرتا ہے۔

تیسری صدی عیسوی کی ایرانی تصنیف "نقش رسم" جو کہ ساسانی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ شہنشاہ شاپور کے حوالے سے اسے "پشکاپور" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ بعض تاریخوں میں شاپور ہی کی رعایت سے اس شہر کا نام "شہپور" بھی ملتا ہے۔



میونسپل کمیٹی پشاور کے دفتر کی شاندار عمارت جو ختم کر دی گئی ہے۔



پشاور کی پہچان ٹانگہ گھوڑا

مشہور زمانہ چینی سیاح ''ہیون سانگ'' اور ''فاہیان'' نے اپنے سفرناموں میں اس شہر کو ''پولوشاہ'' اور ''پولو پولوشا'' بھی تحریر کیا ہے۔ یہ سیاح اس وقت یہاں آئے ہیں جبکہ یہ شہر اپنی پوری آب و تاب اور رعنائیوں سمیت آباد تھا۔ قدیم ایرانی کتب میں پشاور کو ''دردستان'' کا حصہ بھی کہا گیا ہے۔ یعنی نہایت ہی سخت سنگلاخ اور دشوار گزار پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی وادی۔

ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''رامائن'' میں اسے ''دردیا'' (ڈارڈک) ''درسبا'' بھی لکھا ہے۔ اگر صوبہ سرحد کے ''بنوں'' کو ہی جیسا کہ بعض مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ رام کا بن باس سمجھ لیں تو پھر اس شہر کے آباد رہنے کا دور رامائن کے عہد میں بھی پایا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتاب ''مہابھارت'' جس میں کورو اور پانڈوؤں کی جنگ کا حال درج ہے اس کتاب کے ہیرو پانڈوس کی ایک یادگار ''پنج تیرتھ'' پشاور کے



پشاور کے محلہ کریم پورہ کے نزدیک گھنٹہ گھر جو 1900ء میں تعمیر کیا گیا تھا

آ ثار قدیمہ کے قدیم ترین آ ثار میں شمار کی جاتی ہے۔ کہ جنگ میں ہارنے کے بعد پانچ بھائی پانڈو اور انکی مشترکہ بیوی درپدی اور ان کا پالتو کتا اسی مقام پر آ کر رہے تھے۔ مہابھارت کی جنگ تقریباً آٹھ سو سال قبل مسیح میں لڑی گئی تو پھر ہم پشاور کو اس عہد میں بھی ایک آباد اور قابل ذکر شہر کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

ایام کفر کے آخری دور میں اس شہر کو ''بہا گرام'' بھی کہا جاتا تھا۔ ''بہا'' کے معنی ہیں آگ۔ یعنی یہ شہر اتنی زیادہ مرتبہ اُجڑا اور اسے آگ لگائی کہ اسے آگ کی سرزمین کہا جانے لگا۔ اس ''بہا گرام'' کو ہی عہدِ اسلام میں ''بگرام'' کہا جانے لگا۔

آمدِ اسلام کے بعد بے شمار مسلمان تاریخ دانوں، مصنفوں، شاعروں، سیاحوں اور بادشاہون نے اس شہر کا تذکرہ اپنے اپنے انداز میں وقتاً فوقتاً اپنی تصانیف میں کیا۔ عہد بگرام کے علاوہ ''پیش آور'' یعنی ہندوستان کی طرف جاتے ہوئے سب سے پہلی آبادی یا شہر جو ملتا ہے۔ بعض نے اس میں ''پشہ'' (ایک خاص قسم کا مچھر) کی اس شہر میں زیادتی کی وجہ سے اسے ''پشہ آور'' کہا۔ بعض لوگوں نے ''پیشہ آور'' یعنی اسے دستکاروں اور پیشہ وروں کا شہر کہا۔

پشاور قدیم الایام سے ہی مختلف تہذیبوں بے شمار قبیلوں کا مسکن رہا ہے۔ اسی لئے اسے آج بھی ''شہر ہفت زبان'' کہا جاتا ہے۔ آج بھی اس شہر میں بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں اس شہر کی اکثریتی زبان ہندکو ہی رہی ہے۔ کیونکہ ہندکو ہی وہ زبان ہے جس میں اس قدیم تاریخی شہر کے قدیم و جدید لہجے مزاج اور خوشبوؤں کا احساس ہوتا ہے۔

گندھارہ تہذیب کا گہوارہ پشاور کا عجائب گھر

پشاور کا عجائب گھر



21 اپریل 2003ء کو ضلع کچہری پشاور کی ایک دیوانی عدالت میں مقدمہ کی پیروی کے بعد راقم سیدھا پشاور کے عجائب گھر پہنچا۔ عجائب گھر کے لئے داخلہ ٹکٹ دس روپے ہے پشاور کا عجائب گھر ایم پی اے ہوٹل کے ساتھ واقع ہے۔ عجائب گھر دو منزلہ ہے۔ زیریں حصہ میں پتھروں سے تراشے ہوئے گوتم بدھ کے مجسمے جو گندھارہ تہذیب کے علاقہ سے دریافت ہوئے محفوظ کئے گئے ہیں۔ گوتم بدھ کی کہانی تصویروں کی زبانی پڑھی دیکھی جاسکتی ہے۔ گوتم بدھ کے یہ مجسمے فن سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ بڑے سائز سے لے کر چھوٹے سائز کی مورتیاں محفوظ جو کالے رنگ کے پتھروں سے تراشی گئی ہیں بالائی منزل میں قلمی کتابیں قرآن مجید محفوظ ہیں۔ سکندر اعظم کے دور کے سکے، عہد سلاطین مغلیہ دور کے سکے محفوظ ہیں۔ پیتل، تانبے، کانسی کے برتن بھی محفوظ ہیں۔ پختونوں کا لباس کے

نمونے بھی سجائے گئے ہیں۔ پتھروں پر کندہ تحریریں۔ مٹی کے برتن اور مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے بھی عجائب گھر کی زینت ہیں۔

ڈاکٹر احسان علی جو آرکیالوجی محکمہ کے ڈائریکٹر ہیں پشاور میوزیم کے سربراہ ہیں ایک نمائش کے سلسلہ میں جاپان گئے ہوئے تھے صالح محمد خان کیوریٹر سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی سعید الرحمٰن ریسرچ آفیسر پشاور میوزیم عبداللہ افغانی سے عجائب گھر میں ملاقات ہوئی پشاور میوزیم کی لائبریری کے انچارج رخصت پر تھے کتابوں کے بارے معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ پشاور عجائب گھر کے بارے کوئی معلوماتی کتاب یا رسالہ دستیاب نہ ہوسکا حکومتی سطح پر عجائب گھر کے بارے کوئی کتاب یا رسالہ ضرور شائع ہونا چاہیے۔ پشاور عجائب گھر کی عمارت بہت شاندار ہے کتاب ماضی کے دریچوں سے اور محمد ابراہیم ضیاء میں پشاور عجائب گھر کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

1901ء میں گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے سرخ اینٹوں سے ایک بہت پرشکوہ عمارت تعمیر کی گئی۔ اس عالیشان عمارت کے اندر ایک بہت بڑا ہال بھی بنایا گیا۔ جس کی مناسبت سے اس خوبصورت عمارت کا نام ''گرانڈ وکٹوریہ میموریل ہال'' رکھا گیا۔ یہاں پر ان فوجی اور سول افسران کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ جو اس عظیم الشان ہال میں منعقد سرکاری تقریبات میں شرکت کرنے باہر سے آیا کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں یہ ڈانسنگ ہال کے طور پر بھی استعمال ہوتا رہا۔ 1905ء میں اس عمارت میں عجائب گھر قائم کیا گیا۔ اور اس جگہ پر صوبہ سرحد اور وادی پشاور کے مختلف مقامات سے حاصل شدہ ایرانی، یونانی، گندھارا اور بدھ مت دور کے بت، سکے، کتبے، قیمتی یادگاریں اور نوادرات رکھے گئے۔ ڈاکٹر اول سٹین کو اس عجائب گھر کا پہلا کیوریٹر مقرر کیا گیا جو مسلسل اکیس برس تک یہاں پر کام کرتا رہا۔ اس وقت پشاور میں بجلی نہ تھی، اس لئے نوادرات تک روشنی پہنچانے کا کام کھڑکیوں اور روشندانوں سے لیا جاتا تھا۔

1927ء میں اس عجائب گھر کا انتظام صوبائی حکومت نے سنبھال لیا۔ جس نے یہاں مستقل طور پر کیوریٹر اور پورا عملہ مقرر کیا۔ 1932ء میں صوبہ سرحد کی پہلی عارضی

صوبائی اسمبلی اسی عمارت میں قائم کی گئی۔صوبہ سرحد کے پہلے وزیر اعلیٰ صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے اسی عمارت میں اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا (اس وقت تک صوبائی اسمبلی کی موجودہ عمارت نہ تھی) جب صوبائی اسمبلی کی عمارت بن گئی تو اس جگہ دوبارہ قومی عجائب گھر قائم کر دیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس ''قومی عجائب گھر'' کو مزید وسعت دی گئی اور اس میں گندھارا تہذیب کے آثار قدیمہ اور دیگر نوادرات کی الگ الگ تزئین و آرائش کی گئی۔

1970-71ء میں اس عجائب گھر کی تزئین نو کی گئی اور اس میں مزید دو ہال اور برآمدوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس کے مرکزی ہال اور اس کے اطراف میں گندھارا تہذیب کے نوادرات رکھے گئے ہیں۔مشرقی ہال قبائلی ثقافت کیلئے مختص کیا گیا اور مغربی ہال میں ''مسلم گیلری'' قائم کی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد صوبہ سرحد میں مزید تین عجائب گھر قائم کئے گئے۔ان میں سے ایک عجائب گھر سوات دوسرا اور تیسرا چکدرہ میں قائم کیا گیا۔



پشاور کا عجائب گھر

درہ خیبر کی کہانی

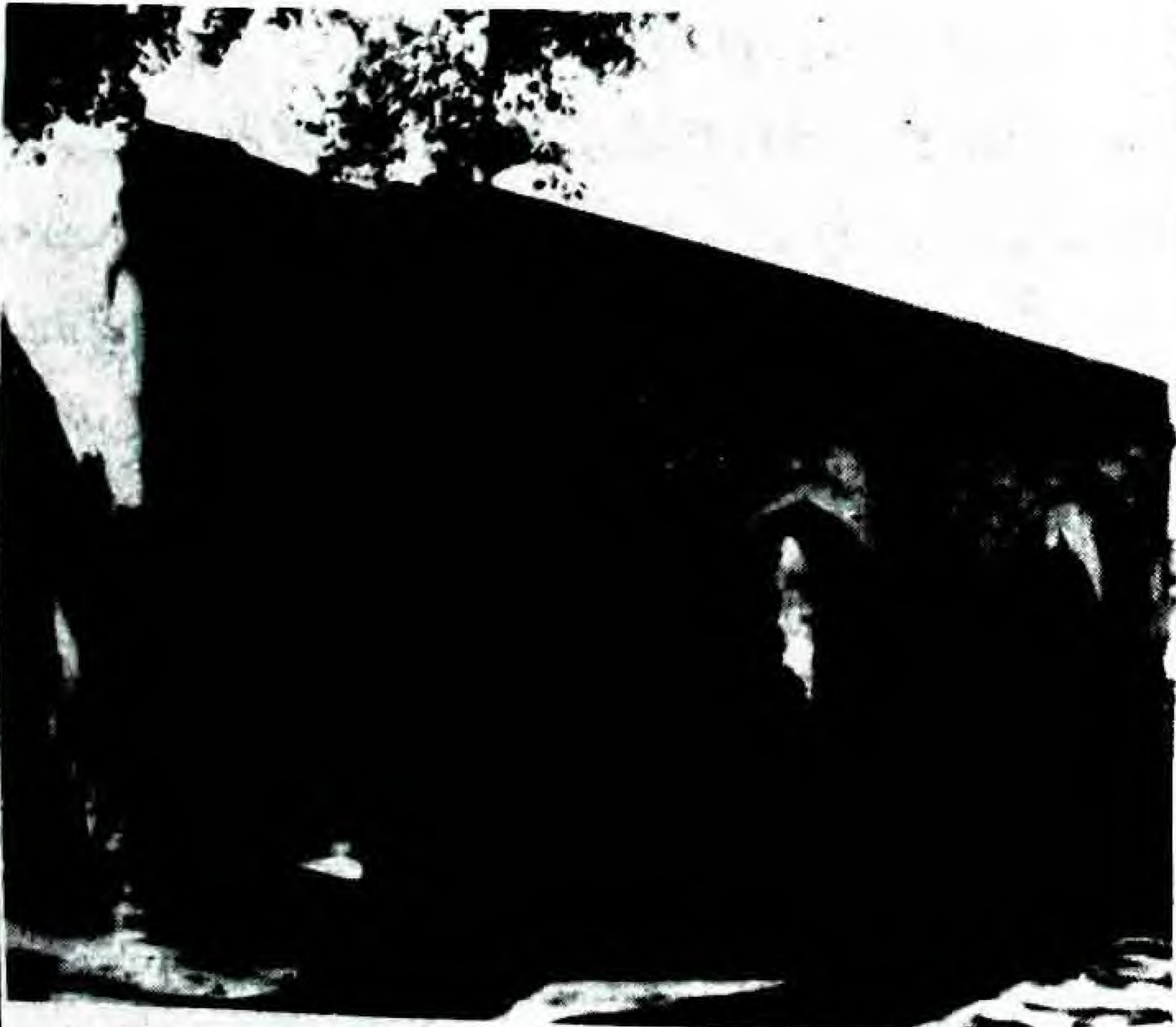
پشاور شہر میں شاہ جی کی ڈھیری اور گور گٹھڑی کی مختصر تاریخ

وطن عزیز کے بعض خطے ایسے ہیں جن کے دامن میں کئی تہذیبیں دفن ہیں۔ ایسا ہی ایک خطہ پشاور شہر کا ہے جو درہ خیبر کے دامن میں واقع ہے۔ درہ خیبر وسط ایشیا کا دروازہ ہے۔ درہ خیبر کے راستے کئی اقوام نے برصغیر کا رخ کیا۔ تاریخی لحاظ سے پاکستان کی شمال مغربی سرحد اتنے حملوں کا شکار بنی کے ایشیاء تو کیا دنیا بھر کے کسی ملک پر اتنے حملے نہ ہوئے ہوں گے۔ یہ علاقہ جہاں ہر زمانہ میں تاریخ بنتی اور بگڑتی رہی، کتنی ہی تہذیبوں کا سنگم بنا رہا۔ خیبر سرحد کا ایک اہم شہرہ آفاق دروازہ ہے جو تاریخ میں وسطی ایشیاء اور برصغیر کے درمیان یورش و تجارت کی گزرگاہ بنا رہا۔ اس راہ سے لاتعداد حملہ آور آئے جنہوں نے ساری دنیا کو لرزا دیا یعنی تاریخ کے مشہور ترین فاتح سکندر چنگیز خان اور تیمور سب سے پہلے آریاؤں نے **1600** قبل مسیح میں اس مشہور تاریخی بین الاقوامی شاہراہ پر اپنے قدم رکھے چھٹی صدی قبل مسیح میں لال فارس نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنی سلطنت کا باج گزار بنا لیا۔ سکندر کی سرگرمی میں یونانیوں کی آمد تاریخ خیبر کا ایک اور اہم واقعہ ہے۔ اگرچہ سکندر نے خود تو خیبر سے دور دوسرا شمالی راستہ اختیار کیا لیکن یونانی افواج کا بیشتر حصہ اس کے جرنیلوں ہوبا ئشن اور پرڈیکاز کی کمان میں اسی علاقہ سے آیا۔ اسی طرح باختری میلتھی اور پارتھیائی دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح میں آئے۔ پہلی صدی عیسوی میں کشان خاندان نے وسطی ایشیاء میں سلطنت قائم کی تو پشاور کو اس کا دارالحکومت بنایا اور درہ خیبر بین الاقوامی آمد و رفت کے لئے ایک مستقل شاہراہ بن گیا۔ اس زمانے میں مہاتما بدھ کی پاکیزہ تعلیمات اس علاقہ میں عام ہوئیں تو سازگار حالات میں آجانے کے باعث بدھوں اور یونانیوں کے فن باہم گھل مل گئے اور شہرہ آفاق گندھارا آرٹ وجود

میں آیا۔ کشان خاندان کے بعد تیسری صدی عیسوی میں ساسانی یہاں آئے اس ایرانی خاندان نے ہنوں سے پہلے گندھارا علاقے پر حکومت کی تاریخ عالم کے یہ مشہور سفاک یعنی سفید ہن برا اعظم ایشیاء کے وسط سے اٹھ کر پانچویں صدی عیسوی میں اس سرزمین پر حملہ آور ہوئے تھے۔ان کے راستے میں جو شہر آیا سفید ہن نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جب آفتاب عالم نے وسطی ایشیاء کو اپنے نور سے جگمگا دیا تو فاتحین اسلام کا سیلاب آگے بڑھا ان پرجوش مجاہدین کے دل اسلامی نصب العین ایمانی قوت اور اولوالعزمی کی روح سے سرشار تھے۔ اپنے پیش رو فاتحین کی طرح جنہوں نے مشرق کا رخ کیا اور اس طرح درہ خیبر نے پہلی بار اسلام کے ابھرتے سورج سے فیض پایا۔ عظیم الشان اسلامی فاتح سلطان محمود غزنوی جس نے سومنات فتح کیا اور بت شکن کا لقب حاصل کیا جو تاریخ عالم کا بہترین شاہ سوار تھا اس نے ہندوستان پر متعدد حملے کئے تھے۔ کم سے کم دوبار درہ خیبر سے گزرا تھا۔ محمود غزنوی کے بعد شہاب الدین محمد غوری (1185ء) بھی اسی تاریخی راستہ سے آیا تھا۔ جس نے پرتھوی راج کو شکست دے کر دہلی میں پہلی بار اسلامی سلطنت قائم کی اور سات سو سال تک کے لئے ہندوستان سے ہندوؤں کی قیادت ختم کر دی۔ پھر امیر تیمور آیا 1390ء جو اپنے دارالسلطنت سمرقند میں بیٹھے قرون وسطیٰ کے ایک مطلق العنان حاکم کے روایتی جبروت کے ساتھ جنوب مغربی ایشیاء کے ایک وسیع حصے پر حکومت کرتا تھا۔ اس کے بعد شہنشاہ بابر آیا جو تاریخ عالم میں بڑی ہی دلآویز شخصیت کا مالک ہے۔ اس نے قبیلہ یوسف زئی کی ایک خاتون بی بی مبارکہ سے شادی کر کے پٹھانوں کے ساتھ نسلی تعلقات قائم کئے۔ اس نے ہندوستان میں مغلوں کی مستحکم سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تین سو سال تک قائم رہی۔ 1739ء میں ایران کا نادر شاہ بھی دہلی جاتے ہوئے خیبر سے گزرا جبکہ اس نے مغل اعظم کے تخت طاؤس ہی کو قبضے میں لے لیا جس میں لعل جواہر جڑے ہوئے تھے۔ بلکہ مغلیہ خزانے کی سب سے قیمتی متاع کوہ نور ہیرا بھی ساتھ لے گیا۔ بالآخر درہ خیبر نے جدید افغانستان کے بانی احمد شاہ

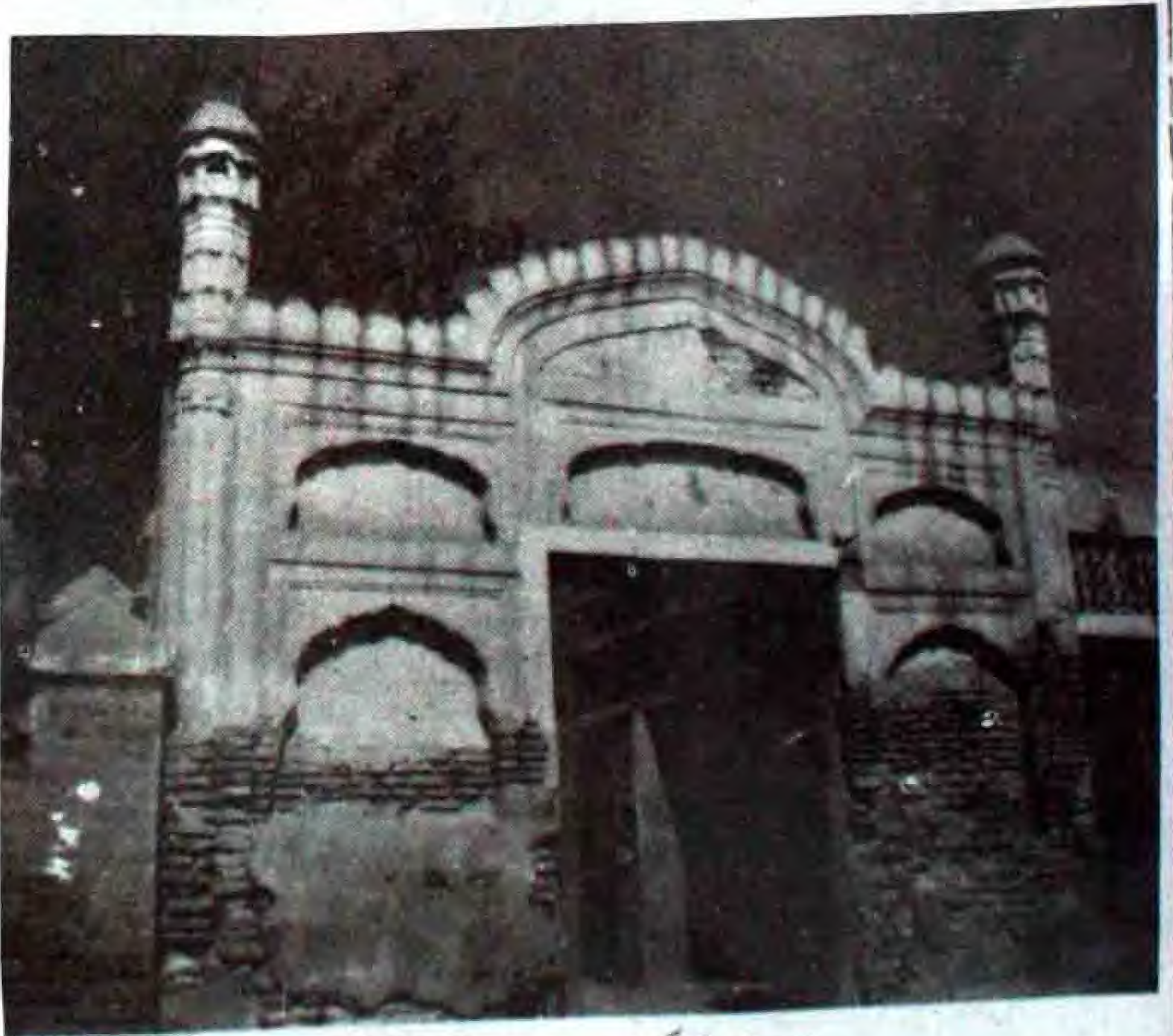
ابدالی (1723ء تا 1747ء) کی فوجیں گزرتی دیکھیں۔ ابدالی ایک عظیم افغان فاتح اور کامل مدبر تھا جس نے پانی پت کی مشہور فیصلہ کن جنگ (1761ء) میں مرہٹوں کی طاقت کو کچل کے رکھ دیا اور اس طرح مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کے زیرِ نگین آنے سے بچالیا۔ پشاور شہر کئی بار آباد ہوا کئی بار اجڑا۔ پشاور ایک قدیمی شہر ہے، اس کے ہر گلی محلہ میں کسی صوفی بزرگ درویش کا مزار ضرور نظر آتا ہے۔ جمعرات کے روز ان مزارات پر موم بتیاں اور اگر بتیاں جلائی جاتی ہیں۔ بیشتر مزارات پر منت مراد کے سلسلہ میں تالے لگا دیئے جاتے ہیں۔ اکثر مزارات پر یہ تالے سینکڑوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں اور سبز رنگ کے کپڑوں کے ٹکڑے بھی سینکڑوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ مزارات پر تقسیم ہونے والے لنگر کو خوردہ کہتے ہیں۔ یکہ توت شریف میں شہید مردؒ اور قلعہ بالا حصار کے نیچے کئی اولیاء کرام کے مزارات ہیں۔ پشاور صوبہ کا دارالحکومت ہے۔ قدیم دور میں اس کا نام پوشاکاپور یونانی اور چینی سیاحوں نے پشاور کے مختلف نام لکھے ہیں۔ البیرونی نے اسے پشاور کا نام دیا۔ اکبر نے بھی اسے یہی نام دیا۔ پشاور میں شاہ جی ڈھیریاں جس کے آثار اب ختم ہو چکے ہیں۔ یہاں ایک 286 فٹ اونچا اسٹوپا بھی دریافت ہوا تھا۔ جو بدھ مت کی مقدس عبادت گاہ تھی۔ جو اس علاقہ کا دارالخلافہ تھا۔ مقامی روایات کے مطابق پشاور میں ایک پیپل کا درخت تھا جس کے سائے میں گوتم بدھ نے قیام کیا۔ بابر نے اس پیپل کے درخت کو دیکھا تھا کہتے ہیں کہ اس پیپل کے درخت کی عمر 4 ہزار 500 سال بتائی گئی ہے۔ مشہور بازار قصہ خوانی ہے۔ اس بازار کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جو تجارتی قافلے سیاح یہاں سراؤں میں رکتے تھے انہیں قصے کہانیاں سنائی جاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ قصہ خوانی بازار مشہور ہوا۔ چوک یادگار مشہور چوک ہے۔ قصہ خوانی بازار میں انگریزوں نے 1930ء میں گولی چلائی تھی۔ چوک یادگار کے قریب ہی مسجد محبت خان ہے۔ محبت خاں مسجد جو مغل گورنر محبت خاں نے تعمیر کروائی تھی۔ محبت خاں علی مردان خان کا بیٹا تھا۔ یہ لاہور کی بادشاہی مسجد کی طرز پر تعمیر کی گئی ہے۔ مینار کی

بلندی 110 فٹ کے قریب ہے۔ دیگر پرانی عمارتوں میں شہر کے مشرق کی جانب پرانی عمارت گورکھٹڑی ہے یہاں گورکھ ناتھ کے پیروکاروں نے مندر بھی تعمیر کروائے۔ گوروگورکھ ناتھ کی بیٹھک بھی یہاں بیان کی جاتی ہے۔ شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آراء بیگم نے یہاں مسجد اور سرائے بھی تعمیر کروائے تھے۔ سکھوں کے دور میں یہ گورنر کی رہائش گاہ تھی۔ انگریزوں کے دور میں گورگٹھڑی کو پولیس کا ہیڈ کوارٹر بنادیا۔ انگریزوں کے دور میں یہاں فوج کے لئے عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ شاہی باغ اور وزیر باغ مغل طرز تعمیر کی عکاسی کرتے ہیں۔ قلعہ بالا حصار کے جانب شمال مشرق پنج تیرتھ جس کے آثار اب ختم ہورہے ہیں۔ پنج تیرتھ کا مطلب پانچ پیروں کی جگہ یہاں کبھی تالاب غسل خانے مندر ہوا کرتے تھے۔ ڈبگری بازار میں بابا جوگن کا



پشاور، شاہ جی کی ڈھیریاں میں قدیمی مسجد جو اَب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر ویران ہوچکی ہے

مندر ہے۔ کریم پورہ بازار کے قریب جھنڈا بازار میں گورکھ ناتھ اور رتن ناتھ کا مندر ہے۔ مشہور دروازے یکہ توت دروازہ، کوہاٹی دروازہ، سرکی دروازہ، سرد چاہ دروازہ، ٹھنڈی کھوئی دروازہ، ڈبگری دروازہ، بجوڑی گیٹ، کابلی گیٹ، آسامائی گیٹ، (اندر شہر) ہشت نگر گیٹ، لاہوری دروازہ، گنج دروازہ مشہور ہیں۔ یوں تو راقم نے پشاور کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ لیکن شاہ جی کی ڈھیری کو دیکھنے کا اشتیاق ضرور رہا۔ حاجی خالد یوسف نے راقم کو موٹر سائیکل مہیا کر دی۔ ارشد جاوید کو ہمراہ لے کر دو رکنی قافلہ شاہ جی کی ڈھیری کی طرف روانہ ہوا۔ میلوں میں پھیلے ہوئے اس قبرستان میں تباہ شدہ بستیوں کے آثار ملتے ہیں۔ شاہ جی کی ڈھیری کے مشرق کی جانب ہزار خوانی کا قدیمی قبرستان ہے۔ ہزار خوانی کا دروازہ اپنے دامن میں تاریخی داستانیں لیے ہوئے ہے۔ یکہ توت دروازہ سے ایک سڑک شاہ جی کی ڈھیری کی طرف جاتی



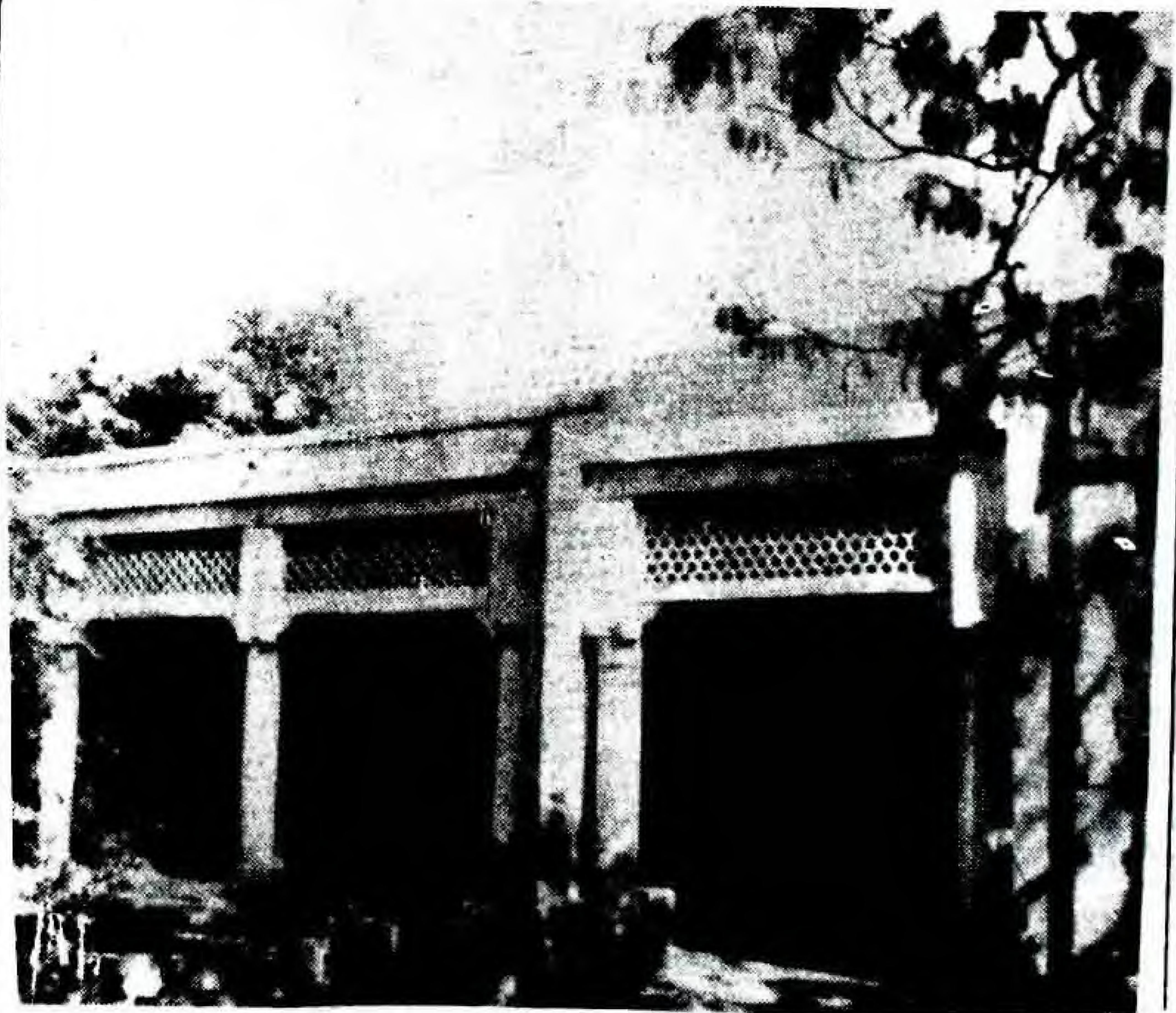
پشاور شاہ جی کی ڈھیریاں میں ایک قدیمی دروازہ



پشاور، شاہ جی کی ڈھیری میں قدیمی مسجد جو اَب ویران ہو چکی ہے

ہے۔ جسے عرف عام میں معشوق کی ڈھیری کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پختہ سڑک کے بائیں جانب شاہ جی کی ڈھیری کے آثار ملتے ہیں۔ چھوٹی اینٹوں سے تعمیر شدہ ایک قدیمی مسجد کے آثار ملتے ہیں۔ شاہ جی کی ڈھیری کے دو دروازے ابھی تک قائم ہیں ایک دروازہ پرانا ہے جس کے ستون سنگ مرمر کے ہیں اور مغلیہ طرز تعمیر کی عکاسی ہوتی ہے۔ جوں ہی راقم اس دروازہ کے ذریعے اندر داخل ہوا ہماری ملاقات شاہ جی کی ڈھیری کے نگران ملتان خان سے ہوئی۔ ملتان خان اگرچہ انپڑھ ہے لیکن تاریخ پر اسے مکمل عبور حاصل ہے۔ اس نے بتایا شاہ جی کی ڈھیری کے احاطہ سے کھدائی کے دوران گوتم بدھ کے مجسمے اور پرانے زمانے کے نوادرات دریافت ہوئے ہیں۔ یورپ اور غیر ملکی سیاح بالخصوص جاپان کے لوگ شاہ جی کی ڈھیری کو دیکھنے آتے ہیں۔ ملتان خان نے بتایا کہ چونکہ یہ علاقہ تجاوزات کی زد میں ہے۔ کئی تاریخی راز بنیادوں کے نیچے

دفن ہو گئے ہیں۔ اس تاریخی مقام کے قریب ہی چھوٹی اینٹوں سے تعمیر شدہ ایک کنواں اور چند کمروں کے آثار ملتے ہیں۔ کنواں کے قریب کسی تباہ شدہ ٹبہ کے آثار ملتے ہیں ملتان خان جو مہمان نواز ثابت ہوا ہمیں چائے کی پیشکش کی۔ پانی طلب کرنے پر ملتان خان کی بیوی ٹھنڈا پانی لے آئی۔ اس نے بتایا کہ ہم یہاں کے خدمت گزار ہیں اور گورکن کا کام بھی کرتے ہیں۔ ملتان خان ہمیں چند بزرگوں کے مزارات پر لے گیا۔ یہ مزارات حضرت داناشاہؒ، حضرت سید محمد روشنؒ، شاہ عطااللہ الحنفی الحمدانیؒ شمس العارفین احمد بادشاہ کے ہیں۔ دیواروں پر تعلیمات تحریر ہیں اور عالی شان گنبد کے علاوہ سنگ مرمر بھی استعمال ہوا ہے۔ ان مزارات کے باہر چند قبریں بھی ہیں صاحب قبور کا تعلق مشرقی پاکستان سے رہا ہے۔ شاہ جی کی ڈھیری کی خاص بات کسی زمانے میں یہاں گوتم بدھ کا 286 فٹ اونچا سٹوپا بھی دریافت ہوا



شاہ جی کی ڈھیریاں کے قریب حضرت سید محمد روشن شاہؒ حضرت عطااللہؒ کا مزار

تھا۔ فوٹوگرافی اور معلومات کے بعد راقم نے پنج پیر کے مزارات پر حاضری دی۔ یہ پانچ قبریں ایک احاطہ میں جو سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہیں۔ ان پانچ قبروں کی وجہ سے انہیں پانچ پیر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مزار کے باہر پشاور کے مشہور چپل کباب کی خوشبو اپنی طرف کھینچ لائی۔ دوپہر کا وقت اور اب موٹر سائیکل پر گھومتے گھومتے چالیس پچاس کلومیٹر فاصلہ طے ہو چکا تھا۔ تنوری روٹی اور چپل کباب کی لذت نے ساری تھکاوٹ دور کر دی۔ چپل کباب کے بعد پشاوری قہوہ لازمی پینا پڑتا ہے۔ سبز لاچیوں کی خوشبو نے قہوہ کو خوش ذائقہ بنادیا۔ ہم نے قہوہ آرام سکون سے پیا۔ پشاور کے مشہور شاعر رحمٰن بابا۔ اخوند درویزبابا وصال 1048ھ۔ شیخ حیدر بابا۔ نوگزہ بابا کے مزار پر حاضری دی۔ شیخ حیدر بابا کے مزار کے متولی حاجی جمعہ گل نے بتایا شیخ حیدر بابا کے بھائی شیخ پولا بابا کا مزار باڑہ میں ہے۔ یہ دونوں بھائی بلخ بخارا سے آئے تھے ان کو اس



پشاور میں پنج پیر نام کی خانقاہیں



پشاور کے قدیمی قبرستان ہزار خوانی میں نوگز لمبا مزار

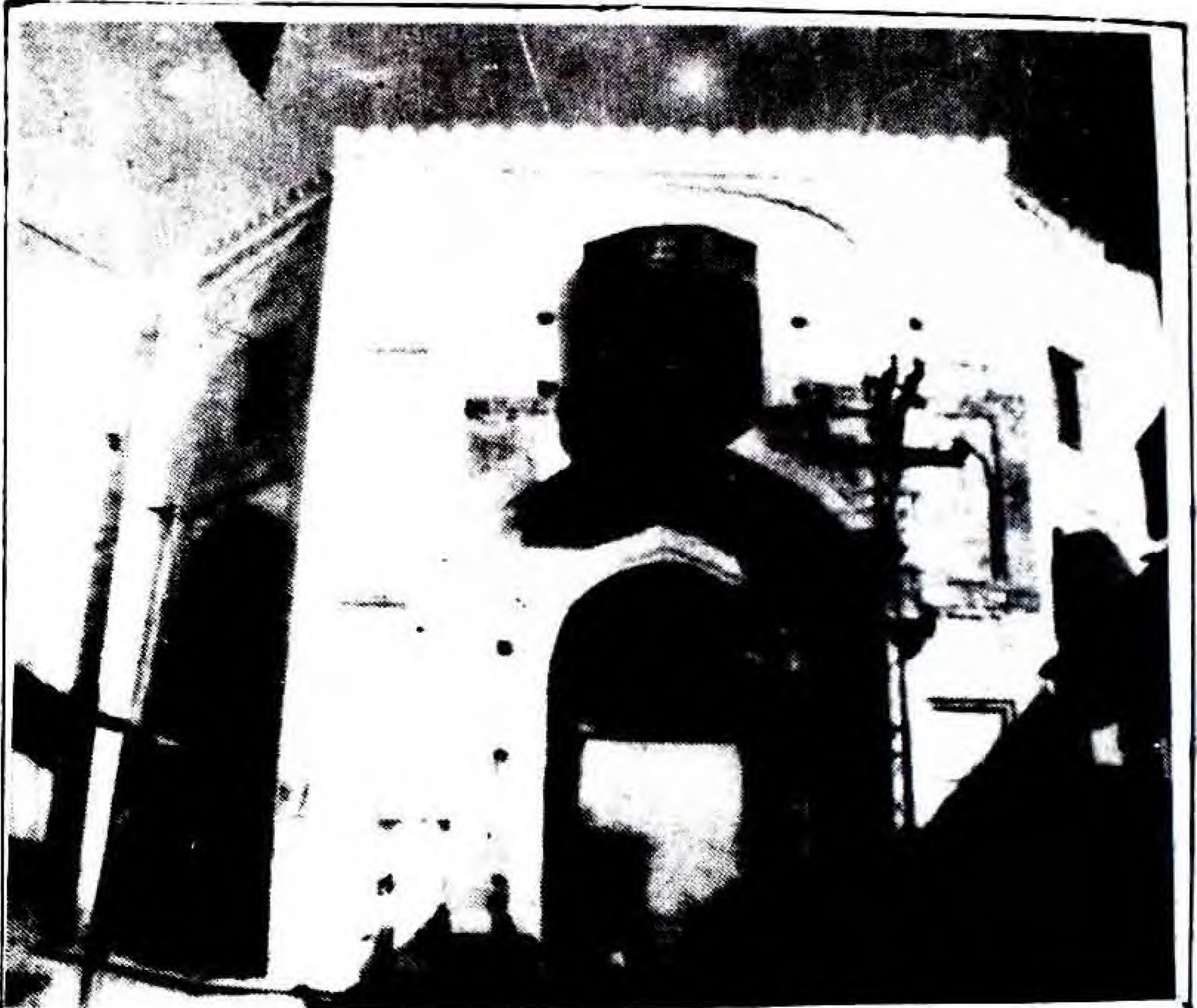
علاقہ میں آئے ہوئے تین سو سال ہو چکے ہیں۔ 9/10 محرم کو عرس پر یہاں بہت رش ہوتا ہے۔ حضرت شیخ جنید باباؒ کا مزار لاہوری گیٹ کے باہر ہے کے مزار پر حاضری دینے کے بعد ہماری اگلی منزل پشاور شہر کے مشرقی سمت واقع ایک قدیمی ، تاریخی مقام گور گھٹڑی تھی۔ مشرقی دروازہ کے باہر پولیس ملازم نے بڑے اخلاق سے آنے کی وجہ پوچھی اور ساتھ ہی چائے پانی کا پوچھا۔ راقم نے اسے بتایا کہ وہ ایڈووکیٹ، صحافی اور محقق ہے۔ زیر طبع اپنی کتاب ''پشاور سے کوئٹہ تک'' کی تحقیق کے سلسلہ میں یہاں آیا ہے۔ سرحد پولیس کا یہ ملازم ہمیں محکمہ آثار قدیمہ کے چوکیدار یقین شاہ کے پاس لے گیا۔ یقین شاہ کو تعارف کے بعد یہاں آنے کی وجہ بتائی۔ یقین شاہ خوشی خوشی ہمارے ہمراہ چل پڑا۔ راقم جن قدیمی، تاریخی مقامات پر گیا وہاں عملہ، گائیڈ کو کچھ نہ کچھ بخشش دینی پڑتی ہے۔ لیکن یقین شاہ نے صاف انکار کر



ہزار خوانی کے قبرستان میں شیخ حیدر باباؒ کا مزار



گورکھٹڑی کا مشرقی دروازہ



گور کٹھڑی پشاور کا مغربی دروازہ۔

دیا بلکہ چائے کی پیشکش کی۔ اس نے گور گتھڑی کے مشرقی دروازے سے لے کر مغربی دروازہ تک مندر، عبادت گاہیں، قدیمی رہائش گاہیں اور دوسری منزل پر بالکونی کی سیر کروائی۔ گور گتھڑی کی چاردیواری کے اندر تعمیرات چھوٹی اینٹوں سے کی گئی ہے۔ زیرزمین کنواں بھی ہے۔ ان دنوں گور گتھڑی میں محکمہ پولیس کا ایک دفتر اور فائر بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ گور کھڑی کا مشرقی دروازہ مخدوش ہو چکا ہے جو محکمہ آثار قدیمہ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اگر محکمہ نے توجہ نہ دی تو یہ تاریخی آثار مٹ جائیں گے۔ مشرقی دروازہ کے قریب

GORKHUTTREE EXCAVATION BY NATIONAL HERITAGE FOUNDATION AND DEPTT. OF ARCHAEOLOGY UNIVERSITY OF PESHAWAR

کا بورڈ نصب ہے۔ مغربی دروازہ کے قریب محکمہ آثار قدیمہ نے ایک بورڈ پر



پشاور گور گٹھڑی میں بدھ دور کے مندر جو گور کھ ناتھ کے مندر کے نام سے مشہور ہیں

گور گٹھری کی مختصر تاریخ تحریر کی ہے۔ اس تحریر کے مطابق:
"گور گٹھری پشاور کے قدیم آثار قدیمی میں سے ایک اہم یادگار ہے۔ جو کہ اپنے عہد کی ایک اہم عمارت ہے۔ شہر کے مشرقی حصے میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ گور گٹھری کے متعلق سب سے پہلے معلومات عظیم شہنشاہ بابر کی مشہور زمانہ کتاب تزک بابری میں ملتی ہیں۔ جس میں وہ کہتے ہیں "یہ ایک چھوٹا سا مسکن ہے جو خانقاہوں

کے رواج کے خاتمے کے ساتھ تاریکی میں چلا گیا''۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر ضروری ہے کہ شہنشاہ اکبر اور جہانگیر نے بھی اس جگہ کی سیر کی اور اسے جوگیوں کی جگہ کہا جو خاموش ریاضیت پر یقین رکھتے تھے۔ یہ شاہ جہاں کے دور کا قصہ ہے کہ 1600ء میں اسکی بیٹی جہاں آرا گور گٹھڑی کی سیر کے لئے آئی اور اسے سرائے میں تبدیل کر

پشاور گور گٹھڑی کی مختصر تاریخ محکمہ آثار قدیمہ نے تحریر کر کے نصب کر رکھی ہے

دیا۔ جس کا نام جہاں آباد رکھا گیا۔ گور گٹھڑی کی عمارت سکھوں کے اطالوی گورنر جنرل ابوٹی ٹیبل المعروف ابو طبیلہ کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوئی۔ اینٹوں کی بنی ہوئی یہ یادگار جن بنیادی حصوں پر مشتمل ہے ان میں دو عظیم الشان مغربی اور مشرقی دروازے ہیں جن میں چوبی بالکونیاں موجود ہیں۔ سرائے ایک چار دیواری کے اندر واقع ہے جس کے چاروں کونوں پر برج بنے ہوئے ہیں۔ یہ عمارت اٹک کی سرائے اٹک خورد اور اکبری سرائے شاہدرہ لاہور سے بڑی ہے۔ پشاور شہر کی تاریخی اور مغلیہ دور کے طرز تعمیر کی ایک بے مثال سرائے ہونے کی وجہ سے محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان نے اسکی حفاظت، مرمت اور محفوظ کرنے کے لئے بہت کوششیں کیں ہیں اور انہی کوششوں کی بدولت اس یادگار کو محفوظ آثار قدیمہ مانا گیا ہے"۔ یہاں گورکھ ناتھ کی بیٹھک کے آثار ملتے ہیں۔ ناتھ جوگیوں کا عہد 850ء سے 1450ء تک بتایا جاتا ہے۔ ان کا مرکز جہلم کے قریب پہاڑ پر ٹلہ جوگیاں تھا۔ جس کے آثار اب بھی موجود ہیں جسکی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب "سیالکوٹ سے خیبر" تک میں تحریر ہیں۔ گرو گورکھ ناتھ کے پیروکار ٹلہ جوگیاں کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ ان ے کان چھدے (کن پاٹے) ہوتے تھے۔ ان کے مشہور گرو گورکھ ناتھ۔ چرپٹ ناتھ۔ رتن ناتھ۔ چورنگی ناتھ ہو گزرے ہیں۔ گور گٹھڑی کی وجہ تسمیہ یہاں گرو گورکھ ناتھ دی ہٹڑی "بیٹھک" تھی۔ گورکھ کی ہٹڑی سے یہ نام آہستہ آہستہ گور گٹھڑی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ گرو گورکھ ناتھ نے یہاں لوگوں کی بہت خدمت کی اور کئی سال چلہ کشی کی۔ گورکھ ناتھ سلسلہ کی دوسری عبادت گاہ پشاور کے مشہور جھنڈا بازار میں ہے جو بابا رتن ناتھ کے نام سے منسوب ہے۔ رتن ناتھ نے اس مقام پر قیام کیا۔ چورنگی ناتھ کی دھونی ابوہر میں ہے اور سیالکوٹ میں پورن بھگت کا کنواں بھی موجود ہے۔ چرپٹ ناتھ کی ہندوستان کی ریاست چنبہ میں پوجا بھی کی جاتی ہے۔ ان چاروں کا گروہ مچھندر ناتھ راجپوتانہ کے کسی علاقہ میں پیدا ہوا تھا۔ گرو گورکھ ناتھ گروہ مچھندر ناتھ کے سب سے بڑے چیلے تھے۔ گرو گورکھ ناتھ نے کسی غریب گھرانہ



پشاور گور کٹھڑی میں انگریز کے دور کی تعمیر کردہ عمارت یادگار حیات۔

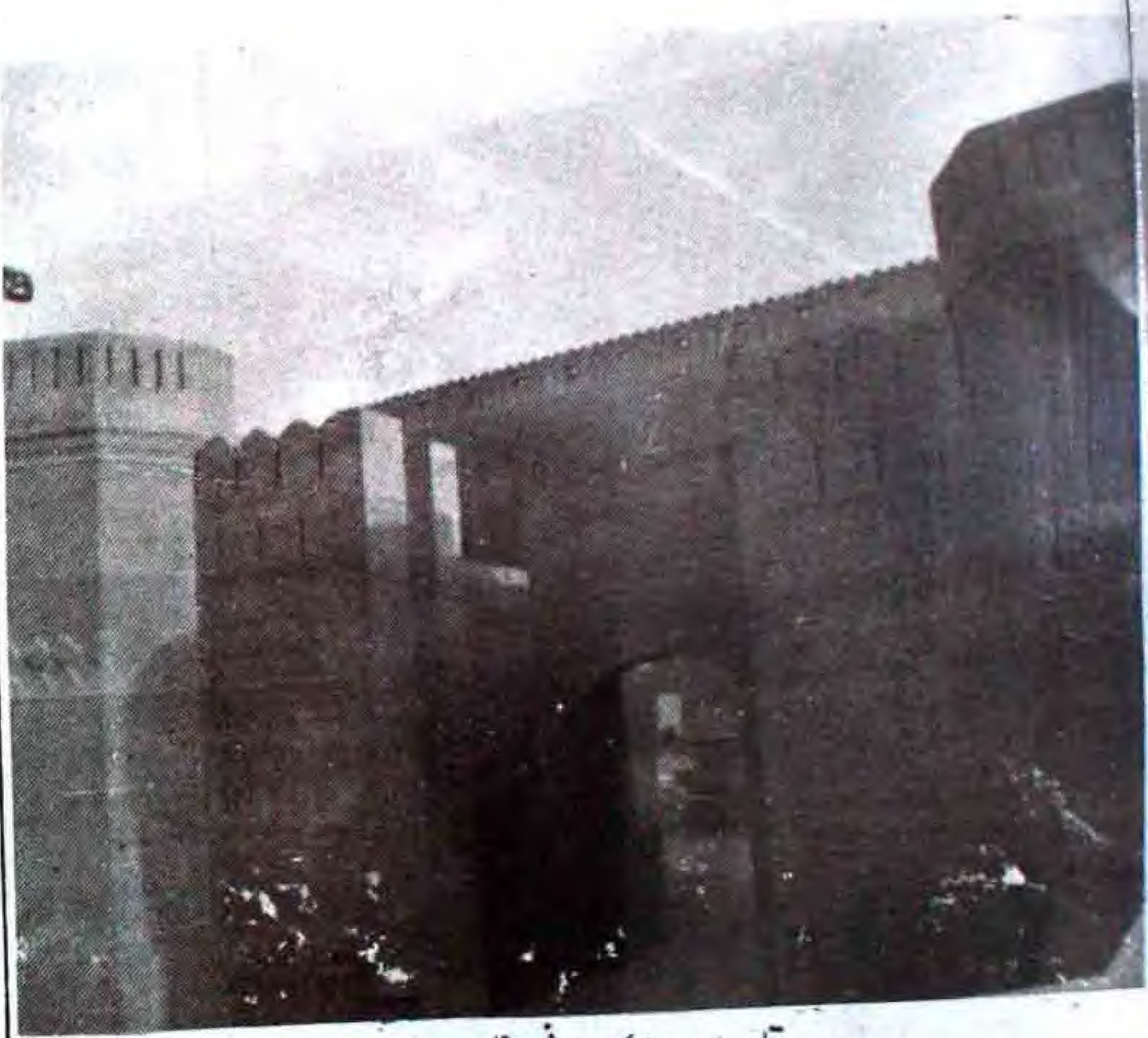
میں جنم لیا، بارہ سال چلہ کشی کی اور منزل پالی۔ اور اپنی تعلیم کو دور دور تک پھیلایا۔ اس چلہ کشی میں گورو گورکھ ناتھ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ گرو گورکھ ناتھ کی تعلیمات کا اثر کئی راجوں، مہاراجوں پر ہوا اور وہ بھی گرو گورکھ ناتھ کے پیروکار بن گئے۔ گرو گورکھ ناتھ کے مذہب میں ہر کسی کے لئے جگہ تھی۔ مشہور چیلے بھرتھری ناتھ، گوپی چند جاں گوپی ناتھ ہوئے۔ گرو گورکھ ناتھ نے کئی مقام پر اپنے عبادت خانے قائم کئے۔ گرو گورکھ ناتھ کی تاریخ پیدائش 940ء اور وفات 1031ء بتائی جاتی ہے۔ چرپٹ ناتھ گرو بال ناتھ کا چیلہ تھا۔ اس سلسلہ کے گرو چورنگی ناتھ المعروف پورن بھگت پیدائش 970ء وفات 1071ء جو سیالکوٹ کے راجہ سالباہن کا بیٹا اور راجہ رسالو کا بھائی تھا۔ پورن بھگت کو سوتیلی ماں نے کنواں میں گرادیا تھا جو مچھندر ناتھ نے کنواں سے باہر نکلوا کر اپنے ہمراہ لے گئے۔ رتن ناتھ وفات 1120ء کی بیٹھک پشاور جلال آباد قندھار کابل میں پائی جاتی ہے۔ کسی زمانہ میں اس علاقہ کو بدھ مت کی مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ رتن ناتھ کے پیروکار اس علاقہ میں موجود ہیں۔

پشاور کا قدیمی قلعہ بالا حصار

جن دنوں میں پشاور میں زیرِ تعلیم تھا۔ قلعہ بالا حصار کے قریب سے کئی بار گزرنے کا اتفاق ہوا بلکہ شاہی باغ میں صبح کی سیر کے دوران قلعہ بالا حصار کے بیرونی حصہ دکھائی دیتا لیکن قلعہ کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ سال 2001ء میں پشاور جانے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ اب بالا حصار قلعہ کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ دیکھنے کے اوقات تین بجے سے مغرب تک ہیں۔ بیس روپے داخلہ ٹکٹ ہے۔ بیس روپے کا ٹکٹ خریدا قلعہ میں داخل ہوا برسوں کی حسرت پوری ہوگئی ٹکٹ کے پیچھے قلعہ کی مختصر تاریخ لکھی ہوئی ہے دروازوں اور دیواروں کے ساتھ راہنمائی کیلئے بورڈ آویزاں ہیں۔ سکھ دور اور انگریزوں کے دور میں قلعہ بالا حصار میں رونما ہونے والے واقعات کی تاریخ درج ہے قلعہ بالا حصار فرنٹیئر کورپس کا ہیڈکوارٹر ہے مغربی سرحد قبائلی علاقہ جات میں حفاظتی عملہ کا نام اور نشان اندرونی دروازہ



قلعہ بالا حصار کا فضائی منظر



قلعہ بالا حصار کا بیرونی منظر

پر نمایاں نظر آتے ہیں۔قلعہ کے اندر عجائب گھر میں مختلف ادوار کی چیزیں کپڑے، جوتے، ہتھیار رائفل، خنجر وغیرہ رکھے ہوئے ہیں مختلف ادوار میں تعینات ہونے والے آفیسروں کے فوٹو بھی ہیں یہ عجائب گھر کوارٹر گارڈ کے ملحقہ ہے۔قلع کے اندر سڑکیں مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی قلعہ کے بلند حصہ تک لے جاتی ہیں۔دونوں اطراف توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے اُوپر کھڑے ہوکر دور دور تک پشاور کا نظارہ کیا جا سکتا ہے بارش کے بعد درہ خیبر کے پہاڑ ایک خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں پشاور کے شمال کی طرف دور دور تک سڑکوں پر نقل و حرکت بھی دکھائی دیتی ہیں قلعہ کے اندر فرنٹیئر کورپس کے دفاتر مسجد انگریزوں کے دور کا پھانسی گھاٹ جیل بھی موجود ہے جہاں قوم پرستوں قیدیوں کو نظر بند رکھا جاتا تھا عائشہ ذوالفقار کے تحقیقی مضمون کے مطابق۔پشاور شہر کے شمال مغرب میں یہ قلعہ کسی زمانے میں



پشاور قلعہ بالا حصار کی بیرونی دیوار۔



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ قلعہ بالا حصار پشاور میں قلعہ کی بالائی منزل پر نصب
توپ کے قریب کھڑے ہیں

پشاور کے مسلمان حاکموں کی رہائش اور دفتر کا کام دیتا تھا۔ یہ قلعہ شمال مغرب سے آنے والے تمام حملہ آوروں کی زد میں آیا کہا جاتا ہے کہ اس قلعے کو شہنشاہ ظہیرالدین بابر نے تعمیر کرایا لیکن اصل میں اس نے جب 1519ء میں ہندوستان کا رُخ کیا تو اس جگہ سے گزرتے ہوئے اس نے یہاں ایک مضبوط قلعے کے آثار دیکھے۔ اس نے اس قلعہ کی جنگی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس ویران قلعے کی تعمیر نو کی اور اس کو مستحکم بنایا۔ یہ قلعہ ایک بہت اُونچے ٹیلے پر واقع ہے۔ اس کے اُوپر سے تمام پشاور شہر دکھائی دیتا ہے۔ قلعہ بالا حصار کا رقبہ 4400 مربع گز ہے اور اس کی دیواروں کی بلندی 17 گز ہے۔ قلعہ کے اندرونی حصوں میں پہنچنے کے لئے تین بڑے دروازے ہیں۔ قلعہ کے اندر سب سے خوبصورت عمارت شاہی دربار ہے جبکہ قلعہ کے شمالی حصے میں شتر خانہ اور فیل خانہ ہے قلعہ میں ایک بزرگ حضرت گرم پیر کا مزار ہے بابر کے بعد مغل بادشاہ نصیرالدین ہمایوں تخت نشین ہوا تو افغانیوں نے اس کے عہد میں اس قلعہ کو مسمار کر دیا۔ 1551ء میں ہمایوں اپنے بھائی کامران کو سزا دینے کی غرض سے اس علاقے میں آیا تو اس نے اس قلعہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مغل جنرل سکندر خان ازبک کو ایک فوجی دستے کے ساتھ قلعہ پر مامور کر دیا۔ اس قلعہ کی تعمیر نو کروائی اس کو مضبوط کیا اور اس میں کافی مقدار میں غلہ ذخیرہ کر لیا۔ 1554ء میں مغل جنرل سکندر خان ہی کو اس قلعہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ 1630ء میں فرقہ دوشنائی نے بی بی علائی کی سرکردگی میں قلعہ کا محاصرہ کیا۔ حاکم کوہاٹ سید خان نے فوراً حملہ کر کے ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ 1664ء میں عہد اورنگ زیب عالمگیر میں گورنر پشاور سید امیر خان نے خوشحال خان خٹک کو کسی بہانے سے قلعہ میں بلایا اور اسے گرفتار کر لیا۔ یہ گورنر خٹک قوم کے خلاف تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو ہٹا کر مہابت خان کو دوبارہ گورنر پشاور بنا دیا۔ دوبارہ گورنر بننے والے مہابت خان کی سفارش پر خوشحال خان کو رہائی ملی۔ 1739ء میں مغل بادشاہ محمد شاہ کے دورِ حکومت میں نادر شاہ درانی نے پشاور کا دورہ کیا۔ ناصر خان گورنر پشاور نے خون کے ضیاع کے پیش نظر پشاور شہر کی کنجی خود ہی نادر شاہ کو پیش کر

دی۔ نادر شاہ نے دریائے سندھ عبور کرنے کے بعد مغل بادشاہ محمد شاہ سے ایک معاہدے کے تحت کنجی ناصر خان کو واپس لوٹا دی۔ اس کے عہد میں قلعہ کی بیرونی دیوار کے علاوہ اندر کی دوسری دیوار جو سولہ گز بلند تھی اس میں ایک وسیع وعریض باغ جو نظر باغ کے نام سے مشہور تھا۔ تعمیر ہوا اس کے علاوہ بادشاہ کا محل، مہمانوں کے لئے دیوان خانہ اور جرگہ کی نشست بھی تعمیر ہوئی۔ 1747ء میں نادر شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ ابدالی نے تخت کابل پر قبضہ کیا پھر ابدالی کے بعد اس کے آٹھ بیٹوں میں سے ایک تیمور اس نے پشاور کو اپنا سرمائی

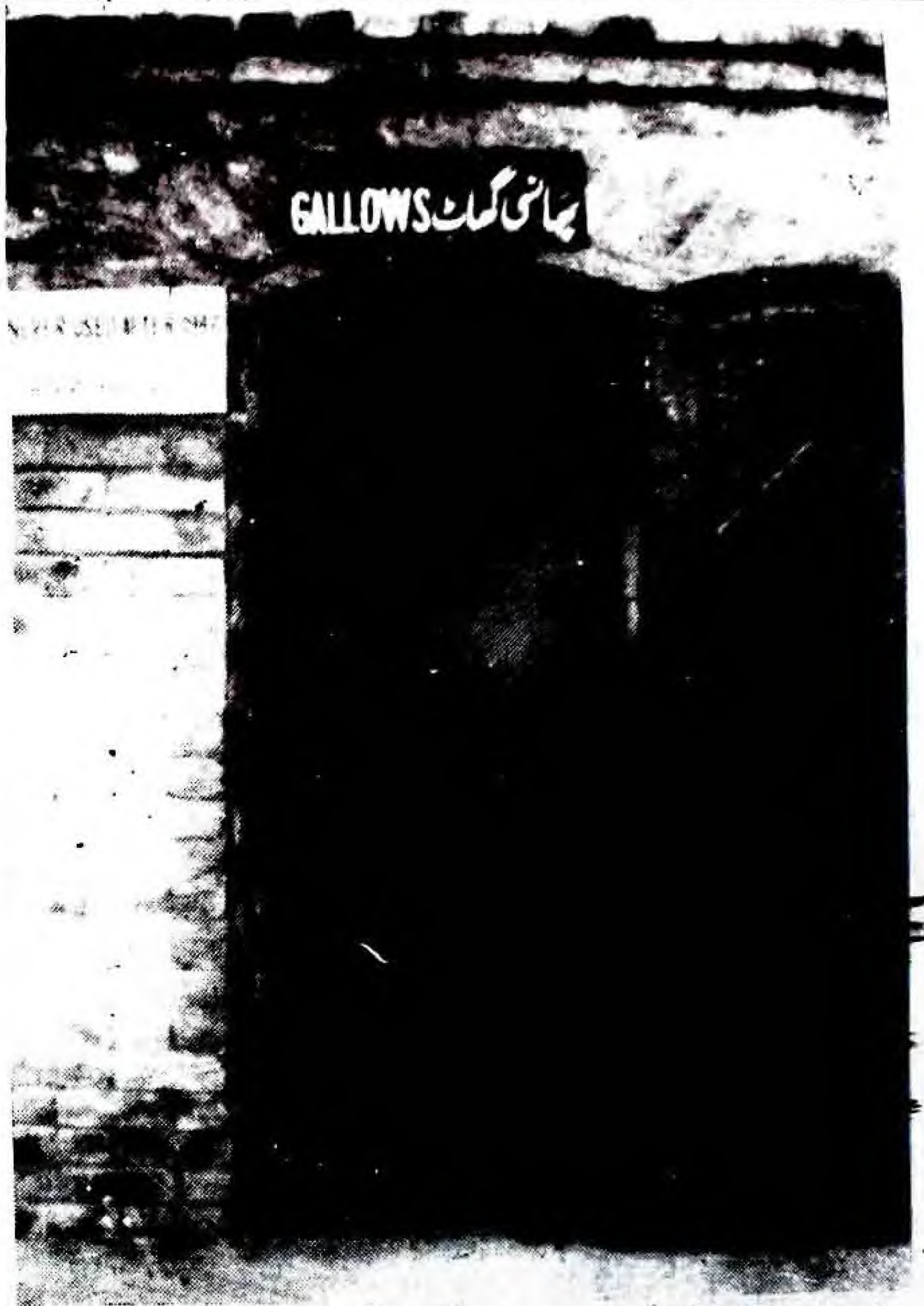
THE NORTH WESTERN BASTION

THIS BASTION PROVIDES A PANORAMIC VIEW TO THE PESHAWAR VALLEY AS WELL AS THE KHYBER AND MOHMAND HILLS. THE LOW LYING AREA ACROSS THE RAILWAY LINE WAS ONCE AN OFF SHOOT OF BARA RIVER (PRESENTLY RADIO PAKISTAN BUILDING) THE EARTH FOR THE BALAHISAR [illegible] WAS ALSO BROUGHT FROM THIS AREA. THE [illegible] MOUNTED ON THE BASTION BELONG TO THE BRITISH RULE.

[illegible] MAIN GATE IN THE OUTER WALL

[illegible] GATE WAS CONSTRUCTED BY THE SIKH [illegible] BRICKS. IT WAS USED AS THE MAIN ENTRANCE TO THE FORT HAVING TWO WATCH TOWERS. IT HAS BEEN RENOVATED AND THE WALLS HAVE BEEN [illegible] BY NEW BRICKS. THE ROUND ENCLOSURE [illegible] THIS GATE HAS ARCHED POSTS WHICH WERE [illegible] STATIONING ROYAL SENTRIES.

قلعہ بالا حصار پشاور میں قلعہ کی مختصر تاریخ دیواروں پر تحریر کی گئی.



قلعہ بالا حصار میں پھانسی گھاٹ۔ 1947ء میں قبل یہاں قوم پرستوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔ 1947ء کے بعد یہ پھانسی گھاٹ بند کر دیا گیا۔

دارالحکومت بنایا۔ یہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے پشاور کو اپنا مستقل ٹھکانا بنایا۔ اپنا پایہ تخت قلعہ بالا حصار کو بنایا۔ اس نے قلعہ کے اندر اور باہر خوبصورت باغات بنوائے اور شاندار محل ان میں تعمیر کرائے۔ اس کو اپنی ایک لونڈی بی بی جان سے محبت ہوگئی۔ اس کی خبر تیمور کی بیوی کو ملی تو اس نے بی بی جان کو زہر دے کر مروا دیا۔ اس حادثے نے تیمور شاہ کو بے حد افسردہ اور ملال کر دیا اسے اس قلعہ سے وحشت سی ہونے لگی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت بی

بی جان کی قبر پر گزارتا رہا۔ 1779ء میں تیمور شاہ کو ایک مہمند سردار نے دھوکے سے قلعہ میں قتل کرنے کی سازش کی جس کا تیمور شاہ کو بروقت پتہ چل گیا۔ مہمند سردار فرار ہو کر اپنے وطن چلا گیا۔ بادشاہ نے اس کو امان دے کر بلوایا مگر وہ اپنے ہی قبیلے کے دشمنوں کے ہاتھوں بعد میں قتل ہو گیا۔ 1793ء میں تیمور شاہ کے بعد شاہ زمان اس کا تیسرا بیٹا اس قلعہ پر قابض ہو گیا اور اقتدار میں آتے ہی اپنے بھائیوں کو قلعہ میں قید کر دیا۔ دو بھائی شہر میں نہ ہونے کے باعث بچ گئے۔ ان میں سے ایک محمود مرزا نے شاہ کابل کا خطاب زبردستی لے کر شاہ

THE SIKH INSCRIPTION

THE INSCRIPTION ON THE ARCH GATE PERTAINS TO THE SIKH DYNASTY. THE SIKHS INVADED PESHAWAR, REBUILT THE FORT AND NAMED IT SAMEER GARH. THE INSCRIPTION READS AS FOLLOWS

بفضل سری اکال

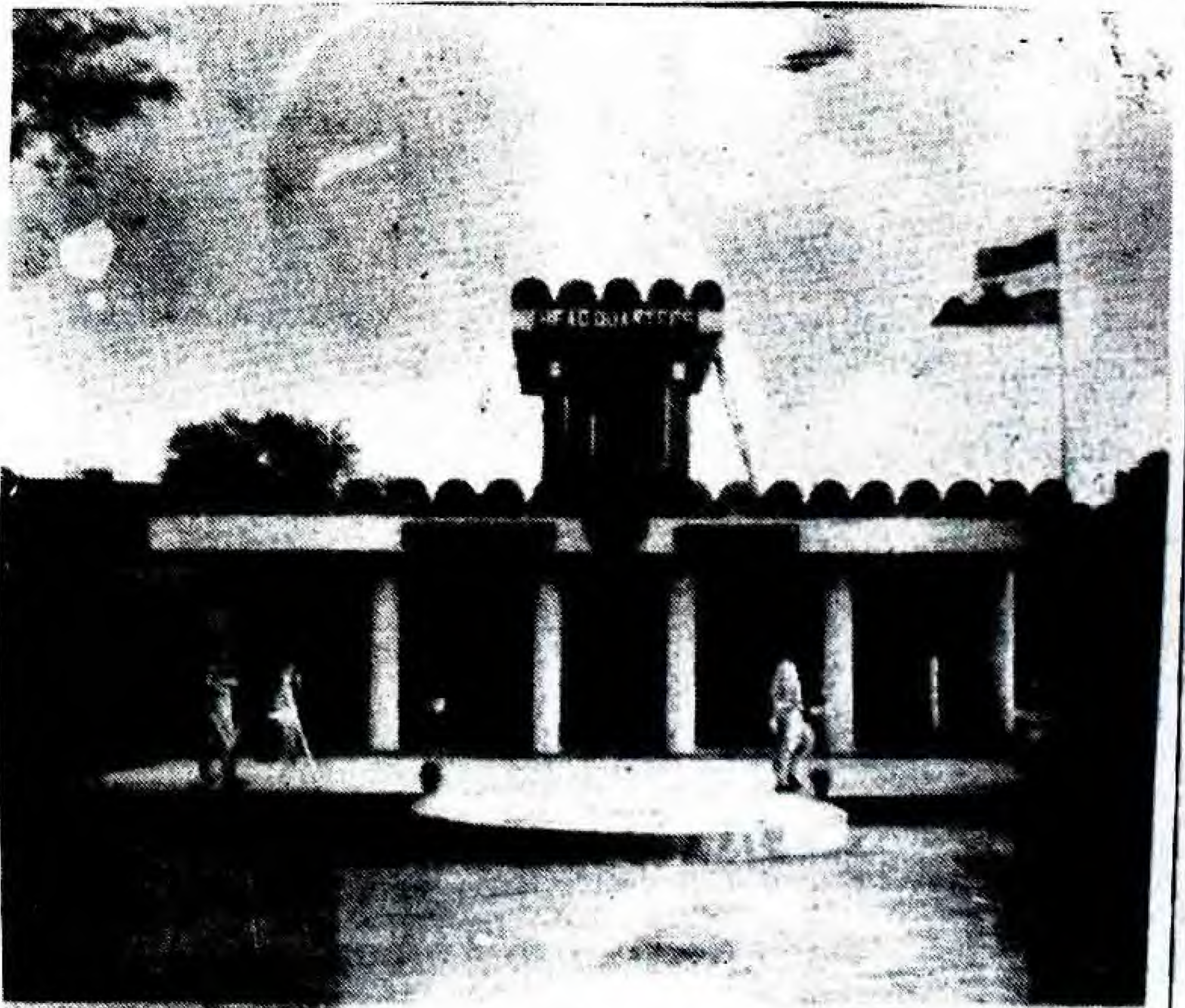
[illegible]

"VICTORY TO PORAKH. THROUGH THE GRACE OF SRI AKAL UNDER THE LIBERAL GOVERNMENT OF MAHARAJA RANJEET SINGH BAHADUR OVER THE REGION OF PESHAWAR, IN THE YEAR 1891 (VIKRAM SAMRAT) A.D 1834) THIS WAS BUILT BY RAJA BIKRAMAJIT AND WAS NAMED SAMEER GARH".

THE ARCH GATE IN THE INNER WALL

SIKHS WERE THE ARCHITECTS OF THIS FORTY FEET WIDE MAGNIFICENT GATE. THEY USED AKBARI BRICKS IN ITS CONSTRUCTION IT HAS TWO WATCH TOWERS FOR PROVIDING OBSERVATION OF THE AREA [illegible]OUND. THIS GATE WAS CLOSED PERMANENTLY BY THE [illegible]ISH. THERE IS A GUARD ROOM [illegible] GHULAM GARDISH CLOSE [illegible] THE GATE. THE UPPER PORTION OF THIS GATE WAS CONSTRUCTED BY THE [illegible]

زمان کی آنکھیں نکلوا کر اسی قلعہ میں قید کر دیا۔ شاہ زمان کے بعد اس کا بھائی شاہ شجاع والئی کابل ہوا تو شاہ زمان کو قید سے رہائی ملی۔ شاہ شجاع کو پشاور شہر بہت پسند تھا۔ اس نے قلعہ بالا حصار کو اپنا سرمائی ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ 1809ء میں انگریز سفیر ہیتھ اسٹیفن کی شاہ شجاع سے اسی قلعہ میں ملاقات ہوئی اس وقت یہ قلعہ نہایت خوبصورت اور آرائش و زیبائش سے مزین تھا۔ 1815ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہ قلعہ حاصل کرنے کے لئے پشاور پر حملہ کر دیا۔ جس میں قلعہ سکھوں کے ہاتھ آیا۔ سکھوں کے عہد میں افراتفری اور بدنظمی پھیلی رہی۔ انہوں نے دوسرے شہروں کے تاریخی آثار اکھاڑنے کے ساتھ ساتھ قلعہ بالا حصار کو بھی برباد کرنا شروع کر دیا۔ صحن میں بنی ہوئی عالیشان عمارات مسمار کر دیں۔ قلعہ کی دیواروں کو زمین بوس کر دیا۔ اور اس سے قبل کہ اس قلعہ کے آثار مٹا دیئے جاتے۔ سکھوں کے جنرل ہری سنگھ کو قلعے کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔ اس نے پھر 1834ء میں قلعہ کا صدر دروازہ اور



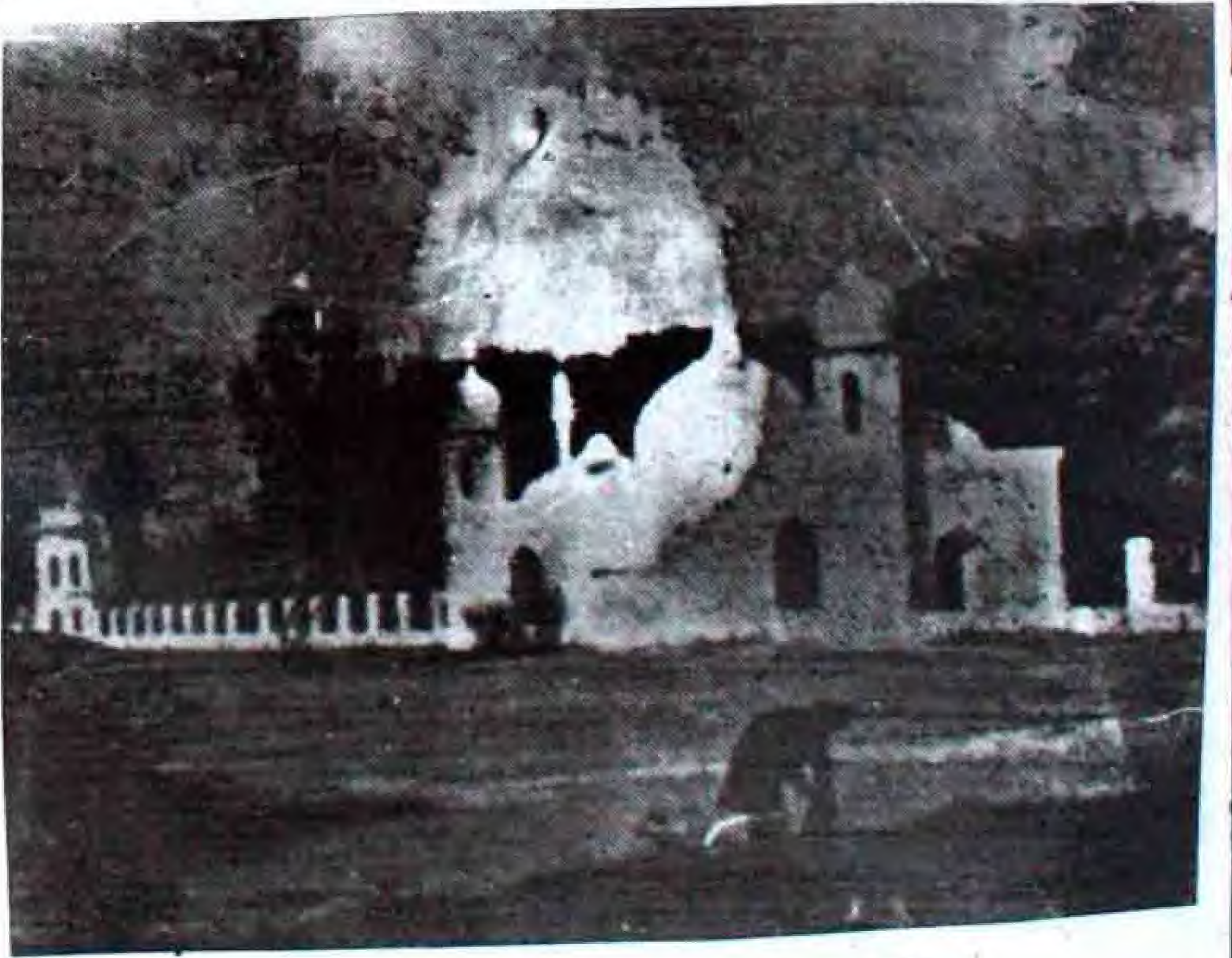
پشاور، قلعہ بالا حصار میں کوارٹر گارڈ کا منظر



قلعہ بالا حصار کے اندر جیل خانہ انگریز دور میں یہاں قوم پرستوں کو قید خانہ میں بند کیا جاتا تھا

بیرونی خام دیواریں نئے سرے سے دوبارہ تعمیر شدہ قلعہ کا رقبہ 220 گز مربع تھا تعمیر کروائیں قلعہ کے دروازے کی تعمیر کے بعد اس کا نام شیر گڑھ رکھا۔ یہ دروازہ بھی خام اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس دروازے پر ایک جگہ تختی لگی ہے اس پر سال تعمیر درج ہے اور لکھا ہے ''بفضل سری اکال مہاراجہ نجیت سنگھ بنا نمود''۔ قلعہ کے اندرونی دروازے پر ایک کتبہ لگا ہے جس پر فارسی زبان میں پشاور شہر کی تاریخ درج ہے۔ 1848ء میں جب سکھ حکومت کو زوال آیا اور انگریز سارے خطے پر قابض ہو گئے تو یہ قلعہ بھی انگریزوں کے قبضے میں آیا۔ فرانسیسی جنرل ایوبطویلہ نے شہر پناہ کو شہر سے قدرے دور کر دیا۔ سکھوں سے خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہوئے الیگزینڈر برنس نے اسے پکا تعمیر کروایا۔ اس میں دفاتر قائم کیے اور بیرکیں بنوائیں جن میں خطرناک سیاسی قیدیوں کو مقید کیا جاتا تھا۔ اس نے محل، دیوان خانہ اور جرگہ کی نشست کو قدرے تبدیل کر دیا۔ 20 مئی 1857ء کی جنگ آزادی میں

انگریزوں نے شہر میں اُٹھنے والی ہنگامہ آرائی کی بنا پر انگریز آبادی اور سرکاری خزانہ پشاور چھاؤنی سے قلعہ میں منتقل کر دیا۔ مفتی غلام سرور اپنی تصنیف تاریخ مخزن پنجاب میں لکھتے ہیں کہ رنجیت سنگھ جو قلعہ بالا حصار تعمیر کروایا تھا وہ دو سو بیس گز مربع تھا۔ اس کے چاروں کونوں پر برج ہیں۔ قلعہ کے اندر پختہ خندق ہے۔ قلعہ کا صدر دروازہ شمالی جانب ہے جس کے اُوپر بالا خانہ بنا ہوا ہے۔ قلعہ بالا حصار کے نیچے واٹرلیس گراؤنڈ میں ایک بزرگ سید عبدالوہاب المعروف اخون پنجو بابا کا مزار مرجع خلائق ہے۔ یہاں کئی اولیاء کرام کے مزارات موجود ہیں۔ 1789ء میں پشاور کے ایک سردار عتیق اللہ نے قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا مگر اس کی یہ کوشش ناکام بنا دیا گئی۔ 1947ء میں جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ان کی اہلیہ نے پشاور کا دورہ کیا تو اس وقت اس قلعہ کے نیچے تقریباً ایک لاکھ مرد و زن رضا کاروں نے پاکستان کے حق میں نعرے لگائے۔ 1948ء اپریل میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسی قلعہ کے سامنے اہلیان پشاور سے خطاب فرمایا تھا۔ اَب یہاں فرنٹیئر کور کا دفتر ہے۔ یعنی ملیشیا فوج کا۔



پشاور کی مشہور عیدگاہ جو چارسدہ روڈ پر واقع ہے

پشاور کے قریب وارسک روڈ پر چھل غازی بابا کے مقام پر نو سو اولیائے کرام، کئی شہداء، غازی دفن ہیں، قلعہ بالا حصار اور وزیر باغ تاریخ کے آئینے میں

سید منظور حسین شاہ ساکن لوبج سیداں ضلع جہلم اولیائے کرام کے ماننے والے ہیں اور راولپنڈی پشاور اور شمالی علاقہ جات میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات کے بارے کافی معلومات رکھتے ہیں۔ گزشتہ دنوں کچہری میرے دفتر تشریف لائے اور کافی معلومات دے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ پشاور سے وارسک روڈ 13 میل پر چھل غازی بابا نام کے قبرستان میں لاتعداد اولیائے کرام غازیوں شہداء انبیاء کرام انکے خلفاء کے مزار ہیں۔ وہ یہ بھی معلومات دے گئے کہ رسال پور چھاؤنی انجینئر سنٹر کے



وارسک روڈ پر چھل غازی کے قبرستان میں نوگزی قبر



حاجی ایم رمان کھوکھر ایڈووکیٹ وارسک روڈ پشاور میں چہل غازی بابا قبرستان میں نو گز بابا
کے مزار پر دعا مانگ رہے ہیں

اندر بھی نو گز لمبا مزار ہے۔ نوشہرہ پشاور روڈ پبی میں بھی نو گز لمبا مزار ہے۔ پشاور میں اب درہ نزد کسٹمز ہاؤس کے قریب نو گزہ مزار ہے۔ بیس مئی سن دو ہزار ایک کو پشاور ان مقدس مقامات پر حاضری کے لئے روانہ ہوا۔ انجینئر خالد یوسف جو میرے رشتہ دار بھی ہیں عرصہ سے پشاور میں مقیم ہیں بہت ملنسار ہیں اُن کا حلقہ احباب بہت وسیع ہے جب بھی میرا پشاور کا پروگرام بنتا ہے گاڑی یا موٹر سائیکل کا اہتمام کر دیتے ہیں۔ ان کی مہربانی سے وقت کی کافی بچت ہو جاتی ہے۔ پشاور جو کبھی در جن بھر دروازوں کے اندر مقید تھا۔ اب وسیع عریض رقبہ میں پھیل چکا ہے۔ جدید پلازے، کوٹھیاں، شاہراہوں نے پشاور کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ افغانستان کی ساری معیشت کا دارومدار پشاور کے ساتھ وابستہ ہے۔ افغان مہاجرین جو اب پشاور کے نہیں بلکہ پاکستان بھر میں پھیل چکے ہیں اور یہاں کے مستقل باشندے بن چکے ہیں اپنی محنت کی وجہ سے ہر قسم

کے کاروبار پر چھا چکے ہیں۔ مقامی آبادی بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ اکیس مئی 2001ء
ہمارا موٹر سائیکل وارسک روڈ پر رواں دواں تھا، خالد یوسف اس سرسبز زرخیز
شاداب علاقہ کا تعارف کراتے رہے کہ وہ وارسک روڈ آبی گزرگاہوں کے کنارے
مچھلیوں کا عرصہ سے شکار کھیلتے رہے ہیں۔ وارسک ڈیم کی نہر کی وجہ سے ویسے بھی
قدرتی طور پر یہ علاقہ بہت زرخیز ہے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔ دوران سفر
سرسبز درختوں کی وجہ سے ٹھنڈک محسوس ہوتی رہی۔ تیرھویں میل پر ایک دوکاندار
سے پوچھا چہل غازی بابا کا قبرستان کس طرف ہے۔ اس نے اشارہ سے بتایا وہ سامنے
شمال کی جانب ہے۔ وسیع عریض رقبہ میں پھیلا ہوا یہ قبرستان تقریباً دس ہزار کنال
رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس میں نو سو کے قریب اولیائے کرام دفن ہیں۔ غازیوں
شہداء کی تعداد علیحدہ ہے۔ چہل کا لفظ چالیس سے منسوب ہے۔ چہل غازی بابا یعنی
چالیس غازیوں کی سرزمین ہو سکتی ہے۔ ہم نے پہلی حاضری ایک احاطہ میں دو نو گز لمبے
مزاروں پر دی۔ یہاں کے متولی گل زمان غوری بڑے پیار سے ملے۔ صوبہ سرحد میں



قبرستان میں اب بھی بوکہ چرخی کے ذریعہ کنواں سے پانی نکالا جاتا ہے



چہل غازی باباؒ کا پشاور میں قدیمی مزار

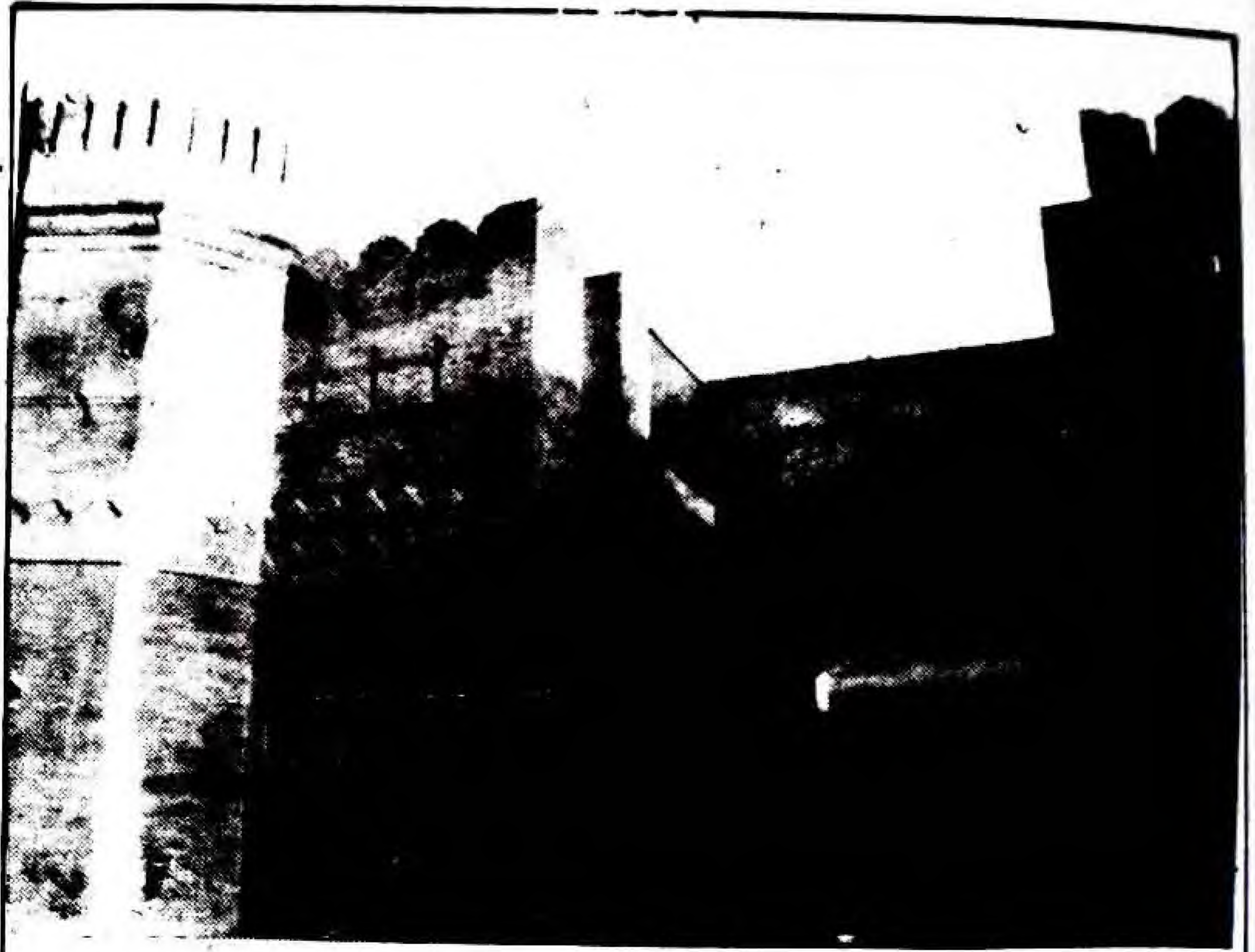
مزاروں پر متولی نگران لوگ بڑے خلوص سے ملتے ہیں۔ فوراً کھڑے ہو کر استقبال کرتے ہیں۔ ساتھ ہی چائے پانی کھانے کی پیشکش کرتے ہیں۔ دونوں مزار چار دیواری کے اندر ہیں۔ ہزاروں سالہ قدیمی ون کے درخت اپنے اندر کئی داستانیں لیے کھڑے ہیں۔ مزار سنگِ مرمر سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہاں حاضری کے بعد چہل غازی بابا کے قبرستان میں دوسرے مزارات پر حاضری دی۔ راہنمائی کے لئے سید جان علی شاہ، نور اللہ نے ہماری راہنمائی کی۔ شاہ رسول بابا کے مزار پختہ میں دیگر مزارات پتھروں کو اکٹھا کر کے تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہاں ون کے ہزاروں سالہ قدیمی درخت ہیں۔ شاہ رسول بابا کے مزار کے مجاور اسلام شاہ نے تمام مزارات میں حاضری کے ساتھ ساتھ ان کا تاریخی پس منظر بیان کیا۔

چہل غازی بابا کے قبرستان میں حضرت شیخ یوخان بابا، حضرت بوڈا

بابا، حضرت شاہ رسول پیر، حضرت شاہ زمان بابا پنج پیراں۔ یہ مزار ایک جگہ پر ہیں۔ جو پتھر سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ چار دیواری بھی پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ ون کے قدیمی درختوں نے ان مزاروں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ نمیر بابا۔ حضرت سید شاہ محمد بابا۔ حضرت نو تیتی بابا۔ حضرت شیر بابا۔ نوگز بابا حضرت استیاز بابا۔ حضرت تورمتی بابا۔ حضرت تخی بابا۔ حضرت شیخ کمال بابا۔ حمد بابا شہید کے مزار ہیں۔ ان مزارات پر حاضری دینے والے ایک بزرگ شخص نے بتایا کہ سینہ در سینہ یہ بات آگے منتقل ہو رہی ہے کہ سلطان محمد غزنوی کے دور میں یہاں ایک معرکہ ہوا اور کئی مسلمان شہید ہوئے۔ بعض مقام پر مٹی کی رنگت سیاہ مائل راکھ کی مانند ہے کئی جگہ بے جان مٹی میں پاؤں دھنس جاتے ہیں حق باطل کے معرکوں لوگوں کے علاوہ اس زمین پر عذاب الٰہی بھی نازل ہوا ہوگا چند نوگزی قبریں اس بات کی داعی ہیں ماضی میں علاقہ زرخیزی



وارسک روڈ پشاور چہل غازی باباؒ کے قبرستان میں پانچ پیراں کے مزار



پشاور میں قلعہ بالا حصار کا دروازہ

کے باعث خوشحال رہا۔ یہاں انسانوں کی کئی بستیاں آباد تھیں جو نافرمان ہونے کے باعث قہر الٰہی کی نذر ہو گئیں یا پھر کسی معرکہ میں ان کے نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ چہل غازی بابا کے قبرستان میں حاضری کے بعد قلعہ بالا حصار کی سیر کی۔ پشاور کا یہ قلعہ کئی بار آباد ہوا اور کئی بار برباد ہوا اسے اندر سے دیکھنے کی بڑی خواہش تھی جو آجکل عام آدمی کے لئے کھول دیا گیا ہے ٹکٹ تیس روپے ہے دو بجے سے لے کر سات بجے تک پبلک کے لئے کھولا جاتا ہے۔ ٹکٹ کے پیچھے قلعہ کی مختصر تاریخ درج ہے۔ یہ قلعہ دو ہزار سال پرانا ہے اور سطح زمین سے نوے فٹ اونچا ہے۔ قلعہ کے ہر موڑ پر سکھوں کے دور کی مختصر سی تاریخ دیواروں پر درج ہے۔ قلعہ بالا حصار آج کل فرنٹیئر کور پس کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ قلعہ کو انگریزوں کے دور میں از سر نو تعمیر کیا گیا ۔دیواریں موجودہ دور کی اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہیں ان کے اندر مٹی کی بھرائی کی گئی ہے۔ مٹی گولی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ قلعہ پر کھڑے ہو کر پشاور کے علاوہ دور دراز کے علاقہ کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ بارش کے بعد وادی پشاور کے گرد نواح

بالخصوص درہ خیبر کے پہاڑ صاف نظر آتے ہیں۔ قلعہ کے اندر ایک مختصر سا عجائب گھر ہے۔ قلعہ کے تیسرے بڑے دروازے پر ایس رائفلز، باجوڑ سکاؤٹ، ٹل ٹوچی سکاؤٹ، چترال سکاؤٹ، مہمند سکاؤٹ، دیر سکاؤٹ، خیبر رائفلز، مسعود سکاؤٹ ساؤتھ وزیرستان سکاؤٹ کے نام اور نشان درج ہیں۔ قلعہ بالا حصار کی بالائی منزل پر بیٹھنے کے لئے کرسیاں رکھی گئی ہیں۔ زیریں منزل میں جیل ہے اور بالائی منزل پر پھانسی گھاٹ تعمیر کیا گیا ہے۔ انگریزوں کے دور میں قوم پرستوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔ یہ پھانسی گھاٹ غسل خانہ کی مانند ہے جس میں دو فٹ چوڑا، دو فٹ لمبا سوراخ ہے، چھت پر کنڈا ہے۔ سزائے موت کے بعد لاش سوراخ کے راستے نیچے گرا دی جاتی تھی۔ آج کل اس سوراخ کو لوہے کے سریوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ البتہ جیل کے کمرے اصلی حالت میں ہیں۔ قلعہ کی بالائی دیواروں پر توپیں نصب ہیں۔ قلعہ بالا



پشاور وزیر باغ کے تالاب کا منظر جو اب خشک ہو چکا ہے

حصار کے دامن میں حضرت خواجہ عبدالشکور ملنگ بابا کے مزار پر حاضری دی جو
پاکستان میں سلسلہ ملنگیہ کے بانی ہیں۔ آپ کے آستانہ پر ارادتمندوں کی کافی تعداد ہر
وقت رہتی ہے۔ حضرت خواجہ عبدالشکور ملنگ کے مزار کے جنوب کی طرف حضرت
خواجہ سید پیر شاہ بخاری کا مزار ہے جو سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ قلعہ بالا حصار کا
مختصر جائزہ لینے کے بعد پشاور کا وزیر باغ دیکھا۔ مغلیہ دور کا یہ باغ اپنے وقت میں پشاور
کا خوبصورت ترین باغ تھا۔ مصنوعی نہریں ختم ہو چکی ہیں، فوارے ویران ہو چکے ہیں۔
چاروں طرف ناجائز تجاوزات کرنے والوں نے وزیر باغ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔
خوبصورت درخت سرے سے غائب ہیں البتہ پیپل کا ایک درخت اس باغ کی عظمت
رفتہ پر آنسو بہا رہا ہے۔ باغ کے مالی نے وزیر باغ کی ویرانی پر آنسو بہاتے ہوئے کہا پانی
کی ٹینکی ٹوٹ چکی ہے، پانی کی موٹر خراب ہے۔ تمام درختوں پر زہریلے کیڑے قابض
ہیں جو یہاں سیر کرنے والوں کے کپڑوں کرتے ہیں اور کپڑوں پر نشان چھوڑ جاتے
ہیں۔ بلدیہ پشاور سپرے کے ذریعے ان زہریلے کیڑوں کو تلف کرے۔ کرکٹ کھیلنے
والے لڑکے اینٹیں اکھاڑ کر وکٹیں بنا لیتے ہیں یوں فٹ پاتھ کی اینٹیں اِدھر اُدھر
بکھری پڑی ہیں۔ وزیر باغ میں مالی والا کمرہ جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور مخدوش
حالت میں ہے بارش کے دوران مالی یہاں سر چھپاتے ہیں کسی وقت گر سکتا ہے۔
انگریزوں کے دور میں پشاور کے باغوں کو بہت صاف ستھرا رکھا گیا لیکن ہمیں آزادی
راس نہیں آئی۔ آزادی کے بعد تمام قومی ورثہ کی حالت ہم نے بگاڑ کر رکھ دی ہے۔
بلدیہ پشاور وزیر باغ کی حالت پر خصوصی توجہ دے۔ اسکی اصل حالت لوٹائی جائے اور
مالیوں کے آرام اور شب بسری کے لئے کمرہ فوری طور پر تعمیر کیا جائے جو کسی وقت
جان لیوا حادثہ کا باعث بن سکتا ہے۔ ٹینکی اور پانی کی موٹر چالو کی جائے۔ وزیر باغ کے
مغرب کی جانب قدیمی عمارتیں ہیں جو چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہیں۔ ان میں ایک
عمارت جو چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہے جس پر گنبد بھی ہے۔ چار دروازے ہیں
مغلیہ دور کا یہ شاہکار آج کل ویران ہے۔ یہ عمارت ملی جو کی قبر کے نام سے مشہور



راقم وزیرباغ (پشاور) میں بیٹھے ہیں

ہے۔ معلوم نہیں یہ لی جو کون ہے البتہ پشتو میں لی جو بندر کو کہا جاتا ہے۔ احاطہ کے اندر کئی اللہ کے نیک بندوں کے مزار ہیں۔ نصف صدی قبل ڈر اور خوف کے مارے ادھر کوئی رخ نہیں کرتا تھا۔ یہ جگہ قاتلوں مفروروں نشہ بازوں کی پناہ گاہ تھی۔ آج کل یہاں چاروں طرف آبادی ہو چکی ہے۔ بلدیہ پشاور اور محکمہ آثار قدیمہ وزیرباغ اور اُن تاریخی عمارتوں کی تاریخ مرتب کرے اور راہنمائی کے لئے بورڈ آویزاں کرے تجاوز کرنے والوں سے وزیرباغ کا رقبہ واگزار کروایا جائے۔ وزیرباغ کو سیاحوں کے لئے پرکشش بنایا جائے۔ وہ وزیرباغ جہاں مغل شہزادے اور شہزادیاں، بادشاہ، وزراء، امراء تفریح کے لئے آتے تھے۔ آج کل یہ باغ ویران ہو چکا ہے۔ وزیرباغ میں ایک خوبصورت تالاب تھا جس میں ایک بچہ گر کر مر گیا جسکی وجہ سے تالاب بند کر دیا گیا۔ تالاب بند نہ کیا جاتا بلکہ گردونواح حفاظتی جنگلے لگا دیئے جاتے۔ تالاب کی وجہ

ے وزیر باغ کی نفاست بر قرار رہتی۔ وزیر باغ کے قریب ہی سلطان العارفین شیخ الشائخ حضرت سید حسن بادشاہؒ کا مزار ہے۔ آپ کا وصال ۱۱۱۵ھ میں ہوا۔ اس احاطہ میں لا تعداد اولیائے کرام کے مزار ہیں۔ مسجد خر مغلیہ طرز تعمیر کی عکاسی کرتی ہے۔ جس کے صحن میں پانی کا تالاب ہے۔ اسی سڑک پر حضرت شیخ حبیب اللہؒ اور سید فقیر شاہؒ کے مزار ہیں جو ولی اللہ اور درویش ہیں۔ مخلوق خدا یہاں حاضری دیتی ہے۔ راقم کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ کے یہ نیک بندے اپنے قدموں میں بلا لیتے ہیں۔



وزیرباغ پشاور میں مالیوں کا کمرہ جو گرنے کے قریب ہے

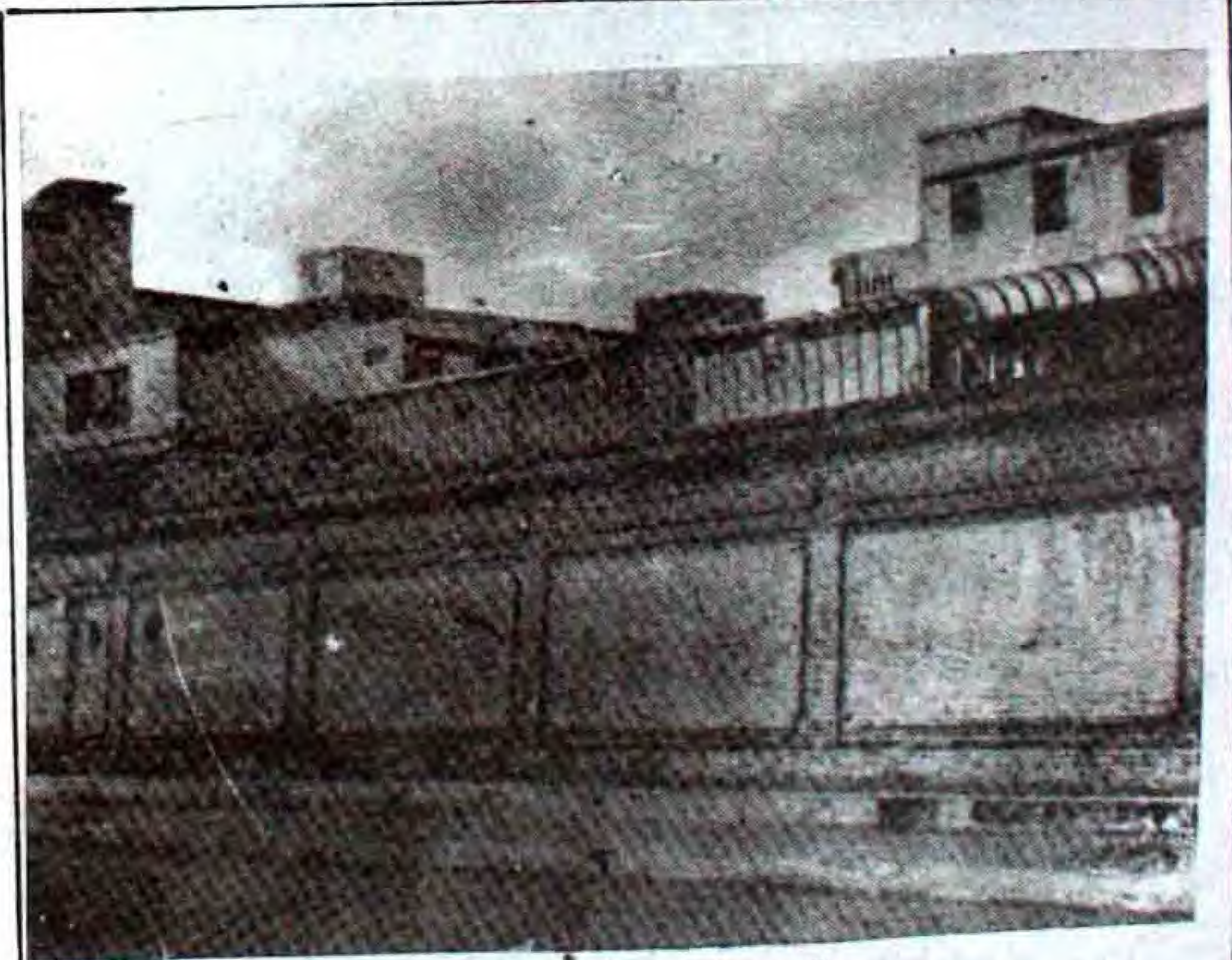
پشاور شہر کے قدیمی دروازے



برصغیر پاک وہند کے قدیمی شہر قلعہ بند ہوا کرتے تھے۔ شہر کے چاروں طرف آمدورفت کے لئے دروازے نصب ہوتے تھے ان دروازوں کے قریب حفاظتی عملہ تعینات ہوتا تھا۔ یہ دروازے شام کے وقت بند کردیئے جاتے صبح سویرے کھول دیئے جاتے تاکہ قلعہ بند شہر کے مکین حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔ تاریخ کی کتابوں میں کئی معرکوں کی تفصیل پڑھنے کو ملتی ہے کہ حملہ آور کئی کئی روز قلعہ بند شہروں کا محاصرہ جاری رکھتے جب تک شہر فتح نہ ہو جاتا محاصرہ جاری رہتا۔ اس وقت کے حکمران شہر کے اردگرد اونچی اور چوڑی فصیل تعمیر کردیتے تاکہ شہر حملہ آوروں سے محفوظ رہ سکے برصغیر پاک وہند کے تمام بڑے بڑے شہر قلعہ بند ہیں جن کے دروازے دیواروں کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔ پشاور کے مشہور دروازے کابلی دروازہ شہر کے مغرب میں واقع ہے۔ اسکے اندر شہر پشاور کا مشہور اور قدیم قصہ خوانی بازار ہے۔ اور باہر کو اسکا راستہ

افغانستان کے دارالخلافہ کابل کو جاتا ہے اس لئے اس کو کابلی دروازہ کہتے ہیں۔ اسی راستے سے افغانستان کے مسافر اور سوداگر شہر پشاور میں داخل ہوتے تھے۔ آسامائی دروازہ یہ دروازہ شہر کے مشہور دروازے کابلی گیٹ سے شمال کی طرف فصیل شہر میں کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ اس دروازے کے بارے میں قدیم دور کی مختلف کہانیاں اور روایتیں مشہور ہیں۔ یہ علاقہ شہر کے دوسرے علاقوں سے ذرا اُونچا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ کسی عہد میں اونچائی میں ہو گا۔ لیکن اب سطح شہر کے برابر ہو گیا ہے۔ اس کے عین سامنے قدیم قلعہ بالا حصار اور لیڈی ریڈنگ ہسپتال موجود ہے۔ اس دروازے کے اندر پشاور کا مشہور بازارِ صرافہ ہے۔ یہ دروازہ ایک مندر آسامائی سے منسوب ہے۔

630ء میں مشہور چینی سیاح ہیون سانگ جب پشاور آیا تو یہ مندر موجود تھا۔ کہتے ہیں یہ قدیم مندر شیو مہاراج کی چہیتی بیوی کا ہے جو بڑی پاکباز اور نیک عورت تھی۔ اور دن رات عبادت کیا کرتی تھی اور یہ مقام اسکی عبادت کا ہی ٹھکانہ تھا۔ اسکی موت کے بعد یہاں پر اسکی یاد میں ایک مندر قائم کر دیا گیا۔ جہاں عورتیں آ کر منتیں مانگا کرتی تھیں۔ آسامائی کا



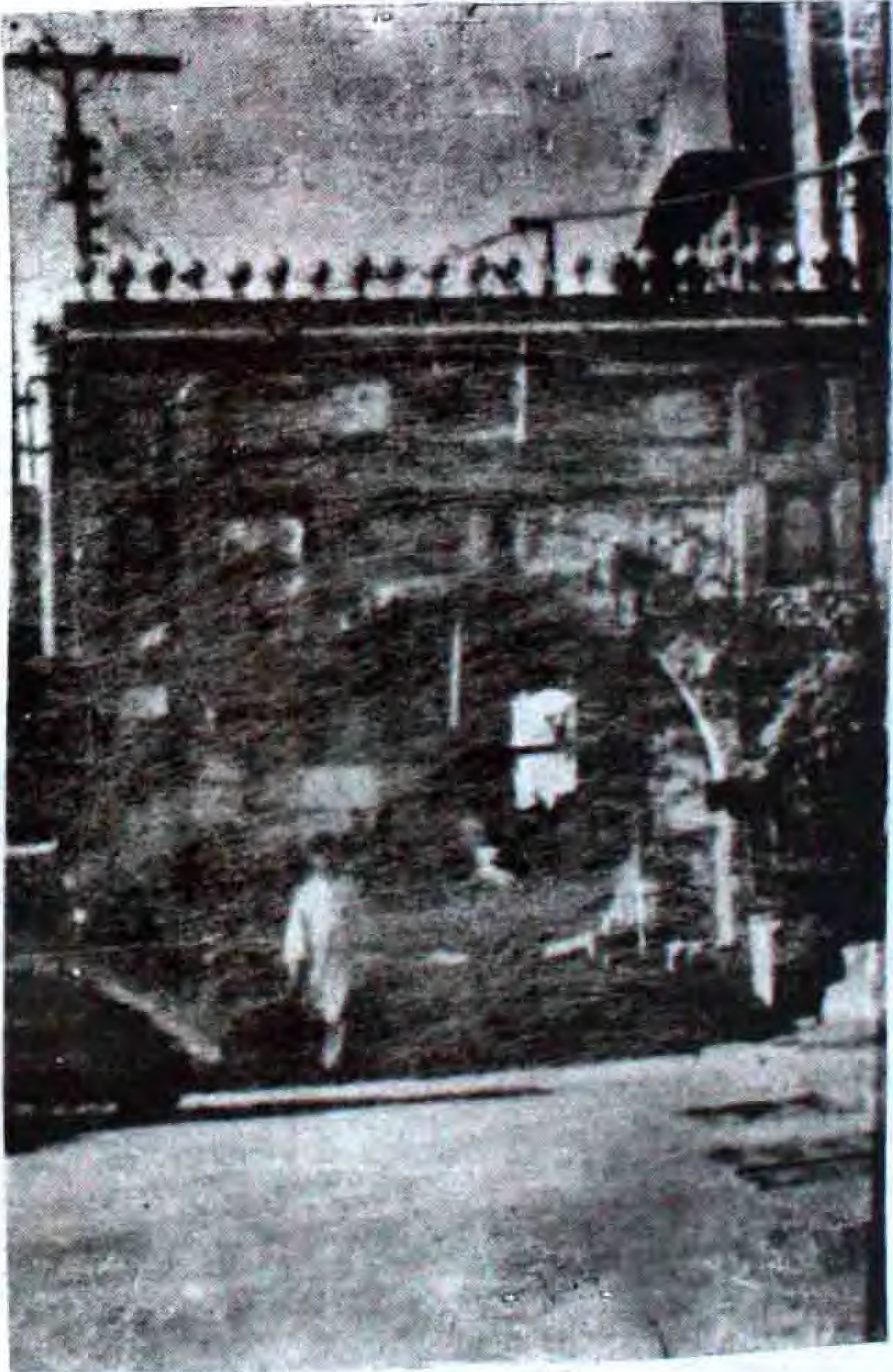
قلعہ بند شہر پشاور کی فصیل



کابلی دروازہ

مطلب وہ عورت (مائی) جو مرادیں (آس) پوری کرتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس مقبرے کے ساتھ کے دروازہ کو آسامائی دروازہ کہا جانے لگا۔ کچہری دروازہ آسامائی سے فصیل شہر کے ساتھ ساتھ جائیں تو کچہری دروازہ آتا ہے۔ اس دروازے کو سکھوں کے عہد میں ''ٹکسالی دروازہ'' کہتے تھے۔ کیونکہ اس دروازے کے ساتھ ہی سکھ عہد میں سکہ ڈھالنے کی ٹکسال تھی جہاں پر سکھ عہد کا ''نانک شاہی'' سکہ ڈھلتا تھا۔ مگر انگریزی عہد میں بننے والی کچہریوں کو راستہ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کچہری دروازہ کہلایا۔ ریتی دروازہ کچہری دروازہ سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ریتی دروازہ کا مقام ہے۔ اگرچہ اس مقام پر کسی زمانے میں دریائے باڑہ پورے شہر میں سے ہو کر یہاں پر زمین دوز ہو کر شہر سے بہت دور چارسدہ روڈ کے قریب نکلتا تھا۔ اور چونکہ اس دہانے پر پانی میں سے ریت آ کر جمع ہوتی جاتی تھیں اس وجہ سے اس دروازے کا نام ''ریتی'' پڑا۔ رامپورہ گیٹ یا نوآ دروازہ اس واسطے اس کا نام پڑا کہ یہ

دروازہ پشاور کی قدیم فصیل کے مستند دروازوں میں نہیں تھا۔ سکھ عہد میں جب شہر پناہ کی
مرمت کی گئی تو اس مقام پر ہندو آبادی تھی جو آس پاس کے دروازوں سے آتی جاتی تھیں اور
یوں ہندو سکھوں کو مسلم آبادیوں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ سکھ عہد میں سکھوں کے حاکم نے
ہندو سکھ آبادی کی خواہش پر یہاں پر ایک چھوٹا دروازہ رکھ دیا جو نوآ دروازہ یعنی نیا دروازہ
کہلایا۔ تقسیم پہلے ہندوؤں کا مینا بازار بھی ہوا کرتا تھا۔ ہشتنگری دروازہ سنسکرت زبان میں



سرآسیا دروازہ

''اشت'' آٹھ اور ''نگر'' شہر کو کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں بھی یہ مقام آٹھ شہروں کو جاتا تھا۔ جن میں چارسدہ، مردان، شبقدر اور سوات وغیرہ شامل تھے۔ آج بھی یہ راستہ انہی علاقوں کو جانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس دروازے کے اندر مشہور جھنڈا بازار، کریم پورہ اور حضرت شادی پیر کی زیارت ہے۔ لاہوری دروازہ یہ راستہ پشاور سے لاہور کو جاتا ہے۔ انگریزی عہد تک لاہور جانے کا یہی واحد راستہ تھا۔ گنج دروازہ کے اندر ایک تاریخی مقام گور گٹھڑی ہے۔ یہ نہایت ہی قدیم مقام ہے۔ اور ایام کفر میں اس کو خاصی اہمیت حاصل تھی کیونکہ ان کے خزانے یہاں پر ہوا کرتے تھے۔ بدھ راجہ کنشکا کا تو دربار بھی اسی مقام پر تھا۔ چونکہ خزانے اس راستے سے شہر میں آتے تھے۔ لہٰذا اس کا نام ہر دور میں گنج ہی رہا۔ اس دروازے کے باہر مہاتما گوتم بدھ کا وہ مشہور زمانہ پکوڈا تھا جس میں اسکی ہڈیوں کی راکھ دفن تھی اور جسے ''شاہ جی دیاں ٹہریاں'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ **1914**ء میں انگریزوں نے اس مقام کو کھدوایا اور اس سے اس راکھ کو محفوظ کیا گیا تھا۔ ماضی میں اس مقام پر مشہور چینی سیاح ہیون سانگ اور فاہیان جیسے سیاحوں نے بھی دورہ کیا اور انہوں نے اس عظیم الشان عمارت کا ذکر بھی اپنے سفرناموں میں کیا۔ یکہ توت دروازہ آمد اسلام کے بعد اس دروازے کے اندر پیران پشاور کے آستانے ہیں جن کے آج بھی ہزاروں مریدین موجود ہیں۔ یعنی یہ دروازہ اپنی مثال نہ رکھنے والے دنیا سے بے نیاز لوگوں کا ہے۔ اور اس دروازے کے اندر باہر بزرگ ہستیاں دفن ہیں اور اس وجہ سے یہ دروازہ مشہور ہے۔ کوہاٹی دروازہ کہ یہ راستہ شہر سے نکلتے ہی کوہاٹ کی طرف جاتا ہے۔ اس کو اب بھی کوہاٹی دروازہ کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے۔ سرکی دروازہ سرکی سے مراد ''مشرق'' یعنی پشاور کا مشرقی دروازہ۔ اس دروازے کی بناوٹ کچھ اس طریقے سے ہوئی کہ صبح جب سورج کی پہلی کرن نکلتی ہے تو اس دروازے پر پڑتی اور اسی دروازے سے اہل پشاور مشرق و مغرب شمال و جنوب وغیرہ کی سمتوں کا بھی تعین کرتے۔ یعنی پشاور میں یہ دروازہ مشرق کی سمت کا صحیح تعین ہے۔ اور اس قدیم عہد سے تعلق رکھتا ہے جب کہ یہاں پر آتش پرستی کا دور دورہ تھا اور یہاں کے لوگ صبح صبح آتش کدوں



اسرد چاہ دروازہ پشاور۔

میں جانے کیلئے جب اپنے گھروں سے نکلتے تو گھر کے دروازے سے نکلتے ہی مشرق کی طرف رخ کرتے تو اس دروازے کی سمت اور روشنی ہی انکی راہنمائی کرتی تھی۔ سرد چاہ دروازہ سرد چاہ یعنی ٹھنڈے پانی کا کنواں، عہد قدیم سے اس علاقے میں ایک تاریخی کنواں واقع ہے جسکے بارے میں مشہور ہے کہ یہ کنواں کفر کے زمانے کا ہے۔ جب اسلام اس علاقے پر غالب ہوا تو اس کنوئیں سے مسلمان پانی نہیں لیتے تھے۔ حالانکہ یہ پانی نہایت ٹھنڈا تھا۔ البتہ فصلوں

وغیرہ کیلئے اس پانی کا استعمال کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کنوئیں کی دیواروں پر ایام کفر کی مورتیاں بنی ہوئیں تھیں۔ اور پانی ان پر سے ہو کر آتا تھا۔ غالباً یہ کنواں بدھ عہد کا ہے۔ مغل عہد کے ابتدائی دور میں اس کنوئیں کو مورتیوں سے پاک کیا گیا اور اس کا پانی استعمال ہونے لگا۔ کنوئیں کا پانی شہر کے تمام کنوؤں سے ٹھنڈا تھا۔ اور کسی زمانے میں اس کا پانی صرف حکمرانوں ہی کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ قیام پاکستان تک اس کنوئیں سے پانی لوگ حاصل کرتے رہے۔ بارزقاں دروازہ اس دروازے کی سرزمین نشیبی ہونے کی وجہ سے نالوں اور دریا کی گزرگاہ تھی جن پر ''جندر'' یعنی آٹا پیسنے کی مشین لگی ہوئی تھی۔ مغل عہد تک سب سے بڑا سرکاری جندر بھی یہیں ہوتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی کہ اس دروازے کے اندر کے علاقے کو ''آسیا'' کہتے ہیں جسکا مطلب ہے چکی۔ چونکہ یہاں پر سرکاری لنگر خانوں اور عوام کو بھی آٹا ملتا تھا اور آٹے کو ہندکو زبان میں رزق سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا یہاں کے رہنے والوں رزق والے کہتے تھے اور اسی حوالے سے اس دروازے کا نام ''بارزقاں'' رکھا گیا۔ رامداس دروازہ یہ دروازہ رام داس نامی ایک شخصیت سے منسوب ہے جو کہ سکھوں کے دور میں اس علاقے کا نمبردار گزرا ہے۔ اس دروازے کے باہر بھانہ ماڑی کا علاقہ ہے۔ ڈبگری دروازہ ہندکو زبان میں ''ڈب'' چمڑے کے بنے ہوئے ایسے کپے کو کہتے ہیں جسکی شکل وصورت تو ایک بڑے گھڑے یا مٹکے کی سی ہوتی ہے مگر اسکا دہانہ نہایت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ ڈب دراصل اس زمانے کی ایجاد ہے جبکہ ٹین کے بنے ہوئے کوئی کنستر یا ڈبوں کا رواج نہ تھا۔ اور لوگ سیال اشیاء مثلاً تیل گھی وغیرہ اس میں ڈال کر اونٹوں، خچروں اور گدھوں پر لاد کر دور دراز شہروں اور ملکوں کو جاتے تھے۔ اس دروازے کے آس پاس کے سارے علاقے کی آبادی اس زمانے میں پیشے کے طور پر ڈب ہی بناتی تھی۔ اسی حوالے سے ''ڈب گر'' کہلائی۔ مقام کا نام اب بھی ''ڈبگری'' ہی ہے اور قریبی دروازہ ڈبگری دروازہ کہلاتا ہے۔ اس دروازے کے باہر مشن ہسپتال، سول کوارٹرز اور حضرت سید ستار شاہ بادشاہ کا مزار ہے۔ ذرا آگے حضرت سید شاہ قبول اولیاء کی زیارت بھی موجود ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تک اس ڈبگری بازار

میں یہاں کے ثقافتی ناچ ''کھتنی'' کے فنکاروں کا مرکز تھا لیکن رفتہ رفتہ سوائے دو چار بالا خانوں کے یہ فنکار بھی ختم ہو گئے تھے۔ البتہ کچھ گانے بجانے والے اپنے بالا خانوں میں ناچ گانوں کی محفلوں کو آج بھی سجاتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ باجوڑی دروازہ دیر باجوڑ اور بنیر وغیرہ کے علاقے کے تاجر اس مقام پر آ کر ٹھہرے تھے۔ اپنا لایا ہوا مال بھی یہیں پر بیچتے تھے۔ ان علاقوں کے مال خریدنے والے یہاں آتے اور مال خریدتے۔ اسی طرح باجوڑ کے تاجر بھی یہیں سے مال بیچ کر اور نیا مال خرید کر رخت سفر باندھتے۔ قیام پاکستان کے بعد آبادی کے بڑھ جانے سے شہر چاروں طرف کچھ اس طرح پھیلا کہ فصیل شہر اور ان دروازوں کے مقام آج کے پشاور کے عین درمیان میں نظر آتے ہیں۔ آبادی کے اس انداز نے دروازوں اور فصیل شہر کی اہمیت کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ اب دروازہ سرد چاہ اور دروازہ بارزقاں کے علاوہ کوئی دروازہ نظر نہیں آتا۔ اور فصیل شہر کے چند حصے رہ گئے ہیں۔



شیخ حبیب اللہؒ کا مزار

گوردوارہ بھائی جوگا سنگھ پشاور

اگست 2001ء صبح سویرے راقم خالد یوسف کے ہمراہ پشاور کے علاقہ ڈبگری کے محلہ جوگن شاہ کی تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے گوردوارہ بھائی جوگا سنگھ پہنچے ان گلیوں سے گزرتے ہوئے ہر عمر کے سکھ دیکھے۔ ان میں بوڑھے بچے خواتین اور نوجوان سکھ جن کے سروں پر نیلی پیلی سرخ کائی پگڑیاں تھیں کے علاوہ سکھ عورتیں گردوارہ سے باہر آرہی تھیں غالباً یہ لوگ مذہبی رسومات ختم کرکے گھروں کو جارہے تھے ڈبگری پشاور کا بہت قدیمی تاریخی علاقہ



گردوارہ بھائی جوگا سنگھ کا بیرونی دروازہ



سردار سوہنا سنگھ جو گردوارہ بھائی جوگا سنگھ کے منتظم ہیں۔

ہے۔ یہاں جابجا قدیمی تاریخی روحانی مقامات دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ یہاں حضرت طیوق کا مزار بھی ہے جن کا سلسلہ انبیاء کرام سے جاملتا ہے۔ یہ مزار ڈبگری کے علاقہ میں پیراصحاب کے نام سے مشہور ہے۔ مزار پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ ڈبگری کے گلی محلہ میں پرانی طرز کے مکان ابھی تک موجود ہیں۔ محلہ جوگن شاہ کی گلیوں میں مندروں کے اثار بھی پائے جاتے ہیں۔ مندروں کی دیواروں پر نقش ونگار اس بات کے داعی ہیں۔ اس علاقہ میں ہندوں اور سکھوں کی گنجان آبادی تھی ۔ ان گلیوں سے گزرتے ہوئے ہم محلہ جوگن شاہ میں گوردوارہ بھائی جوگا سنگھ میں داخل ہوئے تو گوردوارہ کے نگران سردار سوہنا سنگھ سے ملاقات ہوئی گوردوارہ کے کئی بزرگ سکھوں نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ سکھوں کی مذہبی رسم کے مطابق کڑھا پرشاد (حلوہ) پیش کیا۔ راقم نے سردار سوہنا سنگھ کو بتایا ۔ کہ وہ پشاور سے کوئٹہ تک ایک کتاب مرتب کر رہا ہے۔ اور پشاور کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تاریخ اکٹھی کر رہا ہے۔ ہم سردار سوہنا سنگھ کے ہمراہ گوردوارہ کے صحن میں بیٹھ گئے اور سروں پر رومال اوڑھ لیے اس دوران سکھ عورتیں بچے گوردوارہ میں داخل ہوئے مقدس کتاب گرنتھ صاحب کے سامنے ماتھا ٹیکتے ۔ گرنتھ صاحب شیشہ کے بکس میں رکھی ہوئی ہے۔ مذہبی رسوم ادا کرنے کے بعد گوردوارہ میں حسب توفیق نذرانے پیش کر کے رخصت

ہوتے ۔ بوقت رخصتی ان کی ہتھیلی پر تھوڑا سا حلوہ رکھ دیا جاتا وہ باادب بطور تبرک حلوہ حاصل کر کے منہ میں ڈال لیتے سوہنا سنگھ نے بتایا۔ قیام پاکستان سے قبل اس گوردوارہ کی بڑی شان وشوکت تھی۔ اور مرکزی حیثیت حاصل تھی ۔ افغانستان صوبہ سرحد کے سکھوں کا یہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ 1947ء میں گوردوارہ بھائی جوگا سنگھ کو تباہ برباد کر دیا گیا۔ کئی لوگ اس پر قابض ہو گئے۔ بعد میں یہ گوردوارہ محکمہ اوقاف کی تحویل میں چلا گیا۔ اب گوردوارہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ سکھوں کی یہ تاریخی عمارت تین منزلہ ہے۔ مقدس کنواں کے علاوہ سکھ بچوں کی تعلیم تربیت کے لئے کئی منزلہ سکول بنایا گیا جو اپنی مدد آپ کے تحت چل رہا ہے۔ سکھ لڑکیاں لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ سکھ مذہب کے مطابق گوردوارہ بھائی جوگا کے کنواں کا پانی مقدس تصور کیا جاتا ہے۔ اس سے بیماروں کو شفاء ملتی ہے۔ یہ کنواں اب بھی اصل حالت میں ہے سردار سوہنا سنگھ نے یہ گوردوارہ از سر نو تعمیر کروایا ہے۔ تعمیرات سنگ مرمر سے کی گئی ہے۔ سکھ یاتریوں کی رہائش اور خورد ونوش کا اہتمام بھی گوردوارہ میں ہے۔ بھائی جوگا سنگھ کے بارے سردار سوہنا سنگھ نے بتایا جوگا سنگھ نے بچپن میں سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ کی بارہ سال سیوا کی۔ گرو گوبند سنگھ سے فیض یابی کے بعد پشاور میں مقدس کنواں کا اجراء کیا۔ کنویں کے پانی سے بیماروں کو شفاء ملنے لگی۔ بھائی جوگا سنگھ نیک اور خدمت گزار انسان تھے ۔ بھائی جوگا سنگھ کی خدمات کے پیش نظر یہ گوردوارہ تعمیر کیا گیا۔ بھائی جوگا سنگھ کے



گردوارہ بھائی جوگا سنگھ کا قدیمی کنواں



گردوارہ بھائی جوگا سنگھ میں زیر تعلیم طلباء و طالبات



گردوارہ بھائی جوگا سنگھ میں زیرِ تعلیم سکھ طلباء اُستاد کے ہمراہ

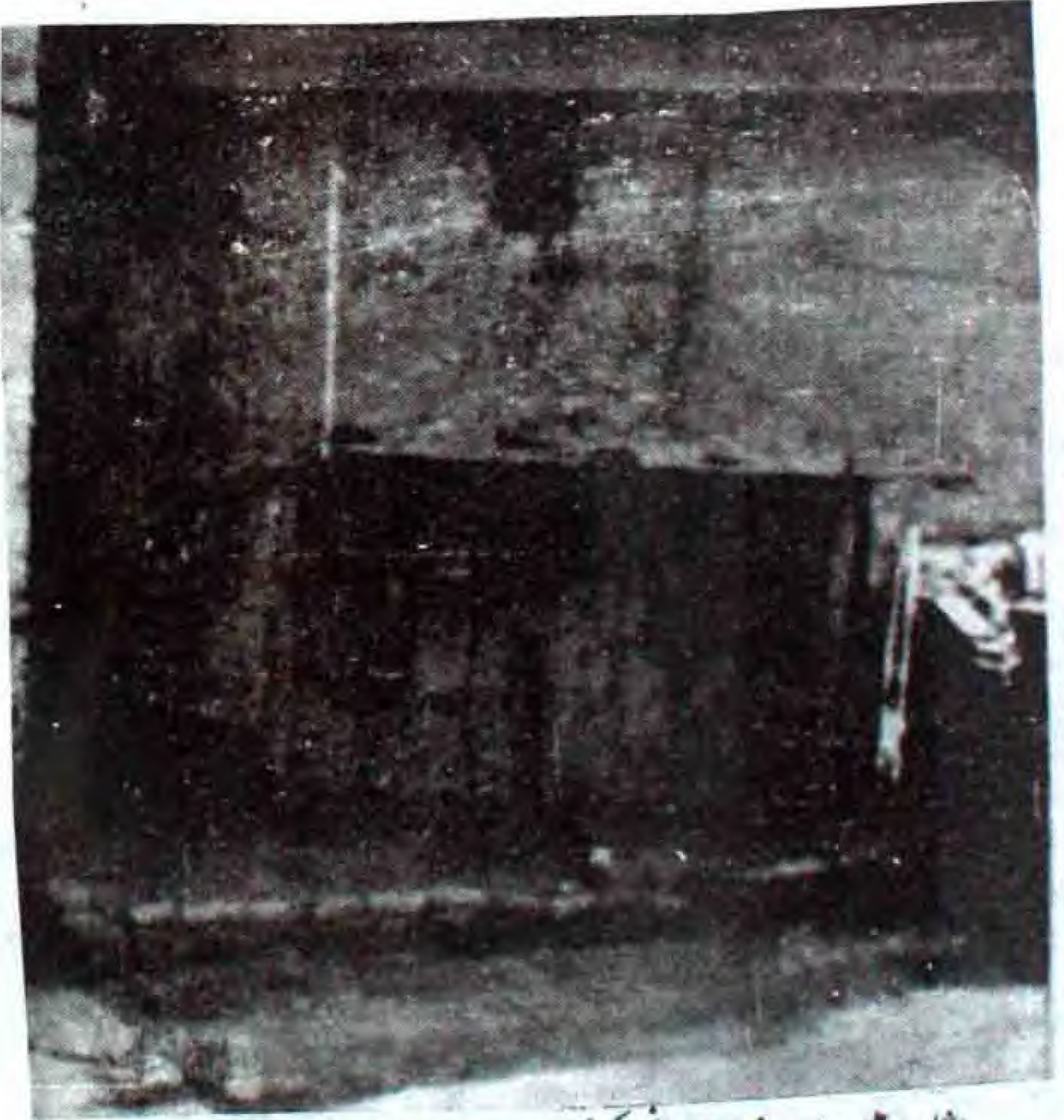
پیشوا گروہ گوبند سنگھ سکھوں کے آخری گروہ تھے۔جن کا انتقال 1765 ء بکری میں ہوا۔اس کے باپ کا نام گروہ تیغ بہادر اور ماں کا نام گوجری تھا گروہ تیغ بہادر کو شہنشاہ اورنگزیب کے عہد میں قتل کیا گیا۔چاندنی چوک دہلی میں گروہ تیغ بہادر کی یاد میں عالی شان گوردوارہ تعمیر کیا گیا۔گرنتھ صاحب کے رکھنے کے لئے سونے کی پالکی بنائی گئی ہے۔گروہ گوبند سنگھ نے سکھ مذہب کے لئے کئی احکامات جاری کیے۔تاریخ پنجاب از کنہیالال کے مطابق گروہ گوبند سنگھ بڑا عالی ہمت حوصلہ مند بہادر اور غیرت مند انسان تھا۔سکھ مذہب کے لئے کئی احکامات جاری کیے۔ان کے احکامات کے مطابق نام کے ساتھ سنگھ کا اضافہ کیا مثلاً ارجن سے ارجن سنگھ قرار پایا ہندوؤں کی کتابوں میں تیرتھ کرنا۔ٹھاکردواروں میں جانا پرستش ٹھاکروں کی کرناشب کو پوجنا۔دیوی دواروں میں جاکر سر جھکانا ممنوع قرار دیا۔تیرتھ سکھوں کا امرتسر کا تالاب ہوگا جو ہر سال بیساکھی کے موقع پر وہاں جا کر اشنان کرے گا اس کے گناہ ختم ہو جائیں گے۔گروہ نانک ہمارے اوتار ہیں ان کی پرستش ہم پر واجب ہے سکھ بھائی ہندوؤں کی تمام رسوم ختم کر دیں خالق حقیقی عبادت سے خوش ہوتا ہے۔سکھ ہر وقت ہتھیار بند رہیں گروہ گوبند سنگھ کے عہد میں شبدہ بانیاں گروہ نانک کی تصنیف ہوئیں واہ گروہ جی کا خالصہ۔واہ گروہ جی کی فتح نعرہ بلند کیا۔سکھوں کے جسم کے بال تراشا ممنوع قرار دیا۔مخصوص لباس اور سر پر پگڑی لازمی قرار پائی۔تمباکو انڈا گوشت کا استعمال ترک کیا گیا۔سکھ روزمرہ کے غسل کے وقت سر نہ بھگوئیں اور پگڑی نہ اتارے اسکی بجا اگر دشمن آپہنچے تو سکھ فوراً تیار ہو جائے کرپان کڑہ اپنے پاس لازمی رکھے۔اس کے علاوہ سکھ دھرم کے لئے کئی احکامات جاری کیے گروہ گوبند سنگھ کی اصلاحات سے سکھ پنجاب میں طاقتور قوت بن کر ابھرے۔پشاور کا یہ گوردوارہ بھائی جوگا سنگھ کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے۔



گردوارہ بھائی جوگا سنگھ پشاور میں ایک سکھ طالب علم

نادرشاہ بادشاہ کی ملکہ پری چہرہ جو پشاور میں دفن ہیں

حملہ آوروں کی گزرگاہ پشاور جس کے دامن میں بادشاہوں شہزادوں کے راز دفن ہیں ایسا ہی ایک راز نادرشاہ بادشاہ کی ملکہ پری چہرہ جو پشاور میں دفن ہیں نادرشاہ ایران کا بادشاہ تھا جو طوفان کی طرح اٹھا اور ہندوستان پر چھا گیا۔ تخت دہلی کا بادشاہ محمد شاہ رنگیلا اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ نادر شاہ نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی اس قتل و غارت میں ہزاروں لوگ مارے گئے دہلی کے گلی کوچوں میں ہر طرف خون ہی خون کی ندیاں بہہ گیس دہلی ایک دفعہ پھر ویران ہو گیا۔ پری چہرہ کی قبر کوہاٹی دروازہ میں داخل ہوں تو دائیں طرف ہے۔ پری چہرہ ایران کے شہنشاہ نادرشاہ کی بیوی یا محبوبہ تھی۔ جب اس نے دہلی پر حملہ کرنے کے لئے پشاور کا رخ تو مغلوں کی طرف سے اس



پشاور میں نادرشاہ ایرانی کی محبوبہ پری چہرہ کا مقبرہ سڑ کیں
اونچی ہونے کی وجہ سے نصف دروازہ زمین میں ہے

وقت پشاور کے حاکم نواب ناصر خان تھے۔حاکم پشاور نواب ناصر خان نے نادر شاہ کے بارے میں یہ سن رکھا تھا کہ نادر شاہ پشاور کے راستے آگے بڑھ رہا ہے اور راستے میں تمام بستیاں تباہ کررہا ہے تو اسے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں پشاور میں بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم نہ کردے۔لہذا اس نے دہلی مغل بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی کمک کے طور پر فوج کا مطالبہ کیا تاکہ نادر شاہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکے۔مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلا عیش و عشرت میں اتنا غرق تھا کہ اسے معلوم نہ تھا کہ نادر شاہ دہلی بھی پہنچ سکتا ہے۔لہذا اس نے حاکم پشاور کی اس اطلاع کو کوئی اہمیت نہ دی۔ادھر حاکم پشاور نے سوچا کہ اگر دہلی سے امداد نہ پہنچی تو ایسے حالات میں نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کا ارادہ بھی کیا تو ظاہر ہے کہ ایسا منصوبہ اپنی موت کو آواز دینے کے مترادف ہوگا۔اسکی اس سوچ سے اسکے سارے مصاحب اور معززین شہر متفق تھے۔لہذا یہ فیصلہ ہوا کہ نادر شاہ کی مزاحمت نہ کی جائے اس شرط پر کہ نادر شاہ پشاور کو تباہ نہ کرے اور نہ ہی بے گناہ شہریوں کو قتل کرے۔چنانچہ جب نادر شاہ کی فوجیں پشاور کے قریب پہنچی تو حاکم پشاور نے معززین شہر کا ایک وفد نادر شاہ کی خدمت میں بھیجا جس میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ اہل پشاور اپنے حاکم سمیت پشاور کی کنجی (چابی) آپ کے سپرد کرتے ہیں تاکہ آپ بخیر و خوبی پشاور سے گزر جائیں گے۔یہ پشاور کے اس دور کی بات ہے جبکہ پشاور کی موجود حصار شہر اپنی اصلی حالت میں تھی اور اس میں کوٹلہ محسن خان کا دروازہ بھی شامل تھا۔نواب ناصر خان نے اسی دروازے پر کھڑے ہو کر نادر شاہ کی فوج کا استقبال کیا تھا۔کہتے ہیں کہ نادر شاہ نے جب اہل پشاور اور حاکم پشاور کی استدعا قبول کی تو پھر شہر بھر کو نادر شاہ کے استقبال کے لئے سجایا گیا نادر شاہ نے بھی معاہدے کا احترام کیا اور چند دن قیام کر کے آگے بڑھ گیا۔

نادر شاہ پشاور آیا تو اسکے ساتھ اسکی محبوبہ یا بیوی بھی تھی جو نہایت ہی خوبصورت تھی اور جس کا نام پری چہری تھا یعنی اتنی خوبصورت جیسے پری کا چہرہ۔پری چہرہ پشاور پہنچ کر سفر کر صعوبتوں کی وجہ سے شدید بیمار پڑ گئی۔نادر شاہ کو مشیروں نے مشورہ دیا کہ پری چہرہ کے صحت یاب ہونے تک پشاور ہی میں قیام کیا جائے۔لیکن نادر شاہ نہیں مانا پری چہرہ کو حاکم پشاور کی نگہداری میں پشاور چھوڑ کر

آگے اپنے مشن پر چل پڑا البتہ ایرانی شاہی حکیم اور فوج کا ایک دستہ پری چہرہ کی تیمارداری اور علاج کے لئے پشاور میں ہی رہنے دیا۔ نادر شاہ کی دہلی روانگی کے وقت ہی پری چہرہ کی حالت مزید بگڑ گئی۔ شاہی حکیم نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دے دیا۔ حاکم پشاور نے پشاور کے حکماء کو بھی دعوت دی لیکن پری چہرہ کو کوئی صحت یاب نہ کر سکا اور طے یہ ہوا کہ اب دواؤں سے زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہے۔ لیکن پری چہرہ صحت یاب نہ ہو سکی پشاور میں ہی وفات پا گئی۔ نادر شاہ کو دہلی میں پری چہرہ کی موت کی خبر ملی۔ جب وہ پشاور آیا تو ظاہر ہے کہ حاکم پشاور نے ملکہ کو دفن کر دیا تھا۔ نادر شاہ نے جاتے جاتے پری چہرہ کا بہترین مقبرہ بنانے کا حکم دیا اور اسکی نگہداشت کے لئے ایک دستہ فوج بھی پشاور میں چھوڑا۔ نواب ناصر خان نے اس مقام پر پری چہرہ کا شاندار مقبرہ بنایا اور مغل دور کے زوال تک یہ آباد رہا۔ اس کی پہلی بربادی غالباً سکھ عہد میں ہوئی لیکن آثار قیام پاکستان تک موجود تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ کسمپرسی کی حالت میں منہدم ہوتا رہا یہاں تک کہ لوگ سلیں تک اتار کر لے گئے۔ سنگ مرمر کے نیچے چھوٹی اینٹوں سے چنائی کی گئی پختہ قبر اب تک موجود تھی۔ عالم میں انتخاب پشاور از ڈاکٹر سید امجد حسین میں تحریر ہے کہ ممتاز محقق اور مورخ مختار علی نیئر کے مطابق انہوں نے پری چہرہ کی قبر دیکھی تھی۔ انہیں وہ شکل اب بھی یاد ہے جو قبر کے تعویز کی تھی۔ دراصل پری چہرہ کی ویرانی اس علاقے میں مغلوں کے زوال سے شروع ہوئی اور پھر انگریزوں کے دور میں اس کا پرسان حال کوئی نہ تھا

''نور کوہستان'' میں عبداللہ نورستانی نے کابل کے سرمائی مقام کی حیثیت سے پشاور کے ذکر میں اس مقام کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ہندکو زبان وادب کی ایک لوک کہانی پری چہرہ کا تعلق بھی اس مقام سے ہے۔ 1954ء میں لاہور سے شائع ہونے والے ایک ماہنامہ ''فانوس'' میں اس مقام کے حالات تفصیل سے ممتاز اختر نے لکھے ہیں۔ ممکن ہے اس کا ذکر تاریخ ایران کے اس دور میں ضرور ہو جبکہ نادر شاہ نے مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا پر چڑھائی کی تھی۔ مختار علی نیئر کی کتاب ''تاریخ عزاداری پشاور'' میں بھی پری چہرہ کا تذکرہ ملتا حال ہے۔ اس مقام کے بارے میں 1976ء اور 1990ء میں پشاور ٹیلی ویژن سنٹر سے دو میوزیکل فیچر پروگرام بھی ہو چکے ہیں۔

مقبرہ بی بی جان المعروف بیجودی قبر



دنیا ای قدیم ترین سرزمین پشاور جس کے سینے میں کئی تاریخی راز دفن ہیں۔اس خطہ میں دنیا کے کئی مذاہب پروان چڑھے قدیمی تاریخی روحانی مقامات کے آثار دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں ایسے ہی قدیم آثار میں مقبرہ بی بی جان بھی ہے وزیر باغ پشاور کا مشہور و معروف قدیمی باغ ہے۔وسیع عریض رقبہ میں پھیلا ہوا یہ باغ اب معمولی سے رقبہ میں ہے اس باغ کے جنوب مغرب کی طرف لا تعداد قبریں ہیں جو اپنے اندر کئی داستانیں لیے ہوئی ہیں مغلیہ طرز تعمیر کا ایسا ہی ایک مقبرہ وزیر باغ کو جانے والی سڑک کے مغرب کی طرف ہے۔یہ مقبرہ بی بی جان المعروف بیجودی قبر کے نام سے مشہور ہے مقبرہ چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اس قبرستان میں چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے کئی احاطے ہیں جن کے اندر گمنام قبریں ہیں۔راقم نے سرکنڈوں اور خاردار جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے بی بی جان کے مقبرہ کے فوٹو حاصل کئے مقامی آبادی نے

خطرہ سے آگاہ کیا اس قبرستان میں مفرور اور اشتہاری چھپے ہوئے ہیں یہ جگہ منشیات کے عادی لوگوں کی آماجگاہ ہے عالم میں انتخاب پشاور میں سید امجد حسین نے بی بی جان کے تاریخی راز سے پردہ اٹھایا ہے۔ مقبرہ بی بی جان صوبہ سرحد کے ان بدقسمت آثار قدیمہ میں سے ایک ہے جس کو ہر دور میں گمنامی کے اندھیرے غار میں رکھا گیا۔ اس لئے کہ اس کی دردناک کہانی میں اس دور کی معروف ہستیاں ملوث ہیں۔ بی بی جان کے جہاں ایک طرف علاقے کے کچھ بااثر لوگ دشمن تھے وہاں وہ مغل سلطنت کے راستے میں ایک رکاوٹ تھی لہذا اسے راستے سے ہٹانے کے لئے جو طریقے استعمال کئے گئے وہی اس علاقے کی لوگ کہانی بن گئے۔ بی بی جان زہر کا پیالہ پی کر بھی لوگوں کے دلوں میں بسنے لگی اور لوگ گیتوں کی صورت میں آج بھی بزرگ اسے یاد رکھتے ہیں۔

پشاور ہفت زبان شہر ہے یہاں پر آج بھی فارسی، اردو، ہندکو، پشتو، پنجابی، کشمیری اور چترالی ایک ساتھ بولی جاتی ہیں مگر پشاور شہر میں اکثریت ہندکو زبان بولنے والوں کی ہے۔ مقبرہ بی بی جان عرف "بیجو دی قبر" بھی اس زبان کا لوک ورثہ ہے۔ حاکم پشاور تیمور شاہ کے عہد سے اس مقربے کو منسوب کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں بی بی جان تیمور شاہ کی کنیز تھی۔ نہایت ہی خوبصورت، ذہین اور عقلمند تیمور شاہ بھی اس کو دل سے چاہتا تھا اور اسکی عقلمندی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امور سلطنت کی بیشتر گتھیاں سلجھایا کرتا تھا۔ اس لئے کہ بی بی جان جس علاقے سے تعلق رکھتی تھی وہ خاص طور پر مغل عہد میں متنازعہ رہا تھا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا مزاج اور انداز فکر کا پتہ بی بی جان ہی کے ذریعے لگایا جا سکتا تھا۔ اس طرح بی بی جان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے نہ صرف مغل بلکہ اس علاقے کے سرکردہ لوگ بھی تیمور شاہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ انکی ہر سازشیں اور منصوبے خاک میں مل جاتے بی بی جان پر تیمور شاہ بڑا اعتبار کرتا تھا اور یوں علاقے کے لوگ جو حاکم پشاور کو بے وقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرتے بی بی جان کے ہوتے ہوئے ایسا کرنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا۔ اب تیمور شاہ سے زیادہ اکابرین اور مصاحب کے درمیان بی بی جان کو راستے سے ہٹانے کی سازشیں ہوتیں رہتیں۔ مگر ہر مرتبہ اپنی حکمت عملی اور ذہانت سے سازشوں کے جال میں پھنسنے سے بچ جاتیں۔ بی بی جان صرف ذہین اور باوقار ہی نہیں تھیں بلکہ غضب کی خوبصورت بھی تھیں۔ جو بھی اس کنیز کو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا اور تیمور کی توجہ کا مرکز بننے کی وجہ سے بی بی جان کی خوبصورتی بھی تھی

۔ایک طرف مغل دربار کے کچھ اکابرین کو بی بی جان ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔ دوسری خوشامدی کنیزیں جب تیمور شاہ اور بی بی جان کی ملاقاتوں کا ذکر ملکہ سے کرتیں تو وہ آپے سے باہر ہو جاتی ۔مگر تیمور شاہ کے خوف سے کچھ نہ کر سکتی۔ تیمور شاہ بی بی جان کو پیار سے ''بی بو'' کہتا اور ملکہ کی کنیزیں ملکہ کو خوش کرنے کے لئے ''بی بو'' کے بجائے ملکہ کے سامنے ''بیجو'' کہہ کر پکارتیں ۔(ہندکو زبان میں بیجو بندریا کو کہتے ہیں) ملکہ کی لونڈیاں ''بیجو'' کا لفظ ملکہ کو خوش کرنے کے لئے کہتی تھیں۔ بی بی جان کی موت کے بعد یہ نام ہی پڑ گیا اور یہی تاریخ کا المیہ ہے کہ اگر ہندکو لوک ورثے میں گیتوں اور لوک کہانیوں کی صورت میں اسے یاد نہ رکھا جاتا تو آج اسے کوئی نہ جانتا۔

حسن و جمال کی یہ لازوال داستان قلعہ بالا حصار اور اس کے قریب نذر باغ میں پروان چڑھتی رہی ۔اس عظیم باغ کی چولداریوں روشوں اور پگڈنڈیوں میں ہی بی بی جان اور تیمور شاہ کے پیار کے نغمے گونجتے اور یوں تیمور شاہ زیادہ وقت نذر باغ میں بی بی جان کے ساتھ گزارتے ۔اگرچہ اس وقت امور سلطنت کے پیچیدہ مسائل بھی حل ہوتے مگر تیمور شاہ کی بیوی بی بی جان کی اہمیت اور افادیت سے باخبر ہوتے ہوئے بھی اسے برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ دوسری طرف مغلوں نے اس کانٹے کو راستے سے ہٹانے کی غرض سے ایک دلالہ کو تیمور شاہ کی بیوی کے پاس بھیجا جس نے ملکہ کو بی بی جان کے خلاف اتنا بھڑکایا کہ بی بی جان کو ملکہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا سوچنے لگی۔ جب دلالہ نے دیکھا کہ ملکہ راضی ہو گئی ہے تو اس نے آہستہ آہستہ بی بی جان کی موت کے لئے طریقے سمجھانے شروع کر دیئے اور زہر کی پڑیا ملکہ کے سامنے رکھ دی۔ ملکہ کے لئے راستہ اور صاف ہو گیا۔ حسن و عشق کی یہ لازوال داستان عروج پر اس وقت پہنچتی ہے جب تیمور شاہ بے خبری سے نذر باغ میں بی بی جان کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ بی بی جان دلہنوں کی طرح سج کر اپنے محبوب سے ملاقات کے لئے جا رہی ہوتی ہے کہ راستے میں ہی ملکہ کی کنیزیں اسے پکڑ کر ملکہ کا حکم سناتی ہیں کہ ملکہ نے طلب فرمایا ہے۔ بی بی جان کچھ سوچ کر تیمور شاہ کی بجائے ملکہ کے دیوان خاص کی طرف چل پڑتی ہے۔ جونہی بی بی جان کا سامنا ملکہ سے ہوتا ہے ملکہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرجتی ہے ''بی بی جان'' ''جی ملکہ عالیہ'' ملکہ کے سامنے زہر سے بھرا ہوا پیالہ پڑا تھا

ہوتا ہے۔ وہ پھر پوچھتی ہے ''مجھے جانتی ہو میں کون ہوں''''بی بی جان ملکہ کے سامنے جھک کر کہتی ہے'''' آپ میری مالکن ہیں'''' اور تم'' ملکہ حقارت سے پوچھتی ہے ''میں آپ کی کنیز ہوں ملکہ عالیہ'' بی بی جان نے تابعداری سے جواب دیا۔ ''اگر تمہیں کوئی حکم دوں''''---- مجھے دل و جان سے عزیز ہوگا'' ملکہ اپنے سامنے رکھے ہوئے زہر کے پیالے میں کیا ہے اور ملکہ یہ چاہتی ہے مگر پھر بھی لرزتے لرزتے بی بی جان کے اس جملے نے ملکہ کے دل پر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مگر وہ ضبط کر کے طنزیہ بولی ''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مگر یہ پیالہ پی کر'' بی بی جان سمجھ گئی کہ حکم عدولی کا کیا نتیجہ ہوگا اس نے لرزتے لرزتے ہاتھوں سے زہر کے پیالے کو منہ لگالیا۔ ملکہ کو معلوم تھا کہ زہر پینے کے بعد بی بی جان زیادہ دیر نہیں جی سکے۔ بولی ''اب تم جہاں چاہو جا سکتی ہو'' شاہ تیمور بی بی جان کے انتظار میں تھا اس کے سامنے بی بی جان جا گری۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ آنکھیں پتھرائی ہوئیں تھیں۔ وہ سمجھ گیا اور پوچھنے لگا۔ مگر بی بی جان نے کچھ نہ بتایا۔ وہ ایک کنیز تھی اور اسے محلوں کے راز اپنے سینے میں چھپانے کا طریقہ آتا تھا۔

تیمور شاہ کو بی بی جان کے مرنے کا بہت افسوس ہوا۔ اس نے بی بی جان کے لئے پشاور کا بہترین مقام منتخب کیا اور بڑا عالی شان مقبرہ بنایا۔ یہ مقبرہ بہت وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد باغات اتنے خوبصورت اور سرسبز و شاداب تھے کہ افغانستان کے شاہی قبرستان کے لئے بھی اس مقبرے کے باغ کا ایک حصہ چنا گیا تھا۔ چونکہ تیمور شاہ کی وفات کے بعد اسکا کوئی اور نہ تھا جو اسکی یاد قائم رکھتا یا پھر لفظ ''بیجو'' کی تردید کرتا۔ عالیشان مقبرہ ''بیجو دی قبر'' پکارا جانے لگا۔ اور کسی نے اتنا نہ سوچا کہ صدیوں سے اس اسلامی ماحول میں بھلا ایک ناپاک جانور کی یادگار کون بنا سکتا ہے۔ البتہ بی بی جان اپنے اس منحوس نام کی وجہ سے صدیوں ہوئی فاتحہ سے محروم ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کی بے توجہی اور لاعلمی کی وجہ سے یہ مقبرہ آہستہ آہستہ معدوم ہو رہا ہے۔ توسیع شہر کی وجہ سے آبادی میں آ جانے سے لوگ اس مقبرہ کی اینٹیں تک اکھیڑ اکھیڑ کر لے جا رہے ہیں۔ مقبرے کا گنبد خاصا ضعیف ہو چکا ہے۔ مگر حسن و عشق کی یہ لازوال داستان ہندکو زبان کے لوک ورثہ کا ایک حصہ ہے۔ اس سے متعلقہ قدیم لوگ گیت آج بھی بزرگ لوگوں کے حافظے میں محفوظ ہیں۔

روشنی کے مینار دینی شخصیات

بشکریہ عالم میں انتخاب پشاور از ڈاکٹر سید امجد حسین مضمون نگار مختار علی نیر صفحہ نمبر 118

بہلول دانا

بہلول دانا کے متعلق عراق اور ایرانی قدیم کتابوں کے علاوہ افغانستان اور برصغیر کی قدیم روحانی کتابوں میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ مجذوب اللہ والے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں گزرے ہیں۔ خلیفہ کی ملکہ زبیدہ ان کی مرید خاص بھی تھی۔ خلیفہ بھی اس کے حضور حاضر ہوئے تھےلیکن بہلول کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا لہٰذا خلیفہ ان سے مایوس لوٹے۔ البتہ ان کا مقبرہ کہہ لیں یا ٹھکانے میں نے ایران اور افغانستان میں بھی دیکھے ہیں اور سنا ہے کہ عراق میں بھی بہلول دانا کی زیارت ہے۔ عام طور پر یا ظاہری طور پر اس ہستی کو بہلول دیوانہ کہا جانے لگا لیکن جب ان سے کرامات ظاہر ہوتیں تو پھر انہیں "دانا" کہا جاتا۔ پشاور میں بہلول دانا کے مقولے کو محمود غزنوی کے دور سے منسوب کیا جاتاہے اور یوں ایک روایت بھی منسوب کی جاتی ہے کہ بہلول محمود کے بھائی تھے اور شاہانہ زندگی پر لات مار کر اللہ کے ہوگئے محمود غزنوی کے ساتھ ایک حملے میں پشاور آئے اور پھر یہیں کے ہوگئے۔ یہ روایت چونکہ ضعیف ہے لہٰذا میں نے اس کا تفصیلی تذکرہ مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر پشاور والے بہلول دانا محمود غزنوی کے بڑے بھائی ہیں تو پھر افغانستان ایران اور عراق میں جو مقبرے ہیں اور کتب قدیم میں ذکر ہے وہ سب کیا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہلو دانا ایک روحانی شخصیت تھی اور اپنے مشن کو پھیلانے کے لئے ہر جگہ پہنچ سکتی تھی۔ ممکن ہے اسلامی دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی اس قسم کے مقبرے موجود ہوں۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت بہلول دانا ایک اللہ والے بزرگ تھے اور دین اسلام کی ترویج و ترقی کے لئے انہوں نے اس خطے میں بڑا کام کیا۔ آپ کے مقبرے پر ہر سال موسم گرما میں تین دنوں تک عرس ہوتا ہے اور اس عرس میں صرف مسلمان ہی شریک نہیں ہوتے دور دراز سے جوگی بھی ان کے سلام کو آتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے آپ کا مزار ہندوؤں ہی کی آبادی میں تھا۔ یعنی اندرون رامپورہ دروازہ

'کوچہ پکہ گلی محلہ بہلول دانا ہندو لوگ آپ کے بڑے معتقد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اب اس علاقے میں مسلمان آباد ہیں اور ان کے عرس کے ایام میں پورا علاقہ سجایا جاتا ہے۔ حمد و نعت کی محفلیں سجتی ہیں۔ مجلس عزا بھی ہوتی ہے۔ تین دن تک لنگر بھی جاری رہتا ہے۔ لوگ دن رات نذر و نیاز کا اہتمام کرتے ہیں اور غرباء و مساکین کے علاوہ تبرک کے طور پر عام شہری بھی جاکر بڑے احترام سے لنگر کھاتے ہیں۔

گھنٹالی حضرت بری شاہ لطیف رحمتہ اللہ علیہ

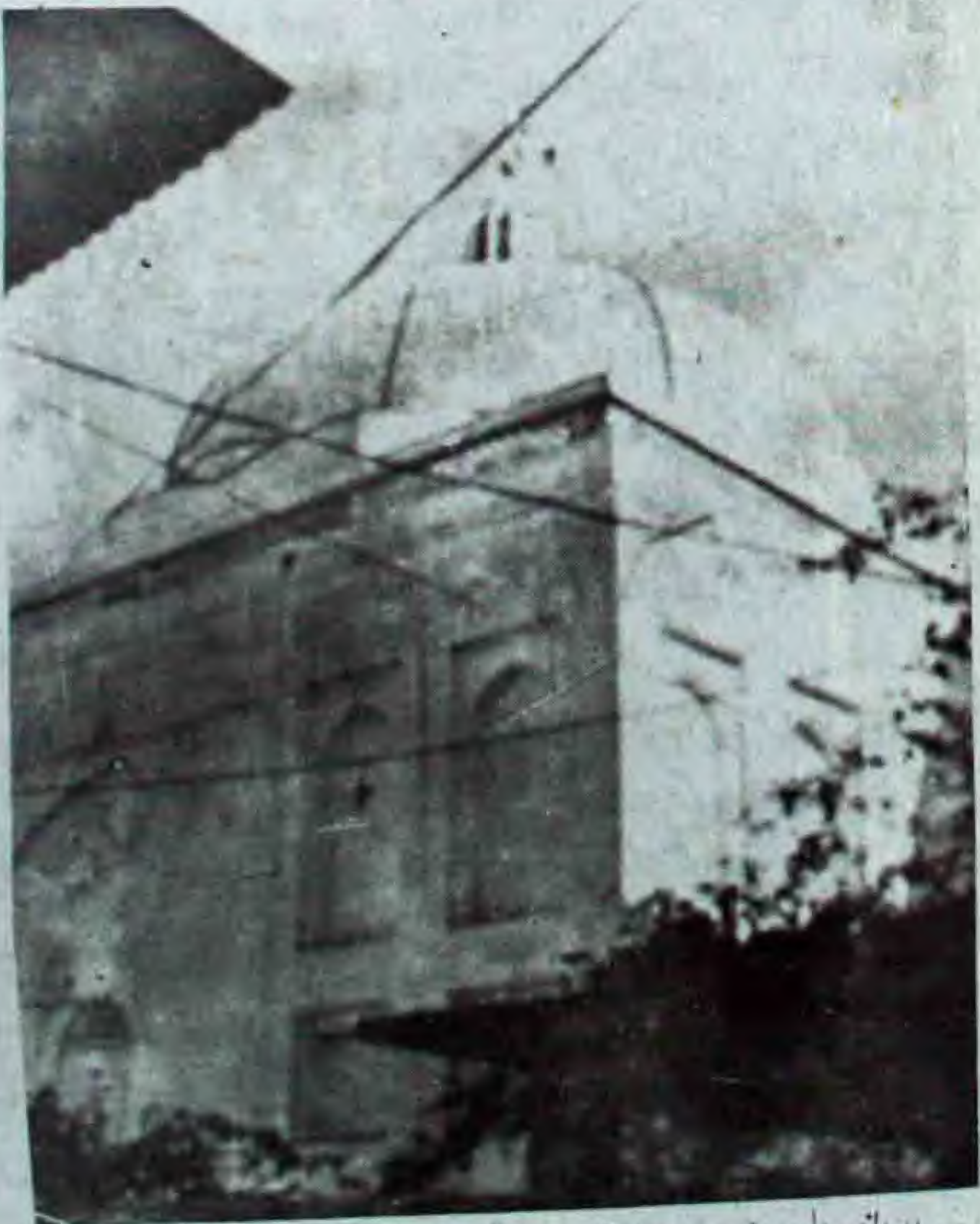
یہ گھنٹالی پشاور میں سرائے جہاں بیگم صاحبہ المعروف گور گٹھڑی کے مشرقی دروازے کے قریب ہے۔ روایت ہے کہ حضرت بری شاہ لطیفؒ کے شاگرد جو کہ اب بھی نور پور شاہاں میں بری صاحب کے قریب دفن ہیں اور بری صاحب کا حکم ہے کہ پہلے اس کے مزار پر جاؤ پھر میرے پاس آؤ اور مجھ سے جانے کے بعد پھر اسکے پاس جاکر اپنی منزل کی طرف جاؤ۔ انہوں نے یہاں کچھ عرصہ قیام کیا تھا بعد میں مریدین شاہ لطیف بری نے اس مقام کو محفوظ کرلیا۔ اس گھنٹالی میں پورا سال بری شاہ لطیف کے ملنگ اور عقیدت مند آتے رہتے ہیں۔

جب نور پور شاہاں راولپنڈی میں بری شاہ لطیف کے عرس کی تیاری ہوتی ہے لور آٹھ دن پہلے بری کا جھنڈا پورے شہر میں نقارے کے ساتھ پھرتا ہےاورعرس کی تاریخ کے اعلان کے ساتھ عقیدت مندوں سے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے جب عرس کی طرف آٹھ دن رہتے ہیں تو پھر یہاں سے ایک جلوس نکالا جاتا ہے جسے بری کی ڈالی کہتے ہیں۔ اس جلوس میں صوبے بھر کے ملنگ اور دیگر عقیدت مند بڑے احترام سے شامل ہوتے ہیں۔ جنہوں نے آٹھ دنوں کا زاد راہ اپنے پاس محفوظ کیاہوتا ہے۔ ڈالی کا یہ جلوس پشاور سے پیدل نور پور شاہاں راولپنڈی روانہ ہوتا ہے اور آٹھ دن کے پیدل سفرکے بعد حضرت بری شاہ لطیف پہنچتا ہے۔ جہاں پر عرس کا پہلا دن ہوتا ہے راستے میں خاص خاص مقام پر آٹھ پڑاؤ ہوتے ہیں جہاں پر آس پاس کے عقیدت مند نہ صرف استقبال کرتے ہیں بلکہ اس پیدل جلوس میں شامل بھی ہوجاتے ہیں۔ یہ سلسلہ

قدیم الیام سے جاری ہے اور ہر سال اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ڈالی کا یہ جلوس جب بری سرکار کے روضے پر پہنچتا ہے تو بعض اوقات اس کی تعداد ہزاروں لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

حضرت سخی شاہ مرداں

عہد ہمایونی کا مغل طرز تعمیر کا بنا ہوا یہ مقبرہ جس میں دہلی کے ایک اولیاء سید ابو النصر دفن ہیں روایت ہے کہ آپ شہنشاہ ہمایوں کے پیر تھے جب آپ نے انتقال فرمایا تو



مزار سید ابوالنصر المعروف عصائے شاہ مرداںؒ۔ مزار میں صاحب مزار کے ساتھ حضرت علیؓ کا نیزہ بھی دفن ہے۔

ہمایوں نے آپ کا تابوت امانت کے طور پر اپنے محل میں رکھا اور تابوت کو مخاطب کرکے کہا آپ خودی بتائیں کہ آپ کوکہاں دفن کیا جائے اسی رات ہمایوں کی خواب میں آپ آئے اور فرمایا مجھے وہاں دفن کرو جہاں پر میرے بابا علی کا نیزہ پڑا ہے۔ معلومات پر معلوم ہوا کہ یہ نیزہ پشاور میں ہے۔ لہٰذا ہمایوں آپ کے تابوت کا جلوس پشاور میں لایا۔ جہاں نیزہ مبارک گڑھا ہوا تھا اسے نکلا اور وہیں پر آپ کی لحد مبارک بنی اور تابوت کے اوپر حضرت علیؑ کا نیزہ رکھکر بہترین مقبرہ بنایا۔

اس مقبرے پر دن رات مخلوق خدا کا ہجوم رہتا ہے۔ عام طور پر پراٹھے اور حلوہ نذر کے طور پر لوگ لاتے ہیں اور عقیدت مندوں میں تقسیم کرتے ہیں یا ایام محرم میں اس زیارت کو سیاہ کردیا جاتا تھا اور صبح عاشورہ یہاں پر شیعہ سنی مل کرنماز پڑھتے ہیں۔ اس نماز میں اتنی مخلوق ہوتی ہے کہ گنبد کے اندر اور باہر کے سارے علاقے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی چونکہ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ دعا کی قبولی کا وقت ہے لہٰذا حاجت مندوں کا ہجوم پورے روز عاشورہ رہتا ہے۔ کچھ مدت پہلے تک روز جمعرات باقاعدہ تخی شاہ مردان کا چراغ شام کے وقت پورے شہر میں پھرایا جاتا تھا لوگ اس چراغ میں سے "حیرکا" تیل لے کر بیماروں کے ماتھوں پر لگاتے اور چراغ میں پیسے ڈالا کرتے تھے اب چراغ تو نہیں پھرایا جاتا مگر جمعرات کے دن خلائق کا ہجوم اتنا زیادہ ہوتاہے کہ مقبرے تک ہر شخص کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

اس زیارت میں ۲۱ مارچ روز نوروز صبح کے وقت حضرت علی کا جھنڈا لہرایا جاتاہے اور آتش بازی ہوتی ہے پورے دن عرس منایا جاتا ہے۔ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے لنگر تیار کئے ہوتے ہیں اور عقیدت مندوں میں شیرینی کے علاوہ دوسری نذرو نیاز تقسیم ہوتی رہتی ہے زیارت کی نگرانی ہاشمی سادات کے پاس ہے اور یہ وہی سادات ہیں جن کے جد امجد کو شہنشاہ ہمایوں نے ایک حکم نامے کے تحت اس زیارت کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے مقرر کیا تھا۔

حضرت ستار شاہ بادشاہؒ



حضرت ستار شاہ بادشاہؒ اس علاقے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے نائب ہو گزرے ہیں آپ جب حیات تھے تو حضرت خواجہؒ کے عرس کے ایام میں پورے تین دنوں تک پشاور میں ڈبگری بازار میں عرس کا اہتمام ہوتا تھا۔ پورا بازار سجایا جاتا تھا قدم قدم پر حضرت خواجہ کے القاب سے منسوب دروازے لگائے جاتے تھے اور اقوال حضرت خواجہؒ جلی حروف میں جگہ جگہ لکھوائے جاتے تھے اس خطے کے وہ لوگ جو اجمیر شریف نہیں جاسکتے تھے وہ یہاں پر جمع ہوتے قوالی کی محفل سجتی اور حضرت خواجہ اجمیر شریفؒ کا نشان اٹھایا جاتا تھا۔

حضرت ستار شاہؒ سلسلہ نقش بندیہ، سہروردیہ، ترمذی اور چشتیہ فکرو تصوف کے نہ صرف ترجمان تھے بلکہ اس میدان کے کامل بزرگ تھے آپ کا نام دور دور تک مشہور ہے اب بھی افغانستان اور ایران کے لوگ آپ کے مزار پر سلامی کے لئے حاضر

ہوتے ہیں اور صوبہ سرحد کے قبائل میں آپ کے معتقدین کی تعداد کی اکثریت ہے۔ آپ جب اس جہاں فانی سے رخصت ہوئے تھے تو پورے صوبہ سرحد میں اور خاص طور پر پشاور میں سرکاری طور پر سوگ منایا گیا تھا۔

آپ کا مزار شریف ڈبگری دروازے کے باہر واقع ہے اور گدی اندرون ڈبگری دروازہ بازار ڈبگری میں ہے اس وقت آپ کے فرزند ارجمند حضرت باچا گدی پر بیٹھے ہیں جو شہر کی زندہ روحانی شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے مزار پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے عرس کے علاوہ ہر جمعرات کی رات قوالی ہوتی ہے اور نذر و نیاز کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور حضرت خواجہؒ کا نشان بھی عرس کے دنوں میں کھڑا کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی قتالؒ

حضرت شاہ ولی قتالؒ کی زیارت قصہ خوانی بازار میں کوچہ شاہ ولی قتال میں ہے۔ محمود غزنوی کے حملوں میں سے کسی ایک حملے میں یہاں پر بہت بڑی جنگ ہوئی تھی اور بہت سی نامور اور روحانی شخصیات نے یہاں پر جام شہادت نوش کیا تھا یہ اس دور کی بات ہے کہ جب قصہ خوانی بازار میں دریائے باڑا بہتا تھا اور یہ مقام اس دریا کا کنارہ تھا لہٰذا یہاں پر شہداء کی قبریں بن گئیں اور اس میدان کو سیدوں کے قتل کا میدان کہا جانے لگا۔ شاہ ولی قتال حقیقت میں کسی بزرگ کا نام نہیں بلکہ بزرگ روحانی شخصیتوں کے قتل کے میدان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۸۴۷ء میں پہلی مرتبہ کرنل لارنس نے جب پشاور کا چارج سنبھالا تو اپنے ساتھ ترجمان کے طور پر لکھنؤ کے ایک سادات گھرانے کے چشم و چراغ حضرت آغہ سید میر جعفر کو بھی لائے۔ یہاں پر آپ نے فارسی مترجم کے حوالے سے فرائض انجام دیئے اور پھر پشاور کی آب و ہوا آپ کو پسند آئی اور آپ یہاں کے ہو رہے۔ حضرت آغا سید میر جعفر رحمتہ اللہ علیہ ایک روحانی شخصیت تھے انہوں نے پہلی مرتبہ اسی مقام پر ڈیرے ڈالے اور خلق خدا کو اپنے فیوض و برکات سے نوازتے رہے۔ کرنل لارنس ۱۸۴۹ء میں دوبارہ پشاور کے ڈپٹی کمشنر بن کر آئے تو اس نے آپ کے گرد دائرہ مریدان دیکھ کر آپ کو مراعات سے نوازا اور پشاور میں آپ واحد

شخصیت ٹھہرے جن کی مسلمانوں کے علاوہ انگریز بھی قدر دان تھے۔

حضرت سید میر جعفر رحمتہ اللہ علیہ مسلک کے اعتبار سے شیعہ تھے لہٰذا پشاور کے اہل تشیع میں بڑا مقدس مقام پایا بلکہ شہر کے اہلسنت بھی آپ کا بڑا احترام کرتے تھے اس دور میں یہاں کے شیعہ مجالس عزا وغیرہ اپنے بڑے بڑے گھروں میں کیا کرتے تھے۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں کہ جنھوں نے ان لوگوں کو امام بارگاہوں کے طور طریقے سکھائے اور ۱۸۳۰ء میں کوچہ گل بادشاہ جی میں ایک امام بارگاہ تعمیر کرایا۔

آپ کی وفات کے بعد پشاور شہر کی یہ پہلی ہستی ہیں جنہیں شہر میں دفن کرنے کی اجازت دی گئی اور آپ اس مقام یعنی شاہ ولی قتال کے تکیہ میں دفن ہوئے اور یوں آپ کا مزار جو کہ مرکز میں سب سے بڑی قبر ہے قرار پایا۔ ہر محرم کی آٹھویں تاریخ کو حضرت شہزادہ قاسم کی مہندی کے موقع پر مہندی کا جلوس اس مزار پر آتا تھا اور یہی انکا عرس قرار دیا گیا لیکن رفتہ رفتہ آس پاس کی آبادی میں تیسرے مسلک کے لوگ جب زیادہ ہوگئے تو اعتراض شروع ہوگئے۔ یہاں تک کہ غالباً ۱۹۳۰ء میں معمولی سے جھگڑے کے بعد یہ جلوس یہاں آنا بند ہوگیا اور وہاں کے لوگوں نے آپ کا نام تک لوح مزار سے ہٹا کر شاہ ولی قتال ہی کا نام دے دیا حالانکہ اس مقام کا نام شاہ ولی قتل تھا یہ زیارت اب بھی قائم ہے اور آپ کی اولاد آپ کے قائم کردہ امام بارگاہ تہہ خانہ والا واقعہ کوچہ گل بادشاہ جی میں رہتی ہے جہاں پر پورے مراسم عزاداری ہوتے ہیں آپ کی اولاد میں سے حضرت آغا سید امجد علی شاہ الحسینی صاحب متولی ہیں اور وہی سب انتظام کرتے ہیں۔

حضرت شاہ قبول اولیاء

عرس کے حوالے سے پشاور میں حضرت شاہ قبول اولیاء کا عرس سب سے طویل اور بڑی اہمیت کا حامل ہے آپ اپنے دور کے بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے اور آپ کی حیات میں بھی آپ کے مریدین آپ کا عرس منایا کرتے تھے۔ آپ کا مزار ڈبگری بازار میں واقع ہے۔ دن رات آپ کے مزار پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔ پنجاب اور افغانستان سے بھی حضرت شاہ قبول اولیاء کے دربار میں حاضری دینے کے سال بھر معتقدین آتے رہتے ہیں۔

عرس کے ایام میں پورے پاکستان سے نامی گرامی قوال اس در پر آکر سلامی دیتے ہیں سات دنوں تک حضرت سید شاہ قبول اولیاء کے مزار پر لنگر تقسیم ہوتا ہے مشاعرے ہوتے ہیں اور محفل نعت کے علاوہ محفل سماع منعقد ہوتی ہے دور دور سے لوگ آکر بطور خوردہ لنگر کا کھانا کھانا ثواب سمجھتے ہیں آپ کے دربار سے بیماروں کو شفا ملتی ہے حضرت سید شاہ قبول اولیاء پشاور کے ان اولیاء میں سے ہیں کہ جن کی شہرت



پشاور ڈیگری بازار میں مزار حضرت سید شاہ قبول کا مزار شاہ قبول چوک آپ کے نام سے منسوب ہے۔

پشاور سے باہر پورے پاکستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی ہے۔ آپ کی اولاد زیارت کا تمام تر انتظام کرتی ہے۔ البتہ آپ کے سجادہ نشین ایک سے زیادہ ہیں۔

حضرت سرکار میراں بادشاہؒ

حضرت سرکار میراں بادشاہ المعروف ابو البرکات سید ابو الحسن سرکار سلسلہ نقش بندیہ سہروردیہ اور خاص طور پر سلسلہ قادریہ کے قائل تھے آپ پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں اور سادات جیلانیہ کہلاتے ہیں آپ کے بزرگ عرب اور ایران سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے اور پھر پشاور ہی میں آباد ہو گئے۔ مگر مریدین کا حلقہ پنجاب اور سندھ تک پھیلا ہوا ہے۔

ہندکو زبان کے قدیم ادب میں آپ کی کرامات پر مبنی سینکڑوں ہندکو حرفیاں اور چار بیتے آج بھی عوام میں رائج ہیں۔ پیران پشاور میں آپ کی ذات بابرکت ایک منفرد مقام رکھتی ہے ٹھیٹھ پشاوری بے شمار ایسے گھرانے ہیں جو آج بھی اپنے دنیاوی کام کرنے سے پہلے حضرت میراں سرکار کے در دولت پر حاضری دیتے ہیں اور اس کے بعد اپنے کام کاج شروع کرتے ہیں آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں بے شمار ہندوؤں کو کلمہ حق پڑھایا اور اس دنیا سے رخصت ہونے تک دین اسلام کی تبلیغ میں سرگرم رہے۔ آپ صرف ایک روحانی شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ اپنے زمانے کے جید عالم اور صاحب فتویٰ شمار ہوتے تے آپ کے خانوادہ جو اندرون یکہ توت دروازہ سکونت رکھتے ہیں آج بھی تبلیغ دین کے حوالے سے سرگرم عمل ہیں آپ کی اولاد میں آپ کی گدی پر حضرت آغا سید امیر شاہ گیلانی فائز ہیں جو کہ خود بھی بہت بڑے عالم فاضل ہیں اور جن کے گرد ہر وقت مریدین کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

گیارہویں شریف کے ایام میں آپ کے مزار پر میلے کا سماں ہوتا ہے دور دور سے لوگ اس بابرکت محفل میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔ آج بھی شعراء ہندکو آپ کے دربار میں حاضر ہو کر نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں آپ کا مزار پشاور میں یکہ توت دروازے کے باہر واقع ہے جہاں پر ہر جمعرات غرباء اور مساکین میں لنگر تقسیم ہوتا ہے اور معتقدین کا میلہ لگا رہتا ہے آپ کے مریدین ہر جمعرات کے دن آپ کے مزار شریف پر جانا فرض سمجھتے ہیں۔

حضرت سید کریم شاہ بخاریؒ

حضرت سید کریم بخاری رحمتہ اللہ ڈیرہ اسماعیل خان میں بلوٹ کے سادات گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں خاندان مغلیہ اس گھرانے کے مرید تھے اور مغل عہد میں بلوٹ کی گدی کا بڑا چرچہ تھا۔ مغل شہنشاہ اکبر کی درخواست پر حضرت سید کریم شاہ بخاری اٹک تشریف لائے اور اکبر کی خواہش پر وہیں رہنا شروع کردیا۔ مگر اکبر کے مذہب میں ترمیم وغیرہ سے ناخوش ہو کر پشاور کا رخ کیا تاکہ واپس ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لے جائیں۔ مگر جب پشاور پہنچے تو یہ شہر بڑا خوش آیا اور یہیں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ کا ڈیرہ پشاور میں اندرون ہشتگری دروازہ سیداں گھڑی میں ہوا اور یہیں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ کے آستانہ کو اب بھی لوگ ست کرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی ہی میں معروف زیارت تکیہ سنگاں سے ملنگوں کا ایک جلوس دس محرم کو نکل کر آپ کی سلامی کے لئے ست کرا آتا تھا (سات گھروں کا ایک گھر) مگر جب آپ نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور آپ کا مزار جی ٹی روڈ کے کنارے بنایا گیا تو یہ جلوس وہاں جانے لگا۔ مگر بعد میں بند ہو گیا۔

جہاں آپ کا مزار بنا ہے وہاں پر آپ کی کرامات سے ہی آپ نے اپنی حیات میں ایک کنواں کھودا تھا کہ جس کے پانی سے نہانے سے جلد کی تمام بیماریاں ختم ہوجاتی تھیں۔ اسی کنوئیں کے نزدیک مغل حکومت کے خرچے پر آپ کا مزار تعمیر ہوا۔ ہر جمعرات کو سینکڑوں ہزاروں لوگ آج بھی آپ کے کراماتی کنوئیں سے فیض یاب ہوتے ہیں اور ہر جمعرات بے شمار معتقدین آپ کے مزار پر حاضری دینے کے لئے آتے ہیں۔ مزار کا تمام انتظام آپ کی اولاد کرتی ہے۔ آج کل آپ کی گدی پر آپ کے نواسے حضرت آغا سید مظہر علی شاہ رونق افروز ہیں۔ بے شمار کرامات آپ سے منسوب ہیں اور مریدین یوں بیان کرتے ہیں جیسے کہ کرامت ابھی ابھی ظہور ہوئی ہو۔

تکیہ سنگاں

اندرون ہشت نگری ایک قدیم مزار جس کا عہد کسی کو بھی معلوم نہیں ہے اس مزار کو کسی مجذوب یا ناگے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس مزار پر ہر وقت فقیروں اور ملنگوں

کا جمگھٹا رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ برصغیر میں جب فقیر کو پہلی منزل یعنی ور جو کلن میں پہنا جاتا ہے جب مرشد کی طرف سے عطا ہوتا ہے تو وہ ہر حالت میں یہاں پہنچ کر اپنی پہلی منزل کے آخری مراحل طے کرتا ہے یہ مرد خدا اپنے سر پر چھت نہیں چھوڑتا لہٰذا ایک بڑی سی دیو قامت قبر ہے جس پر جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ قدیم الایام سے دسویں کے دن سے یہاں سے ملنگوں کا وجد آور جلوس نکلا کرتا تھا جو نقارہ کی چوٹ پر دھمال کیا کرتے تھے لیکن تقسیم کے بعد یہاں پر ملنگوں کی تعداد اتنی نہ رہی کہ اس جلوس کو قائم رکھ سکیں۔ قیام پاکستان کے دس سالوں بعد یہ عرس بند ہوگیا۔ اکثر جمعرات کی شام یہاں پر لوگ دور دور سے آکر سلام کرتے ہیں اور جن کی مرادیں پوری ہوئی ہوتی ہیں وہ لنگر تقسیم کرتے ہیں اور غرباء مساکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت شیخ جنید بابا رحمتہ اللہ علیہ



پشاور میں حضرت شیخ جنید باباؒ پشاوری کا مزار   راقم ایم زمان کھوکھر دعا مانگ رہے ہیں

آپ کا دور دسویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ ایران سے افغانستان اور پھر صوبہ سرحد میں پشاور میں آکر مقیم ہوئے۔ دین اسلام کی ترویج و ترقی آپ کا مشن تھا۔ روحانی کرامات کے مالک ہونے کے علاوہ عالم فاضل بھی تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ سادات کاظمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ محمود غزنوی کے ساتھ لشکر میں آئے اور پھر غازی بن کر یہیں رہ گئے۔ جہاں پر آپ کا مزار شریف ہے یہیں پر آپ نے تشریف لاکر ڈیرے ڈالے تھے۔ اس وقت یہ مقام شہری آبادی سے بہت دور تھا۔ آبادی لاہوری دروازے کے اندر تھی اور یہ لاہور دروازے سے تقریباً" ایک میل کے فاصلے پر تھا لیکن توسیع شہراور آبادی کے بڑھ جانے سے اب یہ مزار آبادی کے درمیان ہے۔ حضرت شیخ جنید نے اس مقام پر سب سے پہلے اپنے آنے والے مریدین کے لئے ایک مسجد کی تعمیر اپنے ہاتھ سے فرمائی تھی بعد میں مریدین نے حضرت شیخ کی خواہش پر اس مسجد کو وسیع کردیا آج کل یہ مسجد علاقہ شیخ آباد کی سب سے بڑی اور اہم جامع مسجد ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کو اسی مسجد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت شیخ جنید بابا رحمتہ اللہ علیہ کالی کھانسی اور معیادی بخار کے بارے میں شفاء کا ہاتھ رکھتے تھے آپ کا صرف ہاتھ پھیرنا ہی شفا ثابت ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ آج بھی آپ کے مزار پر بیمار لوگ جاتے ہیں اور سات دن متواتر یعنی چوکی مکمل کرنے پر مرض جاتا رہتا ہے۔ آپ کا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔

حضرت سید میر جانی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

پشاور کے جید سادات خانوادوں میں آپکا گھرانہ بھی شمار ہوتا ہے۔ بیرون یکہ توت دروازہ آپ کا مزار بھی اہل پشاور کی عقیدتوں کا مرکز ہے۔ آج سے آدھی صدی پہلے جو سادات خانوادے اہل پشاور کے دلوں پر حکومت کرتے تھے ان میں اپکی اولاد کا بھی شمار ہوتا ہے نئی نسل بھی آپ کے مزار پر حاضری دیتی ہے۔ اور خلوص دل سے اسی قسم کا احترام کرتی ہے جو ان کے بزرگ کیا کرتے تھے۔ اندرون ملک ہی کیا بیرون ملک سے بھی کوئی فنکار پشاور آئے تو اندرون یکہ توت دروازہ آپ کے استانہ پر سلامی اسکاسب سے پہلا کام ہوتا ہے۔

ترویج اسلام کیلئے آپ زندگی بھر کوشاں رہے اور روحانیت کے دریا بہاتے

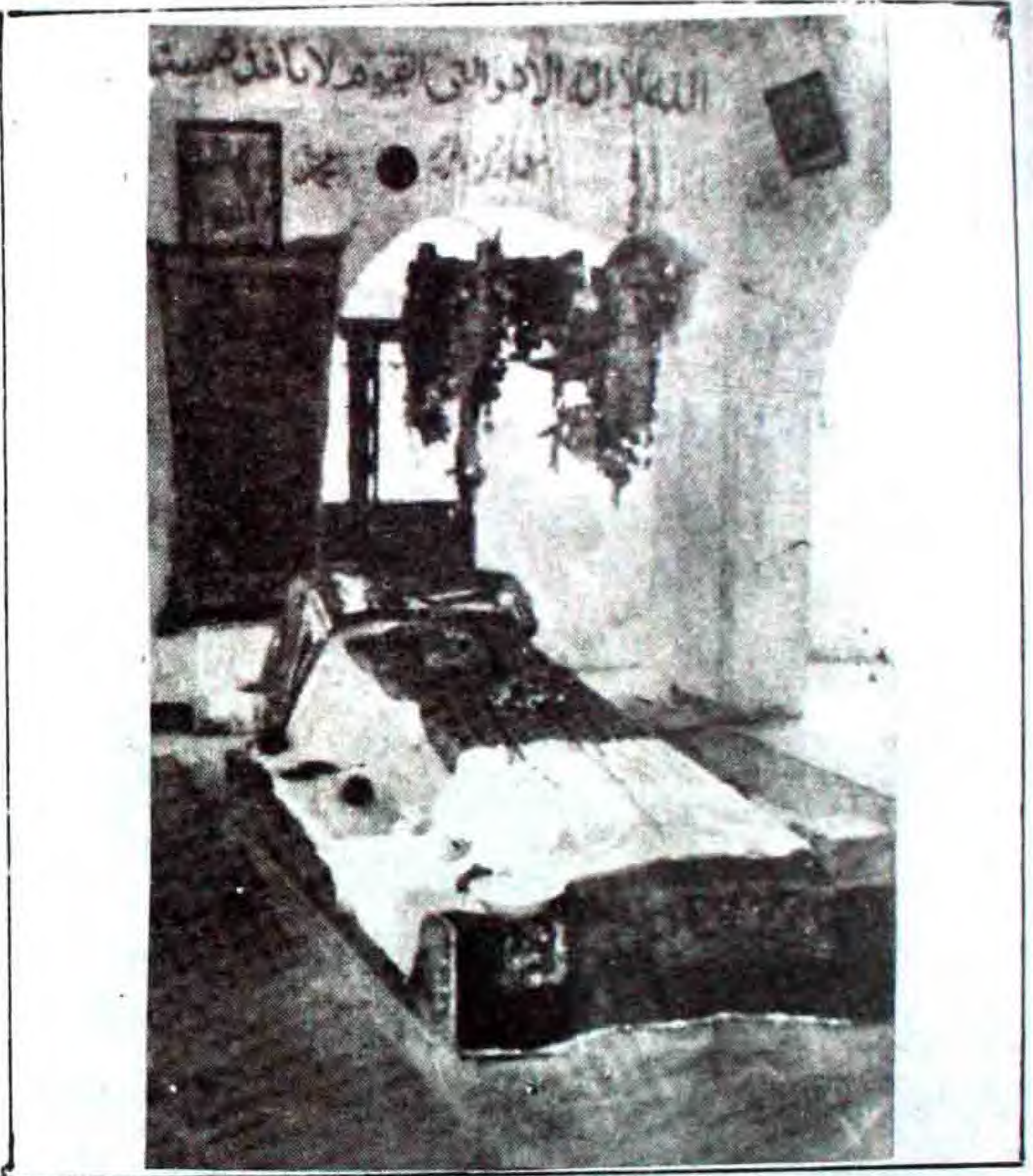
رہے اندرون یکہ توت دروازہ کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس پر دو صاحبان کرامت ہستیوں کے آستانے ہیں ایک سید میران سرکار رحمتہ اللہ علیہ کا اور ایک آپ کا۔ اہل دل آج بھی ادھر سے گزرتے ہیں تو چشم ادب خم ہو جاتی ہے۔ آستانوں پر نظر پڑتے ہی ہاتھ مودبانہ سلام کیلئے اٹھ جاتے ہیں۔ میں نے خود ان دونوں آستانوں پر کئی مرتبہ حاضری دی اور روحانی محافل سے بہرہ مند ہوا۔ اس پاک گھرانے کی حیات شخصیات میں سید لال بادشاہ' سید گوہر علی شاہ' سید ذوالفقار علی شاہ' اور سید چمن آغا کے نام قابل ذکر ہیں۔ اہل شہر اور بیرون شہر کے عقیدت مند بھی صاحبان آستانہ کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ آپکی اولاد بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تشنہ گان علم و عرفان کی پیاس بجھاتے رہتے ہیں۔

خاص طور پر آغا سید چمن آغا کہ آپ کو دنیائے روحانیت ورثے میں ملی ہے آپ نے اپنی ساری جوانی روحانیت کے حوالے کر کے گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی ہے ان کا وسیع حلقہ مریدین ہے خاص طور پر نئی نسل کو اس نئی روشنی کے دور میں مذہب سے عشق اور روحانیت سے روشناس کرانا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ایک شیر ببران کے در دولت پر کھڑا پیرا دیتا رہتا ہے۔ سید چمن آغا دنیاوی عیش و عشرت کو ترک کر کے اپنے بزرگ حضرت سید میر جانی شاہ کے مزار ڈیرا رکھتے ہیں۔ بے شمار عقیدت مند روزانہ مزار پر سلامی کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔

عرس شہباز قلندر

جن دنوں حضرت سخی لال شہباز قلندر کا سہون شریف میں عرس شروع ہوتا ہے ٹھیک اسی دن وزیر باغ کے قریب ایک میدان میں خیموں کی چھوٹی سی بستی بسائی جاتی تھی جہاں اس علاقے کے آس پاس کے وہ سب لوگ جو حضرت لال شہباز قلندر کے مرید تھے اکٹھے ہوتے۔ چراغاں کیا جاتا اور میلہ لگتا ساتھ ہی محفل سماع اور دھمال بھی ہوتا تھا بعد میں اس میلے میں چرس اور بھنگ کے نشوں کے علاوہ دیگر برائیاں ہونے لگیں حکومت نے اسے بند کرا دیا۔ یہ عرس اب بھی ہوتا ہے لیکن ہر سال مختلف جگہ ہر محدود دائرے کے اندر منایا جاتا ہے۔ حضرت لال شہباز قلندر کا کوئی ایک جلالی فقیر اس کے لئے جدوجہد کر کے چندہ اکٹھا کرتا ہے اور پھر خوب پھر کر نقارے کی چوٹ پر دھمال ہوتا ہے۔

زیارت شاہ رسول پیر گڑھی سیداں



پشاور کے مادر زاد ولی حضرت شاہ رسول پیر کی کہانی کچھ یوں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو والد حضرت سید کریم شاہ بخاری کسی کام کے سلسلے میں اٹک تشریف لے گئے تھے۔ آپ اس وقت اٹک قلعہ میں کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک ننھا سا ہاتھ سامنے آیا۔ آپ نے ہاتھ سے اسے پیچھے کردیا۔ مگر پھر ہاتھ سامنے آکر ہوا میں کھڑا ہوگیا۔ حضرت پیر کریم شاہ بخاری حیران ہو کر ہاتھ کو دیکھتے ہی رہ گئے۔ یعنی آپ سمجھ گئے کہ ان کے ہاں اس وقت جو بچہ پشاور میں پیدا ہوا ہے یہ ہاتھ اس کا ہے آپ نے فوراً" فرمایا میں نے تمہارا نام شاہ رسول رکھا لیکن پھر بھی ہاتھ فضا میں کھڑا رہا۔ آپ بچے کی

ضد دیکھ کر سوچنے لگے۔ اتنا جلالی' تو زندگی کیسی ہوگی کیا یہ جلال خلق خدا برداشت کرسکے گی۔ آپ یہ سوچتے رہے اور ہاتھ سامنے ہوا میں لہراتا رہا آخر حضرت نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

"اے اللہ میرا شاہ رسول بڑا ہو کر بھی اتنا ہی جلالی ہوگا تو پھر اسے اٹھالے۔

" جلالی باپ کے جلالی بیٹے نے جب پشاور میں اپنے بابا کی یہ آواز سنی تو فوراً" وہ اپنے جھولے (پنگوڑے) سے اٹھے اور چل پڑے۔ ماں نے ہاتھ پکڑا لیکن ماں کا ہاتھ جھٹک کرباہر چل دیئے اور اپنے والد کے حجرے میں گئے۔ جب یہ ننھی سی مخلوق حجرے میں پہنچی تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا کہتے ہیں کہ حجرے کے صحن میں ایک چھوٹی سی شکستہ دیوار تھی آپ دوڑ کر اس پر بیٹھ گئے اور دیوار کو کہنے لگے چلو دیوار چل پڑی۔ آس پاس کے لوگ یہ ماجرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کئی کمزور دل بیہوش ہوگئے۔ دیوار تیزی سے چل پڑی اور اس مقام پر جاکر کھڑی ہوئی جہاں اب جھنڈا بازار پشاور میں ایک دیوار میں آلہ سا بنا ہوا ہے لیکن دیوار کا کھڑا ہونا اس ننھے سے ولی کو پسند نہ آیا اس نے دیوار کو مارنا شروع کردیا کہ چلو چلو اور ضد کرنا شروع کردی ایک مرتبہ پھر دیوار چل پڑی اور ایک ہی لمحے میں ریتی بازار کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں اب بھی زیارت ہے مگر ننھے ولی کو یہ مقام بھی پسند نہ آیا اب یہ نہیں معلوم کہ اسے اپنے والد محترم کی دعا سے گلہ تھا یا پھر ایسی ہی طبیعت لے کر اس دنیا میں آئے تھے انہوں نے پھر ضد شروع کردی اور دیوار پر بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھوں اور پاؤں سے دیوار کو مارنا شروع کردیا اور ایسا نعرہ مارا کہ دیوار ڈر کے مارے صرف دوڑی ہی نہیں بلکہ زمین سے ایک ایک گز اوپر ہو کر اڑنے لگی۔ لوگ دیکھتے رہ گئے اور دیوار اس مادر زاد ولی کو لے کر فضا میں غائب ہوگئی۔

اٹک سے جب حضرت پیر سید کریم شاہ بخاری پشاور تشریف لائے تو نومولود نہیں تھے انہوں نے اس بات کا اپنی بیوی سے بھی ذکر تک نہیں کیا کہ بچہ کہاں ہے اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ چند دنوں کے بعد کوہاٹ سے چند میل آگے موضع مری سے اطلاع آئی کہ ایک بچہ دیوار اڑاتا ہوا آیا اور دیوار سمیت پہاڑ گر کر راہی ملک عدم ہوا۔ حضرت پیر سید کریم شاہؒ نے ہاتھ

اٹھاکراس کے حق میں دعا فرمائی۔ اور پھر آپ مری تشریف لے گئے اور اس ننھے سے ولی کو وہیں دفن کردیا۔ یہ ساری بات چند دنوں میں ختم ہوگئی اور پھر لوگ بھول بھی گئے۔ مگر یہ جلالی بچہ پشاور کو کیسے بھولتا اس نے اپنے والد کے حجرے میں نہ صرف آنا بلکہ دکھائی دینا بھی شروع کردیا جب پیر سید کریم شاہ بخاری اس دنیا سے رخصت ہوئے تو پھر اس مادر زاد ولی کی وجہ سے اس حجرے کو کوئی استعمال نہیں کرسکتا تھا یہ ننھا ولی کسی کو وہاں ٹکنے ہی نہیں دیتا تھا گھر کے افراد کو اس ننھے ولی کی والدہ نے ایک ترکیب بتائی۔ وہ اس جھولے کو لے کر حجرے میں گئے جس میں وقت پیدائش آپ نے تھوڑی دیر آرام فرمایا تھا۔ انہوں نے وہاں پر جھولا رکھ دیا لوگوں نے دیکھا کہ جھولا ہوا میں خود بخود جھول رہا ہے حجرے میں اسدن کے بعد عوام کا بیٹھنا اٹھنا بند ہوگیا اور ننھے ولی کی اس مقام پر حاضری کو محسوس کرتے ہوئے مریدوں نے اس کی نشست گاہ ڈیرہ یا حاضری کا ٹھکانا بنا دیا اور یہ زیارت آج تک موجود ہے۔

حضرت پیر سید کریم شاہ بخاریؒ کا عہد مغل شہنشاہ اکبر کا عہد ہے لہٰذا شاہ رسول پیر بھی انہیں دنوں پیدا ہوئے تھے اور انہی دنوں میں وفات پائی۔ اس شاہ رسولؒ پیر کی پشاور اور پشاور سے باہر بھی کرامات کے حوالے سے کئی زیارتیں ہیں جلالی ہونا تو اس کے اعمال سے ثابت ہے البتہ اب بھی کبھی کبھی اپنے جلال میں آکر اپنی کرامات کی یادوں کو تازہ کرتا رہتا ہے اس زیارت میں وہ پنگوڑا یا جھولا بھی پڑا رہتا ہے جس میں تھوڑی دیر انہوں نے آرام فرمایا تھا اگرچہ اس جھولے کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا لیکن اب وہ بات نہیں ہے اب بے اولاد لوگ جب اولاد کی منت کے لئے جاتے ہیں تو باقاعدہ جھولے کو ہلا کر اس میں سے منت اٹھا کر کھاتے ہیں جبکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا اس کی دو تشریحات ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ اب خاصی عمر گزر چکی ہے اور ننھے سے مادر زاد ولی کی طبیعت میں قدرے نرمی آگئی ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ کہیں جھولے سے کوئی بے حرمتی کرے اور ننھا ولی خفا نہ ہو اصل جھولا اٹھا لیا گیا ہے کچھ بھی ہو اب بھی گنبد کے اندر مقبرے یا نشست گاہ کے سر پر باقاعدہ ایک جھولا لٹکا ہوا ہے۔ جمعرات کے روز مخلوق خدا اس جھولے سے تبرک وصول کرتی ہے اور بچوں سے متعلق اس زیارت کو تمام مشکلات کا حل جانا جاتا ہے۔

اس زیارت کی تعمیر کہنہ تو اب نظر نہیں آتی لیکن جو گنبد اس وقت

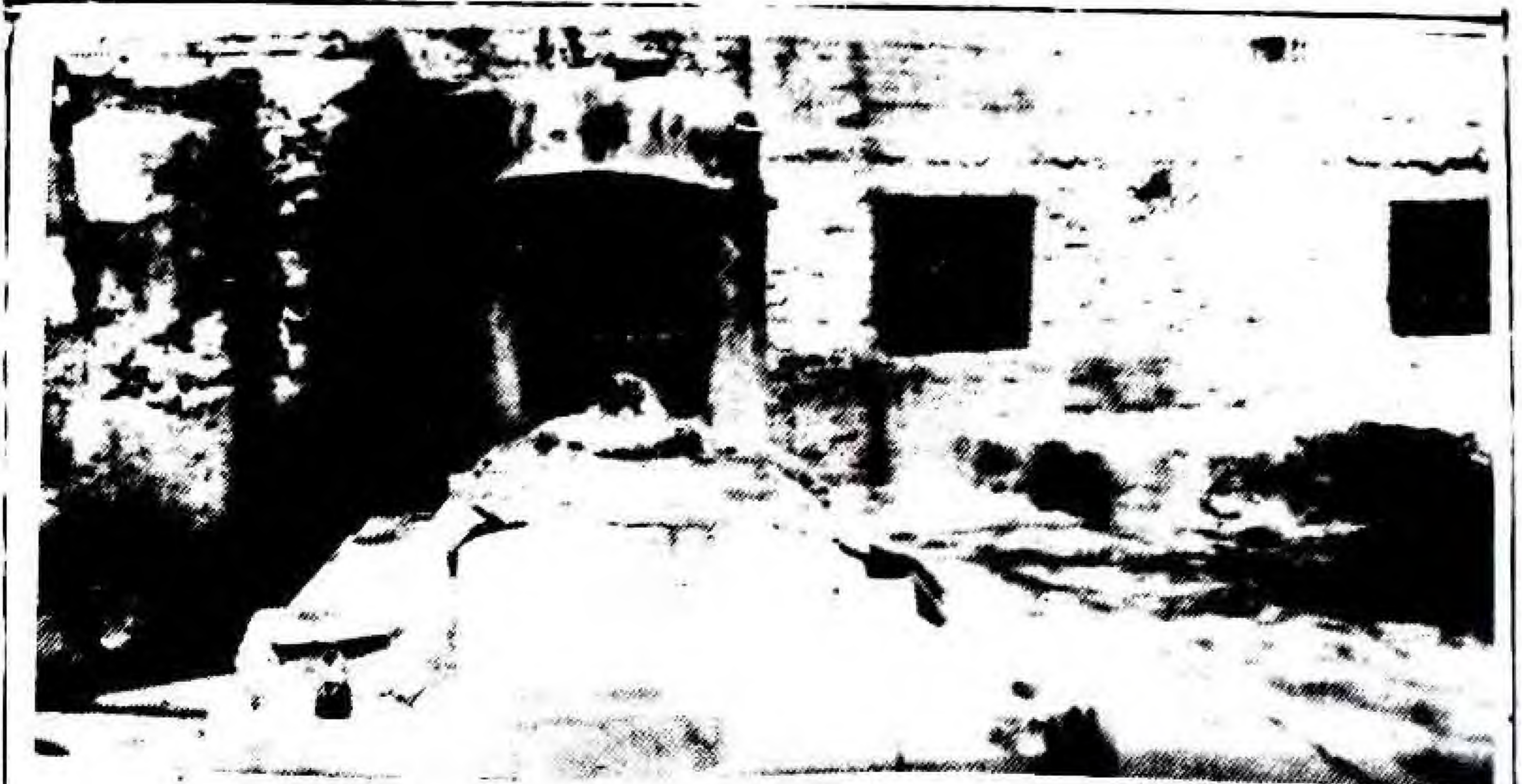
تعمیر ہے وہ بھی مغل اور قدرے یونانی طرز تعمیر کا لگتا ہے محرم یا چہلم کا جو جلوس بھی ادھر سے گزرے سلامی کے لئے ضرور رکتا ہے چونکہ زیارت شاہ رسول پیر ایک جید شخصیت کی زیارت ہے لہٰذا ہر سال جشن نوروز کے موقع پر باقاعدہ نشان حضرت علیؑ لہرایا جاتا ہے وقت مقررہ پر بے تحاشا فائرنگ ہوتی ہے شربت کی سبیل لگتی ہے اور سارا دن دھمال ہوتا رہتا ہے یعنی ہر سال اکیس مارچ حضرت شاہ رسولؒ پیر کا عرس منایا جاتا ہے آج اس زیارت کے متولی حضرت پیر کریم شاہ بخاریؒ کی اولاد میں سے حضرت آغہ سید مظہر علی شاہ ہیں۔

حضرت پیر سخی سید منور شاہ رحمتہ اللہ علیہ عرس اور میلہ

پیر سید منور شاہؒ اپنی حیات ہی میں اپنا دائرہ مریدین اتنا وسیع رکھتے تھے کہ لوگ ان کے دیدار کی ایک ایک جھلک کو بھی ترستے تھے۔ آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور درویش طبیعت کے مالک تھے اگرچہ آپ کے اردگرد ملنگوں اور فقیروں کا جھرمٹ ہوتا اور ظاہری طور پر آپ ایک ننگا دکھائی دیتے تھے مگر آپ ریاضت میں باشرع اور حد میں طریقت ہستی تھے آپ پنجاب کے کسی ولی کی بیعت تھے اور خود بھی سجادہ نشین تھے آس پاس کے علاقے کے تمام جلوس ذوالجناح آپ کی زیارت پر ہو کر واپس جاتے ہیں آپ کا عرس میلے کی صورت میں اکیس مارچ کو ہر سال منایا جاتا ہے۔

حضرت شاوی پیر رحمتہ اللہ علیہ

روایت ہے کہ حضرت شاوی پیر رحمتہ اللہ علیہ حضرت بری شاہ لطیفؒ کے اساتذہ میں سے تھے پشاور میں شاوی پیر چوک آپ کے ہی نام سے منسوب ہے۔ بڑی جلالی زیارت ہے یوں تو ہر جمعرات کو آپ کے مزار پر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے رجب کے مہینے میں آپ کا عرس منایا جاتا تھا مگر علاقے میں گنجان آبادی اور پھر مقامی لوگوں کا نئی آبادیوں میں چلے جانے سے اور مقبرے کے اردگرد آبادی کے مزید گنجان ہونے کی وجہ سے بڑی مدت سے میلہ یا عرس دیکھنے میں نہیں آیا۔


پشاور حضرت شاہ دی پیرؒ کا مزار چوک کا نام بھی آپ کے نام سے منسوب ہے۔

حضرت سید فضل حق صاحبزادہ

آپ کے نام پر پشاور میں ایک محلہ بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ اٹک والے حضرت جیؒ کے اساتذہ میں تھے یہاں پر مریضوں کو شفا کے لئے لوگ ہر جمعرات کو حاضر ہوتے ہیں لیکن آپکے لنگر میں صرف دال ہی دی جاسکتی ہے دوسری کسی بھی چیز کے لئے مناہی ہے۔ لہٰذا ہر جمعرات دال کی دیگیں چڑھاوے میں چڑھتی ہیں۔ غربا" اور مساکین کا ایک ہجوم ہوتا ہے جو حضرت فضل حق صاحبزادہ کی بدولت پیٹ بھرتا ہے۔ آپ کا عرس تو نہیں ہوتا البتہ خاص ایام میں ختم القرآن کی محفلیں ضرور جمتی ہیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرکے ثواب دارین حاصل کرتے ہیں۔

حضرت پیر دست بہ دست رحمتہ اللہ علیہ

آپ کے نام سے پشاور میں دست بہ دست روڈ مشہور ہے نہایت ہی قدیم زیارت ہے

آپ کا نام تو کسی کو معلوم نہیں لیکن مراد کے لئے اگر کوئی یہاں پر سات دن کی چوکی اٹھائے یعنی پورے سات دن یہاں پر باقاعدگی سے حاضری دے تو کہتے ہیں اس کی جائز حاجت روا ہوجاتی ہے اسلئے دست بہ دست یعنی ہاتھوں ہاتھ دینے والا پیر کہتے ہیں۔

آپ کے مزار کا کوئی اپنا میلہ یا عرس نہیں ہے لیکن جس کی مراد پوری ہو جائے وہ شخص وہاں پر عرس اور سماں کا انتظام کرتا ہے۔ ہر جمعرات مخلوق خدا کا ہجوم رہتا ہے۔

مقبرہ حضرت آغا سید ضیاء جعفری رحمتہ اللہ علیہ

اردو اور فارسی کے صوفی اور بزرگ شاعر کا مزار لاہوری دروازے کے باہر شیخ آباد حضرت شیخ جنید بابا رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ہے۔ حضرت ضیاء جعفری کو 1953ء میں حضرت سائیں رحمتہ اللہ قادری کی وساطت سے معروف سلسلہ قادریہ کے پیر طریقت حضرت سید نذر محی الدین رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت عطا ہوا آپ بچپنے ہی سے حال مست تھے اور سلوک و فقر کی طرف متوجہ تھے ساری زندگی اسی حوالے سے اردو اور فارسی زبان میں شاعری فرماتے رہے۔ حضرت سید ضیاء جعفریؒ کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی سے بھی علاقہ تھا آپ ذکر و فکر کی محفل بپا رکھتے عقیدت مندوں کا ہر وقت جمگھٹا رہتا آپ کا صوفیانہ مجموعہ کلام "صبوحی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے آپ نے ۱۹۶۸ء میں وفات پائی ہر سال روز وصال عرس منایا جاتا ہے۔

زیارت شیخ حبیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ

جب پشاور حکومت افغانستان کا سرمائی صدر مقام تھا تو حضرت شیخ حبیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کابل سے پشاور تشریف لائے آپ کو یہاں کا ماحول اتنا پسند آیا کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے آپ دوران حیات بھی خلق خدا کی پریشانیوں کا مداوا کرتے تھے اور اب بھی لوگ ہر جمعرات آپ کے مقبرے کی زیارت کو جاتے ہیں اور نمک ساتھ لے جاتے ہیں آپ کی اپنی زندگی میں جو مسجد تعمیر تھی اسی کے ایک حصے میں آپ کو دفن کیا گیا افغانستان کے حکمران آپ کے نہایت ہی معتقد تھے اور بعض شہزادوں کو تو مرنے کے بعد آپ ہی کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار اگرچہ اب ویران جگہ پر ہے لیکن آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور میں یہ زیارت آبادی میں تھی۔



پشاور میں حضرت شیخ حبیب اللہؒ کا مزار۔

میلہ و عرس حضرت نوشو ہادی سرکار

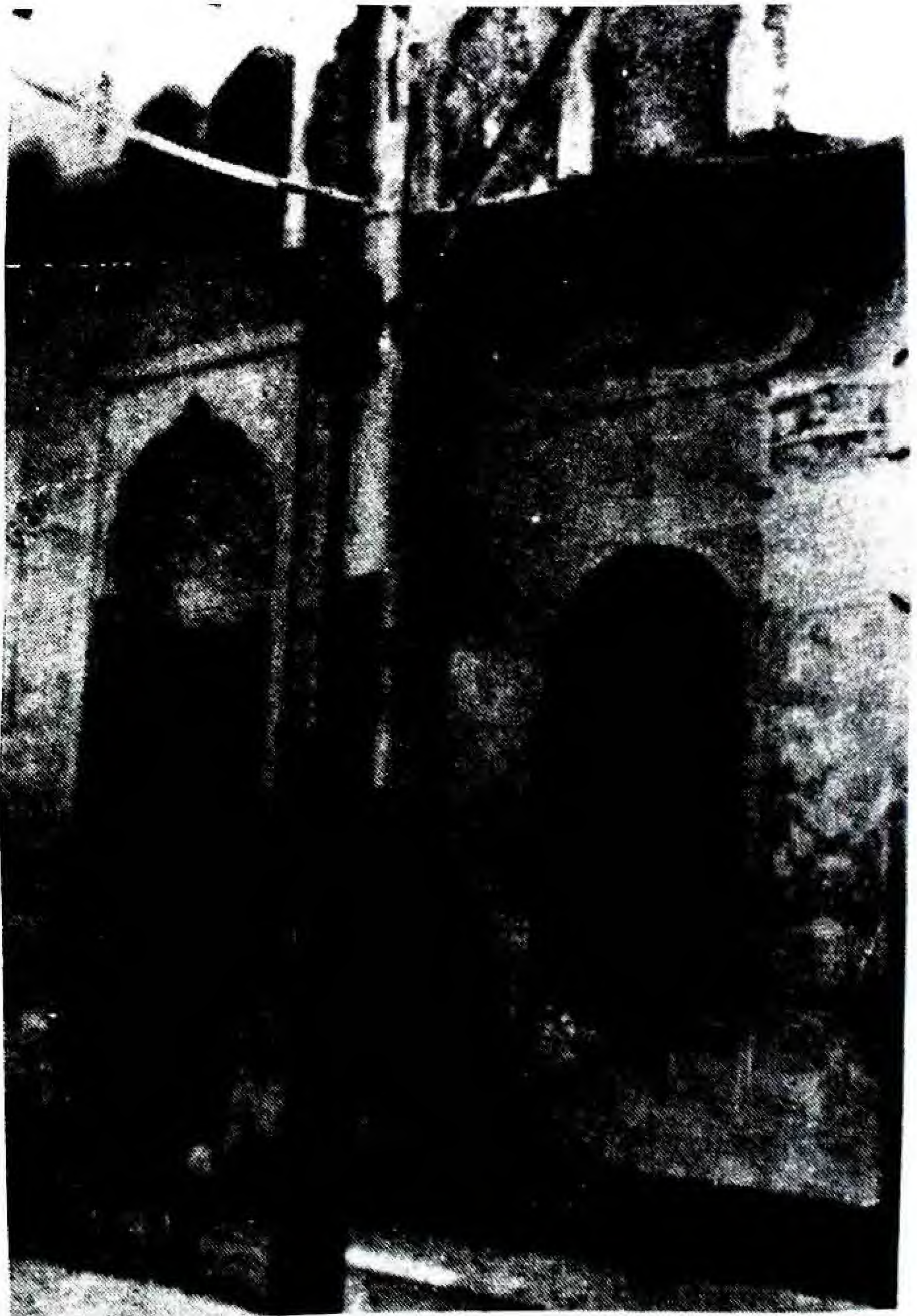
حضرت نوشو ہادی سرکار کے مریدوں کی اتنی کٹھن منزلیں ہوتی ہیں کہ ہر شخص نوشو ہادی کا ماننے والا نہیں ہو سکتا۔ اس جلالی شخصیت کی طریقت میں پہلی منزل ہی اپنے آپ کو دار پر لٹکا کر وجد کرنا ہے جو ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اگرچہ آپ کا مزار پنجاب کے ضلع گجرات میں ہے لیکن سارے ملک میں ان کے مرید موجود ہیں اور ہر وقت ان کا میلہ اور ہر جگہ ان کا میلہ ہو سکتا ہے یعنی سال کے بارہ مہینے میں ان کا عرس اور میلہ چلتا ہے۔ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 کے قریب ہی تکیہ نوشو ہادی پیر واقع

ہے عام طور پر سال بھر عرسوں کے علاوہ اس مقام پر سالانہ عرس بھی منعقد ہوتا ہے۔

اس میلے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ سب سے پہلے ایک "دار" یعنی بغیر دروازوں کے ایک چوکھٹ زمین پر مضبوطی سے کھڑی کی جاتی ہے۔ اس دار کے ارد گرد زمین پر لوگوں کے بیٹھنے کے لئے فرش بچھایا جاتا ہے دار کے عین سامنے قوال بیٹھتے ہیں اور نوشو ہلوی سرکار کے مریدین انہی کے نزدیک نہایت ہی توجہ اور خشوع و خضوع اور انہماک سے پہلے قوالی سنتے ہیں۔ اجتماع سے پہلے لنگر تقسیم کردیا جاتا ہے اور پھر قوالی شروع ہوتی ہے جب قوالی عروج پر پہنچے تو سرکار نوشو ہلوی کے مریدین وجد میں آنا شروع ہوجاتے ہیں ان میں سے جو سب سے زیادہ وجد میں آجائے یعنی بے ساختہ ہوجائے تو اسے پکڑ کر اسکی ٹانگوں کو رسی سے باندھا جاتا ہے اور پھر اسے اٹھا کر دار پر لٹکا دیا جاتاہے وہ قوالی کے طبلے کی تھاپ پر الٹا لٹکا جھومتا رہتا ہے بعض اوقات تو گھنٹوں ایک ہی دار پر الٹا لٹکا رہتا ہے اور جھومتا رہتا ہے بصورت دیگر اگر ایک تھک جائے یعنی جھومنا ختم ہو جائے تو پھر اسے اتار کر دوسرے وجد والے کو لٹکا دیا جاتا ہے دار والے کے ساتھ نیچے بیٹھے ہوئے لوگ بھی نیم وجد کی کیفیت میں ہاتھ پاؤں یا سرہلاتے رہتے ہیں اس میلے کا کوئی وقت نہیں لیکن اکثر رات ہی کو ہوتا ہے سالانہ مرکزی میلے میں تو بہت سے دار ہوتے ہیں اور ایک ہی وقت میں بہت سے لوگ حال کھیل سکتے ہیں۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ اس سائنسی دور میں بھی اہلیان پشاور میں میلہ رائج ہے جو کہ عظیم تکلیف دہ روحانی تصوف کی منزل سے تعلق رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ اولیاء پشاور میں اللہ داد غازی بھانہ ماڑی کو جس کی ہر جمعرات نوبت بجتی ہے۔ قاضی مظہر علی شاہ المعروف مراد شاہ بابا کا جمعرات کو میلے کا سماں ہوتا ہے تہہ خانے والی زیارت جہاں ہر جمعرات کو اکٹھ ہوتی ہے۔ اور سید کریم شاہ بخاری جمعرات کو لوگ حاضری دینے جاتے ہیں حضرت قولنج بلوا کو دردوں کے ستائے لوگ جاکر صحت یاب ہوتے ہیں حضرت پیر اعاثب کو بے روزگاروں کا آسرا سلطان شاہ غازیؒ نزد قلعہ بالا حصار میں جمعرات کو میلہ ہوتاہے اور بیماروں کو شفا ملتی ہے۔ سید شاہ قلعہ بالا حصار کے اندر کی زیارت کہ حضرت اخون پنجو بابا کے استاد ہیں اور جس کی حاضری ہر مرض کی دوا ہے دا والی زیارت کہ جہاں بلوی کے مریض شفایاب ہوتے ہیں۔

"موکوں والی زیارت" نزد چله کالا جسم پر نکلے ہوئے کیل مہاسے اور موقعوں سے نجات ملتی ہے حضرت سید عبداللہ شاہ کہ جن کا سارا بنگالی مرید ہے اور اب بھی ویزا حاصل کر کے سینکڑوں مرید ہر سال آکر عرس میں شامل ہوتے ہیں اور بنگال کی بڑی بڑی شخصیتیں اس مزار کے احاطے میں دفن ہیں جنکے مزاروں پر بنگالی اور انگریزی زبانوں میں تحریریں لکھی ہیں۔حضرت سبز پیر صاحب چوک سبز پیر پشاور کے



پشاور میں زیارت موکوں والی سرکار

جہاں سر کے عارضے سے نجات ملتی ہے۔ قتل گاہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کہ جہاں تمام شیعہ قبائلی زیارت کو روزانہ آتے ہیں

زندہ دینی شخصیات میں اکثر صاحبان گدی ہیں جناب آغہ سید امیر شاہ گیلانی کہ نبیرہ حضرت میراں بادشاہؒ ہیں اور اب گدی پر فائز ہیں بے شمار مریدین ہیں اور تمام اہل پشاور احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آغہ سید باچا کہ حضرت سید ستار باچاؒ کے فرزند ہیں اور اپنے بابا کے مزار پر ہی ہوتے ہیں مریدین کا ایک جم غفیر رکھتے ہیں۔ آغا سید مظفر علی شاہ نبیرہ آغا پیر سید کریم شاہ بخاریؒ اب گدی نشین ہیں اور ایک وسیع حلقہ مریدین رکھتے ہیں' سید مستان شاہ باچا زندہ اولیاء پشاور میں انکا شمار ہوتا ہے' حضرت پیر صاحب مانکی شریف۔ حضرت پیر زکوڑی شریف۔ علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ۔ آغا سید عالم شاہ اول۔ آغا سید حیدر شاہ' اخونزادہ محمد اکبر روضہ خوان نبیرہ دیوانہ بابا بنیر کہ آجکل ان کے نواسے آخونزادہ مختار علی نیر ان کی گدی پر فائز ہیں۔ سید فضل علی شاہ رضوی ثانی آپ اپنے دادا حضرت آقائے سید فضل علی شاہ رضوی کے جانشین ہیں۔ آغا سید علی شاہ رضوی کہ آجکل ان کے نواسے سید قلب عباس شاہ ان کی گدی پر فائز ہیں۔ سید سجاد باچا بھی اپنے حلقہ معتقدین رکھتے ہیں۔

آپ نے اپنے بزرگ حضرت سید مستان شاہ باچا سے کسب فیض کیا۔ بڑی روحانی اور عالم شخصیت ہیں۔ حضرت سید مہدی شاہ جعفری کہ اپنے بابا حضرت سید ضیاء جعفری کے سجادہ نشین ہے اور ہر جمعرات مزار حضرت سید ضیاء جعفری پر ان کے حضور مریدین سلام کو حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ پشاور کی دینی شخصیات ادارہ تبلیغ الاسلام کے سربراہ جناب آغہ سید ظفر علی شاہ جو کہ موتمر عالم اسلامی کے صدر بھی ہیں' مولانا یعقوب القاسمی الازہری' مولانا اشرف علی قریشی' مولانا محمد ایوب بنوری' مولانا غلام علی زاہد' مولانا امیر بجلی گھر اور مولانا فیاض الرحمان بھی شامل ہیں۔

ڈبگری میں اصحاب بابا کا مزار

ڈبگری بازار پشاور میں غازی بابا کا مزار پشاور کی سرزمین میں ڈبگری بازار بہت قدیمی تاریخی مقام ہے۔اس بازار کے تقریباً ہر گلی کوچہ میں اللہ کے نیک بندوں کے مزار ہیں۔ایسے ہی مزاروں میں ایک قدیمی مزار غازی بابا کا مزار ہے۔مزار ایک چاردیواری کے اندر ہے۔مزار کے اوپر بیری کے درخت نے سایہ کر رکھا ہے۔حافظ شمس الدین آف گلیانہ گجرات کی تحریر کردہ قلمی کتاب انوار الشمس میں ڈبگری میں ایک اللہ کے پیغمبر کی نشاندہی کی ہے ان کا نام حضرت طینوش ہے۔ڈبگری میں یہی قدیمی مزار اللہ کے نبی کا ہے۔



پشاور ڈبگری بازار میں غازی بابا کا قدیمی مزار حافظ شمس الدین ان گلیانہ کی تحریر کردہ قلمی کتاب انوار شمس میں تحریر ہے کہ ڈبگری دروازہ کے قریب جو قدیمی مزار ہے صاحب مزار کا نام طینوش ہے

مسجد مہابت خان مغلیہ دور کا عظیم ورثہ



مسجد مہابت خان پشاور کے عالی شان گنبد و مینا۔

پشاور شہر میں مسجد مہابت خان مغلیہ دور کا عظیم شاہکار ہے۔ یہ مسجد پشاور کے مشہور بازار صرافان میں واقع ہے برصغیر پاک و ہند میں عہد سلاطین اور مغلوں کی تعمیر کردہ شاندار عمارتیں عموماً شہری علاقوں سے باہر تعمیر کی گئی ہیں۔ لاہور کی بادشاہی مسجد کے گردونواح آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اس مسجد کا حسن قائم ہے جامع مسجد دہلی جو مغل

شہنشاہ شاہ جہاں نے تعمیر کروائی۔ اس مسجد کو تعمیر کرتے وقت اس کے چاروں طرف بہت چوڑی سڑک تعمیر کی گئی ہے تاکہ مسجد کی انفرادیت قائم رہے پشاور کی مسجد مہابت کے چاروں طرف عمارتیں تعمیر ہونے کی وجہ سے یہ مسجد عمارتوں میں گم ہوگئی ہے۔ اس کی طرز تعمیر لاہور میں مغلیہ دور کی تعمیر کردہ مسجد وزیر خان سے ملتی جلتی ہے سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود مسجد کا حسن قائم دائم ہے راقم نے مسجد میں گھوم پھر کر مسجد مہابت کا مشاہدہ کیا واقعی مسجد مہابت خان اسلامی فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ مسجد مہابت خان کی بنیاد 1660 میں رکھی تھی اس وقت پشاور کے گورنر مہابت خان الوراسب تھے جو 1652 سے 1662 تک پشاور کے گورنر رہے۔ مسجد مہابت خان کا نام بھی انہی سے منسوب ہے۔ اس مسجد کی تاریخ پشاور پر حکومت کرنے والے کئی حکمرانوں سے وابستہ ہے۔ اس مسجد کی اصل خوبصورتی مغل اور افغان حکمرانوں کے دور میں قائم ہوئی۔ مغلوں کے بعد مسجد میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں جبکہ 1818 میں سکھوں کے ہاتھوں اس مسجد کو بے حد نقصان پہنچا۔ 1849 میں انگریز دور حکومت میں مسجد کی تزئین و آرائش کا کام ہوا لیکن مسجد مہابت خان کو دوسری بار اس وقت نقصان پہنچا جب مسجد کے ساتھ بازار میں آگ لگی جس کے بعد بیسویں صدی میں مسجد کی مکمل مرمت اور آرائش کی گئی۔ گورنر مہابت خان نے جب اس وسیع احاطے میں محیط مسجد کی تعمیر شروع کی تو اس وقت مسجد کے مشرق میں دریائے باڑہ گزرتا تھا جبکہ مسجد کے مغرب میں ہندوؤں کا مندر واقع تھا۔ دریائے باڑہ کے پانی کی موجوں سے مسجد کو محفوظ رکھنے کے لئے مشرقی اور جنوبی حصے میں مسجد کے نیچے ردائیں بنائی گئی تھیں۔ دریائے باڑہ میں سیلاب کی صورت میں پانی ان ردابوں میں جمع ہو جاتا اور بعد ازاں زمین دوز نالیوں سے پانی دوبارہ دریائے باڑہ میں چلا جاتا۔ مسجد کا کل رقبہ 24 ہزار 8 سو پچاس مربع فٹ ہے۔ جس میں صحن کا رقبہ 9 ہزار 8 سو 98 مربع فٹ ہے۔ مسجد کا صحن مغل آرٹ کا ایک شاہکار ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے لئے شمالاً، جنوباً دو بڑے

دروازے ہیں جبکہ مسجد کے عین وسط میں وضو کے لئے تالاب ہے جس کے تینوں اطراف اردگرد دینی طلبا کی رہائش گاہیں ہیں۔ مسجد کی چھت دیواریں اور دروازے مغلیہ دور کے فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسلامی تہذیب اور فن تعمیر کا عظیم شاہکار ہیں۔ مسجد کے ہال کی چھت سے پرانے طرز کے بڑے بڑے فانوس آج بھی محفوظ اور اصل حالت میں لٹکے دکھائی دیتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجد مہابت خان کی تعمیر میں استعمال ہونے والے سنگ مرمر اور اس کی دیواروں پر روغنی رنگوں سے بنائے جانے والے نقش و نگار کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہے۔ مسجد مہابت خان کی خستگی کا ایک سبب اس کا محل وقوع ہے۔ مسجد شہر کے انتہائی مصروف اور اہم کاروباری مراکز کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے ایک طرف صرافہ بازار ہے تو دوسری طرف اشرف روڈ کا مصروف کاروباری مرکز ہے۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاح مسلمانوں کے عہد رفتہ کی عظیم نشانی کو بڑے شوق سے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔



پشاور حافظ جی ہوٹل میں تکہ کباب تیار کرتے کرتے عمر بیت گئی آج بھی تکیہ کباب کی لذت برقرار ہے

ابوالبرکات حضرت سید حسن بادشاہؒ



وزیر باغ کے قریب سلطان المشائخ حضرت سید حسن شاہؒ کا مزار

پشاور شہر سے ایک سڑک مشہور قدیمی باغ وزیر باغ کی طرف جاتی ہے۔ اس سڑک کے کنارے حضرت سید حسن بادشاہؒ کا مزار ہے۔ مزار کے احاطہ میں لاتعداد اللہ کے نیک بندوں کے مزار ہیں۔ آپؒ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار پر سبز رنگ کا گنبد ہے۔ مزار کے جنوب کی طرف قدیمی مسجد بھی ہے۔ مسجد کے مشرق کی طرف پانی کا تالاب ہے۔ اس تالاب کے پانی میں شفاء ہے۔ بیمار بچوں کو غسل دینے سے بچے

صحت مند ہو جاتے ہیں ۔ آپ سلسلہ قادری کے بہت بڑے ولی اللہ اور درویش ہو گزرے ہیں ۔ آپؒ کے فیضان نظر سے کئی سیاہ دلوں نے رشد ہدایت پائی ۔ برصغیر میں سلسلہ قادریہ کو پروان چڑھایا ۔

آپ کا نام سید حسنؒ ہے مگر مختلف ممالک میں آپ مختلف ناموں سے مشہور ہیں ۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ کو سید حسن علاقہ ہائے کشمیر و پونچھ میں شاہ ابوالحسن اور صوبہ سرحد میں سید حسن بادشاہؒ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے ۔ اہل پشاور آپ کو از راہ خلوص وعقیدت "میراں سرکار" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ آپ کا گھر علم و حکمت اور تصوف و عرفان الٰہی کا دارالعلوم تھا ۔ آپ نے چھوٹی عمر میں ہی (یعنی سولہ برس کی عمر میں) جملہ علوم درسیہ کی تکمیل کر لی ۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ فکر ریاضت و مجاہدہ کے لئے دریائے شور تشریف لے گئے اور مسلسل سات برس کا چلہ کاٹا اور تمام دن اس پانی کے کنارے پر بیٹھے رہتے ۔ رات پانی میں گزارتے اکثر شہروں میں بزرگان کی خدمت میں رہ کر چلے کاٹے ۔ تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان کے کونے کونے میں پھرنے کے لئے نکلے ۔ جب کہ مسافر کو آج کی سہولتیں میسر نہ تھیں ۔ تقریباً تمام سفر پیدل کیا ۔ تاریکی کو روشنی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ خشک اور بنجر زمین کو پانی کی اشد حاجت ہوتی ہے ۔ جہاں بھی ایسے بابرکت حضرات پہنچتے ہیں وہاں سے تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں ۔ کفر کا دور ختم ہو جاتا ہے ۔ ان حضرات کے وجود کی برکت سے اس وطن کے رہنے والوں کو رحمت الٰہی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے ۔ وہی سرزمین جہاں کفر اور بت پرستی کا دور دورہ تھا آپ وہاں تبلیغ کا کام کرتے ۔ نتیجہ کے طور پر ہزار ہا لوگ آپ کے دست حق پرست پر توبہ کر کے داخل اسلام ہوئے ۔ آپ کی کوششوں سے اسلام کو اتنی ترقی ہوئی کہ ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے ۔ صرف کاٹھیاوار گجرات کے علاقہ میں دو سو پچاس مسجدیں تعمیر کیں اور پانچ خلفاء مقرر کئے ۔ گجرات سے ہوتے ہوئے "شاہ جہاں آباد" تشریف لائے وہاں پر بھی اسی نہج سے تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں ۔ تبلیغ کرتے کرتے پنجاب پہنچے ۔

لاہور میں قیام فرمایا مگر وہاں بھی آپ مستقل نہ ٹھہر سکے۔ آپ کو سرکار بغداد سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف سے پشاور میں رہ کر کشمیر، ہزارہ، کابل، غزنی اور ہرات تک تبلیغ کرنے کا حکم تھا۔ ۱۰۸۲ھ میں آپ پشاور پہنچے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آپ کو امر فرمایا کہ اے بیٹا! یہ تیرے رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں اقامت اختیار کرو۔ بڑے بڑے سرداراور ارباب بھی آنے لگے آپ نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ لنگر جاری کر دیا۔ چونکہ تمام علاقوں میں آپ نے تبلیغ کا کام کرنا تھا لہذا آپ نے اس تمام علاقے کا مرکز پشاور کو بنایا اور تبلیغی سفر کے لئے نکلے۔ آپ نے ۱۰۸۹ھ میں جناب عنایت اللہ صاحب گجراتی (پنجاب) کو صاحب مجاز کر کے یہاں کی خانقاہ کی تعلیم و تربیت کا تمام کام سپرد کر کے خود براستہ دھموڑ پکھلی، ہزارہ کشمیر روانہ ہوئے۔

آپ چھ ماہ کشمیر رہے۔ تبلیغ، سخاوت لنگر جاری کیا۔ سینکڑوں غربا، فقراء، عاجز، مسافر اور بے وسیلہ لوگوں کی خدمت کی۔ آپ کے لنگر سے چھ سو آدمی روزانہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے اور جو مفلوک الحال ہوتے ان کو کپڑا بھی عنایت فرماتے۔ آپؒ کا اپنا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی نوازشیں کی ہیں کہ اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو کر مجھ سے نفقہ طلب کریں تو سب کو دوں اور کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ آپ نے واپسی کا قصد فرمایا اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی حضرت ابوالمکارم سید شاہ محمد فاضلؒ کو خلافت عطا فرما کر کشمیر میں مریدین کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لئے مقرر فرما کر پشاور واپس ہوئے۔ کشمیر سے واپس پشاور پہنچ کر چند ماہ آرام فرمایا اور پھر کابل کے سفر کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے کابل کا سفر تین بار کیا۔ ان تینوں سفروں میں صوفیاء علما، مشائخ اور فقراء سے ملتے رہے۔ ہزار ہا تشنگان ہدایت کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے عرفان الہیٰ سے سیراب کیا۔ سرزمین سرحد پنجاب، افغانستان اور کشمیر کے گوشہ گوشہ میں آپ کی روحانی تعلیم کے چشمے ابل رہے ہیں اور لوگ ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

ایک بار گورنر کابل نواب امیر خاں نے اورنگ زیب عالمگیر سے آپ کے

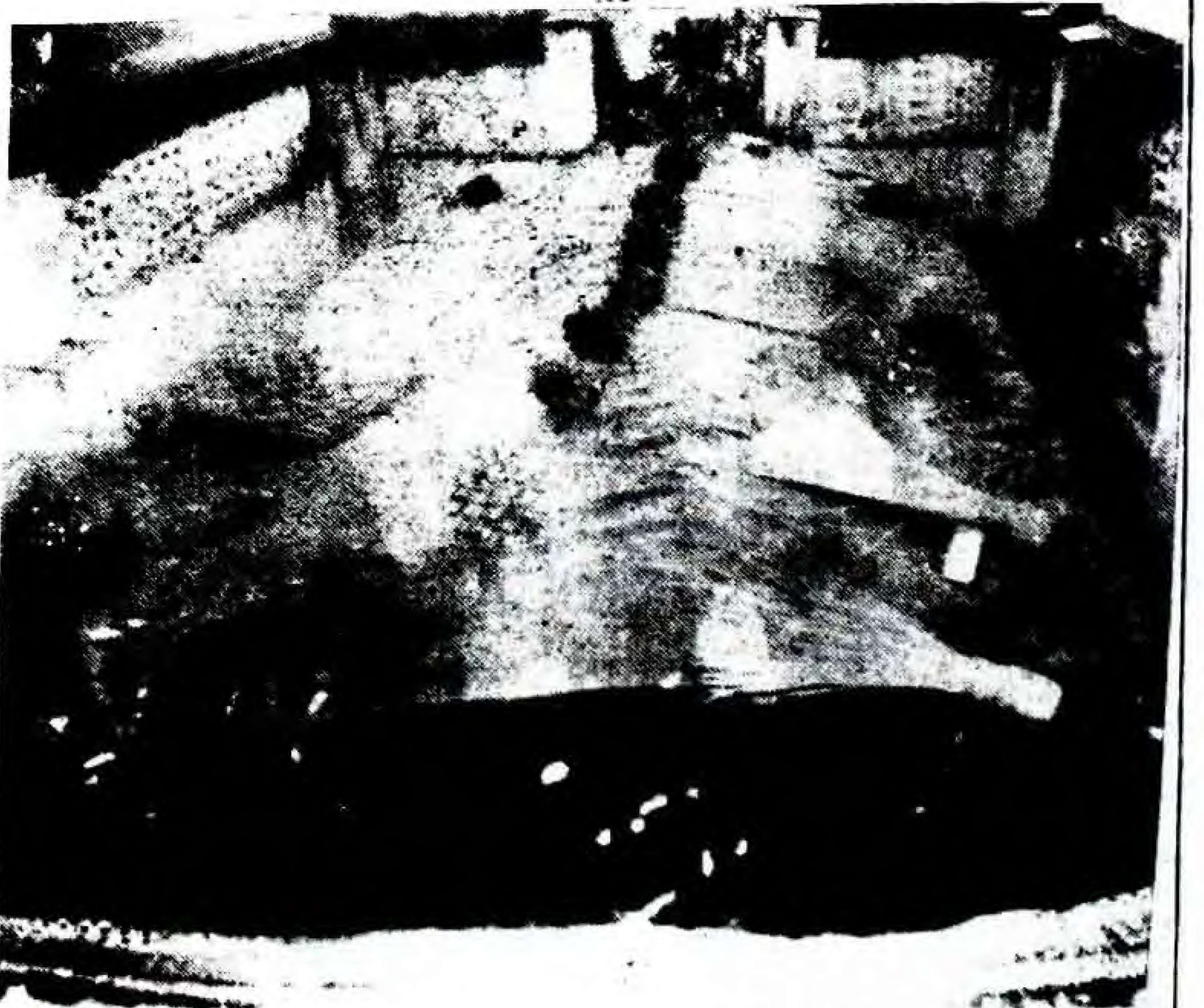
فرزند جناب حضرت سید شاہ محمد غوثؒ کے نام قطعہ ارضی کا فرمان لکھوا کر حضرت سید حسنؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہ فرمان واپس کر دیا اور گورنر کابل کو نصیحت فرمائی کہ ان لوگوں کو جو محتاج اور ضرورت مند ہیں یہ زمین دے دو تا کہ وہ زندگی بسر کر سکیں۔ جب حضرت ابوالبرکات سید حسنؒ کا انتقال ہوا تو ہر گاؤں اور ہر شہر سے لوگ آئے۔ ان میں وہ لوگ بھی آئے جن کے آپ قرض دار بھی تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ فرماتے ہیں کہ جب اس قسم کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے تو میں نے خیال کیا کہ یہ حضرت اپنے قرضے کی وصولی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہم نے سید حسن صاحبؒ کی شدت علالت کے متعلق سنا تو ہمیں خیال ہوا کہ اگر حضور کا انتقال ہو گیا تو ہمارے قرض کا کیا بنے گا؟ ہم سب نے فیصلہ کیا کہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کریں گے جب رات ہوئی تو چند اشخاص جن کے ہاتھوں میں مشعل تھیں نمودار ہوئے۔ ان کی جیبیں اشرفیوں اور روپوں سے بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ حساب کر دو تا کہ حضور سید حسنؒ کا قرضہ ہم ادا کر دیں۔ انہوں نے ہر ایک کا قرضہ چکا دیا۔ جب اس بھری مجلس نے یہ واقعہ سنا تو سب زار وقطار رونے لگے۔ حضرت سید بادشاہ صاحب گیلانی قادری نے ۲۱ رذیقعدہ ۱۱۱۵ھ بوقت عصر وفات پائی۔ آپ کا مزار پشاور میں وزیر باغ کے قریب مرجع خاص و عام ہے۔



پشاور میں ابوالبرکات حضرت سید حسن بادشاہ کے مزار کے ساتھ قدیمی مسجد جس کے مینار نہیں ہیں

اولیائے پشاور شہر

پشاور قدیمی شہر ہونے کی وجہ سے اولیائے کرام کا گہوارہ ہے۔ وسطی ریاستوں افغانستان سے ارشد ہدایت کے لئے آنے والے اللہ کے نیک بندوں نے یہاں قیام کیا اور یہی کے ہو کر رہ گئے چانچہ چار نومبر سال دو ہزار دو کو ان اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دی آستانہ عالیہ سدرہ شریف ڈیرہ اسمٰعیل کے خلفیہ مجاز غلام رسول قادری اور چوہدری امتیاز احمد کی قیادت پر سب سے پہلے دلہ زاک موڑ پر حضرت پیر غائب کے مزار پر حاضری دی قدیمی مزار ہے چار دیواری کے علاوہ مزار پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ صاحب مزار کی تاریخ کے بارے کسی کو کوئی علم نہیں ہے غلام رسول قادری پشاور کے اولیائے کرام کے بارے بہت زیادہ معلومات کے رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ رسول پیر بخاری اور ان کے والد کریم شاہ بخاری کے مزارات پر راقم کی حاضری کروائی یہ مزار محلہ گڑھی ماچھیاں اندرونی



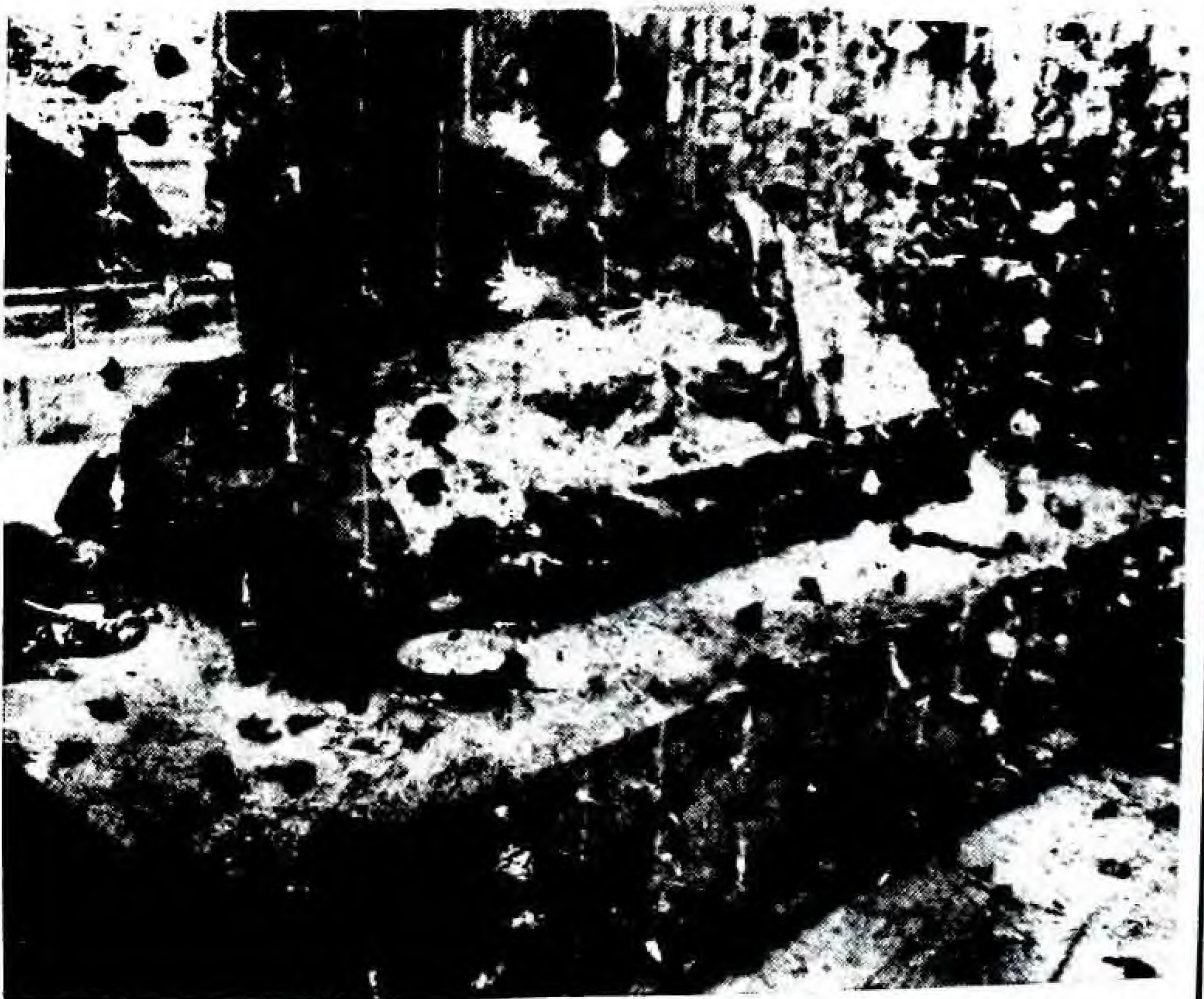
پشاور میں دلہ زاک روڈ پر حضرت پیر غائب باباؒ کا مزار



پشاور میں بہلول دانا کا مزار

ہشتنگری میں ہے دونوں مزار پختہ اور شاندار انداز میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ مزار کے باہر آپ کے خدمت گزار سخی بھور سلطان کا مزار ہے۔ حضرت پیر سید گلاب شاہ کا مزار محلہ پیر سید گلاب میں ہے یہ محلہ آپ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ حضرت کریم شاہ بخاری کے والد اور حضرت شاہ رسول کے دادا ہیں ہشتنگری سے کریم پورہ بازار سے گزرتے ہوئے کوچہ چکہ گلی میں بہلول دانا کے مزار پر حاضری دی مزار کے خادم دیوان شاہ نے بتایا کہ وہ عرصہ سے مزار حضرت بہلول دانا کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کا سلسلہ قلندری ہے بخارہ سے تشریف لائے تھے بہلول دانا کے بارے کئی روایات مشہور ہیں حضرت بہلول دانا اللہ کے نیک بندے گزرے ہیں دین اسلام کی ترویج کی ترقی کے لئے انہوں نے اس خطہ میں بڑا کام کیا۔ بیرون یکہ توت حضرت عفیف الدین الجیلانی کے مزار پر حاضری دی جو غوث الاعظم کی اولاد سے ہیں یکہ توت قبرستان میں آپ کا مزات شاندار اور بہت خوبصورت

انداز میں تعمیر کیا گیا ہے بیرون یکہ توت میں حضرت اقاء میر جانی شاہ کا مزار اہلِ پشاور کی عقیدتوں کا مرکز ہے۔ آستانہ کے سجادہ نشین یاور عباس المعروف سید چمن آغا سے ملاقات ہوئی۔ تصوف اور معرمت کے موضوع پر کافی دیر تک آپ سے گفتگو ہوتی رہی۔ آپ کو دنیائے روحانیت ورثہ میں ملی ہے اندرون آسیہ گیٹ حضرت سید امام شاہ بخاریؒ کا مزار بھی شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے یہاں پر حاضری کے بعد ڈبگری کے علاقہ میں شاہ ڈھنڈ نام کے مزار پر عرس منایا جارہا تھا آپ کے مزار کے سر کی جانب فارسی میں تحریر شدہ کتبہ نصب ہے مزار کے متولی جہانگیر احمد محلہ ڈھانڈیاں اندرون آسیہ گیٹ ڈبگری پشاور نے لنگر کا اہتمام کیا۔ پشاوری پلاؤ کی خوشبو پورے بازار میں پھیلی ہوئی تھی۔ مزار پر فارسی میں تحریر شدہ نصب کتبہ قدوۃ ارباب دانش زہد اصحاب ہوش اختر رج سعادت کو ہر درج جبا۔ خواجہ من نگہدار ابروے گدے خویش۔ انکہ جوئے دیگراں برنگند یار را۔ از چمن تو رستہ ام قطرہ



پشاور اندرون آسیہ گیٹ شاہ ڈھنڈ کا مزار



پشاور میں حضرت سید احمد شاہ بخاریؒ بت شکن کا مزار

جنبے بہ بخش خاطر غنچہ واشد کم نشود در جوئے تو۔ محمد رفیق خان طیب راولپنڈی بیرون ڈھگری گیٹ حضرت ستار شاہؒ جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف بھارت کے نائب ہو گزرے ہیں آپ کے مزار پر نصب تختی پر یہ عبارت تحریر ہے مرکز تجلیات محبوب سلطان الہند۔ غریب نواز سید عبدالستار شاہ بادشاہ۔ حسینی ترمذی چشتی نظامی نیازی۔ رفت از دینا امام الاولیاء۔ واصل حق شد سید خلیل مرتضٰی ان مجد دمظہر حق بینواء 21 جولائی 1954ء ظفر چشتی خادم درگاہ حضرت شاہ ستار نے بتایا اجمیر شریف بلند دروازہ پر ہر سال 25 جمادی الثانی نشان مبارک ستار بادشاہ لہرایا جاتا ہے۔ جنتی دروازہ پر آپ کا نام درج ہے حضرت ستار شاہ بادشاہؒ کے مزار کے قریب آپ کے پہلے سجادہ نشین سید واقف شاہ بادشاہؒ کا مزار ہے جنھوں نے 41 سال خدمت کی آپ کا وصال 29 جنوری 1995ء کو ہوا۔ سید محمد حکیم شاہ موجودہ سجادہ نشین ہیں وزیر باغ کے قریب حضرت سید حسین بادشاہ کا شاندار مزار ہے

آپ حضرت شاہ محمد غوثؒ کے سلسلہ سے ہیں سید مقرب شاہ آستانہ کے سجادہ نشین ہیں۔
حضرت شاہ ولی قتال المعروف حضرت سید احمد شاہ بخاری بت شکن آپ کا مزار قصہ خوانی بازار میں کوچہ شاہ ولی قتال میں ہے۔اس محلہ کے قریب پشاور میں سب سے قدیمی درگاہ شمس الملت والدین خواجہ خواجگان حضرت خواجہ شیخ شمس الدین چشتی ناگوری المعروف خواجہ شہید مرد وصال 667ھ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ فقیر محمد المعروف شاہ ولی المتوفی 611ھ خیبر ایجنسی پشاور مرید خلیفہ حضرت خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری پر حاضری دی۔ان کے مزار کے قریب حضرت جیو صاحبؒ کے مزار پر بھی حاضری دی۔
حضرت شاہ قبول اولیاءؒ پشاور کے ان اولیاء میں سے ہیں جن کی شہرت پشاور سے باہر پورے پاکستان بلکہ دوسرے ممالک میں ہے حضرت سرکار میراں بادشاہ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں آپ کے بزرگ عرب اور ایران سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے پھر پشاور میں ہی آباد ہو گئے۔مریدین کا حلقہ پشاور کے علاوہ پنجاب، سندھ تک پھیلا ہوا ہے حضرت شیخ جنید باباؒ کا مزار لاہوری دروازہ کے باہر ہے بہت بڑے ولی اللہ درویش ہو گزرے ہیں آپ کے مزار پر دن رات زائرین حاضری دیتے رہتے ہیں حضرت شادی پیرؒ جن کا مزار چوک شادی پیر میں ہے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں حضرت سید فضل حق صاحبزادہ آپ حضرت جی بابا اٹک والوں کے اُستاد بتائے جاتے ہیں اُن کے علاوہ حضرت پیر دست بہ دست حضرت آغا سید ضیاء جعفریؒ، حضرت شیخ حبیب بنگال گھٹالی حضرت بری شاہ لطیف یہ مقام پشاور گور گٹھڑی کے مشرقی دروازے کے قریب ہے عرس حضرت بری شاہ لطیف کے موقع پر یہاں سے ڈالی روانہ ہوتی ہے راستہ میں آٹھ مقام پر قیام کے بعد آٹھ روز میں یہ لوگ درگاہ حضرت بری شاہ لطیف پر پہنچتے ہیں۔حضرت نخی شاہ مردان آپ کا مزار علاقہ ڈیگری میں ہے مغل شہنشاہ ہمایوں کے پیر تھے آپ کے تابوت کے اوپر حضرت علیؓ کا نیزہ رکھ کر بہترین مزار تعمیر کیا گیا ہے جو مغل طرز تعمیر کی عکاسی

با عزت بزرگ تھے۔ آپؒ کے جد امجد افغانستان سے سوات آ کر موجودہ پیر خانہ تحصیل الپوری میں مقیم ہوئے۔ یہاں آپ کے اہل وعیال نے بھی اپنے جدّ اعلیٰ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سخاوت علمیت اور بزرگی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ ابتدائی دینی تعلیم فارسی اور عربی اپنے گھر میں اپنے والد محترم اور اس وقت کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم چارسدہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ عشق الٰہی آپکی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا آپ کو بزرگان دین کی صحبت میں وقت گزارنے کا بہت شوق تھا جب اس شوق نے شدت اختیار کی تو آپؒ نے عرفان حق کی تلاش میں طویل سفر فرمایا۔ دہلی میں اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت علی شاہ چشتی نظامیؒ سے بیعت کی اور مرشد کی ہدایت پر تزکیہ نفس اور باطنی تعلیم کے لئے اجمیر شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سلطان الہند کے مزار پر انوار پر چودہ سال تک مجاہدوں اور عبادت الٰہی میں معروف رہے۔ اس دوران سات سال تک آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہی۔ پھر دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی کے مزار پر تشریف لے گئے جہاں شب وروز عبادت کر کے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بشارت پر آپؒ نے رشد وہدایت کے لئے لوگوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس طرح ایک عالم کو آپؒ نے روحانی فیض سے بہرہ ور کیا۔ آپؒ نے راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست دکھانے کے لئے اندرون ملک اور بیرون ملک کے دشوار گزار ریگستانوں، پہاڑوں اور جنگلوں کے پر خطر راستوں پر پیدل سفر طے کیا۔ آپؒ چلہ کشی کے دوران کئی کئی مہینوں تک غذا کا ایک لقمہ تک نہ کھاتے۔ آپؒ جاذب نظر اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ جو عقیدت مند آپؒ سے ملتا اپنے مقصد کے حصول میں ایک انوکھا جوش وخروش محسوس کرتا آخر کار بفضل خدا کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا اور ساتھ ہی یہ بھی محسوس کرتا کہ بابا جی اسے سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ صاحب حال بزرگوں کی محبت اور ان کی تعلیمات کو زندگی میں مشعل راہ بنا لینے سے روز مرّہ کے معاملات میں اطمینان محسوس ہوتا ہے اور قلب کی سیاہی دور ہو جاتی ہے۔ انہوں نے پوری زندگی دکھی انسانیت

کی خدمت میں بسر کی۔ ان کے ہزاروں مریدین پاکستان، بنگلہ دیش، آزاد ریاست جموں وکشمیر اور مشرق وسطی بنگال میں بہت زیادہ ہیں۔ غیر مسلموں نے ان کی صحبت میں رہ کر اسلام قبول کیا۔ آپ نہایت شفیق طبیعت کے مالک تھے جو ملاقاتی ایک مرتبہ آپؒ سے شرف ملاقات حاصل کرتا وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپؒ خود نمائی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اکثر فرماتے فقیری ظاہری لباس اوڑھ لینے یا اپنے متعلق فقیر ہونے کا دعویٰ کرنے کا نام نہیں اسکا تعلق براہ راست انسانی قلب سے ہے۔ فقیری میدان میں قدم رکھنے والا شخص ظاہری باتوں کی مدد سے اپنا آپ منوانے کی کوشش نہیں کرتا۔ آپ چلہ کشی کے دوران کئی کئی مہینے ماسوائے شربت کے کچھ بھی استعمال نہ کرتے اور اکثر تلقین فرماتے کہ آخرت کو سدھارنے کا واحد یہی طریقہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات پر سختی سے عمل کریں۔ مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے۔ آپ نے ساری زندگی صبر وشکر، توکل وقناعت، زہد وتقویٰ، ریاضت وعبادت اور انکساری میں گزاری۔ آپؒ نے اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو ہمیشہ یہ تلقین فرماتے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے مت جھکو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف دل میں نہ رکھو۔ اتباع رسول ﷺ میں قوت ارادی اور پورے خلوص کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ہر کسی کے ساتھ حسن سلوک اور محبت سے پیش آؤ۔ کسی کا راز فاش مت کرو۔ کسی کی عیب جوئی نہ کرو۔ کسی کا دل مت دکھاؤ۔ حرام سے بچو۔ ہمیشہ حلال کی تلاش میں رہو۔ پاکستان قائم ہونے پر آپ نے زندگی کا زیادہ حصہ کراچی میں بسر کیا اور اہلیان کراچی کو روحانی فیض سے خوب نوازا۔ کراچی سے پشاور صوبہ سرحد میں لوگوں کی کثیر تعداد آپ کے علمی اور روحانی فیض سے پوری طرح واقف ہے۔ حضرت خواجہ عبدالشکور ملنگ باباؒ نے 21 اکتوبر 1976ء بمطابق ۴ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ بروز بدھ بوقت ۹ بجے صبح بمقام احاطہ درگاہ حضرت پیر سبز بخاریؒ بیرون قلعہ بالا حصار پشاور دائی اجل کو لبیک کہا۔ ہر سال ۴۔۵۔۶ شوال کو نہایت تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا عرس مبارک منایا جاتا ہے۔

مزار حضرت اگاؒ



حضرت اگا کا مزار پشاور کے کسٹم ہاؤس کے نزدیک ہے۔ پشاور صدر ریلوے اسٹیشن کے لنڈی کوتل جانے والی ریلوے لائن قریب سے گزرتی ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں پرانی گزرگاہ تھی۔ مزار کے قریب چھوٹا سا قدیمی قبرستان ہے۔ قریب کسی تباہ شدہ بستی کے آثار ملتے ہیں۔ مقامی آبادی کے لوگوں نے بتایا حضرت اگاؒ رشد ہدایت کے لئے افغانستان کے کسی شہر سے آئے تھے۔ تقریباً پانچ سو سال قبل اس علاقہ میں آئے یہیں پر ان کا وصال ہوا۔ عقیدت مندوں نے مزار پختہ تعمیر کروایا ہے۔ گردونواح قدیمی مزار ہیں۔

قبائلی علاقہ جات


نقشہ قبائلی علاقہ جات

قبائلی علاقہ جات تاریخ کے آئینے میں

راقم دوران سفر قبائلی علاقوں میں جہاں بھی گیا ان لوگوں نے مہمان نوازی کی مثال قائم کروائی چھوٹا بڑا جو بھی ملتا گلے ملتا کھانے چائے کی پیشکش کرتا بلکہ اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت دیتا راہنمائی کیلئے پورا ساتھ دیتا یہ خوبی اللہ تعالیٰ نے قبائلیوں میں کوٹ کوٹ کر بھر رکھی ہے۔

صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے دشوار گزار پہاڑوں پر مشتمل ہیں یہ علاقہ جہالت پسماندگی اور غربت سے دوچار ہے ڈاکٹر محمد نواز خان مسعود کے مطابق شمال مغربی صوبہ سرحد ۳۱ اور ۳۶ ڈگری کے درمیان شمالاً عرض البلد اور ۶۹ اور ۷۴ ڈگری شرقاً طول البلد کے درمیان واقع ہے۔ اسکی لمبائی ۴۰۸ میل اور چوڑائی ۲۷۹ میل ہے۔ کل رقبہ ۳۸۶۶۵ مربع میل ہے۔ اس کے شمال میں باجوڑ سے لیکر جنوب میں وزیرستان تک پھیلی ہوئی پاک افغان سرحد (ڈیورنڈ لائن) کے اس طرف واقع وسیع علاقے کو فیڈرل ایڈمنسٹرڈ ٹرائبل ایریا (فاٹا) کہتے ہیں۔ یہ علاقہ جات سات اضلاع (ایجنسیوں) پر مشتمل ہیں۔ پشاور، کوہاٹ، بنوں، ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان کے اضلاع میں سکونت پذیر قبائلی علاقوں کو فرنٹیئر ریجنز (ایف آر) کہتے ہیں۔ ایجنسیوں اور ایف آر میں کوئی فرق نہیں ہے صرف انتظامی سہولیات کی خاطر ان علاقہ جات کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایجنسیوں کے انتظامی سربراہ پولیٹیکل ایجنٹ ہوتے ہیں جبکہ ایف آر کے انتظامی اختیارات متعلقہ اضلاع کے ڈپٹی کمشنر کے پاس ہوتے ہیں۔ فاٹا کا کل رقبہ ۲۲۴، ۲۷ مربع کلومیٹر ہے جس میں ۱۳۰.۵ مربع کلومیٹر ایف آر کا علاقہ بھی شامل ہے۔ یہ علاقے شمال میں کوہ ہندوکش اور جنوب میں کوہ سلیمان کے درمیان سطح مرتفع سمندر سے ۶۱۰ اور ۱۲۳۴ میٹر کے درمیان بلندی پر واقع ہیں۔ کل رقبے میں سے ۵۱۸۰ مربع کلومیٹر جو بمشکل ایک نسبت چھ بنتا ہے میدانی علاقہ ہے، باقی سارا پہاڑی علاقہ ہے۔ آب و ہوا موسم سرما میں سخت سرد جبکہ موسم گرما میں خوشگوار ہوتی ہے۔ سالانہ اوسطاً بارش ۲۰۵ اور ۹۰ ملی میٹر کے درمیان ہوتی ہے۔ ننانوے فیصد لوگ خالص دیہاتی طرز زندگی گزار رہے ہیں۔ شرح تعلیم صرف سات فیصد ہے۔ اب تک

اور معاشی لحاظ سے نظر انداز ہونے کی وجہ سے معیار زندگی انتہائی پسماندہ ہے۔ فی کس آمدنی کی شرح انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ ۹۸۔۱۹۹۷ء کے سرکاری اعدادوشمار کے مطابق قبائل کی کل آبادی 3137863 ہے حالانکہ جلدی اور بے قاعدگی سے درج کئے گئے ووٹ تقریباً ۱۷ لاکھ ہیں جو بہت کم ہیں اوران میں اکثر خواتین کے ووٹ شامل نہیں ہیں۔ فاٹا کی اصل آبادی جاننے کیلئے صحیح مردم شماری ضروری ہے۔

۱۸۴۹ء میں پنجاب میں سکھوں کو شکست دینے کے بعد انگریزوں نے سرحدی قبائل کا رُخ کیا۔ پہلے یہاں معاملات طے کرنے یا مشتعل گروپوں کو گرفت میں لانے کیلئے کوئی ایجنسی نہیں تھی۔ کچھ عرصہ تک یہاں کے معاملات نمٹانے کی ذمہ داری ریذیڈنٹ یا متعلقہ اضلاع کے ڈپٹی کمشنر کو دی گئی۔ ۱۸۷۸ء میں دوسری افغان جنگ کے دوران پہلی دفعہ خیبر ایجنسی کے لئے پولیٹیکل آفیسر کی تعیناتی عمل میں لائی گئی۔ ۱۸۹۲ء میں کرم کو ایجنسی کا درجہ دیا گیا۔ ۹۶۔۱۸۹۵ء میں مالاکنڈ (اب سرکاری علاقہ میں شامل ہے) اور شمالی وجنوبی وزیرستان ایجنسیوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ۱۹۰۱ء میں سرحد کو پنجاب سے الگ کر کے شمال مغربی سرحدی صوبے کے نام سے الگ صوبے کا درجہ دیا گیا اور قبائلی علاقہ جات کے لئے چیف کمشنر کو انتظامی سربراہ مقرر کر کے ان علاقوں کو پنجاب کی بجائے براہ راست مرکز کے ماتحت کر دیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہاں کی انتظامی، سیاسی اور ترقیاتی صورتحال میں کوئی مثبت تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ تاہم تین نئی ایجنسیاں مہمند ۱۹۵۱ء میں باجوڑ اور اورکزئی ایجنسیاں ۱۹۷۳ء میں قائم ہوگئیں۔ فاٹا کا انتظامی سربراہ گورنر سرحد ہے۔ جو صدر کا ایجنٹ اور وفاق کا نمائندہ ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ان علاقہ جات میں متعین افواج واپس بلوائی گئیں۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں تمام قبائل نے کھلے عام جلسوں (جرگوں) میں پاکستان کے ساتھ غیر مشروط وفاداری کا اعلان کیا۔ ان علاقوں کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں مخصوص لوگ (ملک حضرات) کو برائے نام نمائندگی کا حق دیا گیا تھا۔ اور پورے پچاس سال بعد ۱۹۹۷ء کے عام انتخابات میں فاٹا کو پہلی بار حق بالغ رائے دہی دیا گیا۔ اس علاقہ کو بہت زیادہ سہولتیں دی گئی ہیں۔

پہاڑوں کے دامن میں قبائلی علاقے

قبائلی علاقے پاکستان اور افغانستان کی سرحد کے اطراف میں وسیع وعریض رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں لیکن دوران سفر قدم قدم پر مسافروں اور گاڑیوں کی چیکنگ کا سلسلہ جاری رہتا ہے حکومت پاکستان کی طرف سے قبائلی علاقوں کو ہر قسم کی سہولت دی گئی ہے لیکن یہاں کے بسنے والے لوگ ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنٰی ہیں۔ ہر کمرہ میں اے سی، سردیوں میں پانی کی ٹینکیوں میں بجلی کے راڈ اور ہیٹر کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے اتنی زیادہ بجلی استعمال کرنے کے باوجود بجلی کا بل وغیرہ ادا نہیں کرتے۔ یہاں کے لوگوں کے اپنے رسم ورواج ہیں۔ان کا اپنا قانون جرگہ سسٹم ہے۔اپنی تہذیب وتاریخ کے اعتبار سے یہ علاقہ انتہائی پراسرار ہے۔ افغانوں، مغلوں، سکھوں اور پھر انگریزوں کی عملداری میں رہنے کے باوجود یہ سرزمین اپنی منفرد شناخت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ تہذیب وتمدن کے ہزاروں برس قدیم نمونے آج بھی یہاں اپنی حقیقی حالت میں نظر آتے ہیں۔خاص طور پر گندھارا اور بدھ تہذیب کے آثار۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی وقت یہ علاقہ خاص طور پر بدھ تہذیب کا نہایت اہم مسکن رہا ہے۔ دیگر تہذیبوں کے علاوہ اہم ترین بات یہ ہے کہ یہاں قدیم اسلامی معاشرت کے آثار بھی بہت واضح ہیں۔ یہاں کے لوگ نسلی طور پر آریائی ہیں لیکن اسلامی مزاج ان کی روزمرہ زندگی کا اہم نمونہ ہے۔ باوجود اس کے کہ یہاں چند ایک قبیح رسومات آج بھی ہیں پھر بھی اس میں اسلامی تہذیب کا رنگ نمایاں ہے۔

سیاسی تاریخ بتاتی ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقہ جات کو دستور میں آئینی حیثیت حاصل ہے۔سابقہ دساتیر میں بھی ان کو آئینی طور پر تسلیم کیا گیا تھا تاہم ان پر پاکستان کے

کسی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ ان کے اپنے رسم ورواج وقوانین ہیں یہ لوگ آج سے نہیں گزشتہ 800 سال سے آزاد ہیں۔ان کی یلغار سے عہد وسطی میں ہندوستان میں بڑی انقلابی تبدیلیاں آئیں۔ان ہی کے لوگ 1857ء کی جنگ آزادی بھی لڑے۔ یہاں کے لوگوں میں جتنی ذہانت،فراست،جرأت،دیانت اور علم ومذہب سے لگاؤ ہے اتنی ہی یہاں پر غربت،افلاس،لاعلمی اور پسماندگی ہے۔

یہ لوگ طویل عرصے تک ریاستی اداروں کے بغیر ایک اجتماعی معاشرے میں اپنے ثقافتی اور تہذیبی رویوں اور اپنے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں کے تحت زندگی گزارتے رہے۔ان لوگوں نے اپنے آباؤاجداد کے حوالے سے قبیلے اور پھر ان کی شاخیں بنالیں اس طرح ایک قبائلی معاشرہ تشکیل پایا۔ یہ قوم 400 قبائل پر مشتمل ہے۔محمد غوری شاہ ہند کے عہد سے یہ لوگ ہندوستان میں وارد ہونا شروع ہوئے۔غوری، تغلق، خلجی،لودھی اور سوری ان کے مشہور حکمران گزرے ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے اور آباد ہوتے رہے۔ یوسف زئی پٹھانوں کا گروہ 17 ویں صدی میں ہندوستان آیا جو کہ روہیلہ پٹھان کہلاتا ہے۔ ان روہیلے پٹھانوں میں ہی جنرل بخت خان تھا جو کہ جنگ آزادی میں سپہ سالار اعظم تھا۔ان کے مشہور قبائل میں یوسف زئی،آفریدی،بنگش،خٹک، مہمند،وزیر،احمد زئی،کاکڑ اور ترین ہیں۔یوں تو یہ قبائلی بابر اور ہمایوں سے بھی لڑتے رہے مگر ان لوگوں کی سب سے بڑی ٹکر مغل شہنشاہ اکبر کے ساتھ ہوئی۔اکبر نے راجپوتوں کی تسخیر کے بعد ان کو مفتوح بنانے کی کوشش کی مگر اس کی فوج کی آمد سے قبل ہی انہوں نے مورچہ بندی کرلی۔دیر اور سوات کے افغانوں نے جو یوسف زئی قبیلے پر مشتمل تھے مغل فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔اس جنگ میں راجہ بیربل سپہ سالار مغل فوج مارا گیا اور ہزاروں مغل فوجی کام آگئے۔اسطرح قبائلیوں نے اپنی آزادی اور نظام کا تحفظ کیا۔اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہجہاں نے بھی اس علاقے پر یلغار کی مگر ناکام رہے۔دوسرا بڑا مقابلہ اورنگزیب کے عہد میں ہوا۔اورنگزیب نے خٹک قبیلے پر یلغار کی۔اس پر خٹک قبیلے کے دشمن یوسف زئی

قبیلے نے پرانی رنجش بھلا کر خٹک قبیلے کو پناہ دی اور اورنگزیب کا مقابلہ کیا اس جنگ میں مغل فوج تباہ ہو کر رہ گئی جس کے بعد آئندہ کی بادشاہ نے حملے نہیں کئے۔ انگریزوں نے ہندوستان آمد کے بعد اس علاقے پر نظریں ڈالیں تو قبائلیوں نے انگریزوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ جلال آباد میں ان کا جو قتل عام ہوا اس سے سارے انگریز تھرا اُٹھے اور 1842ء میں افواج واپس بلا لیں اسی صدی کی چھٹی دہائی میں انگریزوں نے پھر سے حملہ کیا اور موجودہ طورخم تک کے علاقے پر اپنی عملداری قائم کر لی تب سے لے کر 1947ء تک جتنا شدید مقابلہ انگریزوں کو یہاں کرنا پڑا اتنا شاید ہی ہندوستان کے کسی علاقے میں کرنا پڑا ہو۔ آج بھی فاٹا اور پشاور کے مختلف علاقوں میں ان قبائلی مجاہدین کی شجاعت اور انگریزوں کی ہزیمت کی یادگاریں جگہ جگہ قائم ہیں۔ یہ قبائلی اپنے علاقوں میں انگریزوں کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 1839ء سے 1947ء تک مؤرخین اور محققین کے مطابق کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب کوئی انگریز یا قبائلی ایک دوسرے کے ہاتھوں نہ مارا گیا ہو۔ یہ انگریزوں کو اپنے علاقوں میں پکی سڑکیں نہیں بنانے دیتے تھے، ریلوے لائن بچھانے نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز علاقے میں تعمیر و ترقی کے نام پر قبائلی علاقوں کو فتح کرنا اور قبائلی عوام کو محکوم رکھنا چاہتے تھے۔ اس مدافعت، مزاحمت اور قربانیوں سے انگریز تو وہاں قدم نہیں جما سکا لیکن اپنی بدترین یادگار کے طور پر وہاں ایک مکروہ اور گھناؤنا قانون چھوڑ گیا۔ ''ایف سی آر'' یعنی فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن نامی یہ بدنام قانون انگریز نے 1901ء میں لاگو کیا تھا۔ انگریز نے اس قانون کے تحت قبائلی علاقوں کے عوام پر پولیٹیکل ایجنٹ کی صورت میں ایک عذاب مسلط کر دیا۔ جس کے اختیارات کا دائرہ وسیع اور لامحدود کر دیا گیا اور وہ قبائلی علاقوں میں سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔ ''ایف سی آر'' قبائلی علاقوں کی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ 27220 مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلے ہوئے علاقے میں سے صرف پانچ ہزار کلومیٹر کا علاقہ ہموار ہے باقی تمام پہاڑی ہے جس میں سے اکثر علاقے ایسے ہیں جہاں ٹرانسپورٹ لے جانے کا کوئی تصور

نہیں بلکہ لوگ سینکڑوں کلومیٹر کی مسافت پیدل طے کرتے ہیں۔

1947ء میں قیام پاکستان کے فوراً بعد قائداعظم نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا تو یہاں کے قبائلیوں نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ سب سے پہلے قائداعظم نے غیر مشروط طور پر تمام فوج قبائلی علاقوں سے نکال لی۔ اس کے بعد یہ معاہدہ طے پایا کہ یہ علاقے مملکت پاکستان کا حصہ رہیں گے اور ڈیورنڈ لائن برقرار رہے گی۔ پاکستان اپنے قوانین ان علاقوں میں نہیں چلائے گا۔ ان کا صرف پولیٹیکل ایجنٹ رہے گا باقی سب اُمور میں یہ لوگ آزاد ہیں۔

ان علاقوں کی طرف سنجیدگی سے توجہ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے دی۔ اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے قبائلی علاقوں کا دورہ کیا۔ ہر قبائلی علاقے میں ایک ایک سکول کی منظوری دی۔ ان کے دورِ حکومت میں وہاں گیارہ سرکاری کارخانے قائم ہوئے۔ قبائلی نوجوانوں کو وفاق میں فارن آفس سمیت اہم اداروں میں نوکریاں دیں۔ طالبعلموں کو وظائف دیئے۔ ان اقدامات کا مقصد یہ تھا کہ قبائلی عوام کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ بھی پاکستان کے اتنے ہی اہم شہری ہیں جتنے دوسرے ہیں اور ان میں احساس محرومی یا نظرانداز کئے جانے کا احساس ختم کیا جاسکے۔ ان علاقوں کی پسماندگی دور کرنے کے لئے ایک اور اہم کام یہ کیا کہ فاٹا کے لوگوں کو روزگار کے حصول کیلئے خلیج کی ریاستوں میں بھیجنے کی ابتداء کی جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور یہاں منشیات کی پیداوار اور اسلحے کی سمگلنگ کا رجحان خاصا کم ہوا۔ اور ماضی میں یہی ہوتا رہا ہے۔ مختلف قبائل کے سرکردہ افراد جو اپنے علاقوں کے پولیٹیکل ایجنٹ کی آشیرباد سے پارلیمنٹ کے ایوانوں میں پہنچتے تھے ان کے بارے میں ایک رائے یہ تھی کہ چونکہ پولیٹیکل ایجنٹ گورنر سرحد کے ماتحت ہوتا ہے اور گورنر براہِ راست صدر کو جوابدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی بھی صدر فاٹا کے ان ارکان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرسکتا ہے۔ مگر عوام کو ووٹ کا حق ملنے سے یہ صورتحال ختم ہوگئی۔

سیاسی پس منظر کے حوالے سے کہ ایک سوسال یہ علاقہ ''سیاسی ایمرجنسی'' کی زد

میں رہا کیونکہ اپنی آزادی اور خودمختاری کے لئے قبائلی عوام مزاحمت کرتے رہے دراصل اپنے مذہب، رسوم ورواج اور طرز زندگی میں غیرملکی مداخلت برداشت نہیں کر سکتے ان مقصد کے لئے ان کے آباؤ اجداد نے بے شمار قربانیاں دیں۔ قیام پاکستان کے بعد جو پہلی اسمبلی عمل میں آئی اس میں فاٹا کے تین ارکان شامل تھے۔ اس وقت کے نظام کے مطابق قبائلی جرگے نے تین افراد کو منتخب کر کے انکے نام دیئے جن میں سے دو کا تعلق وزیرستان اور ایک کا خیبر ایجنسی سے تھا پھر ایوب خان کے مارشل لاء میں جب پاکستان میں بی ڈی کا نظام رائج ہوا تو اس نظام میں بھی نمائندگی تھی۔ 1973ء کے آئین میں صوبائی اسمبلیوں میں فاٹا کے لوگوں کو حق نمائندگی سے محروم کر دیا گیا لیکن قومی اسمبلی میں ہمیں پانچ نشستیں دی گئیں۔ ان کے ساتھ ساتھ 1973ء کے آئین کے مطابق جب پہلی مرتبہ سینٹ کی بنیاد رکھی گئی تو اس میں بھی فاٹا کے لوگوں کے لئے تین نشستیں مختص کی گئیں۔

قبائلی علاقوں کے راستے گندم، چینی، گھی، چائے، جانور اور دوسری اشیائے ضرورت افغانستان سمگل ہوتی رہی ہیں اور بیرون ملک سے کپڑا، کراکری اور بجلی کا سامان اندرون ملک لایا جاتا رہا ہے۔

قبائلی علاقے مجرموں کی پناہ گاہ بھی ہیں ملک میں سنگین جرائم کا ارتکاب کر کے قبائلی علاقوں میں چلے جانے والوں کو پکڑنا اور قانون کے حوالے کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے اسی بناء پر مختلف حلقوں کی طرف سے مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ ملکی قوانین کا قبائلی علاقوں پر بھی اطلاق ہونا چاہیے اور ان علاقوں کی اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں۔ یہ سب ان کے رسوم ورواج اور تہذیب وروایات کو برقرار رکھتے ہوئے بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

شمالی مغربی صوبہ سرحد میں ایجنسیوں کا رقبہ اور آبادی

صوبہ سرحد میں قبائلی علاقوں پر مشتمل تمام ایجنسیاں پہاڑی علاقوں میں ہیں۔ یہ پہاڑ سنگلاخ میں تاہم قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ یہاں ہر قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں یہ پہاڑی سلسلہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان حد فاصل ہے۔ کتاب فرنگی راج اور غیرت مند مسلمان از ڈاکٹر محمد نواز خان مسعود کے مطابق ۱۹۸۳ء کی مردم شماری کے مطابق ایف آر پشاور کا کل رقبہ ۲۶۲ مربع کلومیٹر اور آبادی ۲۷۰۰۰ ہزار ہے۔ اس میں حسن خیل، جنوں خیل اور جاوا کے قبائل آباد ہیں۔ خیبر ایجنسی کا کل رقبہ ۲۵۷۶ مربع کلومیٹر اور کل آبادی ۲۸۴۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں ذکا خیل، قمبر خیل، ملک دین خیل، کوکی خیل، اکا خیل، آدم خیل اور سپائے کے علاوہ شامانی، ملاگوری اور شنواری قبائل سکونت پذیر ہیں۔ مہمند ایجنسی کا کل رقبہ ۲۲۹۹۷ مربع کلومیٹر اور آبادی ۱۶۱۰۰۰ ہے۔ یہاں سیفی، مہمند اور اتمان خیل آباد ہیں۔ باجوڑ ایجنسی کا رقبہ ۱۲۹۰ مربع کلومیٹر اور آبادی ۵۷۰۰۰ ہزار ہے۔ اس میں آفریدی کے چھ قبیلے بستی خیل، شیرکی، زارعون خیل، توچیر، اخوروال اور جاوا کے قبائل سکونت پذیر ہیں۔ اورکزئی ایجنسی کا رقبہ ۱۵۶۷ مربع کلومیٹر اور آبادی ۳۵۶۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں دو بڑے قبیلے اورکزئی اور بنگش رہتے ہیں۔ کرم ایجنسی کا رقبہ ۳۳۸۰ مربع کلومیٹر اور آبادی ۲۸۹۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں توری شیعہ اور بنگش (منگل، زدران، خروٹی، غلیزئی، مقبل، یزاوء، شیعہ) اور یار چمکنی سنی، مزوری سنی، علی شیرزی سنی اور زائمشت سنی قبیلے آباد ہیں۔ شمالی وزیرستان کا کل رقبہ ۴۷۰۶ مربع کلومیٹر اور آبادی ۲۳۵۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں اتمانزئی وزیر۔ اوڑ کے علاوہ سیدگی، فارسین اور گزبز قبیلے سکونت پذیر ہیں۔ جنوبی وزیرستان کا کل رقبہ ۲۲۶۰ مربع کلومیٹر اور آبادی ۳۰۸۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں دو بڑے قبیلے محسود اور احمد زئی وزیر کے علاوہ ارمڑ (برکی) اور

۔میان خیل قبیلے آباد ہیں ۔ ایف آر ڈیرہ اسماعیل خان کا رقبہ ۲۳۳۰ مربع کلومیٹر اور آبادی ۸۵۰۰۰ پر مشتمل ہے ۔ اس میں بیٹنی، شیرانی اور شیخ قبیلے سکونت پذیر ہیں ۔ ایف آر بنوں کا رقبہ ۸۷۸ مربع کلومیٹر اور آبادی ۸۰۰۰۷ نفوس پر مشتمل ہے ۔ یہاں اتمانزئی اور احمد زئی کے علاوہ بیٹنی قبائل آباد ہیں ۔

۹۸۔۱۹۹۷ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی درج ذیل ہے ۔ باجوڑ ایجنسی ۵۹۶۶۷۲، مہمند ایجنسی ۳۳۱۵۹۶، خیبر ایجنسی ۵۶۴۳۸۳، کرم ایجنسی ۴۴۱۶۲۴، ا،ر زئی ایجنسی ۲۲۳۸۸۵، شمالی وزیرستان ایجنسی ۳۵۔۹۶۷، جنوبی وزیرستان ایجنسی ۴۰۳۸۹۴، ایف آر پشاور ۵۳۹۱۷، ایف آر کوہاٹ ۹۰۱۰۶، ایف آر بنوں ۱۹۵۵۰، ایف آر لکی مروت ۶۹۵۵، ایف آر ڈیرہ اسمٰعیل خان ۳۹۴۷۳ اور ایف آر کوہاٹ ۲۷۳۳۹ پر مشتمل ہے تاہم قبائلی عوام سرکاری اعداد و شماری کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں ۔

باجوڑ ۔ مہمند ایجنسی ۔ خیبر ایجنسی ۔ کرم ایجنسی ۔ لرغا شیرانی
شمالی وزیرستان ۔ جنوبی وزیرستان ۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ کی انتظامی تقسیم

کمشنری	اضلاع	تحصیلیں
مالاکنڈ	مالاکنڈ	سوات ۔ رانی زئی ۔ سام رانی زئی
	چترال	چترال ۔ دروش ۔ لٹکوہ ۔ مستوج ۔ تورکھو ۔ موڑکھو ۔
	دیر	دیر ۔ تیمرگرہ ۔ میروا
	سوات	بابوزئی ۔ الپوری ۔ مٹہ ۔ ڈگر
ہزارہ	ایبٹ آباد	ایبٹ آباد ۔ ہری پور
	کوہستان	داسو ۔ پٹن
	مانسہرہ	مانسہرہ ۔ بٹ گرام
پشاور	پشاور	پشاور ۔ نوشہرہ ۔ چارسدہ
	مردان	مردان ۔ صوابی
کوہاٹ	کوہاٹ	کوہاٹ ۔ ہنگو ضلع کرک (کرک ۔ بانڈہ داؤد شاہ)
ڈیرہ اسمٰعیل خان	ڈیرہ اسمٰعیل خان	ڈیرہ اسمٰعیل خان ۔ کلاچی ۔ ٹانک
	بنوں	بنوں ۔ لکی

باجوڑ ایجنسی

باجوڑ ایجنسی کا تحقیقی سفر

باجوڑ صوبہ سرحد کی مشہور ایجنسی ہے اس کا رقبہ 1290 مربع کلو میٹر آبادی 596676 سے زیادہ ہے۔ باجوڑ میں افریدی۔ بستی خیل۔ شیرکی۔ زارعون خیل توچیہ۔ اخوروال اور جاوا کے قبائل سکونت پذیر ہیں۔ سارا علاقہ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ پشاور سے باجوڑ 130 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ شام تک پشاور سے باجوڑ کے لئے ویگین یا بس مل جاتی ہے۔ باجوڑ کے لئے جانے والی ٹرانسپورٹ کا لاری اڈا چارسدہ روڈ پر ہے۔ راقم نے حاجی گل اور حضرت یونس کی راہنمائی میں باجوڑ کے لئے سفر کا آغاز کیا۔ شبقدر اور گندھاب دریائے ناگمان کے بعد چارسدہ کی حدود ختم ہوتے ہی قبائلی علاقہ کا اغاز ہو جاتا ہے۔ جب چارسدہ کو ضلع کا درجہ دیا گیا تو کچھ قبائلی علاقہ کو ضلع چارسدہ میں شامل کرنے پر قبائیلوں نے احتجاج کیا۔ چارسدہ کی حدود ختم ہوتے ہی مہمند ایجنسی کا اغاز ہو جاتا ہے۔ غنڈ چیک پوسٹ پر گاڑیاں جانچ پڑتال کے لئے روک لی جاتی ہیں۔ غلنی میں سرکاری رہائش گاہیں ہیں اس علاقہ کی حفاظت مہمند رائفل کرتی ہے مہمند ایجنسی کے بعد باجوڑ کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ جوں ہی گاڑی باجوڑ کے علاقہ میں داخل ہوئی حاجی گل نے بتایا افغان باڈر یہاں سے 18 کلومیٹر ہے۔ اڈا خار سے افغانستان کے لئے وقفہ وقفہ کے بعد گاڑیاں جاتی ہیں۔ خار باجوڑ ایجنسی کا صدر مقام ہے۔ خار باجوڑ سے چلنے والی گاڑیاں افغان باڈر کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب آنے والے مسافروں کو لے کر باجوڑ آجاتی ہیں۔ دو اطراف مسافروں کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ آمدورفت کا سلسلہ افغانستان میں امریکی مداخلت کے بعد بند ہو گیا ہے۔ حاجی گل نے بتایا افغانستان سرحد کے پہاڑوں میں غاخی پاس ناوا پاس ان دروں کے راستے سکندر اعظم اس علاقہ میں داخل ہو کر چترال کی طرف گیا تھا۔ سڑک سے گزرتے ہوئے لاتعداد ٹرک جن پر

سنگ مرمر کے بڑے بڑے پتھر لدے ہوئے تھے قریب سے گزرتے رہے سنگ مرمر کے ان پتھروں کو تراش کر ڈیکوریشن پیس اور تعمیراتی کام میں لایا جاتا ہے۔ جب ہم باجوڑ اڈا پر پہنچے شام کے سائے ڈھلتے جا رہے تھے۔ کشادہ گلیوں مٹی گارا سے تعمیر کئے گئے مکانوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک وسیع و عریض حجرہ میں داخل ہوئے۔ جسکی بلند بالا دیواریں جو پتھروں کے بلاکوں سے تعمیر کی گئیں تھیں اور مٹی گارا سے لپائی کی گئی۔ یہ جدید قسم کا حجرہ تھا جس میں ہر قسم کی جدید سہولتیں میسر تھیں۔ اعلیٰ قالین۔ اے سی۔ صحن میں کیاریوں میں رنگ برنگے پھولوں۔ جاپانی گھاس اور چاروں طرف پہاڑ بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ راقم سفر کا آغاز بہار کے موسم میں کرتا اس موسم میں گرمی سردی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ درختوں پودوں پر نکھار ہر طرف پھولوں کی مہک خودرو جڑی بوٹیاں کی خوشبو سے ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے راقم کو حجرہ کا جدید آراستہ کمرہ دیا گیا۔ وقفہ وقفہ کے بعد آنے



باجوڑ ایجنسی میں باجوڑ سکاوٹ کا ہیڈ کوارٹر

والوں سے راقم کا تعارف کر دیا جاتا۔ حاجی گل حضرت یونس بتاتے کہ راقم باجوڑ ایجنسی کی تاریخ مرتب کرنے آئے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں دستر خوان بچھا دیا گیا۔ اور پختونوں کی مہمان نوازی کے مطابق دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے لگا دیے گئے۔ تکہ کباب روسٹ گوشت پلاؤ تو پختونوں کی لازمی ڈش ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد قہوہ کا دور شروع ہوا حاجی گل نے باجوڑ کے بارے بتایا باجوڑ کا دیسی گھی اور شہد بہت مشہور ہے۔ اخروٹ کے درخت یہاں بہت زیادہ ہیں۔ میدانی علاقوں میں گندم چاول جوار مکئی ہر قسم کی سبزیاں کاشت ہوتی ہیں۔ پہاڑ ماربل جسم سنون سے بھرے پڑے ہیں کوہ مور جو پہلے افیون کے لئے مشہور تھا۔ اب وہاں اجناس کاشت ہوتی ہے تمام دروں تک پختہ سڑکیں تعمیر کی گئی ہیں۔ کوہ مور پہاڑ میں زمرد کی کانیں ہیں۔ جو تنازعات کی وجہ سے بند پڑی ہیں اس علاقہ میں آبی گذرگاہوں بالخصوص چشموں کے اردگرد پرانی بستیوں گندھارہ تہذیب کے آثار ملتے ہیں ان تباہ شدہ بستیوں سے گوتم بدھ کے مجسمے بھی ملتے ہیں یہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ یہاں جنگل بھی ہیں ان میں ہرن، بندر، چکور، تیتر، بٹیر دوسرے پرندے اور جنگلی جانور پائے جاتے ہیں۔ باجوڑ میں چار قومیں، سالارزئی، علی زئی، ماندل، اتحان خیل آباد ہیں۔ پشتو مادری زبان ہے سبھی مسلمان ہیں۔ تبلیغی جماعت کے دورے بھی ہوتے رہتے ہیں باجوڑ میں سیاست کا عمل دخل نہیں ہے۔ پورے باجوڑ میں قومی اسمبلی کی ایک نشست ہے۔ باجوڑ کے مغرب میں ساری سرحد افغانستان سے ملتی ہے شمال کی جانب ضلع دیر ہے۔ جنوب کی طرف مہمند ایجنسی ہے۔ مشرق کی طرف مالاکنڈ ڈویژن ہے۔ درخت شہتوت لاچی، چنار سفیدہ دیار کی لکڑی ملتی ہے باجوڑ کے باشندہ مہذب اور مہمان نواز ہیں۔ مہمانوں کے لئے حجرے تعمیر کر رکھے ہیں شخیش بابا کے مزار کے قریب کھودائی کے دوران گوتم بدھ کے مجسمے پتھر کی مورتیاں مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے سونے کے سکے ملتے ہیں۔ افغانستان سے خشک میوہ۔ ٹائر گاڑیوں کا تیل چائے گاڑیوں کے پرزہ جات آتے ہیں پچاس ساٹھ اسی پاکستانی روپے کی ایک لاکھ افغانی کرنسی مل جاتی ہے اسلحہ لائسنس پر پابندی نہیں ہے حکومت پاکستان کے فیصلوں کی

پابندی کی جاتی ہے سردیوں میں باجوڑ کے پہاڑ برف سے ڈھکے رہتے ہیں یہاں فیصلے شریعت کے مطابق کئے جاتے ہیں جرگہ سسٹم کے تحت فیصلے بڑے بڑے خان ملک کرتے ہیں۔ پولیس کا نظام نہیں ہے۔ لیوی اور باجوڑ اسکاؤٹ حفاظت کرتے ہیں علاقہ میں بے گناہ قتل ظلم زیادتی ہو ساری آبادی جمع ہو جاتی ہے۔ قاتل کے گھر کو آگ لگا دی جاتی ہے قاتل کو ملک بدر کر دیا جاتا ہے یہاں قتل بہت کم ہوتے ہیں۔ ایجنسی کا منتظم پولیٹکل ایجنٹ ہوتا ہے۔ لیوی پولیٹکل ایجنٹ کے ماتحت ہوتی ہے۔ بڑے لوگوں میں دشمنیاں ہیں جب لڑائی چھڑ جاتی ہے تو توپ مزائلوں راکٹوں کا کھلم کھلا استعمال ہوتا ہے فریقین کے علاوہ لوگ گھروں میں مورچوں میں بند ہو جاتے ہیں۔ جنگ میں عورت کو مارنا بہت بڑا ظلم تصور کیا جاتا ہے۔ باجوڑ میں تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے لڑکے لڑکیوں کے ڈگری کالج، کامرس کالج، ویکیشنل ادارے علاج معالجہ کے لئے ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم ہیں۔ خار میں بڑا ہسپتال ہے۔ حاجی گل نے بتایا کہ شادیاں سادہ طریقہ سے کی جاتی ہیں۔ سوناحق مہر میں لکھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے والدین صبح سویرے نماز کے بعد لڑکی کو سسرال والے گھر خود لے جاتے ہیں۔ یہاں برات کا سسٹم نہیں ہے۔ جہیز کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ لڑکے والے ولیمہ کرتے ہیں۔ ولیمہ پر لوگ اپنی مالی حیثیت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ سرکاری محکموں میں ملازمت میں لڑکیوں کو ترجیح دی جاتی ہے باجوڑ میں سرکاری اداروں میں عام لوگوں کے لئے کوٹہ مقرر نہیں ہے خانوں اور ملکوں کے لڑکے لیوی میں بھرتی ہو جاتے ہیں ڈیوٹی نہیں دیتے مفت کی تنخواہ وصول کرتے ہیں محکمہ تعلیم کے علاوہ دوسرے محکموں کے نچلے درجہ کے ملازم حجروں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان کی بیویاں خانوں اور ملکوں کے گھر میں خدمات سرانجام دیتی ہیں ان عورتوں سے بیگار لی جاتی ہے۔ باجوڑ میں کارخانے بالکل نہیں ہیں۔ عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کھیتوں میں کام کرتی ہیں دشمنی والے علاقہ میں خاوند کے ساتھ مورچہ بند ہو کر اسلحہ بے دریغ استعمال کرتی ہیں حفاظت اور پہرہ دیتی ہیں بندوق کے علاوہ ہر قسم کا اسلحہ چلانا جانتی ہیں

باجوڑ میں اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو وہ اپنے بچوں کے ساتھ ساری عمر بیوگی میں گزارتی ہیں بڑے بڑے ملکوں خانوں نے چھوٹے کسانوں سے زمین خرید لی ہیں زمینوں پر حصہ داری نظام قائم ہے۔ زیر اثر لوگ مظلوم ہیں پہاڑ بڑے بڑے خانوں اور ملکوں کی ملکیت ہیں۔ اس میں حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے کم نمبر والے طالب علموں کو ڈاکٹری اور دوسرے شعبوں میں داخل مل جاتا ہے مکان کچے ہیں جو مٹی گارا سے تعمیر کئے جاتے ہیں بجلی مفت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہر کمرہ میں اے سی لگا ہوتا ہے سردیوں کے موسم میں الیکٹرک راڈ بالٹیوں میں نہیں بلکہ پانی کی ٹینکیوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ راقم نے یہاں کسی گھر کے باہر واپڈا کا میٹر نہیں دیکھا۔ ایک اندازہ کے مطابق یہاں بجلی بہت زیادہ استعمال ہوتی ہے لیکن بل ادا نہیں کیا جاتا یہاں کے پہاڑ بکھرے خزانے ہیں جو دعوت دے رہے ہیں ہمارے اندر قیمتی معدنیات ہیں یہاں عورت پردے کی پابند ہے بازاروں میں کوئی عورت خرید و فروخت کو نظر نہیں آتی عورتیں بس ویگن کے انتظار میں سڑک کی طرف کمر کر کے کھڑی رہتی ہیں۔ یہاں ٹریفک پولیس نہیں نہ ہی چوکیدار نظام ہے لوگ اپنی حفاظت آپ کرتے ہیں۔ پہاڑوں سے نکلنے والے چشموں کا



خار باجوڑ ایجنسی میں شب روز کی ساتھی نسوار تیار کی جا رہی ہے نسوار پڑیوں میں ڈالی جا رہی ہے۔



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ خار باجوڑ ایجنسی میں قدرتی چشمہ کے
کنارے ٹھنڈے میٹھے پانی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں

پانی صحت کے لئے بہت اچھا ہے اسی نوے فٹ بور کرنے سے پانی مل جاتا ہے۔ نواب آف خار کا نام عبدالسبحان ہے جو وسیع رقبہ کا مالک ہے نواب آف خار کے محلّہ میں مغلیہ دور کی مسجد بھی ہے۔ نواب آف خار کے خاندان کے اُونچی دیواروں کے محل نما مکانات ایک قطار میں ہیں۔ شام کے بعد بازار سنسان ہو جاتے ہیں لوگ گھروں سے بہت کم نکلتے ہیں۔ کوئی شخص سر پر ٹوپی کے بغیر گھر سے نہیں نکلتا سر پر ٹوپی نہ رکھنے والوں کو بزرگ اچھی نظر سے

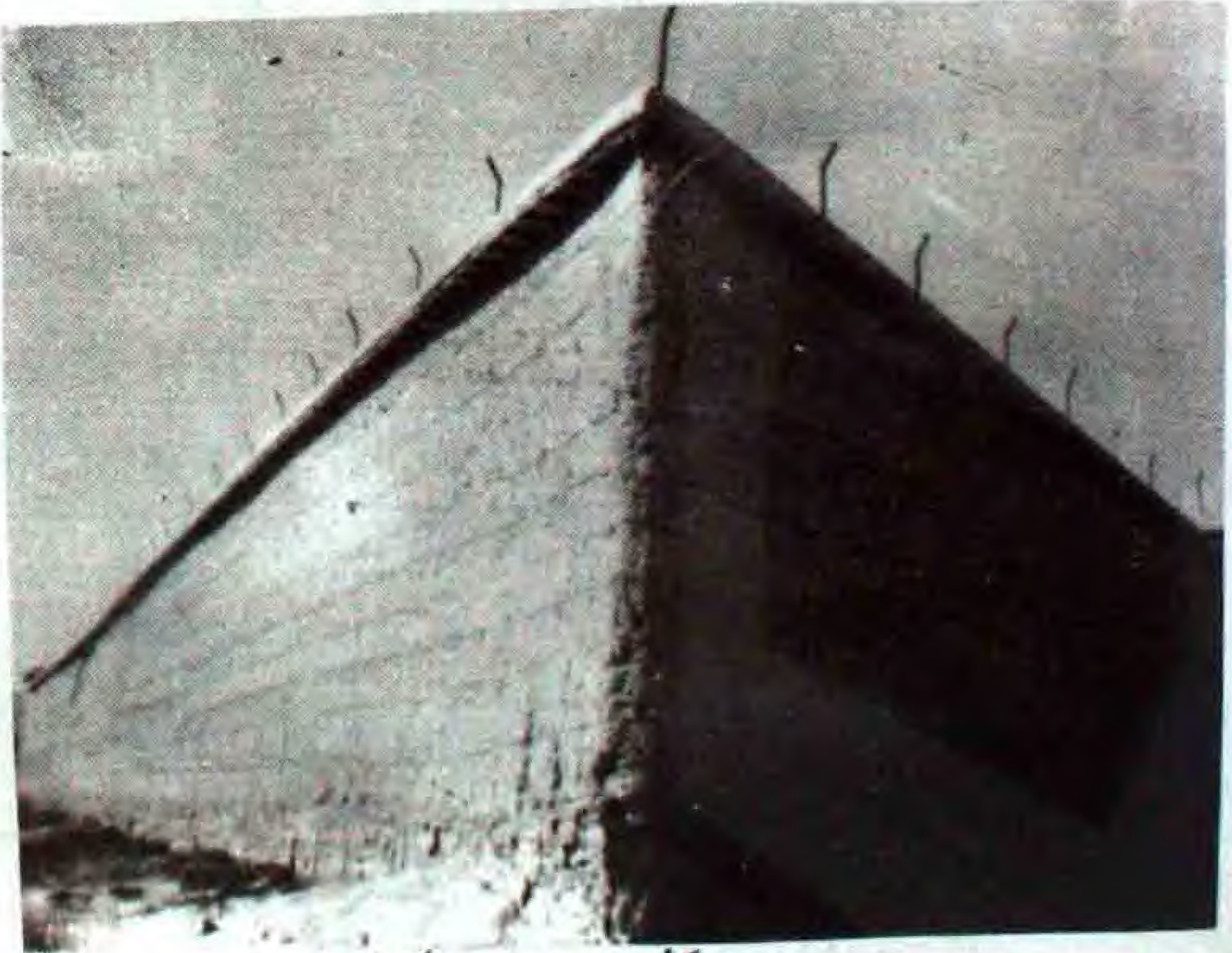
نہیں دیکھتے باجوڑ ا۔ یکاؤٹ سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ جبکہ لیوی شہریوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کی یونیفام کالے رنگ کی ہوتی ہے۔ باجوڑ کا مشہور شہر خار ایک چشمہ کے کنارے آباد ہے یہ چشمہ صدیوں سے جاری ہے۔ اس کے پانی سے آبادی سیراب ہوتی ہے۔ قریب ہی قدیمی آبی گذرگاہ ہے جس میں سارا سال ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہتا رہتا ہے۔ اس آبی گذرگاہ کے قریب کئی ٹبوں ٹیلوں پر قدیمی بستیوں کے آثار ملتے ہیں۔ پہاڑ خشک ہیں لیکن آبی گذرگاہ کی وجہ سے میدانی علاقہ سرسبز اور شاداب ہے۔ باجوڑ کے باشندوں کو تیتر، چکور رکھنے کا بہت شوق ہے۔ باجوڑ کے علاقہ میں کئی قدیمی مزار میں سب سے مشہور مزار غازی بابا کا ہے۔ یہاں راقم نے حاجی گل۔ حضرت یونس۔ عزیز خان کے ہمراہ حاضری دی۔ دیگر اہم بزرگانِ دین میں موضع گاخی علاقہ لوی ماموند میں بابا صاحب کا مزار ہے۔ موضع نخر میں اخوند بابا۔ کلاکلی میں ملا ایدل یا جیدر کا مزار ہے۔ موضع گیلی میں باچا بابا۔ موضع کلان میں معراجی بابا۔ گٹ اگرہ میں ملا مومن بابا گٹ میں حضرت شاہ بابا پیر ہمدانی۔ زگئی اور گٹ اگرہ کے پہاڑ کی چوٹی پر عمر علی دواوگئی میں بادو بابا کا مزار ہے۔ زگئی میں ملا خواجل بابا ملا شہید بابا ملا شریف بابا اور فقیر بابا کے مزارات ہیں۔ موضع کمر میں نذر علی بابا شاگو کے علاقہ وڑیا موند میں خان بابا۔ شین کوٹی میں قندہار بابا۔ باری میاسی شمشی بابا ہزار ماؤ میں شیخا بابا۔ ڈاگ میں ماموند بابا۔ عنایت کلی اور نوری کلی کے درمیان ولی صاحب کا مزار ہے بادی سمور ریاست خار میں حضرت صاحب جو حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد سے ہیں کا مزار ہے گان خطا میں اخوند بابا۔ ڈیلی میں پیر صاحب تنگی میں اخوند صاحب۔ ڈوڈا میں ڈوڈا بابا کے علاوہ میاں نور محمد میاں شاہ نور۔ سید جلال کا مزار شان ندی علاقہ جندول میں ہے۔ پیر ابراہیم بابا کے والد بزرگوار کا نام عزیز اللہ ولد سید نور اللہ تھا۔ وہ قوم سے سید اور ملتان کے باشندے تھے۔ 29 ویں پشت میں ان کا شجرہ نسب امام حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ پیر ابراہیم بابا ملتان سے باجوڑ کو آئے تھے اور یہاں فوت ہوئے تھے۔ جن کا مزار کونکی چارمنگ کے پاس ہے۔ کہتے ہیں کہ پیر ابراہیم بابا اور سید علی ترمذی المعروف بہ پیر

بابا جس کا مزار بونیر میں ہے اور شیخ ذکریا علاقہ مہمند تینوں سالار رومی صاحب کے مرید تھے۔ پیر ابراہیم بابا کا بیٹا جس کا نام سید اسماعیل تھا انکی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک بیوی پیر بابا کی بیٹی تھی۔ جن کے بطن سے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام میاں نور محمد تھا جس کا مزار موضع چورک علاقہ بابوزہ برسدین میں ہے۔ اور چورک بابا کے نام سے مشہور ہے اور دوسرے بیٹے کا نام میاں شاہ نور تھا جن کا مزار علاقہ بابوقرا میں موضع ڈانڈوگئی میں ہے۔ اور ڈانڈوگئی بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری بیوی ماموند قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ جس کے بطن سے ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام سید جلال تھا جس کا مزار علاقہ جندول میں موضع شال کنڈی میں ہے۔ کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ نے علاقہ باجوڑ کا مالیہ جو تقریباً اس وقت کے حساب سے دس ہزار روپے تھے۔ پیر ابراہیم بابا کو جاگیر کے طور پر دیدیا تھا یہ فرمان 1004ھ میں ابوالفضل کے قلم سے شمارہ (974) میں تحریر ہے۔ اس عطیہ کی تفصیل اکبر بادشاہ نے اپنے فرمان کے متن میں یوں بیان کیا ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ میں بیمار تھا اور



خار میں پولیٹیکل ایجنٹ باجوڑ کا دفتر

سید پیر ابراہیم بابا ملتان سے آئے اور میرے حق میں دعا کی اس کی دعا قبول ہوئی اور میں تندرست ہوگیا تو اس وجہ سے میں نے انکو باجوڑ کا علاقہ جاگیر کے طور پر دیدیا۔ ناواپاس چیک پوسٹ پاک افغان سرحد پر مہمند اور باجوڑ ایجنسیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ یہاں افغانستان کی طرف صوبہ کنڑ کا علاقہ ہے۔ یہ مقام پشاور سے **140** کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ چیک پوسٹ افغان صدر ڈاکٹر نجیب اللہ کے دور میں بہت حساس رہی ہے اور یہاں روسی افواج نے کئی بار بمباری کر کے پاکستانی سیکورٹی فورسز کے اہلکاروں کو شہید کیا تھا۔ ڈاکٹر نجیب کے بعد مجاہدین اور اس کے بعد طالبان دور میں یہ پوسٹ پرامن رہی، جبکہ آج کل کرزئی کے دور حکومت میں بھی تاحال اس چیک پوسٹ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس چیک پوسٹ سے گزرنے والے راستے کے ذریعے افغانستان کے صوبہ کنڑ اور ننگرہار کے لوگ پاکستانی علاقے باجوڑ اور مہمند ایجنسی میں اور یہاں کے لوگ ان علاقوں میں آجا سکتے ہیں۔ لیکن آج کل اس راستے کی نگرانی سخت کر دی گئی ہے اور قانونی دستاویزات کے بغیر کسی بھی شخص کا دوسری طرف جانا آسان نہیں۔



خار باجوڑ ایجنسی میں قلعہ نما رہائش گاہ

پشاور کے قریب باجوڑا یجنسی کے نزدیک حضرت متوشلع المعروف غازی بابا کا ساٹھ فٹ لمبا مزار

قدیم زمانہ میں انسانی بستیاں دریاؤں، چشموں، آبی گزرگاہوں کے کنارے اور پہاڑوں کے دامن میں آباد تھیں۔ پہاڑی علاقوں میں سرسبز وادیاں قدرتی چشموں کے قریب آباد ہیں۔ دور سے دیکھا جائے تو بڑا خوبصورت قدرتی منظر پیش کرتی ہے۔ ایسی ایک سرسبز وادی ارنگ جو باجوڑا یجنسی میں واقع ہے اور تمرگرہ کے قریب ہے۔ یہ تمام علاقہ خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہاڑ معدنیات سے بھرے پڑے ہیں ایک لحاظ سے بھرے خزانے ہیں کوئی پہاڑ، دریا، سمندر، جنگل، ریگستان وسائل سے خالی نہیں



اورنگ باجوڑ میں حضرت متوشلع المعروف غازی بابا کا 60 فٹ لمبا مزار

ہوتا۔ وطن عزیز میں پہاڑ، دریا، سمندر، جنگل، ریگستان، کھنڈرات قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ قبائلی علاقے کے پہاڑ معدنیات سے بھرے پڑے ہیں۔ جہاں کہیں چشمے بہتے ہیں وہاں شہر آباد ہیں۔ وادی ارنگ اس لحاظ سے مشہور ہے یہاں حضرت متوشلخ المعروف غازی بابا کا مزار ہے جن کا سلسلہ نسب انبیاء کرام سے ملتا ہے جو حضرت یونسؑ کی اولاد سے بیان کیے گئے ہیں۔ مزار کی لمبائی ساٹھ فٹ ہے چوڑائی بارہ فٹ اونچائی ساڑھے آٹھ فٹ ہے۔ مزار پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کے شمال اور جنوب کی جانب چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن کے ستونوں پر نقش نگاری کا کام ہوا ہے۔ حضرت متوشلخؒ المعروف حضرت غازی بابا کا مزار بلند ٹبہ پر ہے جنوب کی جانب ایک آبی گزر گاہ ہے۔ مزار کے شمال کی جانب ایک سڑک جو تمرگرہ دیر اور باجوڑ کے شہر خار کو آپس میں ملاتی ہے لنک راستے درگئی مالاکنڈ اور بٹ خیلہ کی طرف جانکلتے ہیں۔ تمرگرہ سے مزار غازی بابا کے لئے گاڑیاں مل جاتی ہیں ارنگ تک دس روپے کرایہ ہے۔ تمرگرہ کے لئے پشاور، نوشہرہ، مردان سے گاڑیاں مل جاتی ہیں۔ پشاور سے تمرگرہ کا کرایہ پچاس روپے ہے۔ شہر خار سے بھی غازی بابا کے لئے چھوٹی گاڑیاں مل جاتی ہیں۔ لیکن یہ راستہ طویل اور غیر محفوظ ہے۔ قبائلی علاقہ میں جنگ جدل کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ 23 مارچ تعطیل کی وجہ سے کچہری میں چھٹی تھی۔ اتوار کی چھٹی ملا کر راقم حضرت متوشلخؒ المعروف غازی بابا کے مزار پر حاضری کے لئے روانہ ہوا۔ راقم پاکستان بھر میں نو گز لمبے مزاروں پر حاضری دے چکا ہے۔ باجوڑ میں حضرت غازی بابا کے مزار پر حاضری کی خواہش عرصہ سے تھی۔ خالد یوسف جو پشاور میں مقیم ہیں راقم نے مزار حضرت غازی بابا پر حاضری کے لئے انہیں فون کیا۔ انہوں نے کہا میرے دوست حاجی گل اور حضرت یونس جو پشاور شہر میں ملازم ہیں جن کا تعلق باجوڑ کے شہر خار سے ہے وہ تعطیل کی وجہ سے اپنے گھر جا رہے ہیں فوراً پہنچو۔ راقم نے مختصر سامان کیمرہ لیا اور پشاور کے لئے چل پڑا۔ گجرات سے راولپنڈی پشاور شاہراہ جدید انداز میں تعمیر کی گئی ہے۔ دو سو میل کا

فاصلہ پانچ چھ گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ باجوڑ کے لئے چار شدہ روڈ سے چھوٹی بڑی گاڑیاں مل جاتی ہیں۔ حاجی گل، حضرت یونس راقم کے منتظر تھے۔ گاڑی خار کے لئے روانہ ہوئی شبقدر سے ایک سڑک چار شدہ کی طرف جاتی ہے۔ دوسری سڑک گند حاب سے خار کی طرف جاتی ہے۔ دریائے کابل کے سبزی مائل پانی اور وارسک ڈیم کا نظارہ بھی کیا جاسکتا ہے خشک سالی کی وجہ سے دریا میں پانی کم تھا۔ ضلع چار شدہ کی حدود کا اختتام ہوتے ہی مہمند ایجنسی کا آغاز ہوتا ہے۔ مہمند رائفل اور لیوی امن عامہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ غلنی میں پہاڑوں کے دامن میں سرکاری رہائش گاہیں ہیں۔ اس مقام سے باجوڑ



حاجی ایم زمان کھوکھر اورنگ باجوڑ میں حضرت غازی بابا کے مزار پر

ایجنسی کا آغاز ہوتا ہے۔ علاقہ کی حفاظت کے لئے باجوڑ سکاؤٹ اور لیوی تعینات ہے۔ ایجنسی کا سربراہ پولیٹیکل ایجنٹ ہوتا ہے جو سیاہ سفید کا مالک ہوتا ہے۔ قبائلی علاقہ میں بجلی مفت دی گئی ہے۔ کسی مکان کے اندر یا باہر کہیں میٹر دکھائی نہیں دیتا یہ لوگ بے دریغ بجلی استعمال کرتے ہیں۔ مہمند ایجنسی اور باجوڑا ایجنسی میں پاکستان کا قانون نہیں چلتا بلکہ جرگہ سسٹم ہے۔ تھانے نہیں ہیں نہ ہی مقدمات کی ایف آئی آر F.I.R درج ہوتی ہے۔ مقدمات کے فیصلے جرگہ میں ہوتے ہیں اور پولیٹیکل ایجنٹ ان فیصلوں پر عمل درآمد کرواتا ہے۔ پختون بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔ مہمان کا قیام حجرہ میں ہوتا ہے۔ مہمان کی اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں سے تواضع کی جاتی ہے۔ عورت کے پردہ پر سخت پابندی ہے بلکہ وہ بازار سے سودا تک نہیں خرید سکتی البتہ کھیتی باڑی کرتی ہیں۔ یہاں گندھارا تہذیب پروان چڑھی کئی تباہ شدہ بستیوں میں مہاتما بدھ کے مجسمے ملتے ہیں۔ خار کے قریب ایک نالہ جو ناوے ڈن کے نام سے مشہور ہے۔ پشتو میں ناوے ڈن کا مطلب دلہن والا چشمہ ہے کسی دور میں دلہن چشمہ میں غسل کرتی تھیں۔ ایجنسی میں سیاست نام کی کوئی چیز نہیں ملک اور خان بااختیار ہیں۔ اُنکا حکم حرفِ آخر ہوتا ہے۔ 82 روپے میں ایک لاکھ افغانی کرنسی مل جاتی ہے۔ دوسرے روز عزیز خان حاجی گل حضرت یونس راقم کے ہمراہ ارنگ حضرت متوشحؒ" المعروف غازی بابا کے مزار پر حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔ عزیز خان محتاط انداز میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے کئی پہاڑی سلسلہ کی بل کھاتی ہوئی سنسان سڑکوں سے گزرتے ہوئے کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں کے دامن سے گزرتے ہوئے ارنگ کی سرسبز وادی میں داخل ہوئے جو مری کی وادی جیسا منظر پیش کر رہی تھی۔ پورے علاقہ میں ہر مکان کے اوپر ایک مورچہ ضرور دکھائی دیتا ہے۔ مکانوں کے باہر مٹی کی لپائی اندر سے شاندار انداز میں تعمیرات کی گئی ہیں۔ وادی ارنگ کی ٹھنڈی ہوا اور پر سکون ماحول نے ہمارا استقبال کیا۔ 23 مارچ تعطیل کی وجہ سے سکول بند تھے۔ مقامی آبادی کے معصوم لڑکوں اور لڑکیوں نے ہمارے ہمراہ چلنا شروع کر دیا تاکہ زائرین سے نذرانہ حاصل کیا جا سکے۔ راقم نے مکئی کی پنیاں جو گڑ کے شیرہ سے تیار کی

جاتی ہیں خریدیں اور بچوں میں تقسیم کرنا شروع کیں معصوم بچے پشتو زبان میں چیخے "ماما مالاراکا" پشتو میں ماما۔ کاکا احترام کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ترجمہ ماماجی یہ نیاز تبرکات مجھے بھی دیں۔ سڑک سے تقریباً ایک فرلانگ اترائی کے بعد گھنے درختوں کے سائے میں ہم نے حضرت متوشلح" المعروف غازی بابا کے مزار پر حاضری دی۔ مزار پر دور دراز سے آئے ہوئے زائرین جمع تھے۔ کتابچہ غازی بابا تاریخ کے آئینے میں از مولوانا فضل منان جوہری کے مطابق مشہور مورخ علامہ محمد ابن اسحاق" لکھتے ہیں صیح ابن حبان میں روایت ہے کہ حضرت ادریس" پہلے شخص تھے جنہوں نے قلم استعمال کیا۔ تورات میں اس نبی کے متعلق اس قدر لکھا ہے حنوک (اخنوع) پینسٹھ برس کا ہوا اس سے متوشلح پیدا ہوئے۔ یہ متوشلح" وہ شخص ہے جو غازی بابا یا غازی پیغمبر کے نام سے مشہور ہیں۔ متوشلح" کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس خدا کے احکامات کی پیروی کرتا رہا۔ اس



خار باجوڑ ایجنسی میں تنجی بابا کا نوگز لمبا قدیمی مزار قریب ہی آبی گذرگاہ بھی ہے۔

کے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ حنوک نے تین سو پینسٹھ 365 برس عمر پائی۔ پھر خدا نے اپنے پاس بلا لیا۔ حوالہ توراۃ آیت 21-22 باب پیدائش متوشلخ بن ادریسؑ یہ وہ پہلے شخص ہیں جو قبائلی علاقہ اتمان خیل ارنگ باجوڑ ایجنسی صوبہ سرحد میں آئے یہی ان کا مزار ہے۔ مزار کی لمبائی ساٹھ فٹ چوڑائی بارہ فٹ اور اونچائی ساڑے آٹھ فٹ ہے۔ سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان کو فتح کر کے واپس افغانستان کی طرف اپنی فوج لشکر کے ساتھ گزر رہے تھے تو یہاں قیام کیا اور دل میں پکا ارادہ کیا اس مقدس نبی کو یہاں سے فوج اور لشکر کے ذریعے اٹھا کر افغانستان لے جائیں گے وہاں دفن کر کے عالی شان روضہ تعمیر کریں گے خواب میں حضرت غازی باباؒ نے محمود غزنوی سے کہا مجھے یہاں سے نہ لے جائیں میرے ساتھ کافی صحابہ دفن ہیں انہیں بھی ہمراہ لے جائیں لیکن یہ کام کرنا بہت دشوار ہوگا لہذا آپ میرے روضہ کو تعمیر کر کے یہیں چھوڑ دیں صبح جب سلطان محمود غزنوی نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے ماتحتوں کو خواب کا سارا واقعہ سنایا۔ اس کے بعد حضرت متوشلخؒ المعروف غازی بابا کے ارشاد کے مطابق روضہ کو زمین سے کافی اونچا تعمیر کروادیا تاکہ بارش سیلاب سے محفوظ رہے۔ مزار کو پایہ تکمیل کے بعد ایک پتھر پر غازی بابا کی مختصر تاریخ سوانح درج کر کے پتھر مزار پر نصب کر دیا پھر لشکر کے ساتھ افغانستان روانہ ہو گیا۔ واضح رہے باجوڑ سے افغانستان کے لئے درہ نواں پاس کے راستے آمد و رفت ہوتی ہے اس راستے سے سکندر اعظم کا ایک دستہ چترال داخل ہوا یہی سے محمود غزنوی افغانستان واپس گیا۔ اب وہ پتھر مزار پر نصب نہیں ہے۔ باجوڑ ایجنسی، مہمند ایجنسی، خیبر ایجنسی ضلع دیر سوات بونیر مردان پشاور صوابی بلکہ افغانستان تک یہ بات مشہور ہے کہ غازی بابا اللہ کے نبی ہیں جو تبلیغ کے سلسلہ میں یہاں آئے تھے۔ حضرت درویز باباؒ جو ضلع ہزارہ کے پکلی میں رہائش پزیر تھے خواب میں اشارہ ہوا ارنگ باجوڑ ایجنسی میں ایک نبی کا مزار ہے۔ حضرت درویز باباؒ یہاں تشریف فرما ہوئے ۔مزار کی مرمت کی اور لنگر کا اہتمام کیا۔ متوشلخؒ عبرانی سریانی زبان کا نام ہے۔ غازی بابا اس علاقہ میں کفار کے ساتھ جہاد کی غرض سے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت

ادریسؑ کے بعد فریضہ نبوت حضرت متوشحؑ المعروف غازی بابا کے سپرد کی۔ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام معبوث فرمائے ہیں۔ یہ سب لوگوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ زمین پر کوئی ایسا علاقہ نہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "ہم نے ہر قوم قبیلہ کے پاس ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے"۔ یہ علاقہ گمراہ اور بے دین



باجوڑ سکاؤٹ کے ہیڈکوارٹر کے سامنے حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ حاجی محمد، حضرت یونس اور عزیز خان کھڑے ہیں

لوگوں کا مرکز تھا۔ یہاں قدیم تہذیب کے کھنڈرات کے آثار ملتے ہیں۔ حضرت متوشلحؒ مصر سے علاقہ ارنگ تک تبلیغ کے لئے آئے۔ بلکہ مصر سے لے کر یہاں تک سارے راستہ میں ساتھیوں کے ہمراہ تبلیغ دینے کے بعد ان کو اپنے ساتھ لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہمراہ لے جاتے۔ وفات کے وقت حضرت متوشلحؒ المعروف غازی بابا کی عمر 975 سال تھی۔ انجیل مقدس میں باب پیدائش میں 969 سال عمر بتائی گئی ہے۔ حضرت متوشلحؒ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے لمک یا لامک اور صحابہ نے رشد ہدایت کی سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت متوشلحؒ کے مزار کو تعمیر کر کے اطراف میں پھیل گئے۔ پھر لمک یا لامک یہاں سے دوبارہ اپنے آبائی وطن مصر کو روانہ گئے۔ تاریخ پشتون از سردار شیر محمد خان گنڈاپور میں حضرت متوشلحؒ کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت متوشلحؒ کے مزار کے قریب لاتعداد پرانی قبریں ہیں ان میں چند نوگز لمبی ہیں ایک تنگی بابا کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے اخرکاری بابا یعنی علم بردار دوسرا ہراول دستے کا سردار۔ حضرت غازی بابا کے مزار سے تھوڑے فاصلہ پر خوڑ بابا کا نوگز لمبا مزار ہے خوڑ پشتو میں ندی نالہ کو کہتے ہیں۔ حضرت متوشلحؒ کے مزار کے متولی ڈاکٹر شیر علی خان جن کا تعلق سوات سے ہے 1974ء سے مزار کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ ان سے ملاقات کے لئے ان کے کلینک پہنچے وہ راقم کی لکھی ہوئی کتاب پاکستان میں محبوبانِ خدا کے نوگز لمبے مزار کا مطالعہ کر رہے تھے نے بتایا کہ 1974ء کے لگ بھگ حضرت متوشلحؒ المعروف غازی بابا خواب میں ملے مزار پر بلا لیا اس دن سے آج تک ارنگ میں مزار کی خدمت اور دیکھ بھال کر رہا ہون۔ پرانی مسجد شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کر رہا ہوں مسجد پر اس وقت تک ساڑھے پانچ لاکھ روپے خرچ آ چکا ہے۔ ابھی لینٹر دوسرا کام باقی ہے۔ ڈاکٹر شیر علی نے خواب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا میں نے خواب میں مزار پر حاضری دی سلام عرض کیا مزار سے دائیں ہاتھ نکلا اوپر سرخ رنگ کا کمبل تھا جو حرکت کر رہا تھا۔ غازی بابا نے فرمایا یہ جنت کا ٹکڑا ہے اب تم مستقل طور پر یہی رہو اور مخلوق خدا کو فیض پہنچاؤ۔ ڈاکٹر شیر علی دن رات

خدمت خلق میں مصروف رہتے ہیں نے ہمارے قافلہ کی تواضع چائے سے کی واپسی پر حاجی گل نے خار میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانے کے بعد حاجی گل ، حضرت یونس، عزیز خان اڈا تک چھوڑنے آئے۔ راستہ میں سڑک کے کنارے باجوڑ سکاؤٹ کے ہیڈ کوارٹر کے بیرونی دروازہ پر پاکستانی پرچم آن شان کے ساتھ پاک سرزمین شادباد کا منظر پیش کر رہا تھا۔ کوہ مور اور دوسرے پہاڑوں کو الوداعی نگاہ سے دیکھا۔ جنہوں نے کبھی سکندر اعظم اور سلطان محمود غزنوی جیسے فاتحین کی فوجوں کو اپنے دامن سے گزرتے دیکھا تھا۔ آج بھی یہ پہاڑ اپنے اندر کئی داستانیں اور بکھرے خزانے لیے کھڑے ہیں اور پکار رہے ہیں اے مسلمانوں اتحاد پیدا کرو یہ خزانے تمہارے لیے ہیں عالمی سامراج کے لئے نہیں۔



خار باجوڑ ایجنسی میں حاجی محمد حضرت یونس کی جانب سے حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کے اعزاز میں کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ دسترخواں پر کئی قسم کے کھانے سجے ہوتے ہیں۔

باجوڑ اور مہمند ایجنسی میں 35 ہزار قبل مسیح آثار کی دریافت

یہ علاقے قرون وسطیٰ [illegible] ملنے والی قدیم اشیاء میں تیر و بلیڈ شامل ہیں

پشاور (بی بی سی ڈاٹ کام) پاکستان کے صوبہ سرحد میں ماہرین آثار قدیمہ نے قبائلی علاقے باجوڑ اور مہمند ایجنسی میں قرون وسطیٰ کے دور کی آبادی کے آثار دریافت کئے ہیں جن سے صوبے کی تاریخ پینتیس ہزار برس قبل مسیح تک ثابت ہوتی ہے۔ ماہرین کے مطابق پاکستان کے نیم خود مختار علاقے باجوڑ ایجنسی میں ملنے والے تازہ آثار قرون وسطیٰ کے ترقی یافتہ دور کی عکاسی کرتے ہیں۔ پتھر دور کے یہ آثار قدیمہ باجوڑ ایجنسی کے نواگے پاس کے قریب کے علاقے حصار کوٹ، خونہ، انگو کٹی، سید و ناؤ اور سرکی کنڈاؤ جبکہ مہمند ایجنسی میں تھپا لکن اور رچھر کدے ملے ہیں۔ ان علاقوں کے جائزے کے دوران ملنے والے قدیمی اوزاروں میں بلیڈ، تیر اور کھرچنے کے لئے استعمال ہونے والی اشیاء شامل ہیں۔ ڈاکٹر احسان کا کہنا ہے کہ یہ دریافت صوبہ میں آثار قدیمہ کی تلاش کے کام کو ایک نیا رخ دے گی۔ بی بی سی سے بات چیت میں انہوں نے بتایا کہ اس دریافت سے صوبہ سرحد گندھارا اور کانسی کے آثار کے علاوہ اب پتھر کے زمانے کی تحقیق کے اعتبار سے بھی کافی اہم ہو گیا ہے۔

A-I-WAQT
LAHORE

روزنامہ
نوائے وقت
لاہور
بانی حمید نظامی مرحوم
ایڈیٹر مجید نظامی

لاہور، کراچی، راولپنڈی/اسلام آباد اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے

جلد		صفحات	رجسٹرڈ نمبر ایل	شمارہ
62	بدھ 15 محرم الحرام 1424ھ 19 مارچ 2003ء 6 چیت 2059 ب فون نمبرز UAN 111-222-007 6302050-6367551-54 قیمت 7 روپے	16	204	353

مہمند ایجنسی

مہمند ایجنسی کے پہاڑ قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں

پہاڑ جنگل ریگستان دریا سمندر ہمیشہ ہی قدرتی وسائل سے مالا مال ہوتے ہیں۔ وطن عزیز میں شمال مغربی علاقہ میں بلند بالا برف پوش پہاڑوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ پہاڑ سونا، چاندی، ہیرے جواہرات، نیلم، زمرد دھاتوں سے بھرے پڑے ہیں قیمتی سنگ مرمر کی دولت سے مالا مال ہیں۔ مہمند ایجنسی کے پہاڑ قدرتی وسائل سے بھرے پڑے ہیں مہمند ایجنسی پشاور سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ پشاور سے باجوڑ ایجنسی کے لئے جو سڑک جاتی ہے وہ مہمند ایجنسی سے گزر کر جاتی ہے۔ دریائے کابل پر وارسک ڈیم بھی اس علاقہ میں تعمیر کا گیا ہے۔ وارسک ڈیم پشاور سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے وارسک ڈیم کے لئے پختہ سڑک تعمیر کی گئی ہے پشاور کے لئے ماضی میں یہ قدیمی گذرگاہ تھی۔ اس سڑک پر چہل غازی نام کا مشہور قبرستان ہے اس قبرستان میں نوگزی قبریں اور اولیائے کرام کے مزار ہیں محمود غزنوی کی افواج کا اس میدان میں معرکہ ہوا۔ یہاں شہداء کی لاتعداد قبریں ہیں۔ تباہ شدہ بستیوں کے آثار ملتے ہیں۔ راقم نے خالد یوسف کے ہمراہ سال **2001**ء میں چہل غازی کے قبرستان میں اللہ کے نیک بندوں کے مزارات پر حاضری دی جو وارسک روڈ پر واقع ہیں۔

مکرم خان عاطف کے ایک تحقیقی مضمون کے مطابق مہمند قبیلے کی اکثریت کے رہائشی علاقے مہمند ایجنسی کو **1951**ء میں باقاعدہ ایجنسی کا درجہ دیا گیا۔ اس سے پہلے یہ علاقہ خیبر ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ کے کنٹرول میں تھا۔ مہمند ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر حلیمزئی قبیلے کے علاقے غلنئی میں کڑپہ کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے۔ مہمند ایجنسی کی سرحدیں شمال میں باجوڑ ایجنسی، مشرق میں ماا!کنڈ اور ضلع چارسدہ کا علاقہ، جنوب مشرق میں ضلع پشاور، جنوب میں خیبر ایجنسی اور مغرب میں افغانستان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ اس علاقے کا کل رقبہ **2296** مربع کلومیٹر ہے۔ علاقے کی آبادی **1988**ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق تین لاکھ چوبیس ہزار چار سو ترپن افراد پر مشتمل ہے۔ مہمند ایجنسی خشک

پتھریلے پہاڑوں اور زرخیز وادیوں پر مشتمل علاقہ ہے۔ پاک افغان سرحد پر واقع ''ایلہ زے'' نامی چوٹی علاقے کی بلند ترین چوٹی میں سے ایک ہے۔ اس چوٹی کی بلندی آٹھ ہزار ایک سو اڑتالیس فٹ ہے۔ یہ چوٹی سال کے کئی مہینے برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ مہمند ایجنسی کو انتظامی سہولت کی خاطر دو سب ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک کو اپر سب ڈویژن جبکہ دوسرے کو لوئر سب ڈویژن کا نام دیا گیا ہے۔ لوئر مہمند کا علاقہ نسبتاً زرخیز ہے، جبکہ اپر مہمند کا علاقہ مقابلتاً کم زرخیز اور کم پیداواری ہے۔ مہمند ایجنسی ایک بارانی علاقہ ہے۔ مہمند ایجنسی کا علاقہ معدنیات کے وسیع ذخائر سے مالا مال ہے۔ یہاں ملنے والی معدنیات میں سنگ مرمر، زمرد، تانبا، ڈولومائیٹ، المونیم، سلیکا سینڈ، پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم، بیریم اور ٹالک (TALC) شامل ہیں۔ سنگ مرمر کے وسیع ذخائر گومبتی، اولئی، زیارت، پام پوخہ، چمرکنڈ، ساگی اور شیخ بابا کے قریب خانزادگان کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ڈولومائیٹ کے ذخائر غلنئی میں ہیں، جبکہ المونیم، پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم اور بیریم جیسے قیمتی معدنیات کے ذخائر ایجنسی کے جنوبی خطے میں پائے جاتے ہیں۔ سلیکا سینڈ غلنئی کے نواح میں جبکہ زمرد کے ذخائر تورہ تیگہ کے علاقے میں ہیں۔ اس طرح کابر اور کرومائیٹ کے ذخائر اتما خیل، ٹالک پڑانگ غار اور ازبعس امبار کے نواحی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ ان معدنی ذخائر سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جارہا ہے جتنا اٹھایا جا سکتا ہے۔ علاقے کی سب سے اہم معدنی دولت سنگ مرمر کے وسیع ذخائر کی موجودگی کے باوجود بھی اس دولت کو نکالنے کے لئے دیسی طریقے بروئے کار لائے جارہے ہیں۔ جس کے باعث ساٹھ فیصد سے زیادہ پتھر ضائع ہورہے ہیں۔ دوسرے معدنیات کے حصول کیلئے بھی جدید سائنسی طریقے آزمانے کے لئے حکومت کو انتظامات کرنے چاہئیں۔ مہمند ایجنسی میں لوگ زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ کئی لوگ گلہ بانی بھی کرتے ہیں، جبکہ بہت کم تعداد میں لوگ تجارت اور دوسرا کاروبار کرتے ہیں۔ مہمند قبائل میں شادی کے سلسلے میں عام رواج خاندانی شادیوں کا ہے، یہاں رشتے والدین طے کرتے ہیں۔ بعض اوقات دوسرے قبیلوں

میں بھی شادی کی جاتی ہے۔ رشتہ طے کراتے وقت لڑکی کے والدین لڑکے والواں سے " ولور" کے نام پر بھاری رقم وصول کرتے ہیں۔ یہ رقم خاندان کی مالی حیثیت کو مدنظر رکھ کر طے کی جاتی ہے۔ لڑکی والے اس رقم سے لڑکی کے جہیز کا سامان اور زیورات وغیرہ بناتے ہیں۔ یہ زیورات اور سامان وغیرہ رخصتی کے بعد "مہر" میں ایڈجسٹ کردیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شادی والے دن لڑکی والوں کے گھر میں مہمانوں کے پکانے کے لئے چاول گھی چینی وغیرہ بھی لڑکے والوں سے وصول کئے جاتے ہیں، جسے عام طور پر " کوٹ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ "ولور" جیسی ظالمانہ رسم کی موجودگی کے باوجود بھی عام طور پر نہایت کم عمری میں بچوں کی شادی کرادی جاتی ہیں۔ مہمند ایجنسی میں قبائلی علاقہ جات کے دوسرے حصوں کی طرح انگریز سامراج کا سوسال پہلے سے نافذ کردہ قانون فرنٹیئر کرائمنر ریگولیشن رائج ہے۔ اس قانون کے مطابق پولیٹیکل ایجنٹ ایجنسی کی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس ایجنسی میں دو سب ڈویژن ہیں جہاں پر الگ الگ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ بھی تعینات ہوتے ہیں تمام انتظامی دفاتر اور قومی تعمیر نو کے محکموں کے سربراہوں کے دفاتر غلنئی میں ہیں۔ مہمند رائفلز کا ہیڈ کوارٹر بھی غلنئی میں ہے۔

ایف سی آر (فرنٹیئر کرائمنر ریگولیشن) انگریز سامراج نے 1901ء میں صوبہ سرحد اور اس سے ملحقہ قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں نافذ کیا تھا۔ اس قانون کے نفاذ کا مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں کے اسلام پسند عوام جب انگریزوں کے خلاف کوئی تحریک چلائیں یا کوئی اقدام کریں گے تو ان کو اس قانون کے ذریعے دبایا جائے۔ قیام پاکستان کے بعد سرحد سے اس ظالمانہ قانون کا خاتمہ ہوا اور پھر 1973ء میں بلوچستان بھی اس ظالمانہ قانون کے چنگل سے آزاد ہوا، لیکن قبائلی علاقوں کے بدنصیب لوگ اکیسویں صدی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں بھی اس کالے قانون کی زد میں ہیں۔ اس قانون کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کو بے تحاشا انتظامی، عدالتی اور مالیاتی اختیارات حاصل ہیں، جس کی مثال دنیا کے کسی ملک اور کسی ضابطے میں نہیں ملتی، اس قانون کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کسی بھی

قبائلی باشندے کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر علاقہ بدر کر سکتا ہے، قید کر سکتا ہے۔ اس قانون کے تحت قبائلی علاقوں میں سیاسی سرگرمیوں، سیاسی پارٹی بنانے اور تحریر وتقریر پر پابندی ہے۔ اس قانون کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کو ناپسندیدہ قرار دے کر اُس کے گھر، جائیداد اور دوسری املاک کو بلڈوزر کے ذریعے مسمار کرا سکے۔ ملک سسٹم اس قانون کا ایک حصہ ہے۔ یہ ملک قبائلی علاقے کے عوام اور انتظامیہ کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہیں۔ ملک عام طور پر خاندانی ہوتے ہیں اور کسی ملک کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو ملکی منتقل ہو جاتی ہے۔ ان ملکوں کو پولیٹیکل انتظامیہ کی طرف سے مستقل مراعات دی جاتی ہیں۔ لُنگی سسٹم بھی ملک سسٹم کی طرح کا ایک نظام ہے۔ لُنگی ہولڈر بھی ملکوں کی طرح حکومت سے مراعات حاصل کرتے ہیں، لیکن لنگی ہولڈر رتبے کے حساب سے ملک سے ذرا کم ہوتا ہے۔

قبائلی نظام میں ملک حضرات بڑے اثر ورسوخ کے مالک ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کے ساتھ قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے تمام سرکاری سہولیات اور دوسری مراعات ملکوں کی مرضی سے تقسیم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قبائلی علاقوں کے ہسپتال، سکول اور دیگر سہولیات کی عمارتیں یا حجرے کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں یا پھر ان عمارتوں میں جانوروں کے باڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرکاری ٹیوب ویل سے علاقے کے لوگ استفادہ نہیں کر سکتے۔ یہ فرق اُس وقت مٹے گا جب قبائلی علاقوں میں سے ایف سی آر کا خاتمہ ہوگا اور یہاں بالغ رائے دہی کے تحت بلدیاتی اداروں کا قیام عمل میں آئے گا۔ اس نظام کے آنے سے قبائلی علاقے ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکیں گے۔ ایف سی آر کے باعث مہمند ایجنسی میں بھی دیگر قبائلی علاقوں کی طرح عدالتی نظام موجود نہیں۔ اس قانون کے تحت پولیٹیکل ایجنٹ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جبکہ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کو ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اس نظام کے تحت کسی جرم کے بارے میں عام طور پر جرگہ سے رجوع کیا جاتا ہے، جو رواج اور علاقائی دستور کے مطابق فیصلہ کر کے توثیق کے لئے اسے اسسٹنٹ پولیٹیکل

ایجنٹ کو پیش کرتے ہیں۔ مہمند ایجنسی میں پاک افغان سرحد پر واقع پہاڑی سلسلے میں ''ایلہ زے'' سب سے بلند چوٹی ہے۔ اس چوٹی کی بلندی سطح سمندر سے آٹھ ہزار ایک سو اڑتالیس فٹ ہے۔ اس چوٹی نے سال کے کئی مہینے تک برف کی سفید چادر اوڑھی ہوتی ہے۔ یہ بہت صحت افزا مقام ہے۔ اس مقام تک آنے کے لئے سڑکوں کی عدم موجودگی سیاحوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس مقام کی اہمیت اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ یہ پاک افغان سرحد کے قریب ہے اور اس کو بین الاقوامی سیاحتی مرکز کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ افغانستان کے صوبہ کونڑ کا شہر اسعد آباد اور ننگر ہار کا شہر جلال آباد ایلہ زے سے صرف چند کلو میٹر کی مسافت پر ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس طرف توجہ دی جائے۔ گل ماء کی پہاڑیوں سے خوبصورت آبشار گرتی ہے اور صبح کے وقت جب سورج کی کرنیں ان آبشاروں سے گرنے والے پانی پر پڑتی ہیں تو ایک قوس قزح سی بن جاتی ہے۔ اس علاقے کے ایک نوجوان نے اسی طرح کی ایک آبشار سے گرنے والے پانی سے چلنے والا ایک چھوٹا سا بجلی گھر بنا رکھا ہے۔ اس بجلی گھر سے قریبی تیس گھروں کی بجلی کی ضروریات پوری کی جارہی ہیں۔ اگر اس طرف حکومت توجہ دے اور لوگوں کو مزید سہولتیں فراہم کرے تو ان آبشاروں کے ذریعے بڑی مقدار میں بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ یاری سر چوٹی سطح سمندر سے پانچ ہزار سات سو ستاسی فٹ بلند ہے۔ یہاں کا موسم شدید گرمی کے دنوں میں بھی خوشگوار ہوتا ہے، جبکہ سردیوں کے موسم میں اس علاقے میں سخت سردی پڑتی ہے۔ سردیوں کے موسم میں یہ چوٹی برف سے ڈھک جاتی ہے اور جولائی تک یہاں برف پڑی رہتی ہے۔ دیگر سیاحتی مقامات میں سیلئی سر، میٹھی، سلہ لا، جڑوبی درہ، دانشکول، یوسف بابا، پلوسی، گلونہ، چرتنہ اور پاڑہ بھی دیکھنے کے مقامات ہیں۔ دانشکول تحصیل ہنڈیالئی کا دور افتادہ مقام ہے، اس علاقے میں قدرتی چشموں کے پانی کا ایک نالا بہتا ہے، جس پر کئی مقامات پر پن چکیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس علاقے میں بھی موسم بہت خوشگوار ہوتا ہے اور یہ علاقہ سارا سال سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس علاقے میں مشہور مزار دربار مرزادی جس کی زیارت کے لئے زائرین کی بڑی تعداد سالہا سال سے

یہاں آتی ہے۔ مہمند ایجنسی راسخ العقیدہ مسلمانوں کا علاقہ ہے۔ اس علاقے کی تاریخ اولیاء اللہ سے بھری پڑی ہے اور اس لئے اس خطے میں ان بزرگ ہستیوں کے مزارات بھی موجود ہیں، ان مزارات پر سارا سال زائرین حاضری دیتے رہتے ہیں۔ حاجی صاحب ترنگزئی کے مزار پر ہر سال **14'15** اپریل کو دو دن عرس منایا جاتا ہے اور یہاں بڑا میلہ لگتا ہے۔ ان مزارات میں حاجی صاحب ترنگزئی مرد اولی ولی، حضرت شیخ بابا، شیخ علی بابا، سبحان شاہ بابا، پڑانگ غار زیارت، یوسف بابا، ملاغنی بابا، سہر زیارت شامل ہیں۔ راقم نے دوران سفر یہ مشاہدہ کیا کہ مہمند ایجنسی کی پہاڑیوں سے معدنیات ابل ابل کر باہر نکل کر بنی نوع انسان کو دعوت دے رہی ہیں کہ اللہ تعالی نے یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ ان سے استفادہ حاصل کرو۔



خار باجوڑ ایجنسی اور مہمند ایجنسی کے پہاڑوں سے سنگ مرمر کھلے ٹرک میں لایا جا رہا ہے کاٹ چھانٹ تراش کر حسب خواہش اس سنگ مرمر سے تعمیرات کے مختلف اشیاء، اور کوٹھیوں میں استعمال ہونے والی ٹائلیں تیار کی جاتی ہیں۔

خیر ابجنسی

خیبر ایجنسی میں ایک دن

تاریخ سے لگاؤ کے پیش نظر دنیا کے عظیم فاتح حکمرانوں کی گذرگاہ درہ خیبر دیکھنے کا اشتیاق عرصہ سے رہا۔ چنانچہ اس تاریخی راستہ کو دیکھنے کے لئے گجرات سے سفر کا آغاز موٹر سائیکل پر کیا۔ قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری دیتے ہوئے مغرب کے لگ بھگ پشاور پہنچ گئے۔ اس سفر میں احسان اللہ گھمن نے میرے ہمراہ جی ٹی روڈ پر محتاط انداز میں موٹر سائیکل کی ڈرائیونگ کی۔ بڑی عید کی چار چھٹیاں اس سفر کے لئے کافی تھیں پشاور سے صبح سویرے موٹر سائیکل پر خیبر ایجنسی کے لئے سفر کا آغاز کیا گنجان آبادی گاڑیوں کی بے ہنگام ٹریفک سے گزرتے ہوئے ہم باب خیبر جو عظمتوں کی داستان لئے کھڑا ہے۔ کے سامنے کھڑے تھے۔ باب خیبر پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے کے قریب درہ خیبر کی مکمل تاریخ درج ہے جسکی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب سیالکوٹ سے خیبر تک میں شائع ہو چکی ہے



باب خیبر۔

خیبر ایجنسی میں داخل ہوں تو سب سے پہلے جمرود کا مشہور تاریخی قلعہ آتا ہے جمرود پشاور سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ہے جمرود ایران کے شہنشاہ جمشید کے نام سے منسوب ہے یہاں پانی کے تالاب کے آثار بھی ملتے ہیں جو شہنشاہ جمشید نے تعمیر کروایا تھا جمرود وادی پشاور کے سنگم پر واقع ہے قلعہ جمرود کی دیواریں دس فٹ سے زیادہ چوڑی ہیں مشہور سکھ جرنیل ہری سنگھ نلوہ افغانستان کے ساتھ جنگ میں یہاں مارا گیا ہری سنگھ نلوہ کی سمادی قلعہ کے اندر بیان کی جاتی ہے خطرناک موڑ اترائی چڑھائی سنگاخ چٹانوں پہاڑوں سے گزرتے ہوئے ہم شگئی پہنچے۔ قلعہ شگئی خیبر رائفل کے افسروں اور جوانوں سے ملاقات ہوئی۔ شگئی پشاور سے **19** میل کے فاصلہ پر ہے یہاں برطانیہ نے **1920**ء میں قلعہ تعمیر کیا یہ قلعہ شگئی کے نام سے مشہور ہے یہاں خیبر رائفل کا دفتر ہے پہاڑ پر برطانوی افواج کے نشانات نصب ہیں خیبر ایجنسی میں دوران سفر بڑے بڑے قلعہ نما گھر ہیں۔ اونچی دیواریں بلند بالا دروازے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کسی بڑے خان کی رہائش گاہ یا حجرہ ہے ان رہائش گاہوں میں دنیا جہاں کی ہر قسم کی سہولت موجود ہے بڑی بڑی قیمتی گاڑیوں کے علاوہ علاقہ غیر کا تجارتی سامان یہاں کافی مقدار میں پڑا ہوتا ہے امیر سے امیر لوگ یہاں بستے ہیں دوسری طرف اتنی غربت ہے جھونپڑیوں میں رہنے والوں کو دو وقت کی روٹی مشکل سے نصیب ہوتی ہے بچوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں ہیں اس کے باوجود یہاں ہر قسم کی چھوٹی بڑی قیمتی گاڑیوں کی لمبی قطاریں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں شگئی کے بعد مشہور مقام علی مسجد آتا ہے جو درہ خیبر کا وسطی مقام ہے سطح سمندر سے **3147** فٹ بلند ہے آبی گذرگاہ قریب سے گزرتی ہے یہاں ایک قدیمی مسجد ہے جو علی مسجد کے نام سے مشہور ہے یہ بات مشہور ہے یہاں حضرت علیؓ تشریف لائے تھے قریب ہی ایک پہاڑ پر پتھر کھڑا دکھائی دیتا ہے اس پتھر کے بارے یہ بات مشہور ہے اس پتھر پر حضرت علیؓ کے پنجہ کا نشان ہے اس پتھر کا کافی حصہ پہاڑ سے باہر ہے یہ پتھر برائے نام پہاڑ میں ہے لیکن آج تک صحیح حالت میں ہے اِس مقام پر درہ خیبر کا راستہ صرف پندرہ فٹ چوڑا ہے یہاں حملہ آوروں افواج کی پیش قدمی آسانی سے روکی جا

سکتی ہے سڑک کے دونوں اطراف حفاظتی عملہ پہاڑوں پر پہرہ دیتا ہے خیبر ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر لنڈی کوتل ہے پولیٹیکل ایجنٹ کا دفتر بھی یہاں ہے درہ خیبر کا یہ بلند ترین مقام سطح سمندر سے بلندی 3518 فٹ ہے وسطی ایشیاء کی طرز پر کارواں سرائے ہے لنڈی کوتل کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں کھلے عام اسلحہ تیار اور فروخت ہوتا ہے لنڈی کوتل میں خیبر رائفل لینڈ کسٹمز کے دفاتر ہیں۔ قلعہ میں خیبر رائفل قیام پذیر ہے ریلوے کا مشہور اسٹیشن بھی یہیں پر ہے درہ خیبر کا آخری مقام طورخم جو پاکستان افغانستان کی سرحد ڈیورنڈ لائن پر واقع ہے مسافروں کے قیام وآرام کے لئے ریسٹ ہاؤس اور آرام گاہ ہے خیبر ایجنسی کا مشہور شہر باڑہ ہے جسکا مال پاکستان بھر میں مشہور باڑ ہے ہر قسم کے سامان کی بہت بڑی مارکیٹ ہے غیر ممالک کا سامان یہاں کھلے عام فروخت ہوتا ہے ملک بھر سے تجارتی لوگوں کی یہاں آمد ورفت رہتی ہے قریب ہی قلعہ میں فرنٹیئر کنسٹبلری کا قیام ہے خیبر کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنا درہ خیبر یا قلعہ خیبر کی تاریخ ہے۔ 1200 ق م میں درہ



درہ خیبر کے راستے میں علی مسجد اس مسجد کے بارے بتایا جاتا ہے یہ مسجد حضرت علیؑ کے دور کی ہے۔

خیبر سے آمد ورفت کے راستے کھل گئے چھٹی ق م سے درہ خیبر کے راستے برصغیر میں یورش اور تجارتی قافلوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔

باب خیبر کا پہلا دروازہ موجودہ علی مسجد کے اس تنگ درے میں تعمیر ہوا تھا۔ یہاں راستہ بہت تنگ ہے۔ باب خیبر کئی مرتبہ تعمیر و ویران ہوتا رہا۔ مغلیہ حکومت کا بانی ظہیر الدین بابر کے دور حکومت تک موجودہ علی مسجد کے قریب باب خیبر تعمیر تھا۔ 1542ء میں شیر شاہ سوری نے باب خیبر کی نئی تعمیر کی۔ 1735ء میں نادر شاہ ایرانی نے جب افغانستان اور پشاور کے علاقوں پر مکمل قبضہ کیا باب خیبر کو دوبارہ تعمیر کیا۔ آخری مرتبہ باب خیبر کی تعمیر پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے دور حکومت میں 1964ء میں جمرود کے مقام پر عمل میں آئی۔ باب خیبر اپنے پاکستانی بھائیوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ درہ خیبر جیسے برصغیر کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ پشاور کے عین مغرب میں واقعہ ہے۔

سلسلہ کوہ سلیمان کو ہمالیہ کی شاخ ہے۔ یہ سطح مرتفع پامیر سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے کے درے کی پہاڑیاں وادیاں خیبر پر پہنچ کر ایک ہو جاتی ہیں۔ اصل درہ قلعہ جمرود سے شمال مغرب میں تقریباً تین میل پر شروع ہوتا ہے اور کوئی 23 میل لمبا ہے۔ بل کھاتی ہوئی سڑک میلوں تک چلی گئی ہے۔ جس کے دو حصے ہیں ایک پر گاڑیاں چلتی ہیں اور دوسری اونٹوں کے لئے ہے۔ علی مسجد کے بعد درہ بل کھاتا ہوا اپنی انتہائی بلندی پر لنڈی کوتل کی سطح مرتفع (3518 فٹ) تک جا پہنچا ہے۔ یہاں سے سڑک نشیب کا رُخ کرتی ہوئی لنڈی خانہ اور پھر طورخم پہنچتی ہے۔ یہاں ڈیورنڈ لائن گزرتی ہے جو پاکستان اور افغانستان کے درمیان سیاسی اور بین الاقوامی حد حاصل ہے۔ درہ خیبر جس کا زیادہ حصہ ویران پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ چار قبائلی قومیں آباد ہیں۔ آفریدی، شینواری، ملاگوری، شلمانی یہ اقوام آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی روایتی مہمان نوازی جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی حسن اخلاق، شجاعت کے پیکر ہیں اور خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ دوسرے پختون قوموں کی طرح یہ قبائل بھی زمانہ قدیم سے غیرت کا ایک نشان ہیں۔

پاکستان کی شمالی مغربی سرحد جہاں ہر زمانے میں تاریخ بنتی اور بگڑتی رہی کتنی ہی تہذیبوں کا سنگم بنا رہا ہے۔ درہ خیبر سرحد کا ایک اہم شہرہ آفاق دروازہ ہے۔ جو تاریخ میں وسطی ایشیاء اور برصغیر کے درمیان یورش وتجارت کی گذرگاہ بنا رہا ہے۔ اس درہ خیبر سے لاتعداد حملہ آور آئے۔ اُن میں وہ نام بھی شامل ہے۔ جنہوں نے ساری دنیا کو فتح کیا۔ یعنی تاریخ کے مشہور ترین فاتح سکندر اعظم چنگیز خان اور تیمور سب سے پہلے آریوں نے 1600 ق م میں اس مشہور تاریخی بین الاقوامی شاہراہ پر قدم رکھا۔ پہلی صدی عیسوی میں کشان خاندان نے وسط ایشیاء میں سلطنت قائم کی۔ تو پشاور کو اس کا دارالحکومت بنایا۔ اور درہ خیبر بین الاقوامی آمدروفت کے لئے ایک مستقل شاہراہ بن گیا۔ اُسی زمانے میں مہاتما بدھ کی پاکیزہ تعلیمات اس علاقے میں عام ہوئی۔ گندھارا آرٹ وجود میں آیا۔

چنانچہ کشان خاندان کے بعد تیسری صدی عیسوی میں ساسانی (ایرانی) یہاں آئے۔ اسی ایرانی ساسانی خاندان نے ہنوں سے پہلے گندھارا علاقے پر حکومت کی سفید ہن تاریخ عالم کے یہ مشہور سفاک براعظم ایشیاء سے اُٹھ کر پانچویں صدی عیسوی میں اس سرزمین پر حملہ آور ہوئے تھے۔ برصغیر پر کئی سال تک حکومت کرنے والے اسی درہ خیبر سے گزرے ہیں۔ خیبر ایجنسی یعنی درہ خیبر کا سفر اختتام پذیر ہوا۔ ہم مغرب کے وقت پشاور پہنچ گئے سرحد کے بعض علاقوں میں اس روز عید تھی رات نو بجے پشاور صدر اسٹیشن سے گجرات کے لئے خیبر میل کا ٹکٹ لیا موٹر سائیکل بک کروائی۔ گاڑی جس وقت پشاور سے روانہ ہوئی پوری بوگی میں راقم اور احسان اللہ سوار تھے البتہ راستہ میں مختلف اسٹیشنوں سے خانہ بدوش قربانی کا گوشت قربانی کے جانوروں کی اوجڑیوں کے ساتھ سوار ہوتے رہے۔ نوشہرہ چھاؤنی اٹک۔ راولپنڈی سے فوجی جوان عید پر گھر جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوتے رہے صبح 6 بجے گاڑی گجرات ریلوے اسٹیشن پہنچی اس روز یہاں عید تھی عید اپنے گھر پر منائی اس طرح دو عیدیں منانے کا شرف حاصل ہوا۔ سرحد کے لوگ عید ایک روز پہلے مناتے ہیں ملک کے دوسرے حصہ کے لوگ دوسرے روز عید مناتے ہیں۔

خیبر ایجنسی کے پر پیچ پہاڑوں میں دنیا کی انوکھی ریلوے لائن

جب پاکستان کی مغربی سرحد پر حالات سازگار تھے چند ڈبوں دو پرانے زمانے کے بھاپ سے چلنے والے انجنوں پر مشتمل ٹرین ریلوے اسٹیشن پشاور صدر سے لنڈی کوتل تورخم کے لئے روانہ ہوتی تھی۔ ایک انجن گاڑی کے آگے دوسرا انجن ڈبوں کے پیچھے نصب ہوتا تھا۔ گاڑی کی رفتار اتنی سست ہوتی تھی عام آدمی آسانی سے گاڑی میں سوار ہو جاتا اور مطلوبہ مقام پر بڑے آرام سے اُتر جاتا۔ گردونواح کے جن دیہات میں پانی کی قلت ہوتی انجن کی ٹینکی کے گرد وہ لوگ بالٹیاں، ٹین، لئے جمع ہو جاتے جب تک اُن کے برتن پانی سے بھر نہ جائیں گاڑی روانہ نہیں ہوتی۔ جن دنوں راقم پشاور میں زیرِ تعلیم تھا اس گاڑی پر سفر کیا۔ ٹکٹ وغیرہ نہیں ہوتا تھا دورانِ سفر خیبر رائفلز کے جوان گاڑی اور مسافروں کی حفاظت



خیبر ایجنسی میں درہ خیبر کے راستے ریل لنڈی کوتل جاری ہے

کرتے دوران سفر سرنگوں سے گزرتے ہوئے مسافر لطف اندوز ہوتے پورے رستے میں ریلوے لائن کے دونوں طرف خشک سنگلاخ پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ جب ٹرین کسی آبادی کے قریب سے گزرتی معصوم بچے تالیاں بجا کر ٹرین کا استقبال کرتے بعض جگہ ریل گاڑی آگے کی بجائے پیچھے کی طرف آجاتی۔ پھر آگے روانہ ہو جاتی منزل مقصود پر پہنچ کر گاڑی واپس پشاور کے لئے روانہ ہوتی یہ ریلوے لائن بچھانے کے لئے انگریزوں کو حکمت عملی سے کام لینا پڑا۔ اور بھاری رشوت بھی ادا کی۔ حقیقت میں برطانوی سامراج کا منصوبہ مشرقی وسطی کی ریاستوں جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں پہنچنے کا منصوبہ تھا۔ اس منصوبے کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لئے اسے بھاری اخراجات برداشت کئے دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا بھر میں برطانوی سامراج کو بستر بوریا سمیٹنا پڑا اس کی جگہ اَب امریکی سامراج نے لے لی ہے اَب وہ اسی منصوبے پر پہنچنے کے لئے اس ریلوے لائن کے علاوہ موٹر وے انڈکس ہائی وے استعمال کرے گا۔ محکمہ ریلوے نے یہ کام اَب ایک سیاحتی ادارے کو ٹھیکہ پر دے دیا ہے تین ہزار روپے فی مسافر ٹکٹ وصول کیا جاتا ہے۔ اس کرایہ میں دوپہر کا کھانا اور چائے بھی دی جاتی ہے۔ جب بکنگ مکمل ہو جائے مسافروں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ عموماً قومی تہوار کے دنوں میں بھی یہ خصوصی ٹرین چلائی جاتی ہے۔ لنڈی کوتل میں ٹرین کا سفر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ لنڈی کوتل کو اس علاقہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بہت بڑی مارکیٹ ہے۔ سمگل شدہ مال کی فراوانی ہے۔ لنڈی کوتل دنیا کا بلند ترین ریلوے سٹیشن ہے۔ جو سطح سمندر سے ساڑھے تین ہزار (3500) فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ تاریخی درہ خیبر جمرود فورٹ سے شروع ہو کر پاک افغان سرحد طورتک پہنچتا ہے جس میں کوہ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے میں بل کھاتی سڑک کے ساتھ ساتھ بلندی کی طرف ریل کی پٹری بھی نظر آتی ہے راستے میں شاہ گئی، علی مسجد کاروان سرائے آتے ہیں جو خیبر ایجنسی کے مشہور مقامات ہیں لنڈی کوتل آخری پوسٹ ہے جو سیاحوں کی کشش کا باعث ہے جہاں سے پاک افغان سرحد اور ملحقہ افغان علاقوں کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ درہ خیبر میں ریلوے ٹریک بچھاتے وقت انگریزوں نے سڑک بھی بنائی تھی جبکہ شیر شاہ سوری کی بنائی ہوئی سڑک جو کابل کو



درہ خیبر پر پیچ راستہ جو پاکستان کو افغانستان اور مشرق وسطیٰ سے ملاتا ہے

بنگال سے ملاتی ہے بھی نظر آتی ہے۔ لیکن اب اس پر اونٹوں کے کارواں جاتے نظر آتے ہیں۔ جس کا نظارہ خیبر ٹرین سفاری سے کیا جا سکتا ہے۔ کوہ ہندوکش کے سلسلے کی پر پیچ پہاڑیوں میں ریلوے ٹریک اس وقت کے انجینئروں کا ایک شاہکار کارنامہ ہے جو پشاور سے شروع ہو کر طورخم پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ لیکن فی الحال صرف لنڈی کوتل تک ہی قابل استعمال ہے یہ سارا ٹریک **32** میل لمبا ہے یہ ریلوے ٹریک **1925-26** میں مکمل ہوا جس میں ریورس سٹیشن اور لاتعداد سرنگیں ہیں۔ خیبر ایجنسی میں ریلوے ٹریک بچھانے کا

منصوبہ دوسری افغان جنگ کے دوران بنا اور 1890ء میں سات سال دوبارہ اس کا جائزہ لیا گیا جس کے لئے دریائے کابل کا تنگ راستہ چنا گیا لیکن آٹھ سال بعد ایک اور منصوبے کے تحت درہ خیبر میں ریلوے لائن کے لئے موجود جگہ کا انتخاب کیا گیا اور 1901ء میں اس پر کام کا آغاز کر دیا گیا۔ پٹڑی بچھانے کا کام بڑی عمدگی اور ایسی نفاست سے کیا گیا ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی اور ایسے دھیرے دھیرے اُوپر چڑھتی ہے کہ 22 میلوں میں دو ہزار فٹ بلند چلی جاتی ہے جس کے بعد ٹریک طورخم کی طرف نیچے کو جاتا ہے۔ یہ تاریخی ٹریک انگریزوں کے جانے کے بعد بیکار پڑا تھا جسے صحرائی ٹریولز نے ریلوے کے ساتھ ملکر لوگوں کی سیاحت کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا اور اب ہر پندرہ دن بعد سیاحوں کی ایک بڑی تعداد خیبر سفاری ٹرین کے ذریعے تاریخی درہ خیبر کی سیر کرتی ہے۔ جس میں ایک بڑی تعداد غیر ملکی سیاحوں کی شامل ہوتی ہے۔ خیبر سفاری کی کئی انوکھی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ٹرین کے دونوں جانب 1913ء میں انگلینڈ کی کنگسٹن اینڈ کمپنی کے بنے ہوئے بھاپ سے چلنے والے دو انجن لگے ہوتے ہیں۔ یہ انجن گاڑی کے واپس آنے اور لنڈی کوتل کی طرف جاتے اور پشاور آتے ہوئے ریورس کے دوران استعمال کئے جاتے ہیں ان دونوں انجنوں کے ساتھ پانی کی دو ٹینکیاں بھی لگی ہوئی ہیں اور اس کے بیچ میں مسافروں کے ڈبے لگے ہوتے ہیں خیبر سفاری کی دوسری انوکھی بات جس کی وجہ سے اس کا ذکر گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں موجود ہے۔ وہ اس ریلوے لائن کا پشاور ائر پورٹ کے درمیان سے گزرتا ہے۔ جبکہ پشاور ائر پورٹ بھی دنیا کا واحد ائر پورٹ ہے جس میں سے ریلوے لائن گزرتی ہے لیکن جب خیبر سفاری پشاور سے جمرود کی طرف جاتی ہے تو ائیر پورٹ میں داخلے سے قبل ریلوے حکام ائیر ٹریفک سے اجازت لیتے ہیں۔ جبکہ اس ٹرین سفاری کو بی بی سی، سی این این، اے بی سی، ٹی وی اور پی ٹی وی بھی خصوصی کوریج دے چکا ہے۔ فی الحال ٹرین کا سفر لنڈی کوتل پر اختتام پذیر ہوتا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے اسے کئی سرنگوں ریورس سٹیشنوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ خیبر سفاری سے اب تک دنیا بھر کے لاتعداد سیاح محظوظ ہو چکے ہیں۔ جنہوں

...نے اکتوبر 1997ء میں 45 رکنی رائل ائر سکواڈ خصوصی طور پر پاکستان آیا اور 1913ء ...ماڈل کے لوکوموٹو انجن کو ایکشن میں دیکھ کر بہت زیادہ محظوظ ہوئے۔ اس سکواڈ میں 78 ...سال بوڑھے اور بائیس سال کے نوجوان بھی شامل تھے۔ مقررہ تاریخوں کے علاوہ اہم ...قومی ایام اور تہواروں پر خصوصی سفاری ٹرین چلائی جاتی ہے جس میں سفر کے لئے پاکستانی ...سیاحوں کے لئے ٹکٹ میں پچاس فیصد اور بچوں کے لئے 75 فیصد رعایت دی جاتی ہے۔



درہ خیبر جانے کے لئے پشاور میں نصب راہنمائی کا بورڈ۔

اوچ شریف ۔ بہاول پور۔ ملتان ۔ ٹھٹھہ۔ کراچی۔ سندھ بلوچستان میں قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات کی تفصیل جنوبی پنجاب سندھ میں اولیائے کرام میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوگزی قبریں اولیائے کرام کے آستانہ عالیہ کی مکمل تفصیل

گجرات تصاویر کے آئینے میں

ملاحظہ فرمائیں۔

اورکزئی ایجنسی

شمال مغربی سرحدی صوبہ کی اورکزئی ایجنسی

قبائلی علاقے جو سات ایجنسیوں پر مشتمل ہیں ان میں اورکزئی ایجنسی بھی ہے۔ اورکزئی کے باشندے درہ آدم خیل کے آفریدی آدم خیل آفریدی کہلاتے ہیں۔ اس میں درہ آدم خیل، علاقہ بوستی خیل (عجب خان آفریدی کا تعلق یہاں سے تھا) کوئل پاس ایف آر کوہاٹ، طورسپر، شیراکئی، تزونے، منڈائی وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔ 1975ء سے پہلے اس ایف آر کوہاٹ میں اورکزئی ایجنسی شامل تھی۔ 1975ء کے بعد اورکزئی قوم کی علیحدہ اورکزئی ایجنسی وجود میں آئی۔ یہ ایجنسی میجر جنرل جمالدار وزیر قبائلی علاقہ جات کی کوششوں سے وجود میں آئی۔ اور FR کوہاٹ جو آفریدی اقوام پر مشتمل ہے علیحدہ ایف آر کوہاٹ رہا۔

اورکزئی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں پہلی روایت میں کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں سال قبل ایک ایرانی شہزادہ سکندر شاہ المعروف ورکزئی (WRAKZI) کو اپنے باپ نے اپنے ملک سے جلاوطن کردیا۔ سکندر شاہ کسی طرح کوہاٹ پہنچ گیا۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے ایک موسیقار کو اپنے بیٹے سکندر شاہ کو واپس بلانے کے لئے بھیجا۔ وہ موسیقار سکندر شاہ کے پاس کوہاٹ آیا۔ یہاں آکر موسیقار نے کوہاٹ کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرلی۔ جب کہ بادشاہ کی دوسری



پہاڑوں کے دامن میں بھیڑ بکریاں پالنا ذریعہ معاش ہے۔

بٹی سے سکندر شاہ نے شادی کر لی اور وہیں آباد ہو گئے۔ بعد میں تیراہ میں فتنہ فساد کی وجہ سے سکندر شاہ نے لشکر کے ساتھ تیراہ پر حملہ کر دیا۔ اس دوران کوہاٹ میں بادشاہ بھی وفات پا گیا اور اس تخت پر بنگہ نامی شخص نے قبضہ کر لیا۔ سکندر شاہ (اورکزئی) نے تخت حاصل کرنے کے لئے کوہاٹ پر چڑھائی کر دی۔ جہاں پر پہلے سے آباد بنگش قوم نے اورکزیوں کے ساتھ محمد زئی کے مقام پر لڑائی لڑی مگر بنگش قوم کو کوہاٹ کا علاقہ ہی ملا اور اورکزئی کو پہاڑی علاقہ ملا۔ مورخین کے مطابق سکندر شاہ چونکہ ایرانی بادشاہ کا بیٹا تھا۔ لہذا سکندر شاہ ورکزئی کہلایا جبکہ اس کی قوم اورکزئی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ (بمطابق آئینہ بنگش و تیراہ مولف عبدالحلیم)

دوسری روایت ہے کہ افغانستان سے تین بھائی پریدی (آفریدی)۔ ورکرزئی اور وزیر موجودہ اورکزئی کے علاقے کی جانب آئے۔ یہاں ان کے درمیان کسی بات پر اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک بھائی پریدی (آفریدی) شمال کی جانب، وزیر جنوب کی جانب چلا گیا جبکہ ورکزئی اسی جگہ آباد ہو گیا۔ اس کی نسل اورکزئی کہلائی۔ لہذا نسل اورکزئی کی وجہ سے یہ اورکزئی ایجنسی کہلاتی ہے۔ 98-1997 کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی 223885 نفوس پر مشتمل ہے۔ اورکزئی ایجنسی کا رقبہ 1567 مربع کلومیٹر ہے۔



سردی کے موسم میں قبائلی علاقہ کے پہاڑوں پر برف جم جاتی ہے۔

کرم ایجنسی

کرم ایجنسی کا مشہور شہر پارہ چنار

قبائلی علاقہ کی مشہور کرم ایجنسی کا حدود اربعہ مشرق میں ٹل ہنگو مغرب افغانستان شمال خیبر اورکزی ایجنسی جنوب میں شمالی وزیرستان ہے۔ پارہ چنار کرم ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر ہے جو سفید پر واقع ہے۔ کوہ سفید سطح سمندر سے 5734 فٹ بلند ہے۔ پارہ چنار کو سڑک کوہاٹ سے جاتی ہے۔ کوہاٹ سے ٹل 60 میل اور ٹل سے پارہ چنار 60 میل کے فاصلہ پر ہے جبکہ افغانستان کی سرحد پارہ چنار سے تیرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ٹل سے پارہ چنار کے سڑک بہترین بنائی گئی ہے۔ کوہاٹ سے پارہ چنار کے لئے پہلی کوچ چھ بجے روانہ ہوتی ہے سو کے لگ بھگ کرایہ ہے۔ پارہ چنار سے کوہاٹ کے لئے آخری کوچ دو اڑھائی بجے روانہ ہوتی ہے۔ کوہاٹ کے لئے ٹل سے چار بجے تک اور ہنگو سے رات آٹھ بجے آخری ویگن

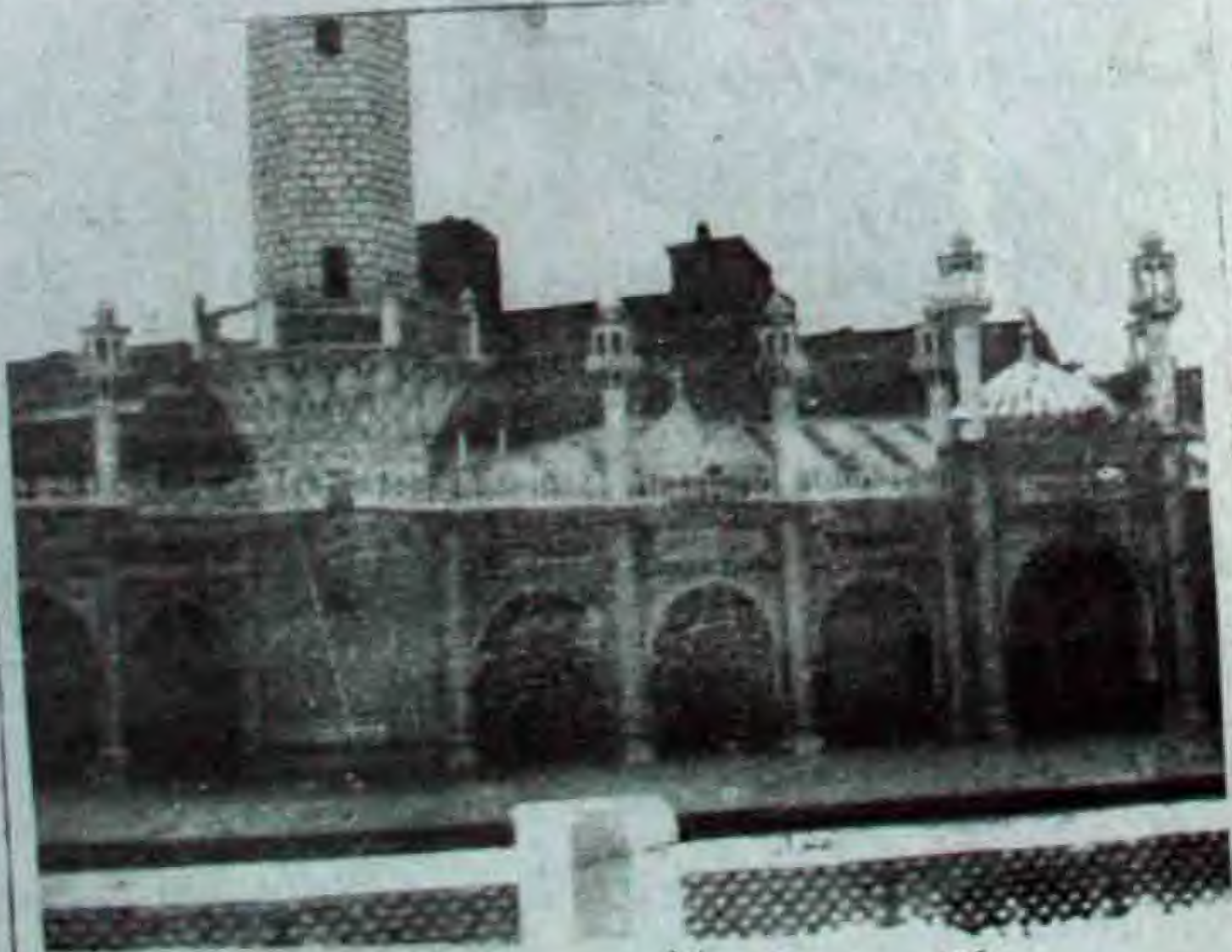


نسید میر اکبر جان سید شکر درہ لوہر کرم

جاتی ہے۔ پارہ چنار صحت افزاء اور پہاڑی مقام ہے۔ گرمی کے موسم میں پارہ چنار میں بارشیں ہوتی ہیں۔ بارش کی اوسط 66 انچ تک ہے۔ افغانستان کا حکمران بچہ سقہ کسی زمانہ میں پارہ چنار کے بازار میں پانی مہیا کرتا تھا۔ پارہ چنار کے بازار شاندار ہیں۔ ایک بازار پنجابی بازار کے نام سے مشہور ہے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کا دفتر پارہ چنار میں ہے۔ یہ دفتر پتھروں سے تعمیر شدہ شاندار عمارت میں ہے۔ یہاں تین ریسٹ ہاؤس بھی ہیں۔ سیاحوں کے قیام کے لئے شاندار ہوٹل بھی ہیں۔ مشہور قصبوں میں چیری جوٹل پارہ چنار علزئی سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے سرسبز و شادات علاقہ ہے۔ علزئی ٹل سے 21 میل اور پارہ چنار سے 35 میل کے فاصلہ پر مین روڈ پر واقع ہے۔ علزئی لوئر کرم ایجنسی کا سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔ سردیوں میں برف کی وجہ سے کرم ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر یہاں منتقل ہو جاتا ہے۔ علزئی میں دو ریسٹ ہاؤس ہیں۔ دریا کے کنارے پرانے زمانہ کے کھنڈرات سے یونانی دور کے سکے ملتے ہیں۔ کرمان، کرم ایجنسی کا خوبصورت علاقہ ہے۔ یہ مقام گولڈن سیبوں کے لئے مشہور ہے۔ امام باغ پارہ چنار سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ مقام بڑا دل کش ہے۔ زیران بھی پارہ چنار سے شمال مشرق کی طرف دو میل کے فاصلہ پر واقع یہ بہت خوبصورت مقام ہے۔ یہاں کا پانی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ کوہ سفید کا سلسلہ یہاں سے شروع ہو کر پیواڑ کوتل تک اختتام پذیر ہوتا ہے۔ شلوزان کرم ایجنسی کا شمالی خوبصورت شہر ہے جو پارہ چنار سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ شلوزان چار چیزوں کے لئے مشہور ہے۔ تعمیراتی پتھر، چاول، لکڑی اور نسوانی حسن۔ افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن کی دادی کا تعلق شلوزان سے تھا۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں کے حرم میں ایک خاتون کا تعلق بھی شلوزان سے تھا۔ شلوزان سنہری سیبوں کے لئے مشہور ہے۔ چنار کے درختوں نے شلوزان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رکھا ہے۔ پکنک کے لئے یہ مثالی مقام ہے۔ خرلاچی بھی کرم ایجنسی کا تجارتی مرکز ہے۔ لکڑی کی بہت بڑی منڈی ہے۔ یہاں حضرت لالہ گل کا مزار ہے۔ یہاں زائرین حاضری دیتے ہیں۔ احمد زائی کرم ایجنسی کا خوبصورت شہر ہے جو خرلاچی سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ جب کرم دادی افغانستان میں شامل

تھی۔ افغانستان کا گورنر احمد زئی میں قیام پذیر رہتا۔ یہاں افغانستان دور کے قلعے کے آثار ملتے ہیں۔ یہاں ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ دریا کے کنارے سرسبز و شاداب پہاڑ بڑا خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں۔

پیواڑ کوتل پارہ چنار سے تیرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پاکستان اور افغانستان کی سرحد ہے۔ کوہ سفید کی چوٹی پر کھڑے ہو کر افغانستان کے شہر جلال آباد کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں سے افغانستان کا دارالحکومت کابل 80 میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہوتا ہے۔ پارہ چنار کے عظمت علی علوئی جو صحافی کے تحقیقی مضمون کے مطابق پیارے ملک پاکستان کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو پاکستان کی مغربی سرحد کی جانب نوکدار شکل کا ایک نقشہ نظر آئے گا۔ اس علاقہ کا نام کرم ایجنسی ہے۔ کرم ایجنسی کا صدر مقام چناروں کی وادی پارہ چنار برف پوش کوہ سفید کی آغوش میں واقع ایک جنت نظیر وادی ہے۔ یہ کرم کا وہ حصہ ہے جس کو سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے چھوٹا لندن کا نام دیا تھا۔ یہ علاقہ پشاور سے مغرب کی



جامع مسجد پارہ چنار کرم ایجنسی پارہ چنار میں عید نوروز کا منظر

طرف واقع ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت مہمان نواز ہیں۔ اور پشتون روایات کی طرز زندگی بسر کررہے ہیں۔ اس وادی کو سلطان محمد غوری، سلطان محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کی میزبانی کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ جو اسی راستے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ یہ خوبصورت علاقہ اکثر بیرونی یلغاروں کا شکار رہا مگر کوئی بھی قبیلہ یہاں قدم نہ جما سکا۔ پانچ سو سال پہلے بنگش قبیلہ یہاں آکر آباد ہوئے اور پھر کچھ عرصہ بعد طوری قبیلہ یہاں پہنچے تو بنگشوں کے ساتھ کئی خونریز معرکے لڑے۔ طویل عرصہ بعد طوری قبیلے نے بنگش قبیلے کو کرم سے نکال کر وادی پر قبضہ کرلیا۔ اب بھی زیادہ اکثریت طوری قبیلے کی ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں بنگش قبیلے کے لوگ کم ہیں۔ 1853ء میں لوئر کرم ایجنسی کے مقام پر طوری قبیلے کے جوانوں نے انگریزوں کو شکست پریشان کئے رکھا اور انگریزوں کے خلاف کئی جان آفرین معرکے لڑے۔ لہذا ان دونوں بڑے قبیلوں کے علاوہ دوسرے اقوام جیسے ہزارہ، مقبل، جدران، منگل، غلجے وغیرہ ہیں مگران کی تعداد کم ہے۔ جب سیف الدین غوری نے غزنی کے بادشاہ بہرام شاہ کو شکست دی تو بہرام شاہ نے اسی علاقہ میں پناہ لی۔ اور کچھ عرصہ بعد حملہ کرکے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ 1225ء میں یہ علاقہ محمد خوازم شاہ کے قبیلے کے پاس رہا۔ امیر تیمور، ظہیرالدین بابر اور ہمایوں نے اسی وادی کو اپنی عملداری میں لے لیا۔ بعض کتابوں میں ذکر ہے کہ پندرہویں صدی کے آخر میں جب طوری قبیلے کے لوگوں نے یہاں قبضہ جمایا تو اس وقت ہندوستان پر بارک زئی خاندان کی حکومت تھی۔ اس سے بہت سی روایات ہیں۔ پاراچنار کا پہلا نام طوطلکی تھا۔ لیکن ایک روایت یہ ہے کہ اس علاقے میں طوری قبیلے پڑانگ نامی ایک شخص نے ایک چنار کا پودا لگایا تھا اور اس چنار درخت کے نیچے جرگے کیا کرتے۔ اور پڑانگ نام پر پارہ چنار کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پارا کے معنی ٹکڑے کے ہیں۔ چونکہ یہاں چنار کے درختوں کی پیداوار زیادہ اور جگہ جگہ پر ہے اس لئے اسے پاراچنار یعنی چناروں کا ٹکڑا کہا جاتا ہے۔ یہاں پولیٹیکل ایجنٹ اور اسکی انتظامیہ نے ترقی کے کام اور سارے انتظامات سنبھال رکھے ہیں۔ پاراچنار کے مغرب کی پیواڑ، تری

منگل، بغدادی، خرلاچی شمال کی طرف شلوزان، ملانہ، نعمان خیل مشرق کی طرف زیڑان، کڑمان، بوغکی، ایف ار کرم جنوب کی طرف کنج علیزئی، تستی کوٹ احمد زئی، مالی خیل، شاخ اور بوشہرہ وغیرہ واقع ہیں۔

پاراچنار میں باہر سے آنے والے مہمانوں کے لئے ریسٹ ہاؤس اور ہوٹلز موجود ہیں۔ یہاں پر ایک بوائے اور گرلز کالج۔ کامرس کالج ان کے علاوہ بہت سے پرائیویٹ تعلیمی ادارے کھولے گئے ہیں اور جدید دور میں انٹرنیٹ اور دوسری سہولیات بھی موجود ہیں۔ اور پی آئی اے کی پروازیں افغانستان کے حالیہ بحران کے بعد بند ہیں۔ حکومت ان پروازوں کو دوبارہ شروع کرے تاکہ عوام کو سہولت میسر ہو سکے۔ پاراچنار میں ایک ہیڈکوارٹر ہسپتال، زنانہ ہسپتال اور دوسرے غیر سرکاری اداروں کے دفتر بھی ہیں مگر 21 ویں صدی میں عوام کو انصاف فراہم نہیں۔ ایف سی آر (فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن) انگریز کا فرسودہ غیر اخلاقی اور غیر شرعی قوانین سے عوام کی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے۔ اور پاکستان کا واحد علاقہ فاٹا بلدیاتی انتخابات سے محروم ہے۔ فاٹا میں جبراً قانون (جنگلی قانون ہے) 'جسکی لاٹھی اس کی بھینس'۔

1880ء جنگ دوم افغانستان ختم ہو کر کرم پر نہ افغانی حکومت تھی نہ انگریز۔ کرم آزاد تھا۔



پارہ چنار میں عید نوروز کا منظر



وادی کنج علیزئی عظمت علی علیزئی ۔ سبز میدانوں میں کھڑے ہیں

اس کو "دور پشتو" کہتے ہیں۔ یہ 1880ء سے 1892 تک رہا۔ 1892 طوری بیرونی حملوں سے تنگ آ کر انگریز سرکار کو بلایا۔ پہلا ہیڈ کوارٹر بالش خیل کے بعد پاراچنار کو منتقل ہوا۔ 1894ء میں قدیمی قلعہ پاراچنار تعمیر ہوا۔ 1894ء میں شہر پاراچنار کی آبادی شروع ہوئی جو 1901ء پاراچنار کی آبادی دوڈھائی سو تھی۔ کورم 6-1905 کو باقاعدہ بندوبست ل ہوا۔ 1914ء میں ملی خیلدن کے کیمپ پر افغانوں کا حملہ آٹھ ہزار افغانی لشکر سے بہت کم لوگ بچ کر بھاگ گئے۔ علی زئی سے اور پاراچنار سے ملیشیاء فورس کی مدد پہنچی۔ ملی خیل بھی بہت قتل ہوئے۔ 1919ء میں افغانوں نے پیواڑ اور خرلاچی پر حملہ کیا۔ اس حملے میں طوری قبیلے کے جانثار شہید ہوئے لیکن افغانوں کو شکست ہوئی۔ گوجرنہ میں طوریوں کے مکانات کو آگ بھی لگائی تھی۔ افغانی بھاگ گئے تھے۔ 1929ء افغانستان میں بچہ سقہ کا خروج۔ 8 ماہ بعد قتل بچہ سقہ اور نادر خان کا قبضہ ہوا۔ 1946ء طوری قبیلے کا وفد قائداعظم محمد علی جناح کے پاس دہلی جا کر مسلم لیگ میں شمولیت کی۔ محمد علی جناح نے طوری قوم کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور طوری قبیلے کی ملاقات کے بعد مختلف پٹھان قومیں بھی مسلم لیگ سے الحاق کر چکی۔ اور 1947ء میں پاکستان بنا۔ قائداعظم کی تحریک آزادی میں طوری قبیلے نے جانی و مالی قربانی پیش کی تھی۔

شمالی وزیرستان ایجنسی

شمالی وزیرستان

پاکستان اور افغانستان کے درمیان پہاڑوں کے دامن میں سرسبز شاداب وادیاں ہیں ان قبائلی علاقوں میں جابجا ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہیں شمالی وزیرستان یہ علاقہ بہت خوبصورت ہے انگریزوں نے رزمک اور آس پاس کے علاقے سے متاثر ہو کر اسے چھوٹا لندن کہتے تھے اپنے خوبصورت اور دلکش مناظر کے لحاظ سے پاکستان میں سوات، مری ایبٹ آباد کشمیر سے کم نہیں۔ موسم گرما میں یہاں کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے کوہ پیرغل سفید برف کا تاج سر پر رکھے ہوئے شمال وزیرستان کے کھیتوں، اور سدابہار پہاڑوں میں صاف شفاف پانی کے چشمے ندی نالے بہت خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں۔ یہ پانی انسانی صحت کے لئے بہت مفید قرار دیا گیا ہے جو مفید جڑی بوٹیوں سے گزر کر آتا ہے وزیرستان کی سرزمین معدنیات اور نباتات سے مالا مال ہے یہاں کے لوگ دلیر اور جفاکش محنتی ہیں تجارت کے علاوہ ملازمت روزگار کے سلسلہ میں بیرون ملک بھی گئے ہوئے ہیں۔ کتاب شاؤال کا آنکھوں دیکھا حال از محمد عالم خان مسعود کے مطابق اریا قوم کے لوگ افغانستان کے راستے صوبہ سرحد کے علاقوں میں آکر آباد ہوئے۔ یہ لوگ قدآور۔ تندرست اور توانا اور جنگجو تھے شہری زندگی سے ناواقف تھے۔ اریا لوگ سوت کاتنا، کپڑا بننا جانتے تھے۔ بھیڑوں کی اون سے کپڑے بناتے تھے۔ آریاؤں کے رہن سہن کام کاج کھیتی باڑی کے اثرات اور علامات آج تک وزیرستان کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں آج بھی وزیرستان میں سوت کاتنا، بھیڑ بکریوں کی اون سے دریاں دوسرا سامان بنایا جاتا ہے شمال وزیرستان کے جنوب میں جنوبی وزیرستان شمال میں کرم ایجنسی مشرق میں بنوں مغرب میں افغانستان ہے شمال وزیرستان کا رقبہ 4706 مربع کلومیٹر ہے جنوبی وزیرستان کا رقبہ 6620 مربع کلومیٹر ہے 1981 کی مردم شماری کے مطابق شمالی وزیرستان کی آبادی 235000 اور جنوبی وزیرستان کی آبادی 308000 ہے وزیرستان کے بڑے قبیلے وزیر اور مسعود ہیں اس علاقہ کا موسم گرمی میں انتہائی خوشگوار ہوتا ہے کوہ پیرغل شویدر کی چوٹیوں پر مئی کے آخر تک

برف جمی رہتی ہے وزیرستان کے پہاڑوں کی حدیں شمال میں دریائے کرم جنوب میں دریائے گمل سے جاملتی ہیں یہ پہاڑی سلسلہ افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔صوبہ سرحد میں یہ بہت بڑا پہاڑی خطہ ہے پہاڑی چوٹیاں بہت بلند ہیں۔ کوہ پیرغل اس چوٹی کو میری عز. میرے عز، پیرعز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جوہ پیرغل کی چوٹی پر آفانہ قدیم کا ایک کمرہ بنایا گیا ہے۔ جس میں کھانے پینے کے برتن رکھے ہوئے ہیں ان پہاڑوں کے علاوہ شویدر، ویزدا کنڈے عز مشہور پہاڑ ہیں لوگ یہاں سیر وتفریح کے لئے آتے ہیں میراں شاہ شمالی وزیرستان کا مرکزی مقام ہے جسکی بلندی 3100 فٹ ہے یہاں ڈگری کالج ہوائی اڈا فوجی چھاؤنی ہے تجارتی شہر ہے میراں شاہ بنوں سے 39 میل کے فاصلہ پر ہے پختہ سڑک رابطہ کا کام دیتی ہے میراں شاہ کی بنیاد 1905 میں رکھی گئی دریائے ٹوچی شہر کے قریب بہتا ہے میراں شاہ میں قلعہ بھی ہے۔جس میں پولیٹیکل ایجنٹ کا دفتر ہے میراں شاہ ٹوچی سکاوٹ کا ہیڈکوارٹر ہے رزمک جو 6500 فٹ کی بلندی ہے انگریز اسے چھوٹا لندن کہتے تھے۔ یہاں رزمک بنوں سے 62 میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاوال، شکئی، میرعلی، جوتحصیل ہیڈکوارٹر ہے جومیراں شاہ سے شمال مشرق کی طرف 18 میل کے فاصلہ پر ہے ان کے علاوہ وزیر، پنوام بویا میں قلعہ سرکاری عمارتیں ہیں۔ دوسلی شمالی وزیرستان کے مشہور شہر ہیں شمالی وزیرستان کے مشہور دریائے توی دریائے ٹاگ دریائے ٹانک زام دریائے گمل دریائے کرم مشہور دریا ہیں گندم مکئی زرعی پیداوار ہے۔ سیب خوبانی اخروٹ بادام آڑو انار آلو بخارہ انگور مشہور پھل ہیں کچھ رقبہ پر جنگلات بھی ہیں شمالی جنوبی وزیرستان کا قیام 1896ء میں ہوا۔ ڈیورنڈ لائن کے معاہدہ کے بعد برطانوی حکومت کو سرحدی آزاد قبائل پر کنٹرول حاصل رہا۔ جنوبی وزیرستان ایجنسی میں مسعود اور وزیر قبائل جون 1897ء میں انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں اُترے بہادری جرأت مندی سے انگریزوں کا مقابلہ کیا 1901ء میں جب شمال مغربی صوبہ سرحد کا قیام معرض وجود میں آیا تو شمال اور جنوبی وزیرستان ایجنسیاں بھی دیگر ایجنسیوں کی طرح اس صوبے کی ایجنسیاں قرار پائیں ملا پیوندہ وزیرستان کے عظیم ہیرو ہیں۔



پاک افغان سرحد (شمالی وزیرستان) پر عرب مجاہدین کے مزار جو اسلام کی سربلندی کے لئے دور سے یہاں تشریف لائے اور اسلام کے نام پر شہید ہو گئے۔ پرانے قدیمی قبرستان میں بڑے بڑے علماء اولیاء اور شہدا کے مزار مبارک ہیں۔



میرن شاہ رزمک روڈ پر (میرن شاہ سے 15 کلومیٹر)20 گز لمبا مزار جو پہاڑی چوٹی پر ہے۔ صحابی رسول کا بتایا جاتا ہے۔ لوگ مقامی زبان میں اسے "ملا کش ژدار" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ 9 گز لمبا دوسرا مزار بھی ہے اور یہ دونوں مزار مبارک پتھروں سے بنی ایک چھوٹی چار دیواری میں ہیں۔



"عیدک" میر علی کے مقام پر 9 گز لمبا مزار مقامی لوگ سرکٹا پیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
ڈاکٹر عبدالرشید اپنی کتاب "اسلامی تصوف وصوفیائے سرحد" میں بایزید انصاریؒ کے مزار کی نشاندہی اس مقام یعنی عیدک میں کی ہے یہی مزار "پیر روشن" کا ہے۔



...ن کے دامن میں درہ ٹوچی دریائے ٹوچی جو شمالی وزیرستان میں ہے۔ انگریز کے ہاں اس درے کی بڑی اہمیت تھی۔ مغرب کی جانب حفاظت کی خاطر یہاں جگہ جگہ سیمنٹ کے بلاک نصب کئے گئے ہیں جو کہ نظر آ رہے ہیں۔ غزنی اور خوست سے بنوں، میانوالی اور ملتان جانے والے قافلے یہی راستہ اختیار کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے اس درے کے ذریعے ملتان پر چڑھائی کی تھی۔



میران شاہ دریائے ٹوچی کیساتھ پہاڑ کی چوٹی پر خواجہ ولی بابا کا مزار مبارک۔ مزار مبارک کی مغربی دیوار کیساتھ ایک پتھر نصب ہے جس پر زرہ کے نشان نمایاں ہیں۔ بیمار لوگ اپنی پیٹھ اس پتھر سے ساتھ لگاتے ہیں اور بقول ان کے یہاں شفا ملتی ہے۔ آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔ ہزاروں قبائلی خانقاہ کی زیارت کیلئے آتے ہیں۔ خیرات کر کے حصول مراد کے لئے دعا کرتے ہیں۔



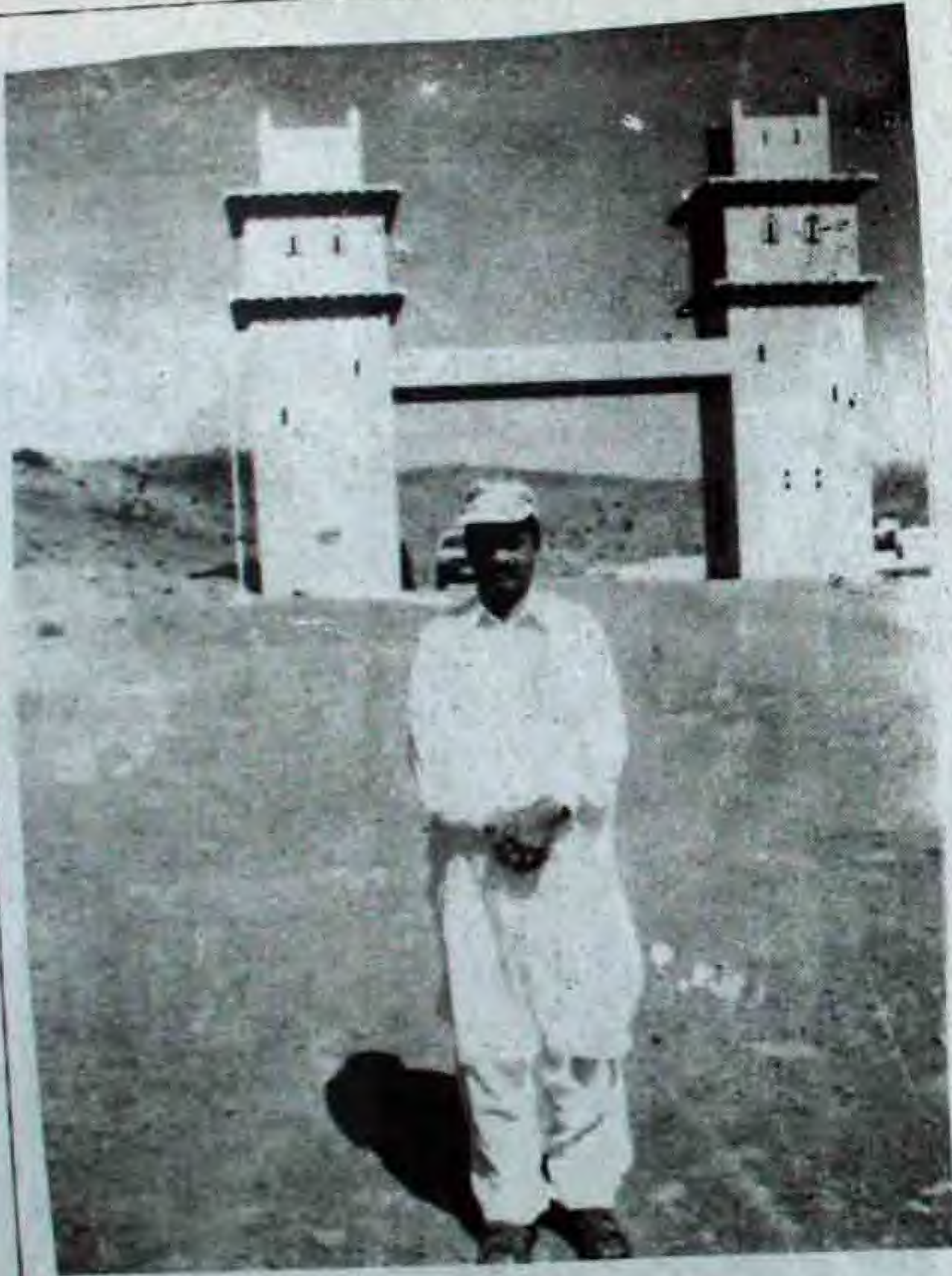
پہاڑوں میں بنائے گئے انگریزوں کے بنکر جو میرن شاہ کے مقام کھجوری پر پہاڑوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔



میرن شاہ سے شمال کی جانب سرحدی علاقہ "غلام خانی" سامنے افغانستان ، علاقہ خوست نظر آرہا ہے



میرن شاہ رزمک روڈ پر پتھروں سے بنا ہوا نو گز لمبا مزار (پتھروں سے بنی چار دیواری کے اندر پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے)۔ اس مزار مبارک سے بہت سی کرامتیں منسوب ہیں۔ مزار کے نیچے دریائے ٹوچی پر بنا ہوا پرانا انگریزوں کے وقت کا بنا ہوا پل اس وادی کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رکھا ہے۔ حج کے دن یہاں پر لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ دُور سے زائرین زیارت کے لئے آتے ہیں۔ یہ جگہ احاجت دعا کے لئے مشہور ہے۔



شمالی وزیرستان علاقہ غلام خانی کے مقام پر "پاک افغان سرحد"

شمالی وزیرستان کے علاقہ کے یہ فوٹو محمد شریف آف ڈیرہ اسماعیل خان نے موقع پر بہ نفس معلومات حاصل کر کے روانہ کی ہیں۔

جنوبی وزیرستان ایجنسی

جنوبی وزیرستان

24 مارچ سن دو ہزار دو کو ٹانک شہر کا نظارہ کرنے کے بعد ہمارا قافلہ جس میں راقم کے علاوہ محمد شریف حاجی اسرار احمد قادری تھے جنوبی وزیرستان دامن کوہ میں صوفیائے کرام کے مزارات پر حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈیرہ سرسبز اور شاداب علاقہ ہے اس سے آگے قبائلی علاقہ جنوبی وزیرستان شروع ہو جاتا ہے۔ ایک سڑک جنوبی وزیرستان دوسری درہ گومل کو جاتی ہے۔ سارا علاقہ خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ کہیں کہیں آبی گذرگاہوں کے کنارے سبزہ زار اور آبادی دیکھنے کو ملتی ہے۔ علاقہ بھر میں سڑکیں بہت مضبوط اور اچھی تعمیر کی گئی ہے۔ دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہیں ہے۔ سڑک کے کنارے انگریزوں کے دور کے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کیے گئے ہیں۔ یہاں جو بھی ملتا ہے چائے کھانے شب بسری کی دعوت ضرور دیتا ہے یہ ہے جنوبی وزیرستان۔ جنوبی وزیرستان کے شمال میں شمالی وزیرستان ایجنسی کا صدر مقام میرانشاہ واقع ہے اور اس کے مغرب میں افغانستان کی سرحدی لائن ہے۔ مشرق میں دو بڑے شہر ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان آباد ہیں۔ جبکہ جنوب میں ژوب واقع ہے۔ ایجنسی کے مشرق میں بھٹنی اور مروت آباد ہیں۔ بھٹنی بیٹن بابا کی اولاد میں سے ہیں۔ جو ایک درویش اور پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ شمال اور مشرق میں وزیر قبائل آباد ہیں۔ جن کے ساتھ قوم محسود کا شجرہ چوتھی پشت میں ملتا ہے۔ یعنی محسود اور وزیر سلیمان کی اولاد ہیں۔ جنوبی وزیرستان آزاد قبائل کا ایک خشک پہاڑی علاقہ ہے۔ جس کا رقبہ پانچ یا سات ہزار مربع میل ہے۔ جو دشوار گزار پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے۔ سب اونچا پہاڑ پڑے غر (پرے غل) ہے۔ جس کی بلندی سطح سمندر سے 11532 فٹ ہے۔ جس کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ دریائے شہور اور دریائے ٹانک زام۔ دریائے گومل وانا میں کے علاوہ تنگ نالوں کے ہر دو طرف اکثر اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے گھاٹیاں پیدا ہوگئی ہیں اور دشمن کی پیش قدمی کو روکتے ہیں۔ مذکورہ دریا سال بھر بہتے رہتے ہیں۔ لیکن بارش کے دنوں ان میں تغیانی آجاتی ہے اور یہ دریا خطرناک بن جاتے ہیں۔ جنوبی وزیرستان کی ایک قدرتی

شاہراہ گومل ہے۔ دریائے گومل وانا کے جنوب مشرق میں بہتا ہوا ڈیرہ اور ژوب کو ملاتا ہے۔ اس سے افغانستان کے علاقے غزنی کو راستہ جاتا ہے۔ جنوبی وزیرستان میں اکثریت محسود قوم کی ہے۔ وانا اور شکئی کے علاقے میں وزیر قوم آباد ہے۔ جبکہ مشرقی دامن میں بھٹنی قوم آباد ہے۔ بھٹنی قوم زیادہ تر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، ضلع ٹانک اور ضلع بنوں میں آباد ہے۔ محسود جنوبی وزیرستان کے مرکز میں سخت دشوار گزار پہاڑوں میں آباد ہیں۔ محسودوں کی تین بڑی شاخیں ہیں۔ وزیرستان کے قدرتی ذرائع معاش اتنے نہیں ہیں۔ لیکن فی زمانہ وزیرستان میں دولت کی ریل پیل ہے۔ جس کا سب سے بڑا ذریعہ بیرون ملک سے افرادی قوت کے بدلے وصول ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فوج، تجارت اور ٹرانسپورٹ اہم ذرائع آمدن ہیں۔ وزیر اور محسود پاک افغان سرحد پر آباد ہیں۔ ماضی میں بھی یہ لوگ انگریزوں پر واضح کر چکے ہیں کہ وہ اپنے علاقے کا دفاع کر سکتے ہیں۔ تاہم محسود (جو ڈیورینڈ لائن پر حکومت پاکستان کی سرحد کی بلاتنخواہ اور بلا اجرت حفاظت کرتے ہیں) تمام قبائل میں سب سے زیادہ انگریزی حکومت کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوئے ہیں۔ (بحوالہ خضری اپی) محسودوں کے وہ علاقے جو شہروں اور سڑکوں سے دور واقع ہیں ان کا زیادہ تر انحصار گلہ بانی پر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں کے پہاڑ سخت چٹانی اور اونچے ہیں اور درختوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ اہم جانوروں میں بھیڑیں، بکریاں، گائے، بیل، گدھے اور اونٹ قابل ذکر ہیں۔ اونٹ خیمہ بستیوں کی نقل و حرکت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے سامان ڈھونے کا کام لیا جاتا ہے۔ بستیوں میں بھیڑوں، بکریوں اور گائیوں سے حاصل شدہ دودھ گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کے کام آتا ہے۔ بیل زمینوں میں ہل چلانے کے کام آتے ہیں۔ بعض بستیوں میں گدھے سے بھی ہل چلانے کا کام لیا جاتا ہے۔ حلال جانور زیادہ تر بستیوں کے لئے گوشت کی ضروریات پورا کرنے کے کام آتے ہیں۔ زراعت محسود قبائل کی معیشت کا دوسرا جزو ہے۔ زراعت کے لئے پہاڑی چشموں اور نالوں پر انحصار کرتے ہیں۔ زرعی معاملات میں مردوں اور عورتوں کے درمیان تقسیم محنت کا ایک اصول ہوتا ہے۔ ہل چلانے

اور بیج بونے کا کام مرد کرتے ہیں جبکہ اناج اور بھوسہ نکالنے کے کام میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ افرادی محنت محسود قبائل میں ففٹی ففٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ جسے مقامی زبان میں شریکی کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی زمینیں نہیں رکھتے وہ افراد محنت کی شراکت سے نصف حصہ اناج پر دوسروں کی زمینوں کو کاشت کر لیتے ہیں۔ عورتیں عموماً پانی اور جلانے والی لکڑیوں کا ذخیرہ کرتی ہیں۔ کچھ علاقوں میں چھوٹے قد والا کھجور ہوتا ہے جسے مقامی زبان میں مازری کہتے ہیں۔



مزار حضرت تخی بابا جنوبی وزیرستان کے قریب نوگز لمبی قبر جو پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے۔

جو ایک مفید خام مال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے چپل، چٹائی، خیمے، رسے چار پائی کا بان وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ چراگاہوں کی تلاش میں مالدار لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے ہیں۔ جہاں سبزہ اور پانی زیادہ مقدار میں میسر ہو وہاں پر یہ لوگ عارضی طور پر سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ تیسرا اہم ذریعہ معاش فوجی ملازمت ہے۔ محسود قبائل کے بہت سے جوان پاک آرمی، ملیشیاء فورس، پولیس اور رینجرز میں اپنے ملک وملت کے دفاع اور حفاظت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ تجارت میں بھی محسود پاکستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جنوبی وزیرستان کی اہم سڑکیں شہر ٹانک سے ایک سڑک جھنڈ ولہ کے مقام پر جنوبی وزیرستان ایجنسی میں داخل ہوتی ہے۔ جھنڈ ولہ سے یہ سڑک دوشاخوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک سڑک چگملائی سے ہوتی ہوئی شاہور، تحصیل سروے کئی، مادیجون سے ہوتی ہوئی تنائی جا پہنچتی ہے۔ تنائی سے یہ سڑک پھر دوحصوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک سڑک بلوچستان کے شہر ژوب جاتی ہے اور دوسری جنوبی وزیرستان ایجنسی کے صدر مقام دانا چلی جاتی ہے۔ جھنڈ ولہ سے دوسری شاخ کوٹ کئی جاتی ہے۔ کوٹ کئی سے پھر یہ دوشاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک سڑک تحصیل سراوغہ اور احمد وام تک جاتی ہے۔ احمد وام کے مقام پر پھر یہ سڑک دوحصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک سڑک جنتہ، شکتوئی، دوسلی اور میران شاہ تک جاتی ہے۔ احمد وام والی دوسری شاخ بنگیولا، تبرتکہ، آرین، بیاژہ، دواتوئی سے ہوتی ہوئی مکین شہر تک جاتی ہے۔ شہر مکین سے ایک سڑک رزمک سے ہوتی ہوئی شمالی وزیرستان ایجنسی کے صدر مقام میرانشاہ تک جاتی ہے۔ ان سڑکوں پر اونٹوں، گدھوں پر سامان لاد کر اکثر پختون نقل وحرکت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ قافلے اہل وعیال کے ہمراہ نقل مکانی کرتے ہیں حفاظت کے لئے ہونہار کتے بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔ مشہور قصبے باروژہ یہ علاقہ سراروغہ کے شمال میں واقع ہے علاقہ باروژہ سے شمال میں جنتہ کے بہت سارے گاؤں آباد ہیں۔ یہ علاقہ یہاں کے غیور نوجوانوں کی آزادی کے ساتھ بے مثال لگن کے باعث کئی بار برطانوی سامراج کی جارحیت کا میدان کارزار بن چکا ہے۔ یہ علاقہ انگریزوں کے ناپاک خون سے

رنگا ہوا ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں کے درمیان یہ ایک خوبصورت علاقہ ہے۔ جس کے بیچوں بیچ باروڑہ الگڈ کا صاف وشفاف پانی سارا سال بہتا رہتا ہے۔ باروڑہ الگڈ کے دونوں کناروں پر بنے ہوئے لہلہاتے کھیت اور خوبصورت باغات ایک پیارا منظر پیش کرتے ہیں۔ ان باغات میں انگور، سیب، خوبانی، انار، آڑو، اخروٹ اور آلو بخارا پیدا ہوتے ہیں۔ پھلوں کے علاوہ ان باغوں میں مختلف سبزیاں بھی اگائی جاتی ہیں۔ موسم سرما میں یہ علاقہ سخت سردی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ کبھی کبھی برف بھی پڑتی ہے۔ لیکن موسم گرما بہت ہی خوشگوار ہوتا ہے۔ علاقہ باروڑہ کے لوگ نہایت محنتی، جفاکش، سادہ مزاج اور بہت مہمان نواز ہیں۔ مہمان نوازی تو ویسے بھی پشتون کا طرہ امتیاز ہے۔ یہ سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ اور سیر وتفریح کے لئے ایک پرفضاء مقام بھی ہے۔ پاکستان کے دوسرے صحت افزاء مقامات جیسے مری، وادی کاغان، سوات، زیارت وغیرہ سے پرےغل کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ لیکن چونکہ حکومت پاکستان نے اس طرف تا حال کوئی توجہ نہیں دی نہ تو پرے غر تک کوئی سڑک جاتی ہے، کیونکہ پرے غر کا سڑک سے پیدل فاصلہ تقریباً دس گھنٹے کا ہے اور آنے جانے کے بیس گھنٹے لگتے ہیں جو عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ نہ بجلی کا کوئی انتظام ہے اور نہ رہنے کے لئے پرے غر کے اُوپر یا دامن میں کوئی جگہ ہے جس کی بدولت سیاحوں کے لئے کوئی آسانی ہو۔ عام طور پر تین مقاصد کے حصول کی خاطر لوگ پرے غر کی چوٹی سر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ جو محض سیر کرنے کیلئے سفر اختیار کر لیتا ہے تا کہ اس خوبصورت پہاڑ کو قریب سے دیکھ سکے اور اس کے حسن سے لطف اُٹھائیں۔ دوسرا طبقہ جڑی بوٹیاں جمع کرنے کے لئے جاتا ہے۔ کیونکہ پرے غر میں بہت سی کارآمد اور قیمتی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ جن سے حکیم لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ پرے غر کی آخری چوٹی پر نہ تو کوئی ولی اللہ کا مزار ہے اور نہ کسی عام آدمی کی قبر ہے۔ صرف ایک کمرہ ہے جس کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے اور ساتھ بیٹھنے کے لئے ایک ہموار سی جگہ ہے جہاں پر نماز پڑھی جاتی ہے، اور بیٹھ کر ادھر اُدھر کا نظارہ کیا جاتا ہے۔ کمرے کے سامنے ایک چاردیواری بنی ہوئی ہے۔ جسے بطور باورچی خانہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پرے

غر کے دامن میں آباد لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو علاقے کے ولی اولیائے کرام کی یہاں پر مجلس ہوتی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ وہ سوال ضرور پورا فرماتے ہیں۔ پرے غر جانے والے لوگ اکثر ایک گروہ کی شکل میں جاتے ہیں اور اپنے ساتھ دنبہ یا بکرا بھی لے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ وہاں پر پہنچ کر جانور ذبح کرتے ہیں اور اگر کم افراد جاتے ہیں تو اپنے ساتھ مرغی، گوشت اور کھانے کا سامان ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ پرے غر کی سیر کے لئے جولائی اور اگست کے مہینے میں جانا اچھا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موسم میں سردی کم ہوتی ہے، برف پگھل جاتی ہے اور موسم خوشگوار ہو جاتا ہے۔ وہاں پر لوگ کم از کم ایک دن یا ایک رات گزار کر واپس آتے ہیں۔ تمام راستے چڑھائی ہے۔ ان پہاڑوں میں ایک جانور پایا جاتا ہے جسے مقامی زبان میں شوڈار (سور) کہتے ہیں۔ اس جانور کی پیشانی پر ایک طاقتور سینگ ہوتا ہے یہ لکیریں اس سینگ سے کھینچتا ہے۔ بعض دفعہ تو ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ بڑے بڑے درختوں کی جڑوں سے اُکھاڑ کر گرا دیتا ہے۔ یہ جانور بہت ہی طاقت ور ہوتا ہے۔ دن کو پہاڑی غاروں میں چھپ جاتا ہے اور رات کو خوراک کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ کہ اور بھی جنگلی اور درندے ان جنگلوں میں پائے جاتے ہیں۔ پرے غر ایک خوبصورت جگہ ہے۔ خاص طور پر وہاں جنگلی پھولوں کی خوشبو، دیو قامت درختوں کا سایہ، چشموں کا ٹھنڈا پانی، ہری ہری گھاس اور خوبصورت منظر یہ سب کچھ مل کر ماحول اور فضاء کو اِتنا دلکش بنا دیتے ہیں۔ پرے غر کے دامن میں ایک سفید پتھر ہے جسے سروئے گولہ کہتے ہیں (یعنی سوراخ والا پتھر) اس پتھر میں ایک بڑا سوراخ ہے۔ جس کے اندر سے تقریباً ٹرک گزر سکتا ہے۔ پرے غر جانے والے تیسرے طبقے کے لوگ اس پتھر کے اندر سے گزرتے ہیں۔ پھر پتھر کے اُوپر درختوں کے درمیان میں ایک ہموار جگہ میں لکڑی کے کیل ٹھونکتے ہیں اور ان درختوں کے ساتھ پنگوڑے باندھ کر جھولاتے ہیں۔ یہ تمام کارروائی اس مقصد کے لئے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اولاد نرینہ کی نعمت سے مالا مال کر دے۔



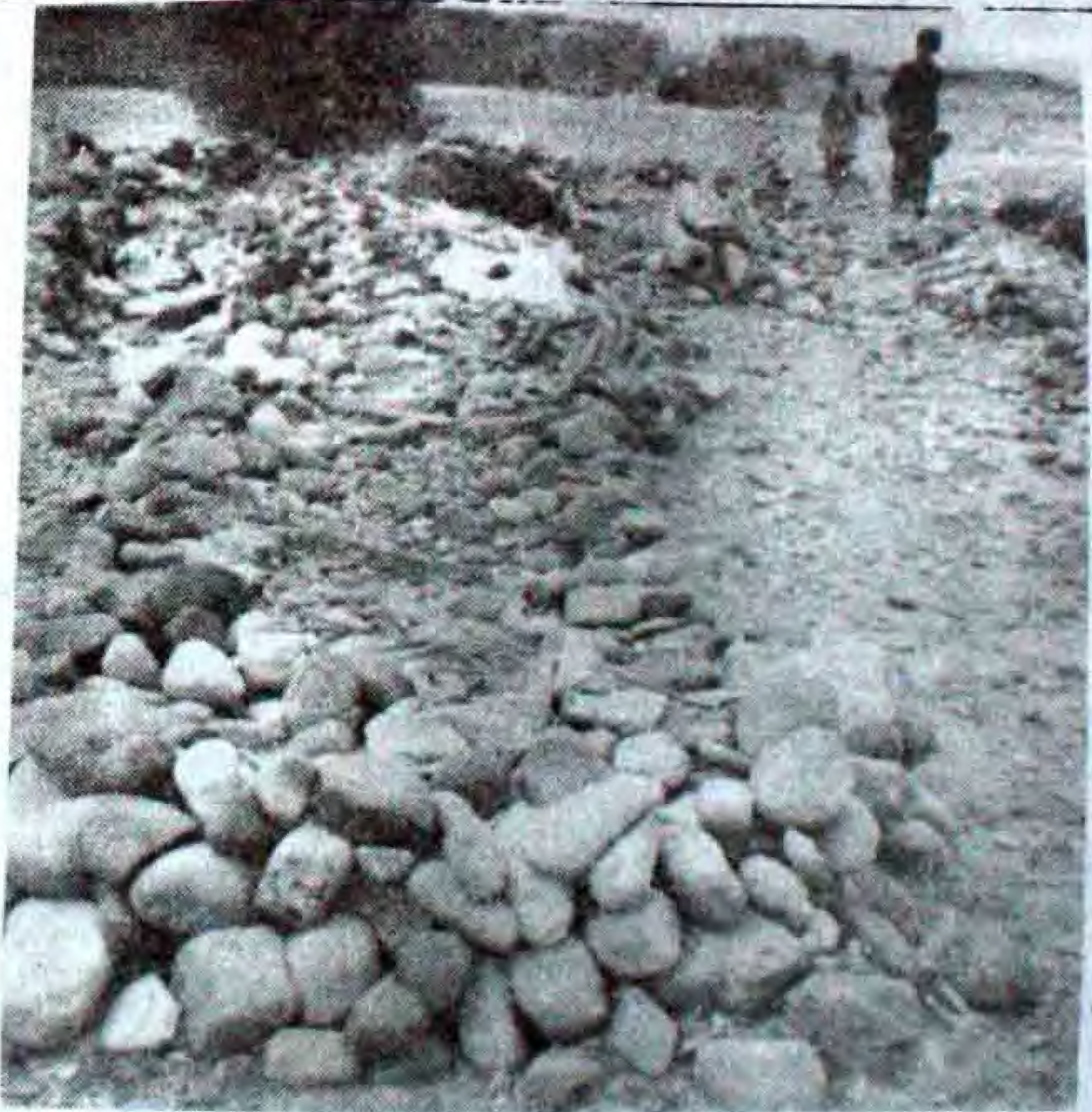
جنوبی وزیرستان کے درمیان
افغان مہاجرین کے کچے مکان مہاجرین کے پاکستان آنے پر یہ مکان آباد ہو جاتے ہیں



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر قبائلی بچوں کے ہمراہ جنہوں نے غلیل ہاتھوں میں تھام رکھی ہے



حاجی ایم زمان کھوکھر جنوبی وزیرستان میں حفاظتی عملہ کے ہمراہ اسرار قادری کے ساتھ
کھڑے ہیں



جنوبی وزیرستان منزئی کے قریب نوگز مزار یہاں افغان مہاجرین اپنا گھریلو سامان رکھ
کر افغانستان چلے جاتے ہیں واپسی پر یہ سامان اُسی حالت میں مل جاتا ہے۔ کوئی چوری
[illegible]ں سے تعمیر کیا گیا ہے۔

ٹانک کے قریب جنڈولہ وانہ منزئی روڈ پر 26 گز لمبا
قدیمی مزار یہ مزار بھی پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ فرنٹیر کنٹیبلری ھیڈکوارٹر منزئی کے بورڈ کے قریب کھڑے ہیں



جنوبی وزیرستان کا خشک پہاڑ

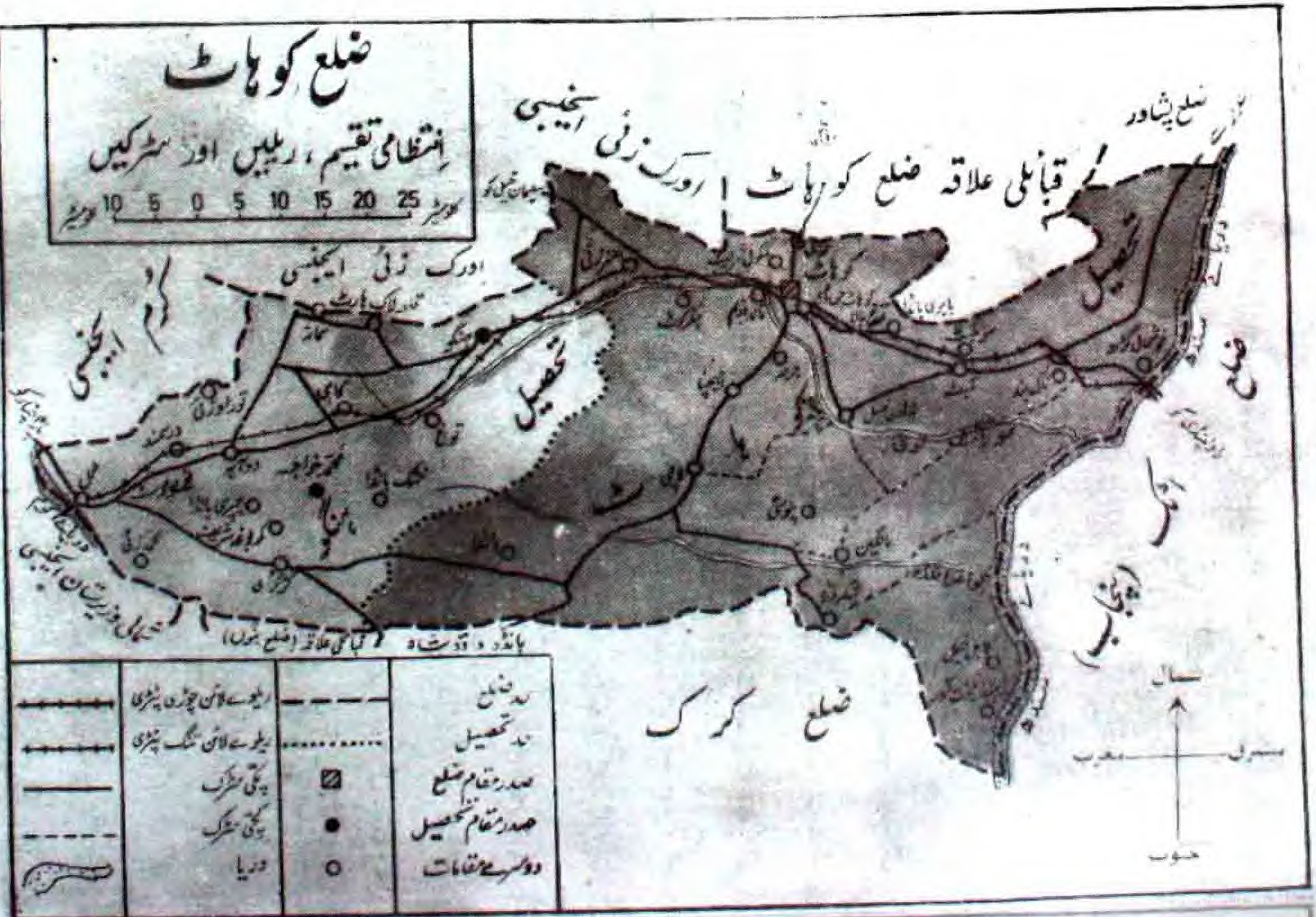


ٹانک کے قریب جنڈول وانہ روڈ پر

راہنمائی کا بورڈ اس بورڈ کے قریب دو سڑکیں نکلتی ہیں شمالی سڑک کا نام جنڈول وانہ روڈ ہے جو جنوبی وزیرستان کے ہیڈ کوارٹر وانہ کو جاتی ہے دوسری سڑک بگلی گھر پوسٹ کی طرف جاتی ہے۔

کوہاٹ




ضلع کوہاٹ
انتظامی تقسیم، ریلیں اور سڑکیں
10 5 0 5 10 15 20 25
قبائلی علاقہ ضلع کوہاٹ
اورک زئی ایجنسی
ضلع پشاور
تحصیل
ضلع کرک
ضلع بنوں
کرم ایجنسی
شمالی وزیرستان ایجنسی
قبائلی علاقہ (ضلع بنوں)
حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
دوسرے مقامات
ریلوے لائن چوڑی پٹڑی
ریلوے لائن تنگ پٹڑی
پکی سڑک
کچی سڑک
دریا
شمال
جنوب
مشرق
مغرب

راولپنڈی سے کوہاٹ تک

پارہ چنار ٹل ہنگو کے لئے کوہاٹ سے سڑک جاتی ہے یہی سڑک افغانستان کی طرف جانکلتی ہے۔ برصغیر پر حملہ کرنے والے بیشتر حملہ آوروں تجارتی قافلوں کی یہ قدیمی گزرگاہ رہی۔ ان تاریخی قدیمی شہروں کو دیکھنے کے لئے راقم نے راولپنڈی سے کوہاٹ کا راستہ اختیار کیا۔ راولپنڈی سے کوہاٹ تقریباً ایک سو بیس میل یعنی ایک سو اسی کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ راولپنڈی سے کوہاٹ جانے والی سڑک کشادہ اور پائیدار تعمیر کی گئی ہے۔ پرانے زمانے کی سڑکوں میں موڑ کم ہوتے تھے۔ راولپنڈی کوہاٹ سڑک پر آتے ہی پہلا قدیمی شہر نوگزی ہے۔ یہاں ایک تباہ شدہ ٹبہ نما بستی کے آثار ملتے ہیں۔ قریب ہی نوگزی قبر ہے۔ اس نوگزی قبر کی وجہ سے بستی کا نام نوگزی ہے۔ اس سڑک پہلا شہر فتح جنگ ہے جو راولپنڈی سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ راولپنڈی سے کوہاٹ تک ریلوے لائن سڑک کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ انگریزوں نے حفاظتی اقدام کے پیش نظر سڑک کے ساتھ ساتھ ریلوے لائن بچھائی تھی۔ اس سڑک پر فتح جنگ کے قریب چوراشریف کا مشہور معروف آستانہ ہے خواجہ نور محمد چوراہیؒ کے فیض کے چشمے جاری ہیں۔ مشہور آستانہ عالیہ علی پور سیداں نارووال کے روحانی پیشواء پیر حضرت سید جماعت علی شاہؒ جماعتی اور لاثانی سرکار کو فیض چوراشریف سے ملا راقم چوراشریف کے اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دے چکا ہے۔ فتح جنگ ضلع اٹک کی تحصیل ہے۔ فتح جنگ سے اطراف کو سڑکیں جاتی ہیں فتح جنگ کے بعد مشہور شہر جنڈ آتا ہے۔ جنڈ فتح جنگ سے پینسٹھ (65) کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہ شہر راولپنڈی کوہاٹ سے تقریباً نصف فاصلہ پر ہے۔ بس ویگنیں جنڈ میں مختصر قیام کرتی ہیں جنڈ سے آگے خوشحال گڑھ کا قدیمی شہر آتا ہے۔ خوشحال گڑھ قدیمی شہر جنڈ سے بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے ماضی میں یہ مشہور پتن تھا۔ حملہ آور دور تجارتی قافلے یہاں قیام کرتے تھے۔ خوشحال گڑھ کے مقام پر دریائے سندھ پر لوہے کا پل 1908ء میں تعمیر ہوا پل دو منزلہ ہے اوپر والے حصہ پر ریل کی پٹری بچھائی گئی

ہے۔ نچلے حصہ میں سڑک تعمیر کی گئی ہے۔ پل کے دونوں اطراف اہم موڑ ہیں تا کہ ایمرجنسی
صورت میں گاڑیاں آسانی سے نہ گزر سکیں۔ یکطرفہ ٹریفک کا نظام ہے پہلے ایک طرف
ٹریفک گزرتی پھر دوسری طرف کی گاڑیاں گذاری جاتی ہیں۔

خوشحال گڑھ کے مقام پر دریائے سندھ بہت تنگ ہے لوہے کے پل کے ایک
کی لمبائی **491** فٹ دوسرے کی لمبائی **219** فٹ ہے۔ پل کے دونوں اطراف پہاڑ
ہیں۔ یہ پہاڑ دریا کے مشرق، مغرب کناروں کے ساتھ ساتھ میں دریا کے پانی سے بجلی بھی
پیدا کی جاسکتی ہے دریاؤں کا فالتو پانی جو سمندر میں چلا جاتا ہے۔ اس پانی سے آبپاشی نظام
بہتر بنایا جاسکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ کوئی خفیہ طاقت ہمیں ایسا کرنے سے روک دیتی
ہے۔ دریائے سندھ کو عبور کرتے ہی رات کے سائے بڑھتے جا رہے تھے صوبہ سرحد کی
پولیس جس کا ماٹو خدمت پاسبان عبادتؔ ہے دریا کے پار سڑک پر گشت کے فرائض سرانجام
دے رہی تھی۔ گمبٹ کے مشہور شہر کے بعد چھوٹے چھوٹے سٹاپ آتے ہیں سامنے پہاڑوں
کے دامن میں کوہاٹ کا مشہور قدیمی شہر ہے۔ ماضی میں کوہاٹ کی رونق قدرتی چشموں اور
دریائے توی کی وجہ سے تھی۔ دریائے توی یا توئی کوہاٹ کے قریب بہتا ہے۔ کوہاٹ میں
سفید اور میٹھے امردوں کے باغ ہیں۔ یہ امرود ذائقہ میں بہت لذیز ہیں دودھیا رنگت والے
امردوں کے باغ کافی رقبہ میں ہیں۔ کوہاٹ میں محمد رفیق خادم حسین میرے منتظر تھے۔
رات نو بجے راقم کوہاٹ میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ دوسرے روز ہنگوٹل پارہ چنار کے
لئے پروگرام ترتیب دیا۔

کوہاٹ تاریخ کے آئینے میں

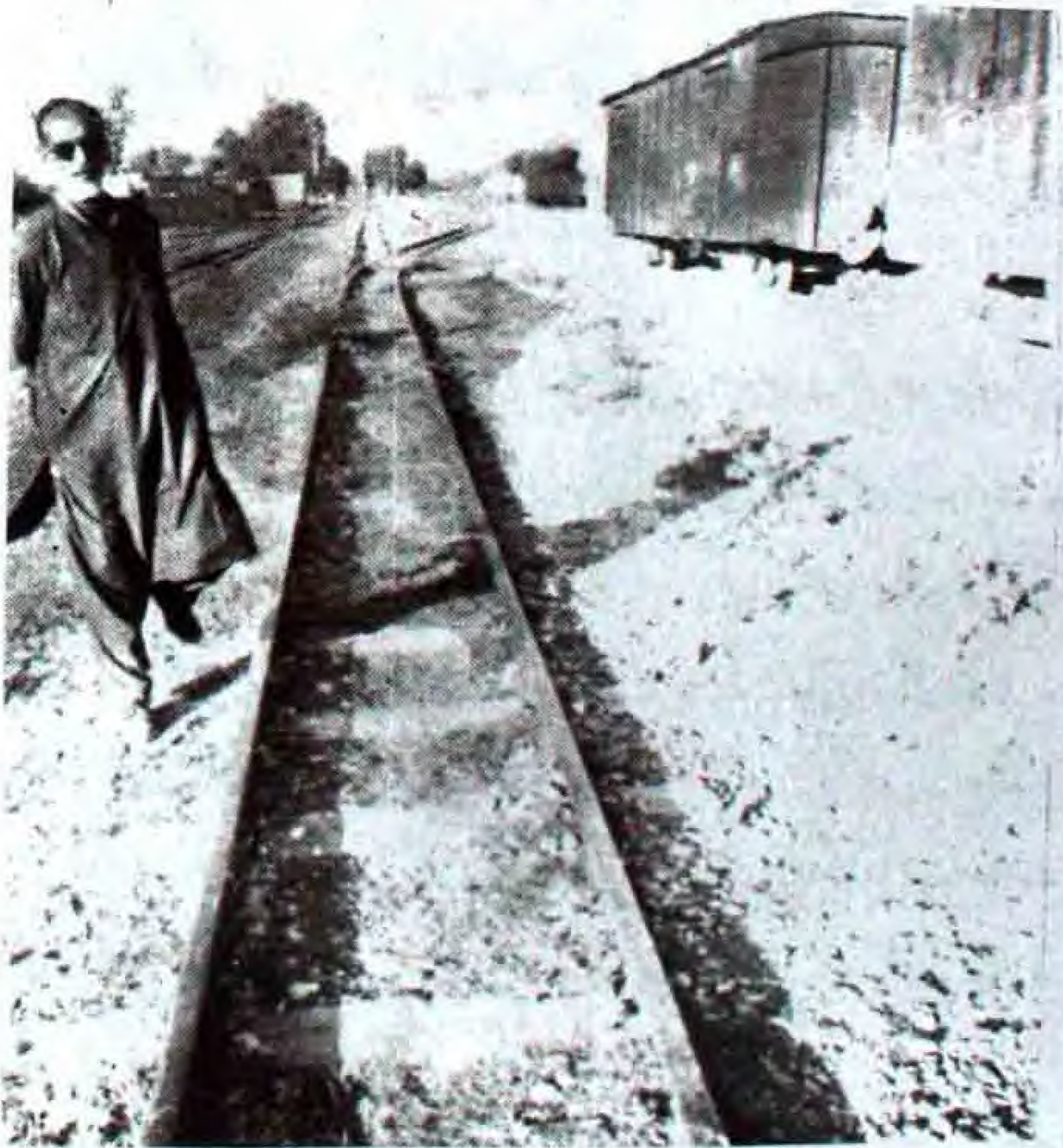
کوہاٹ صوبہ سرحد کا اہم ترین قدیمی تاریخی شہر ہے پانی کے ذخائر اور قدیمی گذر
گاہوں کی وجہ سے ماضی کے کئی تاریخی راز اور واقعات اس کے سینے میں دفن ہیں۔ کوہاٹ
کے چاروں طرف خشک سنگلاخ پہاڑ ہیں انڈس ہائی وے کوہاٹ کے قریب سے گزرتی ہے
انڈس ہائی وے جسکی ابتداء پشاور سے ہوتی ہے پشاور سے انڈس ہائی وے پر سفر اختیار کیا
جائے تو پشاور کے بعد پہلا شہر کوہاٹ آتا ہے کوہاٹ کو اب ڈویژن کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔
ہنگو ٹل لاچی مشہور شہر ہیں۔ پشاور کوہاٹ کو ملانے والی سڑک درہ ادم خیل سے گزرتی ہے
65 کلو میٹر یہ سڑک 1850ء میں تعمیر ہوئی۔ کوہاٹ کا مختلف سڑکوں کے ذریعے ملک کے
دوسرے شہروں سے رابطہ ہے اہم سڑک کوہاٹ۔ گمبٹ خوشحال گڑھ سے ہوتی ہوئی



کوہاٹ کا قدیمی قلعہ

راولپنڈی تک جاتی ہے۔ 1902ء میں دریائے سندھ پر خوشحال گڑھ پر پل تعمیر کر کے ریلوے لائن بچھائی گئی ہے چھوٹی لائن کوہاٹ سے ٹل تک جاتی ہے اس لائن پر چکر کوٹ استرزئی، ہنگو، رئیسان تو غ سرائے کاہی دوابہ درسمندر اور ٹل چھاؤنی کے ریلوے اسٹیشن واقع ہیں۔ خطہ صوبہ سرحد، صدیوں پرانا خطہ ہے جس کا دارالخلافہ صدیوں سے پشاور چلا آ رہا ہے کوہاٹ صوبہ سرحد کا ایک حصّہ ہے مگر اس کی قدیم تاریخ، روایات، قیاسات اور حکایات کی دھند میں کچھ اس طرح کھو چکی ہے کہ تحقیق در تحقیق کی اُجلی دھوپ کے باوصف علمی اور یقینی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس شہر کا نام کوہاٹ کب اور کیسے رکھا گیا؟

جب کہ اَب تک کی دستیاب تاریخی روایات کے مطابق سرحد کی وادی پشاور، بُنیر، سوات اور کوہاٹ تک کے علاقوں کو گندھارا کہا جاتا تھا کہ بدھ مت کے عہد میں یہاں



کوہاٹ کینٹ چھوٹی پٹری کے آثار موجود ہیں   خادم حسین پٹری کے قریب کھڑے ہیں

دوراجاؤں ''عاد'' اور ''کوہاٹ'' کی آمد ہوئی اور یہ دونوں راجے اس علاقہ کی شمالی سرحد پر آباد ہوئے، راجہ کوہاٹ نے اپنے نام کی نسبت سے اس شہر کو، کوہاٹ کے نام سے منسوب کیا۔ ''کوہ'' کے معنی پہاڑ اور ''اٹ'' کے معنی منڈی یعنی پہاڑوں کی منڈی۔ بے آب وگیاہ زمین ضلع کے جس سمت کو نکل جائے خشک پہاڑ۔ سنگلاخ چٹانوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

''کوہاٹ کے نام کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ یہ پہاڑی علاقے میں آباد ہے اس لئے یہ نام ''کوہ'' (پہاڑ کی وجہ سے) کوہاٹ پڑ گیا ہوگا چاہے اس نام کی وجہ سے تسمیہ کچھ بھی ہو، ایک حقیقت واضح ہے کہ کوہاٹ ایک پرانا تاریخی شہر ہے جو وسط ایشیا سے کرم کے راستے ہندوستان جاتے ہوئے ہر حکمران اور سیاح کی توجہ کا مرکز رہا۔'' تارخ کوہاٹ از احمد پراچہ کے مطابق ہر علاقہ کی تارخ وتہذیب اور اَدب وثقافت اپنے علاقہ کی منہ بولتی تصویر ہوتی ہے یہ بات کوہاٹ پر بھی منطبق ہوتی ہے، اس کی بھی اپنی ایک تصویر ہے، اس تصویر میں کوہاٹ کا ماضی جھلکتا ہے، حال کے نقوش ملتے ہیں اور مستقبل کی نشاندہی ہوتی ہے۔

کوہاٹ کے سارے علاقے کی نمایاں ترین خصوصیت بنجر اور سنگلاخ پہاڑی سلسلے ہیں جو چٹیل یا غیر مزروعہ ہیں کیونکہ یہاں پانی کی قلت ہے۔ لیکن ایک بات طے ہے یہ بنجر اور افتادہ خطہ سہی۔ صدیوں پہلے عہدِ مغلیہ۔ سکھ راج۔ عہد انگلشیہ یہاں تک کہ تقسیم ہند کے بعد تب سے ابتک ہر دورِ حکومت میں نظر انداز کئے جانے کے باوجود کئی انداز سے اپنی الگ اور منفرد پہچان رکھتا ہے۔

خطہ کوہاٹ کی کہانی تاریخ کے صفحات میں کئی سو سال پیچھے کی جانب مسافت طے کرتی ہوئی نامعلوم اندھیروں میں گم ہو جاتی ہے، صدیوں کے سفر میں یہ شہر۔ یہ علاقہ۔ یہ خطہ ہمیشہ آباد اور قائم رہا۔

کوہاٹ تاریخی اعتبار سے ایک منفرد مقام کی حیثیت رکھتا ہے، یہ علاقہ مختلف ادوار میں مختلف شہنشاہوں اور حکمرانوں احمد شاہ ابدالی، شاہ شجاع، ظہیر الدین بابر، تیمور شاہ



کوہاٹ چشمہ کا منظر اس چشمہ کے ساتھ کی روحانی تاریخی واقعات وابستہ ہیں

درانی کے ہاتھوں تخت وتاراج ہوتا رہا۔ سکھوں نے اپنے دورِ حکومت میں اس علاقے میں تباہی مچائی۔ انگریزوں نے اپنے عہد میں پٹھان حریت پسندوں کی جانب سے ہر لحہ تصادم کے خطرے کے پیشِ نظر اپنے تحفظ کو مقدم رکھتے ہوئے مختلف مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کردی تھیں۔

کوہاٹ کی اپنی ایک تاریخ ہے مگر یہاں کے کچھ بلکہ بیشتر تاریخی مقامات ہماری بے توجہی کی بدولت تلف ہو چکے ہیں اور تاریخی نوعیت کے کچھ اہم مقامات موجود ہیں جن کے قریب سے ہم گزر جاتے ہیں لیکن ہم میں سے کسی نے ان تاریخی مقامات اور یادگاروں کے ماضی میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔

کوہاٹ ایک قدیم تاریخی شہر ہے جو بندوبست سے پانچ سو سال قبل آباد ہونا بیان کیا جاتا ہے یہ دنیا کے قدیم خطوں میں سے ہے کہ چار سو سال قبل مسیح کے اواخر سے پہلے کسی کتاب میں کوہاٹ کا ذکر نہیں ملتا صرف قیاسیات ہیں جن سے اس شہر کے تاریخی

تقدیم وتاخیر پر روشنی پڑتی ہے جہاں تک کوہاٹ کی وجہ تسمیہ اور اس شہر کے موسس کا تعلق ہے کہتے کہ بدھ مت کے زمانہ میں تقریباً چار سو سال قبل مسیح یہاں دو راجاؤں ''کوہاٹ'' اور ''عاذ'' کی کسی غیر معروف مقام سے آمد ہوئی اور یہ دونوں اس مقام کی شمالی سرحد پر آباد ہوئے راجہ کوہاٹ نے اپنے نام کی نسبت سے اس علاقہ کا نام ''کوہاٹ'' رکھا، راجہ کوہاٹ



کوہاٹ کے مین بازار کا مغربی دروازہ

نے اپنا قلعہ جنگل خیل کے موجودہ پانی کے چشموں کے قریب تعمیر کیا یہ نسبتاً اونچائی پر واقع ہے جنگل خیل کے پانی کے مشہور چشمے جو قلعہ کے مشرقی دروازے کے قریب ہی واقع ہیں جو ہمیشہ سے علاقے کو صاف وشفاف پانی مہیا کرتے آرہے ہیں یہ پانی آبپاشی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

باور کیا جاتا ہے کہ راجہ کوہاٹ کا قلعہ موجودہ قلعہ جو سطح سمندر سے 1727 فٹ بلند ہے۔ قلعے سے چند قدموں کے فاصلے پر صاف وشفاف پانی کے بہتے ہوئے چشمے، برگد اور پیپل کے بوڑھے درخت اس بات کے شاہد ہیں کہ راجہ کوہاٹ کا قلعہ اسی مقام پر بنا ہوگا کہ قدیم وقتوں میں پانی کے چشموں یا دریا کے کنارے کے بغیر آبادکاری کا تصور بھی ناممکن تھا لہٰذا یہاں قلعے کے تعمیر ہونے کا ثبوت واضح ہے چنانچہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ قلعہ کوہاٹ کی تاریخ بھی دراصل کوہاٹ کی اس ابتدائی تاریخ کا حصہ ہے، اس قلعہ کی اونچی فصیل سے تقریباً شہر اور اس کے گردونواح کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ قلعہ احمد شاہ ابدالی اور اس کے بیٹے تیمور شاہ درانی کی حکومت کے بعد شاہ شجاع اور پھر سکھوں کے دورِ حکومت میں کوہاٹ کے گورنر اوتار سنگھ کے قبضہ میں رہا جب انگریزوں کا دورِ حکومت آیا تو یہ قلعہ انگریزوں کے ہتھے چڑھا مگر اس وقت اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی، اس کے منہدم ہونے کا خطرہ تھا۔

چنانچہ انگریزوں نے پرانے قلعہ کو گرا کر از سرِ نو اس کی تعمیر کا پروگرام بنایا ایک انگریز کرنل نیپئر نے پرانے قلعہ کی نسبت بڑا نقشہ تیار کیا اور قلعے کی تعمیر نو فوراً شروع کر دی گئی۔ 1850ء میں قلعے کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا اور تین سال کی مدت میں 1853ء تک کوہاٹ کا موجودہ قلعہ پایہ تکمیل کو پہنچا اور قلعے کے اردگرد تین سو گز کے علاقے میں موجود تمام مکانات کو مسمار کیا گیا اور گیریژن توپ خانے کی ایک بیٹری اور انفنٹری رجمنٹ کا ایک دستہ تعینات کر دیا گیا۔ ان دنوں چھاؤنی کا علاقہ قلعہ کے مغرب میں 1872ء میں کیولری رجمنٹ کو قلعے کے مغرب میں تعمیر کیا گیا تو چھاؤنی کو مکمل طور پر موجودہ علاقے میں منتقل کیا گیا موجودہ دور میں کوہاٹ کے قلعہ کے اردگرد خوبصورت باغیچے بنائے گئے ہیں ان

باغیچوں سے علاقے کی خوبصورتی میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

کوہاٹ سے دور 8 کلومیٹر کے فاصلے پر موضع محمد زئی کے شمالی پہاڑی حصہ پر رلجہ عاد آباد ہوا۔ جہاں اب بھی پرانے قلعہ کے کچھ کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ اور یہ مقام عادِ ثمود کے نام سے موسوم ہے اس مقام پر قلعہ کے کھنڈرات کی بڑی بڑی شکستہ دیواریں اور آبادی کے آثار ایک وسیع علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن اس کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر عمارت نظر نہیں آتی۔

یہ آبادی ایک ایسے نشیبی حصہ میں تھی جس کے شمالی میں اورکزئی کے پہاڑ ہیں اور ان پہاڑوں کی بلندی سے اس نشیبی آبادی کو دشمن بآسانی تباہ کرسکتا ہے؟

پہاڑ مذکور پر قلعہ کے جو کھنڈرات پائے جاتے ہیں اس قلعہ کی شکستہ دیواروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قلعہ پہاڑی پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعہ کے اندر پانی کا ایک چشمہ اَب بھی جاری ہے۔ لیکن یہ پانی تقریباً تین چار گز کے فاصلے پر جاکر اسی پہاڑ میں غائب ہوجاتا ہے، جس جگہ سے یہ چشمہ نکل رہا ہے وہاں خودرو جنگلی گھاس اور گل بوٹوں کے

کوہاٹ چشمہ کے کنارے قدیمی مسجد۔



علاوہ ایک بوڑھے برگد اور ایک پیپل کا درخت بھی ایستادہ ہے۔

اس چشمہ کے مشرق کی طرف ڈھلان جگہ پر پہاڑی پتھروں سے بنے ہوئے تین ستون ایستادہ ہیں یہ ستون دیکھنے میں یوں نظر آتے ہیں جیسے کے سانچے میں ڈھال کر بنائے گئے ہوں۔ اور یہ بدھ مت کے فنِ تعمیر کا نمونہ دکھائی دیتے ہیں۔ ایک ستون پر کھودے ہوئے کچھ حروف بھی نظر آتے ہیں لیکن یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ حروف کس زبان کے ہیں؟ کیونکہ یہ عبارت سمجھ میں نہیں آتی۔

علاوہ ازیں ڈھلان مذکور کے گوشہ مغرب وشمال میں ایک کنواں بھی موجود ہے مگر آج تک اس کنوئیں کی گہرائی کا اندازہ کوئی بھی نہیں لگا سکا، شروع ہی سے بڑے بوڑھوں کے حوالے سے سینہ بہ سینہ یہ روایت چلی آرہی ہے کہ قلعہ مذکور راجہ عادشمود کا تھا اور وہ یہاں قیام پذیر تھا لہٰذا راجہ مذکور کے نام کی نسبت سے اس پہاڑ کو عادشمود کہتے ہیں۔

ریٹائرڈ میجر محمد نواز خان نے ایک تازہ انکشاف کیا ہے کہ ایک راجہ بھگمڈ یا بھمڈ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ راجہ کوہاٹ کا ہمعصر تھا اس نے شاہ پور کے قریب پہاڑی کے دامن میں ایک گاؤں آباد کیا تھا۔ اس وقت بدھ مت مذہب زوروں پر تھا مگر پانچویں صدی عیسوی میں جب بدھ مت مذہب زوال پذیر ہوا تو اس علاقے پر بھی ہندو راجاؤں کی حکومت قائم ہوئی۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ ان ہندو حکمرانوں نے بھی موجودہ قلعے کے علاقے میں چشموں کے قریب رہائش اختیار کی تھی۔

کوہاٹ 1901ء تک صوبہ پنجاب کا حصہ تھا صوبہ سرحد کے قیام پر یہ علاقہ اس صوبہ میں شامل کر دیا گیا آبادی کے تناسب سے کوہاٹ کی سب سے بڑی تحصیل ہنگو کو 1903ء میں تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ ٹیری کو بھی تحصیل کا درجہ دے کر کوہاٹ کو ضلع بنایا گیا لیکن 1950ء میں ٹیری کے بجائے کرک کو تحصیل بنا دیا گیا۔ لیکن چند سال قبل کوہاٹ کی پرانی ضلع بندی کو ختم کر کے یکم جولائی 1982ء میں کوہاٹ کی ایک تحصیل کرک کو ضلع کا درجہ دیا گیا اور یکم اگست 1982ء میں کوہاٹ کو ڈویژن کا درجہ دیا گیا۔

تاریخِ کوہاٹ۔ ایک نظر میں

بشکریہ تاریخ کوہاٹ از احمد پراچہ

کوہاٹ۔ بندوبست سے چھ سو سال قبل تعمیر کیا جانا بیان ہوتا ہے۔
کوہاٹ کو سب سے پہلے تاریخی حیثیت ۱۵۰۵ء میں شہنشاہ ظہیر الدین بابر کی آمد پر نصب ہوئی۔

۱۸۰۹ء میں شاہ شجاع کی حکومت کے خاتمہ پر کوہاٹ۔ پشاور اور کابل کے حکمرانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

۱۸۳۴ء میں اوتار سنگھ کو کوہاٹ میں حاکم بنا کر بھیجا گیا جس نے ٹیری میں بھی اپنی چوکی قائم کر لی۔

۱۸۴۹ء میں کوہاٹ باضابطہ برٹش حکومت کے زیر قبضہ چلا گیا اور یہاں انگریز لیفٹیننٹ پلاک کو اسسٹنٹ مقرر کیا گیا۔

۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن نے مخصوص فارورڈ پالیسی کے تحت بنوں، پشاور، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور کوہاٹ، کو پنجاب سے الگ کر کے ایک صوبہ بنایا جس کا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ رکھا گیا، صوبے کے لئے چیف کمشنر کو سربراہ مقرر کیا گیا۔
۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم کا آغاز ہوا، انہی دنوں ڈاکٹر انصاری کی تجویز پر علیگڑھ سے ایک وفد کوہاٹ آیا جس کے قائد مولانا شبلی نعمانی تھے۔
۱۸۵۰ء میں کولن کیمبل نے درہ آدم خیل کے آفریدی قبائل کے خلاف فوج کشی کی تھی۔
۲۵ اگست ۱۸۵۵ء کو بریگیڈیئر جنرل سر نیول چیمبرلین کی قیادت میں انگریزی فوجیں ہنگو میں اکٹھی ہوئیں۔ انگریز نے تاسین، سنگھر اور کاتاش کے اورکزئی مرکز تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا
۱۸۶۸ء میں اورکزئی کی بزوٹی شاخ نے علی زئی پر حملہ کر کے ایک انگریز کو ہلاک اور دو کو زخمی کر دیا۔

۱۹۲۰ء میں کوہاٹ میں مجلسِ خلافت کی داغ بیل ڈالی گئی۔
مسلمانانِ کوہاٹ میں سیاسی بیداری کا آغاز ۱۹۰۸ء میں انجمن اسلامیہ کے قیام سے ہوا۔
۱۳، ۱۴ اپریل ۱۹۲۳ء کی درمیانی رات کو عجب خان نے کوہاٹ چھاؤنی سے مس ایلس کو اس کے بنگلہ سے اٹھایا۔
۲۲ اپریل ۱۹۲۳ء کو عجب خان نے ڈپٹی کمشنر کے توسط سے مس ایلس کو واپس کیا۔
ہجرت کے فوراً بعد ترک موالات کی تحریک کا زور تھا اسی سلسلہ میں رئیس الاحرار سید عطاء اللہ

شاہ بخاری کوہاٹ تشریف لائے اور عیدگاہ میں متواتر پانچ گھنٹے تک ولولہ انگیز تقریر سے عوام کے دل گرما ئے۔

آبادی کے تناسب سے کوہاٹ کی سب سے بڑی تحصیل ہنگو کو ۱۹۰۳ء میں تحصیل کا درجہ دیا گیا۔

ماہ اگست ۱۹۲۴ء کے آخری دن "سناتن دھرم سبھا" کے سالانہ جلسہ میں ہندو مقرروں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دل آزار تقاریر کیں۔

۹ ستمبر ۱۹۲۴ء کو، کوہاٹ میں زبردست ہندو مسلم فساد ہوا۔ بازار کلاں کی بے شمار دکانوں کو نذر آتش کیا گیا اور کئی بے گناہ مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔

۱۹۰۲ء میں خوشحال گڑھ کا پل تعمیر ہوا اور ریلوے لائن راولپنڈی سے کوہاٹ تک پہنچائی گئی۔

کوہاٹ اور پشاور کو ملانے والی سڑک کی تعمیر ۱۸۵۰ء میں شروع ہو چکی تھی۔

۱۸۴۹ء تک کوہاٹ میں صرف ایک ہی انگریز افسر مقیم تھا اور وہ تھا لیفٹیننٹ پولاک (جو بعد میں سر حرڈ پولاک کہلایا) پولاک وہاں کا فوجی کمانڈر بھی تھا اور ڈپٹی کمشنر بھی۔

۱۸۵۰ء میں کولن کیمبل نے درہ آدم خیل کے آفریدی قبائل کے خلاف فوج کشی کی تھی۔

۱۸۶۳ء میں یہاں ہسپتال کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جانے لگا تو یہاں انگریز نے ایک ڈسپنسری کھولی بعد میں اسی ڈسپنسری کو شہر کے وسط میں سنگھیڑ کے مقام پر سول ہسپتال بنا دیا گیا۔

کوہاٹ کے چند سیاسی اور سماجی زعما نے ۱۹۰۸ء میں "انجمن اسلامیہ" کی بنیاد رکھی تھی۔

کوہاٹ کے عوام نے چندہ جمع کر کے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ ہائی سکول کھولا جس کا نام "انجمن اسلامیہ ہائی سکول" رکھا۔

۱۸۵۷ء میں کوہاٹ میں ایک اردو سکول قائم ہوا۔

یکم جولائی ۱۹۸۲ء میں کوہاٹ کی ایک تحصیل کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔

یکم اگست ۱۹۸۲ء میں کوہاٹ کو ڈویژن کا درجہ دیا گیا۔

ضلع کوہاٹ کے طبعی خدوخال

ضلع کوہاٹ، صوبہ سرحد کے اُنیس ضلعوں میں سے ایک ضلع ہے اس کی دو تحصیلیں ہیں تحصیل ہنگو اور تحصیل کوہاٹ، پہلے ٹیری، کوہاٹ کی تحصیل تھی لیکن ۱۹۵۰ء میں ٹیری، کوہاٹ تحصیل میں مدغم کر کے اس کی جگہ کرک کو تحصیل بنایا گیا اور یکم جولائی ۱۹۸۲ء کو تحصیل کرک کو ضلع کا درجہ دیا گیا اور یکم اگست ۱۹۸۲ء میں کوہاٹ کو ڈویژن کا درجہ دیا گیا۔

ضلع کوہاٹ میں خٹک اور بنگش مشہور پٹھان قبیلے آباد ہیں، بنگش قوم کوہاٹ کے وسطی شمالی اور شمال مغربی علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے، اور خٹک قوم کوہاٹ کے جنوبی اور جنوب مشرقی اور جنوب مغربی حصوں میں آباد ہیں، کہا جاتا ہے کہ بنگش قبیلے کے لوگ آٹھ سو سال پہلے گردیز (افغانستان) کے علاقے سے آ کر وادیٔ کرم میں آباد ہوئے، خٹک قبیلے کے لوگ تقریباً سات سو سال پہلے کوہِ سلیمان کے علاقہ شوال کے پہاڑی علاقوں سے آ کر ضلع بنوں کے علاقہ میں آباد ہوئے وہاں دو سو سال تک رہے مگر قبائلی جھگڑوں کی وجہ سے ہجرت کر کے کوہاٹ کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔



فیصل گیٹ کوہاٹ

انیسویں صدی کے شروع میں کوہاٹ اور ہنگو کا علاقہ سردار صمد خان کی گورنری میں رہا لیکن
ن مسلمانوں کی آپس کی نا اتفاقی کی وجہ سے یہ علاقہ ۱۸۳۴ء کو سکھوں کے قبضہ میں آگیا پشاور
ورنر ہری سنگھ نے اوتار سنگھ کو کوہاٹ میں حاکم بنا کر بھیجا جس نے ٹیری میں بھی اپنی
قائم کرلی، کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے سکھوں کو شکست دی اور ۱۸۴۹ء میں کوہاٹ
بطہ برٹش حکومت کے قبضہ میں آگیا اور یہاں ایک انگریز لیفٹیننٹ "پلاک" کو اسسٹنٹ
مقرر کیا گیا۔ یہ علاقہ شروع میں صوبہ پنجاب کا ایک حصہ رہا بعد میں بیسویں صدی میں صوبہ
قائم ہوا تو اسے صوبہ سرحد کا ایک ضلع بنا دیا گیا۔

جب برصغیر میں سیاسی بیداری کی لہر اٹھی اور برصغیر کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ ریاست
لئے کوشش شروع کر دی تو ضلع کوہاٹ کے لوگوں نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب مملکتِ پاکستان وجود میں آئی تو یہ علاقہ بھی پاکستان کا
حصہ بن گیا۔

ئی نالے کوہاٹ کے مشرق، اور جنوب میں پہاڑوں اور ندی نالوں کے سلسلے نے اسے
ایک خوبصورت وادی میں تبدیل کر دیا ہے۔ ضلع کوہاٹ میں کوئی بڑا اور



ماضی میں آبی گزرگاہوں کے قریب بستیاں آباد ہوتی تھیں۔ اس چشمہ کے کنارے کوہاٹ صدیوں
سے آباد ہے

اہم دریا نہیں اس ضلع میں دو مشہور ندیاں ہیں جن پر علاقے کی آبپاشی کا دارومدار ہے شہر کوہاٹ کے نواح میں کوہاٹ توئی اس ضلع کا اہم نالہ ہے جو زیادہ مشہور ہے جس کی لمبائی ۴۵ کلومیٹر ہے اس پر تاندہ ڈیم بنایا گیا ہے، یہ توئی (نالہ) اورکزئی کی پہاڑیوں سے نکل کر ہنگو سے ہوتی ہوئی کوہاٹ پہنچتی ہے۔ اس علاقہ کو میران زئی کی زیریں وادی بھی کہا جاتا ہے

کوہاٹ اور نواحی علاقہ کے باغات اور کھیتوں کی شادابی کوہاٹ توئی کی مرہونِ منت ہے۔ یہ توئی کوہاٹ کی وادی کو سیراب کرتی ہے، کوہاٹ چونکہ خشک علاقہ ہے اس توئی کا پانی آبپاشی کی ساری ضروریں پوری نہیں کر سکتی۔ البتہ بارش کے دنوں میں توئی نالہ پانی سے بھری رہتی ہے

صدیوں سے کوہاٹ کے کسان اپنی مقامی ضروریات کے مطابق کوہاٹ توئی سے نالے نالیاں نکال کر کھیتوں اور باغات کو سیراب کرتے چلے آرہے ہیں، برسات کے موسم میں اس توئی نالے میں طغیانی بھی آتی ہے۔ کوہاٹ توئی نالہ جنوب، مشرق کی طرف بہتی ہوئی دریائے سندھ میں جا گرتی ہے۔

شکلائی ندی اور ٹیری توئی

توئی ڈیری اور توئی شکلائی اس ضلع کے دوسرے نالے ہیں جہاں کوہاٹ توئی، میران زئی کی زیریں وادی کی بالائی وادی میں آبپاشی کا ذریعہ ہیں۔ شکلائی توئی تیراہ اور اورکزئی کے پہاڑوں سے نکل کر ٹل کے قریب دریائے کرم میں گرتی ہے اس میں سال کے بارہ مہینے تھوڑا بہت پانی موجود رہتا ہے۔

ٹیری رقبے کے لحاظ سے ضلع کا کافی بڑا علاقہ ہے



ایم زمان کھوکھر کوہاٹ میں ڈاکٹر شوکت میجر ریٹائرڈ سید منور حسین شاہ تاریخ کوہاٹ کے مصنف جاوید پراچہ کے ہمراہ گروپ فوٹو۔

آزادی کے متوالے قوم پرست ہیرو عجب خان

جس نے انگریز سامراج کو ناکوں چنے چبوائے

انگریز سامراج کے خلاف وطن عزیز میں قوم پرست لوگوں نے جو عظیم کارنامے سرانجام دیئے ہیں قوم ان کے کارناموں پر ناز کرتی رہے گی۔ ان کے یہ عظیم کارنامے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔ مٹھی بھر قوم پرست بہادروں نے اسلحہ وسائل سے مالا مال برطانوی سامراج کو ناکوں چنے چبوائے۔ سامراجیوں نے ان قوم پرستوں کے خلاف سازش کے جال بچھائے اقتدار کا لالچ دیا دولت سے وطن فروشوں کو خریدا گیا، لیکن مادر وطن پر قربان ہونے والے ان تمام سازشیوں کے خلاف سینہ سپر رہے۔ اپنے خون سے ایسے درخشندہ کارنامے سرانجام دیئے تاریخ ان پر ہمیشہ ہی ناز کرتی رہے گی وسطی ریاستوں تک پہنچنے کیلئے انگریز سامراج نے بہت پرانا منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے پشاور سے طورخم تک پچاس پہاڑوں کا سینہ چیر کر 52 کلومیٹر کے قریب ریلوے لائن بچھائی وہ افغانستان کے راستے ایشیا کی وسطی ریاستوں تک پہنچنا چاہتا تھا یہ ریاستیں قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن کے ہٹلر نے عالمی سامراج کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور محکوم قوموں میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوئی۔ برطانوی سامراج کے عالمی اقتدار کا سورج غروب ہو گیا اس کی جگہ نئے عالمی سامراج امریکہ نے لے لی ایک صدی قبل جن سرفروشوں نے مادر وطن کی حفاظت کے لیے انگریز سامراج کو للکارا ان میں سے ایک عظیم نام عجب خان کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا پختون اس مرد مجاہد پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے تاریخ کوہاٹ از احمد پراچہ نے عجب خان کے چند رکارناموں کی تفصیل بیان کی ہے:

۱۸۴۹ء میں سرحد کے قبائل مجاہدوں کے دلوں میں فرنگی سامراج کے خلاف شدید نفرت پھیلی ہوئی تھی وہ ہمیشہ فرنگی سامراج کے خلاف برسر پیکار رہے ہزاروں قبائل انگریز کے ساتھ جھڑپوں میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن سرحدی قبائل اکثر بیشتر انگریزی کیمپوں اور چھاؤنیوں پر چھاپے مار کر انگریز کو پریشان کیا کرتے تھے۔ ۲۶ اور ۲۷ نومبر ۱۹۱۹ء کی درمیانی

رات کو کوہاٹ چھاؤنی کی لانسر رجمنٹ کے گارڈ روم پر حملہ ہوا، پہرہ دار سنتری کو ہلاک کر دیا۔ حملہ آور اسلحہ خانہ سے بارہ بندوقیں، آٹھ دوربینیں، پندرہ تلواریں اور بے شمار کارتوس لے اڑے، صبح ہوئی تو ساری کوہاٹ چھاؤنی میں کہرام مچ گیا۔ ڈپٹی کمشنر کرنل بروس نے کہا ہو نہ ہو یہ کارستانی عجب خان اور اس کے ساتھیوں کی ہے۔ اس واقعہ کے رونما ہونے کے کچھ ہی روز بعد کیپٹن سپارکس نامی ایک انگریز فوجی افسر سے کوئی اعلیٰ نسل کے دو گھوڑے اڑا کر لے گیا۔ اس کا الزام بھی عجب خان پر دھرا گیا۔

عجب خان کو فرنگی کی اس کینہ پروری کا علم ہوا تو اسے بڑا قلق ہوا کہ جو واردات ہوتی ہے فرنگی اس کا الزام اسی کے سر ڈال دیتے ہیں چنانچہ عمر خان اب کھل کر سامنے آ گیا۔ ۱۴ اور ۱۵ نومبر ۱۹۲۳ء کی درمیانی رات کو وہ کرنل فوکس نامی انگریز افسر کے بنگلہ میں جا گھسا اس کا بھائی شہزادہ خان اس کے ہمراہ تھا عجب خان اور اسکے بھائی کا منصوبہ تھا کہ کرنل فوکس کو اٹھا کر اسے یرغمال بنالیا جائے اس وقت کرنل فوکس جاگ رہا تھا اس نے عجب خان کو کمرے میں گھستے دیکھ کر عجب خان پر ریوالور تان لیا۔ عجب خان نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو فائر سے بچایا اور فوراً ہی کرنل فوکس پر خنجر سے وار کر دیا کرنل زخمی ہو کر گرا تو اس کی بیوی نیند سے بیدار ہو گئی وہ کرنل کی مدد کو آگے بڑی تو عجب خان نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس پر خنجر سے وار کیا پھر دونوں بھائی بجلی کی سی تیزی سے بنگلہ سے نکل کر رات کی تاریکی میں روپوش ہو گئے کوہاٹ چھاؤنی میں خطرے کے الارم بجنے لگے فوج اور پولیس حرکت میں آ گئی۔

۲۲ فروری ۱۹۲۳ء کی رات کو فرنگی کے اقتدار پر ایک اور زد پڑی، عجب خان اور اسکے مٹھی بھر ساتھی کوہاٹ چھاؤنی کے اسلحہ خانہ پر ٹوٹ پڑے یہ ایک طوفانی رات تھی زوردار بارش کے ساتھ آندھی بھی چل رہی تھی لیکن اس کے باوجود قبائلی مجاہد ۳۰۳ کی ۴۶ بندوقیں اڑا کر لے گئے۔ کرنل بروس سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس نے اسے اپنے وقار پر کاری ضرب خیال کرتے ہوئے قومی جرگہ طلب کیا تا کہ معاملہ جرگہ کے سامنے رکھا جائے اور وہ لوگ اپنی روایات کے مطابق اس مسئلہ پر رائے دیں اور اس کا حل تلاش کریں۔

مشہور ادیب اور صحافی اللہ بخش یوسفی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔ ''انگریز ڈپٹی کمشنر کا خیال تھا کہ آفریدی جرگہ عجب خان کے جرم کی ذمہ داری قبول کر لے گا لیکن اجلاس میں ایسا نہ ہونے پایا اور کسی قبیلہ نے بھی جرم کی ذمہ داری اپنے سر نہ لی، سب نے ان وارداتوں کو کسی فرد یا افراد کا ذاتی فعل قرار دیا۔

کرنل بروس نے طیش میں آ کر فرنٹیئر کانسٹبلری کے کمانڈنٹ مسٹر ہینڈی سائڈ (جسے کسی حریت پسند نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور جس کی یاد میں درہ کوہاٹ کے مقام کوتل میں ایک دروازہ ہینڈی سائڈ گیٹ اب بھی موجود ہے) عجب خان کے مکان کی تلاشی لینے وہاں سے مسروقہ اسلحہ برآمد کرنے اور عجب خان اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اس پر جرگہ سے اجازت لیے بغیر فرنٹیئر کانسٹبلری (بارڈر پولیس) کے جوانوں کے ایک دستہ نے بوستی خیل میں عجب خان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اتفاق سے اس وقت گھر پر کوئی مرد موجود نہ تھا خانہ تلاشی میں کوئی مال مسروقہ بھی برآمد نہ ہوا۔ فوجی دستہ نے پورے گھر کو تہ و بالا کر ڈالا۔ فرنٹیئر کانسٹبلری کا کمانڈنٹ ایرک چارلس ہینڈی سائڈ اقتدار کے نشہ میں اس قدر مست تھا کہ مردوں کی عدم موجودگی کا بھی خیال نہ کیا اور عجب خان کے گھر کی تلاشی لی۔ عجب خان اور اس کا بھائی اپنے گاؤں واپس آئے انہیں اس اچانک اپنے گھر کی تلاشی اور فوجیوں کے سامنے مستورات کی بے بسی کا علم ہوا تو اس نے اس واقعہ کو اپنے وقار پر حملہ تصور کیا، کوئی غیرتمند انسان بھی ایسی نازیبا حرکت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے قسم کھائی کہ فرنگی نے میرے گھرانے کی بے عزتی کی ہے۔ میں بھی پٹھان کا بچہ نہ ہوں گا کہ فرنگی کی اس بے عزتی کا مزہ چکھا نہ دوں گا۔ عجب خان طیش کے عالم میں رخصت ہو کر رات کو ایک دوست کے ہاں ٹھہرا اسی جگہ اس نے فرنگی سے بدلہ لینے کا پروگرام بنایا۔ صبح ہوئی تو اپنے دو بھائیوں شہزادہ خان اور گل اکبر خان اور دیگر دو ساتھیوں سلطان میر اور حیدر شاہ کے ساتھ کوہاٹ پہنچا۔ قرب و جوار پر نظر ڈالی اور باہم صلاح و مشورہ کے بعد عجب خان اور اس کے ساتھی اس نتیجہ پر پہنچے کہ انگریز افسر میجر ایلس کو زندہ اٹھا کر روپوش ہونا ہوگا۔ کوہاٹ چھاؤنی میں ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کے پاس ہی میجر ایلس کا بنگلہ تھا جو غالباً اس رجمنٹ کا

کمانڈنگ آفیسر تھا جس کے سپاہیوں نے بوتی خیل کی تلاشی لی تھی میجر ایلس کے ہاں ایک خونخوار کتا بھی تھا۔ جسے رات کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا عجب خان کئی راتوں تک چھپ چھپ کر اس کتے کو گوشت کھلاتا رہا حتیٰ کہ کتا اس سے مانوس ہو گیا۔

اس قدر جدوجہد کے بعد رات کو عجب خان اور شہزاد خان میجر ایلس کے بنگلے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے چونکہ میجر ایلس کا خونخوار پالتو کتا عجب خان سے مانوس ہو چکا تھا اس لیے اس کو قابو کرنے میں دقت نہ ہوئی ۔ عجب خان کمرے کی کھڑکی سے اندر داخل ہوا اور دروازے کی چٹخنی کھولی اور شہزادہ خان بھی اندر آ گیا یہ دونوں اندھیرے میں خواب گاہ کی طرف بڑھے انہوں نے خیال کیا کہ میجر ایلس اور مسز ایلس الگ الگ چارپائیوں پر محو خواب ہیں حالانکہ اس رات کو میجر ایلس گھر پر نہیں تھا وہ کسی سرکاری کام سے بنوں گیا ہوا تھا لیڈی ایلس آہٹ سن کر اٹھی اور مزاحمت کرنا چاہی کہ شہزادہ خان نے تاریکی میں میجر ایلس کے گمان میں خنجر کا وار کر کے اسے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔

میجر ایلس کی سترہ سالہ بیٹی مولی ایلس ملحقہ کمرے میں مطالعہ میں مصروف تھی وہ والدہ کی دلدوز چیخ سن کو دوڑی ہوئی آئی تو اس خوف سے کہ کہیں وہ شور نہ کرے عجب خان نے اپنی چادر اس کے چہرے پر ڈال دی اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے کندھے پر ڈال کر تیزی سے کمرے سے نکل بھاگا اس کے ساتھی باہر چھپ کر کھڑے تھے اس نے ساتھیوں کی مدد سے دیوار پھلانگی اور اپنی راہ لی۔ اس وقت بنگلہ پر پہرہ دینے والے سپاہیوں کو عجب خان وغیرہ کے سامنے آنے کی جرأت تو نہ ہوئی لیکن نیم تاریکی میں حرکت کرتے ہوئے سائے دیکھ کر انہوں نے سیٹیاں بجانی شروع کر دیں۔ میجر ایلس کا پڑوسی کیپٹن ہائی لینڈ، سیٹیوں کی آوازیں سن کر میجر ایلس کے بنگلہ پر پہنچا تو لیڈی ایلس دم توڑ چکی تھی اور اس کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی حکام اعلیٰ کو اطلاع ہوئی تو ساری انتظامیہ حرکت میں آ گئی۔

عجب خان اور شہزادہ خان، چادر میں لپٹی ہوئی مس ایلس کو باری باری اٹھائے انگریزی علاقہ سے نکل جانے کی فکر میں دوڑنے لگے، بنگلے سے نکل کر پہلے یہ لوگ کوہاٹ ریلوے لائن کے

ساتھ ساتھ چلتے رہے اور پھر چھاؤنی کی حدود سے نکل کر کافی دور تک چلنے کے بعد اس مقام پر پہنچے جہاں وہ اپنے گدھے چھوڑ گئے تھے جب اغوا کنندہ خاتون کو گدھے پر سوار کرنے لگے تو اس وقت ان پر یہ حقیقت کھلی کہ وہ میجر ایلس کی بجائے اس کی اہلیہ کو قتل کر چکے ہیں عجب خان کو بڑی خفت ہوئی۔ انہوں نے مولی ایلس کو تسلی دی اور تحفظ کا وعدہ کیا کیونکہ اب اسے چھوڑ بھی نہ سکتے تھے ۔ پھر وہاں سے چل پڑے صبح تک وہ ایک پہاڑی غار میں پہنچ چکے تھے جہاں سے پشاور، کوہاٹ روڈ صاف نظر آ رہی تھی اور مس ایلس سڑک پر آنے جانے والوں کو بخوبی دیکھ سکتی تھی لیکن انہیں کوئی دیکھ نہ سکتا تھا عجب خان اور اس کے ساتھی مس ایلس سے نہایت شفقت سے پیش آئے۔

سورج نکلا تو پہلی بار مس ایلس نے عجب خان کو غور سے دیکھا اور انگریزی لہجہ میں ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا ''اگر تم مجھے پیسوں کی خاطر لائے ہو تو پیپر پنسل لاؤ جتنی رقم تم مانگتے ہو میں لکھ دیتی ہوں کوہاٹ سے رقم تم لا سکتے ہو'' اس وقت غار میں شہزادہ خان اور مس ایلس تھے، عجب خان باہر گیا ہوا تھا شہزادہ نے کہا ہمیں روپوں کا لالچ نہیں، ہم نے تو اپنی بے عزتی کا انتقال لیا ہے، اب اگر کرنل بروس کی بیوی ہمارے ہاتھ لگ جاتی ہے تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ عجب خان ایک گدھے پر کچھ سامان لیکر آ گیا اس کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی تھا جو وہ مس ایلس کے لیے لایا تھا چونکہ وہ مس ایلس کو جوتے اور ٹوپی کے بغیر اٹھا لائے تھے اس لیے عجب خان نے اسے جوتا اور سر پر اوڑھنے کے لیے ایک چادر بھی دی۔

۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء کو نہ صرف برصغیر ہند بلکہ ساری مملکت برطانیہ میں ایک کہرام مچ چکا تھا۔ صوبہ سرحد کا چیف کمشنر جان مفی بہت پریشان تھا اس نے کافی غور و فکر کے بعد ایک منصوبہ بنایا اور ایسے افراد کو منتخب کیا جو اس سلسلے میں انتہائی مفید ثابت ہو سکتے تھے اس نے خیبر کے نواب زمان خان کو ہدایت کی کہ وہ خیبر اور تیراہ کی تمام سرحدوں پر کڑی نظر رکھے کہ کہیں مس ایلس کو افغانستان نہ پہنچا دیا جائے کرم ایجنسی کے اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ خان بہادر قلی خان کو جو قبائلی امور کے خصوصی ماہر تھے تیراہ بھیجا کہ وہاں کے معززین بالخصوص کربوغہ شریف کے سجادہ نشین کے تعاون سے مولی ایلس کا پتہ لگائیں رسالدار میجر مغل باز خان کو ایف سی کے جوانوں کے ایک دستہ کے

ساتھ خانکی وادی (تیراہ) بھیج دیا تا کہ وہ مس ایلس کو تلاش کرے۔ سر جان مفی نے یہ بھی سوچا کہ کسی ایسی خاتون کو بھی مہم پر بھیجا جائے جو مس ایلس سے بات چیت کر کے اسے تسلی دے سکے چنانچہ اس نے مشن ہسپتال پشاور کی نرسنگ سسٹر مسز ستار کا انتخاب کیا جو آفریدیوں کی پشتو روانی سے بولتی تھی اور ایسا لباس پہنتی تھی کہ دیکھنے والا اسے اورکزئی یا آفریدی خاتون ہی سمجھتا تھا۔ جان مفی نے خود اپنی موٹر کار میں مسز ستار کو سوار کیا اور ایک ہی دن میں کوہاٹ سے ہنگو اور ہنگو سے سمانہ کے قلعہ تک گیا جہاں سے اس نے مسز ستار اور رسالدر مغل باز خان کو چند محافظوں سمیت تیراہ کے لیے رخصت کیا یہ وہ علاقہ تھا جہاں سے پہلے کسی انگریز یا غیر ملکی خاتون کے قدم نہ پڑے تھے۔

کربوغہ کے مولانا عبدالحق کے تعاون سے بالآخر یہ پتہ چل گیا کہ مس ایلس زندہ ہے اور ایک جگہ سلامتی سے نظر بند ہے دراصل عجب خان اور شہزادہ خان نے مس ایلس کو جوائی (تیراہ) میں اپنے دوست سلطان میر کے برج میں چھپا رکھا تھا جب مس ایلس کی رہائی کیلئے جرگہ بٹھایا تو خان بہادر مغل باز خان اور خان بہادر قلی خان نے آفریدی جرگہ پر زور دیا کہ وہ عجب خان اور شہزادہ خان کی طرف داری نہ کریں ورنہ انگریزوں سے جنگ چھڑ جائے گی اس صورت میں انہیں بے حد نقصان پہنچے گا جب عجب خان اور شہزادہ خان سے مذاکرات کیے تو انہوں نے کہا کہ کسی کمزور لڑکی کو اپنے قید میں رکھنا مقصود نہ تھا بلکہ وہ تو صرف یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ انگریز اپنی طاقت اور اپنی فوج کے بھروسہ پر مردوں کی غیر موجودگی میں اس کے گھر کی تلاشی کر سکتا ہے تو عجب خان کے لیے بھی یہ مشکل نہ تھا کہ وہ خود انگریز کے گھر سے ایک انگریز لڑکی کو اٹھا لے جائے۔ ہم نے تو انگریز کو سبق سکھانے کے لیے یہ حرکت کی ہے۔

بالآخر کچھ دن کے مذاکرات کے بعد عجب خان اس شرط پر مس ایلس کو رہا کرنے پر رضا مند ہوا کہ تمام گرفتار شدہ بوستی خیل رہا کر دیئے جائیں گے اور انگریز، آفریدی علاقہ پر آئندہ فوج کشی نہیں کریں گے مس ایلس نے عجب خان اور اس کے ساتھیوں کے حسن سلوک کی بہت تعریف کی کہ اغواہ کے پہلے دن سے لیکر آج تک اس پر زیادتی نہیں کی گئی اور اسے امانت کے طور پر سنبھالے رکھا۔ ۲۲ اپریل ۱۹۲۳ کو حکومت کے کارندے مس ایلس کو لے کر ھینا وڑی کے انگریزی

قلعہ میں پہنچے جہاں چیف کمشنر سرحد جان میفی میجر ایلس اور انگریز ڈپٹی کمشنر کوہاٹ اس کے منتظر تھے۔ مس ایلس نے چیف کمشنر صوبہ سرحد جان میفی اور مسز سٹار کے سامنے اعتراف کیا کہ عجب خان اور شہزادہ خان اور ان کے ساتھیوں نے اس کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا کھانے پینے کی ہر چیز ملتی رہی اسے یہ اجازت بھی تھی کہ وہ عجب خان کے معتمدین کے ذریعے اپنے متعلقین سے خط و کتابت بھی کر سکتی ہے اور وہ اپنے متعلقین کو خطوط بھی لکھتی رہی ہے۔ علاقہ غیر سے واپسی پر مس ایلس نے آفریدیوں کے حسن سلوک کی بہت تعریف کی اور چند مضامین بھی لکھے اس نے یہاں تک بھی لکھا ہے کہ جب وہ تیراہ سے رخصت ہو رہی تھی تو اسے زرق برق آفریدی خواتین کا لباس پہنایا گیا اس کے گلے میں طلائی ہار ڈالا گیا اور بڑے تپاک سے اسے رخصت کیا گیا۔ اس نے اپنے مضامین میں کھلے لفظوں میں اعتراف کیا کہ اغواء کنندگان نے میلی نظر سے بھی نہ دیکھا اصل میں عجب خان اور شہزادہ خان نے جوش انتقام میں آ کر اس واردات کا اعتراف کیا تھا لیکن اس فعل سے وہ خود بھی نادم تھے کیونکہ کسی عورت پر ہاتھ اٹھانا اسلامی اور پختون روایات کے منافی ہے، لیکن حکومت برطانیہ نے اپنے سیاسی مصلحت سے ان مضامین کی اشاعت روک دی اور مولی ایلس کو فوراً یورپ بھیج دیا گیا۔ وفد کی رکن ڈاکٹر مسز سٹار نے بھی (تیراہ کی کہانیاں) نامی ایک کتاب شائع کی جس میں مس ایلس کے اغوا سے رہائی تک تمام تفصیل درج ہے۔

عجب خان بھی حالات کا جائزہ لیتا رہا اور وہ انگریز کے اثر و رسوخ اور مال و دولت سے بے خبر نہ تھا اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ انگریز اپنی چالبازیوں سے قبائلی آبادی میں باہمی اختلافات پیدا کر دیں، ایک قبیلے کو دوسرے کے خلاف لا کھڑا کر دیں یا کسی غدار کو خرید کر خود عجب خان یا اس کے ساتھیوں کے خلاف اسے استعمال کرنے لگیں اس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اس علاقے سے ہی نکل جائے چنانچہ وہ پانچوں مہم جو ساتھی قبائلی علاقے سے ہوتے ہوئے افغانستان کی طرف جا نکلے، جہاں عجب خان کی شہرت اس سے قبل پہنچ چکی تھی۔

عجب خاں اس کے بھائی شہزادہ خان اور رفقاء کو سرحد ہند سے بہت دور روسی ترکستان کو منتقل کر دیا گیا وہاں انہیں اراضی وغیرہ دے دی گئی اور اس طرح وہ مستقلاً وہیں مقیم ہو گئے اور وہیں عجب خان نے جولائی 1961 میں وفات پائی۔

صوبہ سرحد کا مشہور درہ آدم خیل اور اسلحہ ساز فیکٹریوں کی کہانی

سیاح لوگ عموماً ارات کو یا صبح سویرے سفر کا آغاز کرتے ہیں تا کہ دن کے وقت وہ سیاحت کرسکیں اگست سال 2001ء صبح سویرے راقم نے درہ آدم خیل کیلئے کوہاٹ جانے والی ویگن میں سوار ہوا۔ ساون کے مہینے میں صبح سویرے ہوا کے جھونکوں سے انسان کو سکون ملتا ہے ویگن دوطرفہ سڑک پر تیزی سے رواں دواں تھی۔ سڑک کے دونوں طرف میدانی علاقہ میں سرسبز اور شاداب فصلیں کھیت ہیں اور ان کھیتوں میں مختلف اقسام کے درخت اس علاقہ کی زرخیزی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ قدیمی گزرگاہ جو پشاور، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان کو ملاتی ہوئی پنجاب کے مشہور ضلع ڈیرہ غازی خان، راجن پور اور سندھ کی طرف جانکلتی ہے یہ قدیمی شاہراہ اپنے اندر کئی تاریخی واقعات لئے ہوئے ہے افغانستان کی جانب سے برصغیر میں داخل ہونے والے شہنشاہ، بادشاہ، سلطان اس قدیمی



درہ آدم خیل بینڈ سائیڈ گیٹ یہ گیٹ کوہاٹ اور درہ آدم خیل کے درمیان حد بندی کا نشان ہے گیٹ بند ہو جائے تو گزرنے کا کوئی رستہ نہیں ہے

گزرگاہ سے گزرے۔ راقم ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ اچانک درہ آدم خیل کا پہاڑی سلسلہ شروع ہوا درہ آدم خیل کے پہاڑوں کی ٹھنڈی ہوا نے فضاء میں مزید خنکی پیدا کردی جیسے گاڑی مری کے پہاڑوں سے گزر رہی ہو۔ ملشیا کے کپڑے پہنے سر پر ٹوپی معصوم بچوں کی ٹولیاں سکولوں کی طرف جارہی تھیں۔ درہ آدم خیل کے بلند بالا پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوا ایک پہاڑ اُونچا ہے تو دوسرا قدرے نیچے۔ ان پہاڑوں پر بکریاں اپنی خوراک کی تلاش میں ادھر اُدھر گھومتی پھرتی نظر آئیں کبھی خشک پہاڑ کبھی سنگلاخ چٹانیں۔ کبھی چھوٹے چھوٹے درخت ان پہاڑوں پر دیکھے آزادی کا متوالہ عجب خاں جس نے فرنگیوں کو یہاں ناکوں چنے چبوائے کا تعلق بھی اس درہ آدم خیل سے رہا۔ وہ قوم پرست پٹھان جنہوں نے اپنی آزادی پر آنچ نہیں آنے دی اس درے کی غاروں میں پناہ لئے انگریزوں کی نیندیں حرام کررکھی تھیں یہ تاریخی واقعات میرے ذہن میں فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے آگئے کہ ان وطن دوست پختون نے انگریز سامراج کے راستہ میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کیں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے وطن کی آزادی کے لئے قربان ہوتے گئے اور تاریخ ان شہداء کی جدوجہد آزادی پر جتنا بھی نازفخر کرے کم ہے خیالوں کا سفر منقطع ہوا درہ آدم خیل کا مشہور بازار جس میں اسلحہ کی لاتعداد دکانوں کے علاوہ گوشت، کریانہ، جنرل سٹور، نسوار، کپڑے، لکڑی غرض ہر قسم کی دکانیں ہیں لیکن چپل کباب کی خوشبو اور قہوہ کا یہاں اپنا رنگ ہوتا ہے پختون جوانوں کے سر پر ٹوپیاں بڑوں کے سر پر پگڑیاں درہ آدم خیل کی پہچان ہے۔ اسلحہ سازی چھوٹی بڑی فیکٹریاں تو عام ہیں۔ قبائلی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ ملکی قوانین سے بے نیاز ہے درہ آدم خیل میں کلاشنکوف، 17 ایم ایم رائفلیں، 32 بور پستول، شارٹ گن 22 بور دیگر اسلحہ تیار ہوتا ہے درہ آدم خیل کا تاریخی پس منظر یوں ہے۔

پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبے کی پٹی پر رہنے والے قبائل جن میں شمالی وزیرستان، جنوبی وزیرستان، کرم ایجنسی، مہمند ایجنسی، باجوڑ ایجنسی، اورکزئی ایجنسی، خیبر ایجنسی، ایف آر بنوں، ایف آر کوہاٹ اور ایف آر مالاکنڈ کے علاقے شامل ہیں۔ اس

لحاظ سے منفرد ہیں کہ پاکستان کے تقریباً 600 وفاقی قوانین میں سے صرف 44 کا اطلاق ان قبائلی علاقہ جات پر ہوتا ہے۔ انگریزوں کے زمانے کا رائج کردہ ملکی نظام نافذ ہے۔ جبکہ ایف سی آر (فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن) کے تحت یہاں جزا و سزا کیلئے حکومت پاکستان کے قوانین لاگو نہیں ہیں بلکہ پولیٹیکل ایجنٹ اور جرگہ سزائیں تجویز کرتا اور عمل کرواتا ہے۔

قبائلی علاقہ جات کے باشندوں کو عرف عام میں پٹھان کہا جاتا ہے (پٹھان، لفظ پختون کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی وفاداری، میزبانی، غیرت اور شجاعت کے ہیں۔) ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ اجڈ، گنوار اور اکھڑ ہوتے ہیں۔ ان کے ایک کندھے پر بندوق، دوسرے کندھے پر چادر اور سر پر مخصوص کلاہ ہوتا ہے۔ غیرت ان کی طرۂ امتیاز اور ضابطہ اخلاق ہے یہاں غیرت کے نام پر قتل کرنا اور بدلہ لینا شان سمجھا جاتا ہے اور اس کو اس کی تربیت اس وقت سے دی جاتی ہے جب وہ ماں کی گود میں ہوتا ہے یہاں اسلحہ کو زیور سمجھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت زیورات کی مانند کی جاتی ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں عموماً



درہ آدم خیل دامن کوہ میں پختہ سڑک۔

بچے سے لیکر بوڑھے شخص تک ہر ایک کے پاس اپنا اپنا اسلحہ ہوتا ہے۔ گو کہ یہاں غربت بہت زیادہ ہے لیکن قبائلی پٹھان اسلحہ کو کندھے پر سجانے کی خاطر کچھ بھی کر گزرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

صدیوں سے پٹھانوں نے برصغیر کی مغربی سرحدوں کی حفاظت کی ہے۔ اُنہوں نے کبھی بھی کسی غیر طاقت کو برداشت نہیں کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ انہیں ہر طرف سے کچلنے کی کوشش کی گئی لیکن کوئی انہیں غلام بنانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ انیسویں صدی کے وسط تک انگریز برصغیر کے حکمران بن چکے تھے۔ یہاں پہلی بار ان کا واسطہ پٹھانوں سے افغان جنگ (1834-42) کے دوران ہوا۔ انگریز شمال مغربی سرحدی صوبے کی جانب سے کسی ممکنہ روسی حملے کے بارے میں ہمیشہ پریشان رہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے اس علاقے کو بفرزون بنانا چاہا اور روسیوں کی ممکنہ پیش قدمی کو روکنے کیلئے فوجی دستے ان علاقوں میں بھیجنے چاہے۔ فوجی دستوں کو سرحدی پٹی تک پہنچانے کیلئے انگریزوں کو لازماً پہاڑی دروں کو استعمال کرنا پڑتا تھا۔ جب انہوں نے ان دروں پر قبضہ کرنا چاہا اور یہاں سڑکیں بنانی چاہیں تو پٹھانوں سے ان کا سامنا ہوا جنہوں نے اس حکمت عملی کو اپنی آزادی چھیننے سے تعبیر کیا۔ ہر قبائلی انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُنہوں نے اپنے روایتی ہتھیاروں سے انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے گو کہ اُنہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ لیکن وہ اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

بیسویں صدی میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے فوجی، وارث میرو نے اسی جذبہ آزادی کے تحت انگریز کی حکومت سے بغاوت کی اور فرار ہو کر خیبر ایجنسی سے متصل درہ آدم خیل میں شاہ بدین کے گھر پناہ گزین ہوا۔ وارث میرو نے جو برطانوی فوج میں رہ کر اسلحے کے استعمال اور اہمیت سے بخوبی واقف تھا، اپنے میزبان شاہ بدین کو اس بات پر راضی کیا کہ اگر وہ ہتھیار بنانا شروع کر دیں تو انگریز سامراج کا مقابلہ زیادہ احسن طور پر کر سکیں گے۔ دو ماہ کے قلیل عرصے میں انتھک کوششوں کے بعد انہوں نے ایک نالی والی

بندوق بنائی، جس کے بعد انہوں نے بارہ بور کی بندوق اور اس کے کارتوس بنانے کا تجربہ کیا اور کامیاب رہے۔ ان کی اس کامیابی نے ساتھی قبائیلوں کا حوصلہ بڑھایا اور یوں درہ آدم خیل میں اسلحہ سازی کا کام شروع ہوا۔

اس وقت ان ہتھیاروں کی قیمت نہ ہونے کے برابر تھی آج کل بھی درے وال اسلحہ کی قیمت باہر سے آنے والے اسلحے سے کافی کم ہے۔ آفریدیوں کی آبادی پر مشتمل درہ آدم خیل، خیبر ایجنسی سے متصل پشاور کے شمال مغرب میں 40 کلومیٹر دور کوہاٹ کے تنگ ترین حصے میں واقع ہے۔ درہ آدم خیل اس وقت پاکستان بھر میں اسلحہ بنانے کا سب سے بڑا مرکز ہے چونکہ یہاں حکومت پاکستان کے قوانین رائج نہیں ہیں اس لئے قبائیلوں کو اسلحہ بنانے کیلئے حکومت سے کسی قسم کی اجازت یا لائسنس لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قبائلی علاقہ جات میں بنجر زمین اور خشک پہاڑوں کے باعث ذرائع روزگار نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے خصوصاً درہ آدم میں قبائلی اسلحہ بنانے کو ہی منفعت بخش کاروبار سمجھتے ہیں۔ یہاں اس کاروبار کو خاندانی کاروبار کی شکل حاصل ہے۔ نہ صرف کاروبار نسل در نسل منتقل ہوتا ہے بلکہ ایک وقت میں گھرانے کے تمام افراد اسلحہ بنانے کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔

درہ آدم خیل میں مرکزی بازار،اور اِردگرد کی گلیوں میں تقریباً 2500 دکانیں ہیں ان میں سے اکثر دکانیں اسلحہ کے سپیر پارٹس کی ہیں جہاں بولٹ، بیرنگ، فریم، ٹرائیگر، کارتوس، چارجز اور دیگر پارٹس مل جاتے ہیں ان پارٹس کو بنانے کیلئے درہ میں 80 کے قریب بڑے کارخانے ہیں جبکہ گھروں میں کاٹیج انڈسٹری کے طور پر بھی اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت درہ آدم خیل میں اسلحہ سازی سے 3000 خاندانوں کا روزگار وابستہ ہے۔ بجلی کی فراہمی سے قبل یہ قبائلی ہاتھ سے چلنے والی مشینوں کے ذریعے ہتھیار بناتے تھے لیکن 1957ء میں بجلی کی ترسیل کے بعد یہاں بجلی کی مشینوں کا استعمال عام ہوا۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہاں تو نہ اسلحے بنانے کی کوئی تربیت گاہ ہے اور نہ ہی یہ ہتھیار سائنسی اُصولوں پر تیار کئے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ہنر سینہ بہ سینہ منتقل

ہو رہا ہے۔ جہاں تک اسلحہ سازی کیلئے خام مال کا تعلق ہے تو اسلحہ کی تیاری کیلئے اسٹیل کراچی کی اسٹیل ملز سے حاصل کیا جاتا ہے اور بولٹ وغیرہ کیلئے قبائلی علاقہ جات سے اخروٹ کے درخت کاٹ کر لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن اب بھی اسلحے کے شوقین حکومت سے چوری چھپے اسلحہ خریدتے ہیں، درے کے بازار میں ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے جو گاہک کی مرضی کے مطابق فراہم کیا جاتا ہے۔ کلاشنکوف کے گاہک کو ایک وقت میں بازار سے کم از کم 300 کلاشنکوفیں تیار مل سکتی ہیں۔ اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو وہ آرڈر پر بنائی جاتی ہیں۔

درہ آدم خیل کے بازار کے اختتام پر چڑھائی شروع ہوتی ہے یہ سڑک کئی پہاڑوں کو تراش کر بنائی گئی ہے یہ سڑک کئی پہاڑی سلسلہ سے گزرتی ہوئی بلند ترین چوٹی کوتل پر پہنچ کر پھر اُترائی شروع ہوتی ہے یہ اُترائی ختم ہوتے ہی کوہاٹ کا شہر سامنے نظر آتا ہے اَب ان دشوار گزار پہاڑی سفر کے پیش نظر مشہور ٹنل تعمیر کر دی گئی ہے ٹنل کی تعمیر سے پشاور اور کوہاٹ کے درمیان فاصلہ بھی کم ہو گیا ہے سفری سہولتیں بھی مہیا ہو گئی ہیں۔ پہاڑوں کے درمیان سے کئی راستے افغانستان کی طرف جاتے ہیں۔

کوہاٹ میں روحانی شخصیت حضرت حاجی بہادرؒ کا مزار

صوبہ سرحد کے علاوہ افغانستان میں آپکے ہزاروں ارادتمند ہیں

پشاور میں بسوں ویگنوں ہلکی بھاری گاڑیوں کے تین بڑے اڈے ہیں سکندر پورہ کے قریب جنرل بس اسٹینڈ۔ دوسرا اڈا ہشنگری چوک پرانے جی ٹی ایس کے احاطہ میں ہے۔ تیسرا پشاور صدر کوہاٹ روڈ پر ہے۔ پشاور کو جانے والی جی ٹی روڈ چمکنی کے قریب سے بائی پاس روڈ تعمیر کی گئی ہے جو کوہاٹ روڈ سے آملتی ہے۔ اکیس مئی سن دو ہزار کو راقم نے صبح سویرے کوہاٹ روڈ پشاور صدر سے کوہاٹ کیلئے چھوٹی گاڑی میں سوار ہوا چھوٹی گاڑی کیلئے سواری فوراً مل جاتی ہیں جو راستے میں رو کے بغیر مقررہ وقت میں منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہیں کوہاٹ روڈ جو انڈس ہائی وے کے نام سے مشہور ہے درہ ادم خیل تک یہ سڑک دو طرفہ

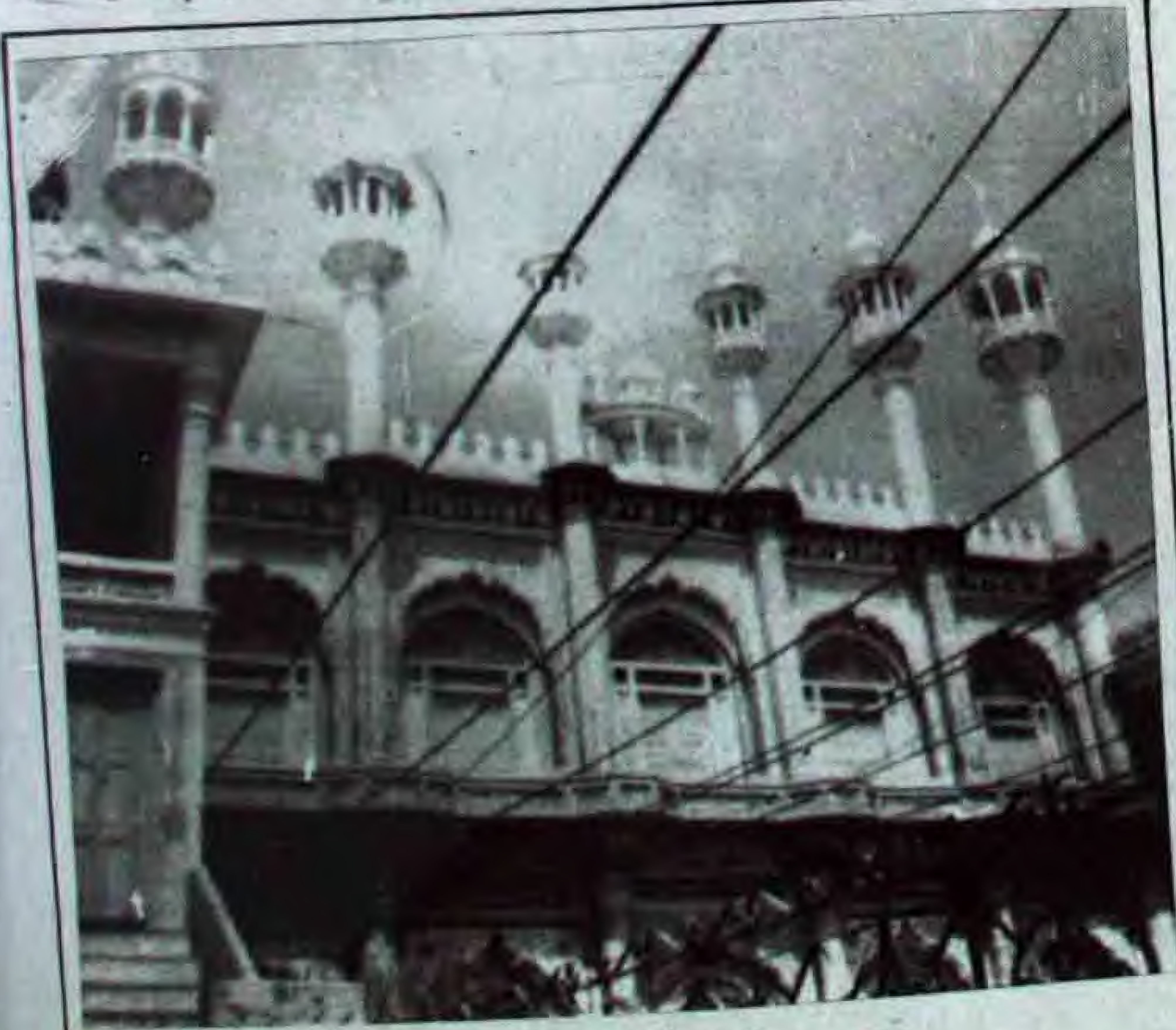


مزار حضرت بہادر کوہاٹ

ہے درہ ادم خیل جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ درہ بہت مشہور ہے
یہاں اسلحہ کی لاتعداد فیکٹریاں اور دکانیں ہیں یہاں سے پہاڑی سفر کا آغاز ہوتا ہے نصف
سفر چڑھائی اور نصف سفر اُترائی کا طے کرنا پڑتا ہے پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بنائی جا رہی
ہیں جو تیاری کے آخری مرحلے میں ہے اس سے کوہاٹ کے لئے سفر بہت آسان اور آرام
دہ ہو جائے گا۔ کوہاٹ ایک چھوٹا سا شہر ہے بہت بڑی چھاؤنی کے علاوہ ایئر فورس کے
ایئر فورسیوں کی تربیت گاہ ہے۔ اڈا سے رکشہ۔ نے مجھے کوہاٹ شہر کے مشرقی دروازہ کے
قریب اُتار دیا راقم کا مین بازار سے پیدل گزر ہوا مغربی دروازہ کے قریب بازار صرافاں
والی گلی میں داخل ہوا صرافاں بازار کے اختتام پر حضرت حاجی بہادرؒ کا آستانہ مبارک
ہے حضرت حاجی بہادرؒ صوبہ سرحد کے علاوہ قبائلی علاقہ جات اور افغانستان کے مسلمانوں
کے روحانی پیشواء ہیں درجن بھر سیڑھیاں چڑھنے کے بعد سامنے عالی شان مسجد کے جنوب
کی طرف بلند بالا دراوزہ کے اندر حضرت حاجی بہادرؒ کے مزار کا ہے ایک وسیع احاطہ میں
آپ کا مزار مبارک ہے اور سبز رنگ کا شاندار گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کے مشرقی طرف
خواتین جبکہ مغرب کی طرف مرد زائرین کے بیٹھنے کا اہتمام کیا گیا ہے شیشہ کے بکس میں
آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید اور اَورنگزیب بادشاہ کے شاہی فرمان رکھے ہوئے ہیں
راقم نے مزار پر حاضری دی فوٹو اور معلومات حاصل کی۔ آپ ایک عہد ساز اور روحانی
بزرگ ہو گزرے ہیں۔ کوہاٹ کے علاوہ اس خطہ میں انہیں وہی احترام اور مقبولیت حاصل
ہے جو وطن عزیز کے دوسرے اولیاء کرام کو حاصل ہے تاریخ کوہاٹ از احمد پراچہ کے مطابق
حضرت مجدد الف ثانی کے بعد ان کے خلفاء میں سے حضرت ادم نبورؒ نے اشد ہدایت کا
چراغ نہایت آب وتاب سے روشن رکھا برصغیر میں ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک
بڑھ گئی تو مغل شہنشاہ شاہ جہاں خوف کھانے لگا۔

شہنشاہی مصلحتوں نے حضرت سید ادم نبورؒ کو ہندوستان سے نکل جانے کا حکم دیا
آپ اپنے بے شمار مریدوں کے ساتھ ہندوستان چھوڑ کر زیارت حرمین شریفین کو روانہ

ہوئے اس سفر میں حضرت حاجی بہادرؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ سید ادم نبوریؒ نے مدینہ منورہ کو اپنا دائمی مسکن بنالیا روضہ اقدس سے حضرت حاجی بہادرؒ کو بہادر کا خطاب ملا آپ نے انہیں ریحان عرب وعجم بھی کہا۔ حضرت حاجی بہادرؒ نے مرشد کے فرمان کے مطابق ہندوستان واپس آ کر مرشد ہدایت کی قندیلیں روشن کیں۔ حضرت حاجی بہادرؒ نے کوہاٹ کو مرکز بنا کر اس خطہ میں دین اسلام کی تبلیغ شروع کی آپ کے مرشد کا نام حضرت شیخ آدم بنوریؒ جو حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے خلیفہ تھے نبور سرہند سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ایک مشہور قصبہ ہے حاجی بہادر خانؒ کی بہت زیادہ کرامات ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی کرامت کتاب حضرت حاجی بہادرؒ کوہاٹی اسرار الحقائق از سید منور علی شاہ ایڈووکیٹ کے مطابق کسی فیصلہ پر اورنگزیب عالمگیر نے علماء افغانستان ہندوستان سندھ کو اکٹھا کیا کئی روز تک علماء میں بحث مباحثہ جاری رہا آخر کار حضرت حاجی بہادرؒ ان سب پر غالب آئے



حضرت حاجی بہادرؒ کے مزار کے قریب قدیمی مسجد

اورنگزیب عالمگیر بادشاہ نے تین بار آزمائش کی آپ ہر آزمائش میں کامیاب کامران ہوئے بادشاہ نے عقیدت کے طور بی بی رقیہ جسکی پرورش بطور دختر کی تھی حضرت حاجی بہادرؒ کے نکاح میں دے دی مدد معاش کے طور پر ایک ہزار جریب اراضی پشاور ایک ہزار جریب وزیر آباد عطا کی ۔ حضرت حاجی بہادرؒ نہ صرف روحانی شخصیت تھے بلکہ اپنے زمانہ کے نہایت ہی عالم و فاضل اور کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔آپ کے خلفاء کی تعداد ہزاروں تک بیان کی جاتی ہے جن میں سے چند کے آسمائے گرامی یہ ہیں۔

شیخ حبیب پشاوری، شیخ ولی اللہ، صدیق ننگر ہار افغانستان، نیک محمد خٹک درویش خیل شیخ مانون یوسف زئی تھکال بالا، شیخ قلوب دیوانہ، شیخ عبدالرحیم، شیخ محمد یعقوب بلخی، شیخ محمد ایاز قندہاری، شیخ عبدالحمید ہرائی، شیخ سید احمد جہانپوری۔

حضرت حاجی بہادرؒ کا عرس مبارک ہر سال نہایت پر وقار شان سے منایا جاتا ہے۔مزار کے قریب ہی آپ کے نام سے منسوب جامع مسجد ہے۔آپ نے جلال الدین اکبر کا نصف عہد حکومت جہانگیر اور شاہ جہاں کے مکمل عہد حکومت اور اورنگزیب عالمگیر کا نصف عہد حکومت دیکھا تھا۔آپکے مزار پر حاضری کے بعد راقم کوہاٹ کا قلعہ اور ہزاروں سالہ پرانے چشمے اور چشمہ کے نزدیک تباہ شدہ بستی کے بارے معلومات حاصل کیں۔

گھمکول شریف جتھے زندہ پیر وسدا اے

''سیالکوٹ سے خیبر تک'' کتاب مرتب کرنے کے لئے راقم نے کئی بار پشاور کے مطالعاتی دورہ کیے۔ پشاور میں ہی گھمکول شریف کوہاٹ زندہ پیر کے حضور حاضری کا ارادہ کیا۔ لیکن حاضری نہ ہو سکی۔ دلوں کے راز تو فقیر ہی جانتے ہیں فقیروں کے اپنے در پر بلانے کے اپنے ہی انداز ہوتے ہیں۔ جہاں انسانی سوچ بے بس ہوتی ہے۔ فقیروں کی نگاہیں سینکڑوں ہزاروں میل تک کام کرتی ہیں۔ دل میں تڑپ بے قراری رہی کب گھمکول شریف حاضری ہو گی اچانک ایک دن آستانہ عالیہ گھمکول شریف سے وابستہ ارادتمند کار لے کر آ گیا کہ اگلے دن صبح سویرے گھمکول شریف آپ کی حاضری ہے۔ گھمکول شریف میری یہ پہلی حاضری تھی۔ حضرت صاحب سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ راقم نے عرض کی آپ کے قدموں میں حاضری کے بعد سب کچھ مل گیا ہے فرمانے لگے یہاں



آستانہ عالیہ گھمکول شریف میں حضرت زندہ پیر کا مرقد

آ کر کوئی دولت مانگتا ہے لڑکا مانگتا ہے کاروبار مانگتا ہے دنیا کی خواہش کے طلب گار آتے ہیں۔ایک کمرہ میں خصوصی لنگر پیش کیا گیا ہے۔میری خوش بختی کہ نماز جمعہ حضرت صاحب زندہ پیرؒ کی پچھلی صف میں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔نماز کے بعد پھر شرف پایا بی بخشا۔فرمایا یہ درہ آدم خیل کے یہ پہاڑ چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں بدنام زمانہ لوگوں کا مسکن تھے یہاں چڑیا کو پینے کے لئے پانی نہیں ملتا تھا۔اب یہاں رشد ہدایت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔سال 2002ء اور 2003ء کو چوہدری ندیم اصغر جوڑا اور مجید اللہ ملہی ایڈووکیٹ کے ہمراہ کئی بار گھمکول شریف حاضری کا پروگرام بنا لیکن حاضری نہ دے سکا میرا اِیمان تھا کہ فقیروں کے اپنے دَر پر بلانے کے اپنے انداز ہوتے ہیں۔میری حاضری دوبارہ گھمکول شریف ضرور ہوگی ابھی تو عشق کی کئی منزلیں طے کرنی ہیں۔راقم 19 اپریل 2003ء راولپنڈی سے کوہاٹ کے لئے روانہ ہوا رات دیر سے کوہاٹ پہنچا۔کوہاٹ میں رات بسر کرنے کے بعد دوسرے روز گاڑی والے نے پشاور کوہاٹ پر افغان باشندوں کی بستی کے قریب اُتار دیا سڑک پر گھمکول شریف کا بورڈ پڑھ کر دل کو سکون ملا۔کوہاٹ قلعہ کے پاس گھمکول شریف کی بس زائرین کی منتظر رہتی ہے یہاں ایک چھوٹا سا کمرہ برآمدہ تعمیر کیا گیا ہے جہاں ارادتمند آرام کرنے کے بعد گھمکول شریف روانہ ہوتے ہیں۔

بس وقفہ وقفہ کے بعد گھمکول شریف ارادتمندوں کو لے کر جاتی ہے پھر اسی انداز میں قافلوں کو لے کر واپس اپنے اڈا کوہاٹ آ جاتی ہے۔گھمکول شریف پہنچنے کے بعد فوراً روضہ مبارک پر حاضری دی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون نصیب ملا۔حضرت زندہ پیرؒ کا مزار عالیشان انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔فرش پر سنگ مرمر چھت پر شیشہ کاری کا کام بہت نفاست سے کیا گیا ہے مزار کا تعویز بھی سنگ مرمر کا ہے یہ مزار دنیا بھر میں ایک عالی شان مزار ہے۔سبز گنبد کے اِردگرد چھوٹے چھوٹے سفید رنگ کے گنبد ہیں مزار کے چاروں طرف برآمد دروازے ہیں روضہ پر حاضری کے بعد ملک عبدالوحید راقم کو لنگر خانے لے گئے۔لنگر کا کھانا پیش کیا۔گھمکول شریف میں چوبیس گھنٹے لنگر جاری رہتا ہے لنگر میں تین قسم کے کھانے

ہوتے ہیں لنگر کے بعد چائے مٹھائی بسکٹوں کے ساتھ زائرین کو پیش کی جاتی ہے لنگر کے بعد نماز عصر کا وقت آ گیا۔ آستانہ عالیہ گھمگول شریف میں شاندار مسجد اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ مسجد اللہ والوں کا گھر ہوتا ہے مسجد میں بھی شیشہ کاری کا کام ہوا ہے قیمتی فانوس مسجد کی زینت بنے ہوئے ہیں یہ مسجد بھی دنیا کی بہترین مسجد میں شمار ہوتی ہے جہاں پانچ وقت اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں عصر کی نماز کے بعد روضہ مبارک پر محفل کے بعد آستانہ کے سجادہ نشین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات میں حاضرین کے لئے دعائے خیر مانگی گئی۔ دعا کے بعد حاضرین کو اجازت مل گئی۔ راقم نے دوبارہ حضرت زندہ پیرؒ کے حضور حاضری دی جنہوں نے دوسری مرتبہ فقیروں کے خادم کو اپنے پاس بلایا یہ حقیقت ہے وہی آتے ہیں جنہیں خواجہ بلاتے ہیں۔ آج پاکستان کے علاوہ دنیا بھر سے مسلمان گھمگول شریف کی سرزمین پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ گھمگول شریف جتھے زندہ پیر وسدا اے۔



آستانہ عالیہ گھمگول شریف کی جامع مسجد جو دنیا کی خوبصورت ترین مسجد ہے۔

ہنگو

ٹل

کرک

صوبہ سرحد کے مشہور ضلع ہنگو کی تاریخ اور وجہ تسمیہ

20 اپریل 2003ء کوہاٹ اڈا سے معلومات حاصل کی کہ پارہ چنار ٹل ہنگو سے کوہاٹ واپسی کے لئے چھوٹی گاڑیوں کا آخری ٹائم کون سا ہے۔ ڈرائیوروں نے بتایا کہ پارہ چنار سے کوہاٹ کے لئے آخری گاڑی دو اڑھائی بجے تک مل سکتی ہے ٹل سے چار بجے کے لگ بھگ کوہاٹ کے لئے آخری گاڑی روانہ ہوتی ہے جبکہ ہنگو سے کوہاٹ کے لئے سات آٹھ بجے تک گاڑی مل سکتی ہے راقم نے ہنگو کو دیکھنے کے لئے سب سے آخر میں پروگرام رکھا اگر دیر بھی ہو جائے تو کوہاٹ کے لئے آخری گاڑی تو مل جائے گی ہنگو بھی پہاڑوں کے دامن میں خوبصورت سرسبز شہر ہے۔ اس مقام پر ہنگو شہر آباد ہونے کی سب سے بڑی وجہ پہاڑوں کے دامن سے نکلنے والے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے قدرتی چشمے



ہنگو کا چوک عقب میں پہاڑ نظر آ رہے ہیں



مغلیہ دور کی قدیمی مسجد جو پکی مسجد کے نام سے مشہور ہے چشمہ کا پانی مسجد کے قریب سے گزرتا ہے

ہیں۔ جو کسی زمانہ میں ہنگو شہر کے علاوہ افغانستان سے آنے والے تجارتی قافلے ان چشموں کے پانی سے پیاس بجھاتے ایک چشمہ ہنگو کے شمال کی طرف پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔ اس چشمہ کے قریب چشمہ مسجد اور پکی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ چشمہ کے پانی سے نمازی وضو کرتے ہیں پکی مسجد بہت خوبصورت اور عالی شان انداز میں تعمیر کی گئی ہے نقش نگار بیل بوٹے کام بہت خوبصورتی سے ہوا ہے ہنگو میں صوبہ سرحد کی پولیس کا ٹریننگ کالج ہے پولیس میں بھرتی ہونے والے پولیس ملازم اس کالج میں تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ہنگو کا ریلوے اسٹیشن بھی آثار قدیمہ کا منظر پیش کرتا ہے۔ یہاں آج کل پولیس لائن کا دفتر قائم کیا گیا ہے۔ ہنگو کے قریب علاقہ غیر میں کئی قلعے ہیں۔ مقامی طور پر لوگوں نے ان قلعوں کے نام قلعہ گلستان اور قلعہ سانگلہ رکھے ہوئے ہیں قریب ریسٹ ہاؤس بھی ہے ماضی میں ہنگو میں انگریزوں کی آمد سے قبل خان آف ہنگو کی حکمرانی رہی وادی میراں زائی میں انہوں نے تین سو سال

حکومت کی FORT-LOCKHART ہنگو سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے جو 6496 فٹ کی بلندی پر ہے۔ FORT CAVAGNARI بھی ہنگو کے قریب ہے۔ ہنگو صاف ستھرا اور صحت افضاء شہر ہے جسکو سر سبز شاداب پہاڑوں چشموں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے تجارتی شہر ہے ٹل کوہاٹ روڈ مشرق مغرب کی سمت ہنگو کے وسط سے گزرتی ہے سڑک کے دائیں بائیں کئی بازار میں کتاب کوہاٹ تاریخ کے آئینے میں از ذوالفقار شاہ کے مطابق ہنگو کی تاریخ اور اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ ''آئینہ بنگش وتیراہ'' میں عبدالحلیم خان نے لکھا ہے کہ کنشک کے دور حکومت میں بدھ ازم اپنے عروج پر تھا۔ اس دوران کنشک کے بے شمار پیروکار وسطی ایشیاء سے نکل کر ہندوستان کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ ان میں سے کچھ پیروکاروں نے شمالی مغربی سرحدات کا رخ کیا۔ پرش پور (پشاور) کو مرکزی حیثیت دے کر صحراؤں، بیانوں اور



قم ایم زمان کھوکھر پولیس ٹریننگ کالج ہنگو کے مین گیٹ پر کھڑے ہیں صوبہ سرحد میں محکمہ پولیس کی یہ مثالی درس گاہ ہے



راقم ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ہنگو میں چشمہ کے قریب کھڑے ہیں۔
ماضی میں حملہ آور اور تجارتی قافلے اس چشمہ کے کنارے پڑاؤ کرتے تھے

کوہستانوں میں منتشر ہو گئے۔ کنشک اور بدھ مت کے پیروکار سنگ تراشی کی فن میں ماہر تھے وہ جہاں بھی گئے مہاتما بدھ کے مجسمے اور سکے ڈھالے۔ ان سکوں کے ایک جانب ہاتھی جبکہ دوسرے رخ شیر کی تصویر اور اپنی زبان کندہ ہوتی تھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ **120**ء اور **149**ء کے درمیانی عرصہ میں بدھ مت کے پیروکار کوہاٹ اور اردگرد کے علاقوں کی جانب آئے۔ ان ہی میں سے کچھ پیروکاروں نے کوہاٹ سے **26** میل مغرب کی جانب ایک پہاڑی ''کٹہ کانڑی'' کے دامن میں اپنی قیام گاہ بنائی اور اس جگہ کے نام کو اپنے سردار کے نام پر آنگو یا ہنگو **Hangu** رکھ لیا جبکہ اس روایت کے علاوہ اور کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس سے ہنگو کی وجہ تسمیہ کا پتہ چلتا ہو جبکہ **1505**ء میں مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے کوہاٹ پر حملہ کے دوران اس نے اپنی تزک بابری میں ہنگو کا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کے کوہاٹ پر حملہ سے قبل ہنگو پہلے سے موجود تھا۔ شروع میں ہنگو قصبہ کے چاروں طرف بڑی بڑی دیواریں (فصیل) تھیں اور قصبے کے چار راستے تھے اور ہر

راستے پر ایک بڑا دروازہ ہوتا تھا جو سر شام ہی بند کر دیئے جاتے تھے۔ یہ قصبہ چارکنڈی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ ضلع ہنگو کوہاٹ سابقہ تحصیل ہے۔ ہنگو کو 15 جولائی 1996ء میں ضلع کا درجہ ملا مگر باقاعدہ ضلعی حیثیت 14 اگست 2001ء کو حاصل ہوئی۔ اس سے قبل یہ صرف نام کا ضلع تھا جبکہ 14 اگست 2001ء میں نئے بلدیاتی نظام کے تحت ضلع ہنگو کوہاٹ ڈویژن سے الگ ہو کر DCO نظام کے تحت آ گیا۔

ضلع ہنگو کی آبادی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 3 لاکھ 14 ہزار 529 ہے۔ ہنگو کی بیشتر آبادی خلیج میں روزگار رکھنے کے باعث کافی خوشحال ہے۔ ہنگو 167 گاؤں پر مشتمل ہے۔ ہنگو کے مشرق میں کوہاٹ، مغرب میں کرم ایجنسی، شمال میں اورکزئی ایجنسی اور جنوب میں تحصیل بانڈہ داؤد شاہ ضلع کرک واقع ہے۔



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ہنگو جامع مسجد میں کھڑے ہیں یہ مسجد پکی مسجد کے نام سے مشہور ہے قدرتی چشمہ مسجد کے ساتھ بہتا ہے۔



ہنگو کی مین سڑک جو کوہاٹ ٹل پارہ چنار کو جاتی ہے



راقم پولیس ٹریننگ کالج ہنگو کے پریڈگراؤنڈ میں کھڑے ہیں پہاڑ پر PTC اور اللہ اکبر کا نعرہ درج ہے

پہاڑوں کے دامن میں خوبصورت وادی ٹل

ٹل دریائے کرم کے کنارے پر آباد ہے پاکستان کا آخری شہر ہے

ٹل پاکستان کا آخری شہر ہے۔ٹل ضلع ہنگو کی تحصیل ہے۔ٹل دریائے کرم کے کنارے پر واقع ہے۔ٹل سے مغرب کی طرف کرم ایجنسی کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔کرم ایجنسی کے ہیڈکوارٹر پارہ چنار کوٹل سے سڑک جاتی ہے۔ٹل ایک خوبصورت وادی ہے۔ٹل کی تجارت کا زیادہ تر دارومدار قبائلی علاقہ اور افغانستان کے ساتھ ہے۔کوہاٹ سے ویگن تقریباً چھ بجے روانہ ہوئی دس بجے کے لگ بھگ ٹل پہنچا دیا۔ٹل کی آبادی بڑی سڑک کے دونوں طرف ہے۔سڑک کے ساتھ ساتھ مین بازار اور مارکیٹیں ہیں۔ٹل کے سفر کے اختتام پر راقم نے چائے پینے کے لئے ایک ہوٹل کا رخ کیا۔ہوٹل میں کلا پگڑی واسکٹیں پہنے دراز قد سفید سرخ پختون قہوہ اور گپ شپ میں مشغول



ٹل کا مین بازار



ٹل سکاؤٹ کا مین گیٹ راقم گیٹ کے پاس کھڑے ہیں

تھے۔راقم نے چائے کا آرڈر دیا۔ یہاں کپ وغیرہ کا رواج نہیں بلکہ ایک چینک یا اس سے زیادہ کا آرڈر دیا جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد پختون لڑکا میری میز پر ایک چینک چائے اور کپ رکھ دی۔ چینک میں تین کپ چائے تھی۔ ایک کپ چائے پینے کے بعد باقی دو کپ گداگروں کو پلا دی۔ ہوٹل کے مالک سے ایک چینک کا بل پوچھا تو اس نے پانچ روپے طلب کیے۔ حیرانگی ہوئی پنجاب جیسے خوشحال علاقہ میں ایک کپ چائے کی قیمت پانچ روپے ہے۔ یہاں تین کپ پانچ روپے میں۔ ٹل کے بازاروں کی دوکانیں مختلف ضروریات زندگی کی اشیاء سے بھری پڑی ہیں۔ ٹل کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ راقم ٹل کے مختلف بازاروں سے گھومتا پھرتا ہوا مین سڑک پر کسی رکشا کے انتظار میں تھا۔ جب رکشا وغیرہ نہ ملا تو ایک دوکاندار سے چھوٹی سواری کے بارے پوچھا اس نے بتایا اس مقصد کے لئے یہاں کیری ڈبے ملتے ہیں جو سڑک کے کنارے کھڑے مل جاتے ہیں۔ ایک کیری والے سے رابطہ کیا کہ دریائے کرم، ریلوے اسٹیشن، ٹل سکاؤٹ اور ٹل قلعہ دیکھنا مطلوب ہے کیری ڈبے والے نے تیس روپے طلب کئے اور مجھے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا لیا۔

ہنگو، کوہاٹ، پشاور، پارہ چنار اور دوسرے مقامات کے لئے جانے والی گاڑیاں گزرتی رہیں۔ ٹل کے سرکاری دفاتر تقریباً مین روڈ پر ہیں۔ ڈرائیور نے ٹل سکاؤٹ کے دفتر کے سامنے گاڑی روکی۔ گیٹ پر محافظ سے اپنا تعارف کرایا۔ محافظ نے نچلے ہونٹ میں اچھی خاصی نسوار دبا رکھی تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے ہونٹ میں سوجن ہو۔ اس نے شناختی کارڈ دیکھ کر فوٹو لینے کی اجازت دے دی اور کہا ساتھ ہی بلندی پر ٹل کا ریلوے اسٹیشن ہے جو اب ویران ہو چکا ہے۔ البتہ انگریز کے دور کی تعمیر کردہ عمارتیں کھڑی ہیں۔ ریلوے اسٹیشن کے نیچے کی طرف شمال کی جانب دریائے کرم دیکھا۔ دریائے کرم میں ریت کی بجائے پتھر ہی پتھر ہیں۔ پہاڑی علاقہ میں بہنے والے دریا ندی نالوں میں ریت کی بجائے پتھر ہوتے ہیں۔ سورج کی کرنیں جب دریائے کرم کے صاف شفاف پانی پر پڑتیں پانی سے رنگ برنگی شعاعیں نکلتی پانی کی لہریں جب پتھروں سے ٹکراتیں عجب سا شور سنائی دیتا۔ کیری ڈبہ والا قلعہ ٹل کی طرف لے گیا قلعہ کے دو دروازے ہیں مغربی گیٹ پر فوجی جوان نے استقبال کیا۔ راقم نے فوج کے سینئرز کو بتایا کہ اس علاقہ کے بارے کتاب پشاور سے کوئٹہ تک تحریر



ٹل سکاؤٹ کا گیٹ جہاں سے دریائے کرم قریب بہتا ہے۔

کر رہا ہے۔انہوں نے بتایا کہ وہ قلعہ کو دیکھ سکتے ہیں لیکن تصویر اتارنے کی اجازت نہیں ہے۔فوج والے بڑے خلوص محبت سے پیش آئے۔چائے کھانے کی پیشکش کی۔کیری ڈبے والے نے مین بازار پر واپس اتار دیا۔ٹل میں بڑے گوشت کی دوکانیں بہت زیادہ ہیں۔بڑا گوشت بہت شوق سے کھایا جاتا ہے۔چپل کباب بھی بڑے شوق سے تیار کیے جاتے ہیں۔ٹل میں لکڑی کی بہت بڑی منڈی ہے۔ٹل میں گھوم پھر کر قدرتی نظاروں سے لطیف ہونے کے بعد وادی کرم کے گیٹ ٹل کو الوداع کہا۔1919ء کی افغان جنگ میں افغانستان نے ٹل پر قبضہ کر لیا۔ٹل افغانستان کے حملہ آور اور تجارتی قافلوں کی گزرگاہ رہی۔اکثر و بیشتر حملہ آور اور تجارتی قافلے ٹل میں دریائے کرم کے کنارے پڑاؤ ڈالتے۔ٹل، پارہ چنار اور کوہاٹ کے درمیان واقع ہے۔ٹل سے کوہاٹ بھی 60 میل اور پارہ چنار بھی 60 میل کے فاصلے پر ہے۔وقت کی کمی کے باعث گردونواح، تاریخی اور قدرتی مناظر دیکھنے کا موقع نہ ملا۔یہ علاقہ آب و ہوا کے لحاظ سے پاکستان کا بہترین خطہ ہے۔



ٹل کے مین بازار میں انگوٹھیوں کے نگینے فروخت کیے جا رہے ہیں

کوہاٹ کے قریب ٹل...... پاکستان کا آخری ریلوے اسٹیشن

ضلع ہنگو ٹل اور کرم ایجنسی کے مرکزی شہر پارہ چنار کے لئے کوہاٹ سے سڑک جاتی ہے کوہاٹ سے لے کر آخری اسٹیشن تک سڑک کے شمال جنوب کی طرف پہاڑی سلسلہ ہے۔ پہاڑوں کے درمیان خوبصورت وادیاں ہیں جو آبی گذرگاہ کی وجہ سے سرسبز اور ذرخیز ہیں۔ راقم نے بیس اپریل 2003ء صبح چھ بجے کوہاٹ اڈا سے ہنگو ٹل کیلئے بس پکڑی۔ ٹل کوہاٹ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ سڑک بہت ہی شاندار اور جدید انداز میں تعمیر کی گئی ہے۔ بہت کم موڑ ہیں۔ انگریزوں نے حفاظتی اقدام کے پیش نظر برصغیر میں ریلوے لائن سڑکوں کے ساتھ ساتھ بچھائی ہے۔ کوہاٹ سے ٹل کیلئے ریلوے لائن بھی سڑک کے ساتھ ساتھ بچھائی گئی ہے۔ راولپنڈی سے بڑی ریل کے ذریعے کوہاٹ چھاؤنی کو اس سے ملایا گیا ہے جس کی پٹڑی خوشحال گڑھ پل کے اوپر سے گذاری گئی ہے جبکہ کوہاٹ



ہنگو کا ریلوے اسٹیشن جو اپنی عظمت رفتہ پر آنسو بہا رہا ہے

چھاؤنی سے ریل کی نیروگیج لائن (چھوٹی پٹڑی) وادی میران زئی سے ہوتی ہوئی ٹل چھاؤنی تک گئی ہے کوہاٹ سے یہ ریلوے لائن ہنگوٹل تک بچھائی گئی ہے چھوٹی پٹڑی صحیح حالت میں ہے۔ سلیپر بھی درست حالت میں ہیں ندی نالوں پر چھوٹے چھوٹے پل باندھ کر چھوٹی ریلوے لائن گذاری گئی ہے۔ انگریزوں نے برصغیر میں ترقیاتی منصوبے مکمل کر کے اس خطہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا سڑکیں ریلوے لائن پختہ سڑکیں نہری نظام، تعلیمی ادارے بجلی تار گھر ڈاک کا نظام عوام کی حفاظت کے لئے پولیس فورس قائم کی انسانوں کے لئے ہسپتال حیوانات کیلئے شفا خانے قائم کئے۔ عدالتی نظام کو موثر بنایا۔ افواج کی درجہ بندی کی غرض ہر شعبہ میں انقلابی تبدیلیاں لائیں۔ آزادی کے بعد بھی ہمارے ملک کا نظام انگریز کے قائم کردہ نظام کے مطابق چل رہا ہے اس علاقہ میں چھوٹی ریلوے لائن ماضی کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتی ہے ہنگو ریلوے اسٹیشن اب ہنگو پولیس کی تحویل میں ہے ریلوے اسٹیشن قلعہ نما ہے



کوہاٹ اسٹیشن ریل کی چھوٹی پٹری پر مال گاڑی کے ناکارہ ڈبے کھڑے ہیں

حفاظتی عملہ کے لئے لوہے کے مورچے بنائے گئے ہیں اسٹیشن پر سگنل کانٹے چھوٹی ریلوے لائن بہت بڑا لکڑی کا گیٹ موجود ہے اسٹیشن کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں تا کہ ہنگامی حالت میں اسٹیشن کیش انجن ڈبوں کی حفاظت کی جا سکے۔ ہنگو سے ٹل تیس میل کے فاصلہ پر ہے ٹل پاکستان ریلوے کا آخری اسٹیشن ہے یہ اسٹیشن بھی قلعہ نما ہے بلندی پر واقع ہے قریب ہی ٹل کا مشہور قلعہ ہے ٹل کا ریلوے اسٹیشن اور قلعہ قریب قریب ہیں ریلوے اسٹیشن انگریزوں نے دفاعی مقاصد کیلئے بنایا گیا تھا۔ گودام پانی کی ٹینکی اسٹیشن کے اہم حصے ہیں۔ اسٹیشن کے سامنے دریائے کرم بہتا ہے۔ ٹل کے بعد کرم ایجنسی پارہ چنار کا علاقہ غیر شروع ہو جاتا ہے۔ شاید انگریز سامراج کا ٹل سے آگے ریلوے لائن بچھانے کا پروگرام تھا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کے تمام توسیع پسندی کے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ ایک بوڑھے مقامی باشندے سے چھوٹی ریل کے بارے پوچھا تو اس نے بتایا صرف دن



کوہاٹ کینٹ ریلوے اسٹیشن پر چھوٹی مسافر ریل گاڑی کے ناکارہ ڈبے

کے وقت ریل چلتی تھی دھواں والا چھوٹا انجن اور چھوٹے چھوٹے ڈبے چھوٹی پٹڑی پر رواں دواں رہتے تھے اب بھی راولپنڈی سے کوہاٹ چھاؤنی کے لئے صرف ایک گاڑی صبح آتی ہے وہی گاڑی پچھلے پہر واپس راولپنڈی چلی جاتی ہے چھوٹی پٹڑی کے ڈبے کوہاٹ کینٹ کے پرانے ریلوے اسٹیشن پر ناکارہ کھڑے ہیں مال گاڑی کے لاتعداد چھوٹے ڈبے پٹڑی پر کھڑے ہیں کوہاٹ چھاؤنی کے لئے اسٹیشن پر بڑی ریلوے لائن بچھائی گئی ہے حکومت پاکستان چھوٹی پٹڑی کی مرمت کرا کے سیاحوں کے لئے یہ گاڑی چلا دے تو محکمہ ریلوے کو لاکھوں کا منافع ہوگا یا کسی فرم کو یہ ریلوے سروس ٹھیکہ پر دے دی جائے تو سیاح اس علاقہ قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ خوردونوش کے سٹال اور اس علاقہ کی مصنوعات کی کھلے عام فروخت ہوگی۔ اس علاقہ کے بارے میں کئی غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں اب یہ لوگ بہت مہذب ہو چکے ہیں بہت مہمان نواز ہیں مہمان کی خاطر تواضع اچھے طریقہ سے کرتے ہیں جو کوئی ان کی پناہ میں آ جائے جان کی بازی لگا کر اس کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ اسلام کے اولین نقوش اس سرزمین پر پائے جاتے ہیں رشد ہدایت کے قافلے ان گذرگاہوں سے گزر کر برصغیر تک پہنچے۔

قدرتی آفات حملہ آوروں کے ستم کا نشانہ بننے والی تباہ شدہ بستیوں کی تفصیل گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں میں ملاحظہ فرمائیں۔	سترہ اضلاع کی مکمل تاریخ آبی گزرگاہوں اور قدیم تہذیبوں کی تفصیل سیالکوٹ سے خیبر تک میں ملاحظہ فرمائیں۔

ضلع کرک

ضلع کرک صوبہ سرحد کا مشہور ضلع ہے زیادہ ریتلا علاقہ ہے یہاں کوئی تاریخی اہمیت کی عمارت نہیں ہے کرک پسماندگی سے دوچار ہے ترقیاتی منصوبوں پر تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ ضلع کرک کو اس کی ضلعی حیثیت 15 جولائی 1982ء کو حاصل ہوئی۔ کرک تین تحصیلوں کرک، تخت، نصرتی اور بانڈہ داؤد شاہ پر مشتمل ہے۔ کرک کوہاٹ سے 78 کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔ اور انڈس ہائی وے کی تعمیر کے بعد اب کرک شہر کوہاٹ سے ایک گھنٹے کے فاصلے پر واقع ہے۔ کرک کے جنوب مشرق میں میانوالی، جنوب میں لکی مروت، شمال میں کوہاٹ اور ہنگو کے اضلاع جبکہ مغرب میں بنوں اور وزیرستان ایجنسی واقع ہے۔ کرک کا مجموعی رقبہ 3 ہزار 372 مربع کلومیٹر ہے۔ ضلع کرک جغرافیائی لحاظ سے خشک اور ریتلا علاقہ ہے اور یہ علاقہ اجناس کی پیداوار کے حوالے سے بہت پسماندہ ہے۔ ضلع کرک کی خواندگی شرح بہت زیادہ ہے۔ اکثریتی آبادی مختلف محکموں خصوصاً آرمڈ فورسز میں ملازمت پیشہ ہے۔ کرک میں 20 صدی کے اواخر تک کوئی قابل ذکر صنعت قائم نہیں ہوئی۔ کرک کا علاقہ ٹیری اپنے تاریخی پس منظر کے باعث ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ٹیری کی وجہ شہرت یہاں کے نواب خاندان کی حکمرانی تھی جواب نہیں رہی۔

بنوں


نقشہ ضلع بنوں

ضلع بنوں کا سرسری جائزہ

پہاڑوں کے دامن میں چشموں ندی نالوں کے کنارے کئی شہر آباد ہیں۔
پشاور، کوہاٹ، بنوں، ٹانک، ڈیرہ اسمٰعیل خان، کوئٹہ ان اضلاع کا بیشتر رقبہ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ ان اضلاع کے مغرب کی طرف ایجنسیاں اور قبائلی علاقہ جات ہیں ان کی سرحدیں افغانستان سے جاملتی ہیں۔ ان علاقوں میں کہیں خشک سنگلاخ پہاڑ ہیں جہاں کہیں پانی ہے وہاں سرسبز شاداب وادیاں ہیں ان پہاڑوں سے نکلنے والے چھوٹے چھوٹے ندی نالے جب آپس میں ملتے ہیں تو دریا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں بنوں کا قدیمی شہر دریائے کرم کے کنارے آباد ہے راقم نے ٹیکسی والے سے دریا کا نام پوچھا اس نے بتایا "یہ دریا کرموں ہے۔ ذہن میں خیال آیا۔ کتابوں میں دریائے کرم پڑھا ہے کرموں کہاں



بنوں شہر کا ایک دروازہ



بنوں کا ریلوے اسٹیشن جواب ویران ہو چکا ہے

سے آ گیا۔ لیکن پشتو بولنے والے گفتگو میں نام بدل دیتے ہیں جیسے کراچی سے کراچئے۔ راولپنڈی سے پنڈے۔ نوشہرہ سے نوخاور۔ پشاور سے پیخاور اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ لوگ دریائے کرم کو کرموں کے نام پکارتے ہیں۔ بنوں کو **1947**ء سے ضلع کا درجہ حاصل ہے۔ اسکی تحصیل لکی مروت تھی۔ **1992**ء میں بنوں کو ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا۔ لکی مروت کو ضلع کا درجہ مل گیا۔ ضلع بنوں کے شمال میں ضلع کرک اور شمالی وزیرستان ایجنسی واقع ہیں۔ جنوب میں ضلع لکی مروت کا علاقہ ہے۔ مشرق کی طرف کرک اور شمال مغرب جنوبی وزیرستان کا علاقہ ہے۔ ضلع بنوں کے شمال میں مغرب اور مشرق میں پہاڑوں کے درمیان میں ایک بہت بڑا میدان ہے۔ اس میدان میں جگہ جگہ گہرے نالے، ندیاں، دریا اور ریت کے ٹیلے ہیں۔ ضلع بنوں کے میدان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دوآبہ میدان یہ میدان دریائے کرم اور دریائے ٹوچی کے درمیان واقع ہے اس لئے اس

کو دوابہ کہتے ہیں اس میدان کا زیادہ حصہ نرم مٹی سے بنا ہوا ہے۔ اس لئے یہ بہت زرخیز ہے۔ مغربی میدان یہ میدان شمالی وزیرستان کے پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ یہاں کی زمین پتھریلی اور ریتلی ہے۔ جنوبی میدان یہ میدان بنوں شہر کے جنوب میں واقع ہے۔ اور ضلع لکی مروت کے میدان سے جاملتا ہے۔ یہ میدان زیادہ تر وسیع نہیں ہے۔ پانی زیادہ مقدار میں ملنے کی وجہ سے یہ میدان بہت سرسبز اور شاداب ہے۔ ضلع بنوں کے شمال، مغرب اور مشرق میں پہاڑ ہیں۔ شمال، مغرب میں وزیرستان کے پہاڑ ہیں اور جنوب مغرب میں بٹینی کے پہاڑ ہیں۔ جو سطح سمندر سے **600** میٹر سے زیادہ بلند ہیں۔ دریائے کرم اور دریائے ٹوچی بنوں ضلع کے مشہور دریا ہیں۔ دریائے ٹوچی شمالی وزیرستان کے علاقے میں نکل کر ضلع بنوں میں داخل ہوتا ہے۔ ہوید گاؤں کے قریب اس میں نالہ لوہڑہ بھی مل جاتا ہے یہاں سے جنوب کی طرف اسے دریائے گمبیلا کہا جاتا ہے دریائے کرم بنوں ضلع کا سب سے بڑا دریا ہے۔ یہ دریا بھی شمالی وزیرستان ایجنسی سے گزر کر ضلع



بنوں شہر میں بیٹر واں کے پنجرے ہاتھ سے بنی ہوئی اشیاء

بنوں میں داخل ہوتا ہے۔ ضلع لکی مروت میں اس میں دریائے گمبیلا بھی مل جاتا ہے۔ دریائے کرم سے کرم گڑھی کے مقام پر بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ضلع بنوں کے مشہور نالے کا نام باران ہے۔ جسے لوہڑہ بھی کہا جاتا ہے اس نالے میں بارش کے دنوں میں پانی آتا ہے آبی گزرگاہ لوہڑہ کو مہند خیل بنوں کے شمال کے پہاڑوں میں بند باندھا گیا ہے۔ جسے باران ڈیم کہتے ہیں۔ یہ نالہ شمال کے پہاڑوں سے گزر کر نورڑ اور بھرت (آکرہ) کے نزدیک بہلتے ہوئے دریائے گمبیلا میں داخل ہوتا ہے۔ آکرہ کے مغرب میں نورڑ کا علاقہ بہت وسیع علاقہ ہے۔ لیکن بدقسمتی سے پانی کی وجہ سے وہاں کے زمین اکثر غیر آباد ہیں۔ اور بعض امیر لوگوں نے اپنے طور پر ٹیوب ویل لگوائے ہیں۔ اور ان کے ذریعے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ نورڑ میں 12 قومیں آباد ہیں۔ جو نہایت مہمان نواز اور بہادر ہیں۔ اور دوسرا علاقہ جس میں آکرہ کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا نام بھرت ہے۔ یہ علاقہ بہت سرسبز اور شاداب ہے۔ اس علاقے میں زمین سے چشمے نکلتے ہیں۔ اور اس سے ایک نالہ بن جاتا ہے اس کے پانی سے زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے



بنوں میں حفاظتی عملہ کا دفتر

صوبہ سرحد کے ضلع بنوں کے قریب آ کرہ کلی بھرت کے کھنڈرات

یہ کھنڈرات تین ہزار سال پرانے ہیں

ڈیرہ اسمٰعیل کے محقق ادیب دانشور محمد شریف کے ساتھ کئی بار آ کرہ کے کھنڈرات دیکھنے کا پروگرام بنا لیکن ان کی محکمانہ مصروفیت کی وجہ سے ہم اکٹھے آ کرہ کے کھنڈرات نہ دیکھ سکے۔ دو نومبر 2002ء کو راقم براستہ پشاور بنوں کے لئے روانہ ہوا۔ ایک رات پشاور میں خالد جاوید کے ساتھ قیام کے بعد تین نومبر آ کرہ کے کھنڈرات دیکھنے کیلئے روانہ ہوا صبح سویرے بنوں کے لئے جانے والی ویگن مل گئی۔ بنوں جانے والی ویگن میں سیٹوں پر چار کی بجائے تین مسافر سوار کرتے ہیں۔ بلاوجہ راستہ میں ہوٹلوں پر سٹاپ نہیں کرتے صرف نماز کے وقت گاڑیاں مسجد یا ہوٹل کے قریب رک جاتی ہیں اور تقریباً تمام



بنوں کے قریب آ کرہ کے تباہ شدہ شہر کا منظر نیچے کنواں بھی نظر آ رہا ہے۔

مسافر نماز ادا کرتے ہیں۔ پشاور سے بنوں کا فاصلہ دو سو کلومیٹر ہے تمام راستہ میں خشک سنگلاخ پہاڑ ہی پہاڑ ہیں البتہ میدان بھی آتے ہیں جہاں کہیں پانی کے آثار ملتے ہیں وہاں کوئی گاؤں یا قصبہ آباد ہے۔ دوران سفر پچاس ساٹھ میل تک کسی آبادی کے نشان نہیں ملتے۔ گنجان آبادی نہ ہونے کی وجہ سے بنوں روڈ پر گاڑیوں کی آمدروفت بہت کم ہے بنوں کے قریب کھجوروں کے جھنڈ ہیں۔ جو اس بات کے داعی ہیں کہ سرزمین عرب سے آنے والے قافلوں نے اس سرزمین پر قیام کیا۔ تھانہ بہرخیل، ہاتھی خیل، ڈومیل ضلع کرک کے علاوہ التمبر، بانڈہ احمد بانڈہ منصور گڑھ سرائے نورنگ مشہور قصبے آتے ہیں تین گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد دریائے کرم کے کنارے بنوں شہر کے آثار دکھائی دیئے۔ جنرل بس اسٹینڈ پر حاجی امین سے بلسیاز خاکسار سے ملاقات کیلئے ٹیکسی حاصل کی۔ بنوں میں ٹیکسیوں کے کرائے بہت مناسب ہیں مہمان نواز ہونے کے علاوہ ان لوگوں میں قوم پرستی جیسی خوبی پائی جاتی ہے بنوں سے پندرہ بیس کلومیٹر فاصلہ پر دریوبہ روڈ علاقہ سورانی میں سوگز نام کی مشہور قبر ہے یہ قبر پہاڑوں کے درمیان آبی گزرگاہ کے کنارے ہے قریب کسی



تھانہ منڈان بنوں



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ آ کرہ کے کھنڈرات میں نوادرات تلاش کر رہے ہیں

آبادی کے آثار نہیں ہیں۔ بنوں شہر میں گھومنے پھرنے بعد آ کرہ اور لکی بھرت کے کھنڈرات دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے حاجی امین نے راہنمائی کے لئے ملک ناز کا کی ابرار عرف شہباز کا کی ہمارے ساتھ روانہ کئے ٹیکسی ڈرائیور پریشان ہو رہا تھا کہ آ کرہ کے کھنڈرات میں مفرور اشتہاری لوگ رہتے ہیں میری گاڑی نہ چھین لیں راقم نے اس کا خوف دور کرنے کے لئے راستہ میں تھانہ منڈان کے ایس ایچ او محمد نواز سے رابطہ کیا۔ جو تھانہ کے باہر بیٹھے کسی مظلوم کی دادرسی کر رہے تھے۔ راقم نے اپنا تعارف کرایا آمد کا مقصد بتایا کہ وہ علاقہ بنوں کے بارے کتاب مرتب کر رہے ہیں ٹیکسی ڈرائیور عمر نواز کا خدشہ بتایا محمد نواز ایس ایچ او نے میز پر مکا مارتے ہوئے کہا میرے تھانہ کے علاقہ میں کسی مفرور اشتہاری کی آماجگاہ نہیں ہے بے خوف وخطر ہو کر آ کرہ کے کھنڈرات دیکھنے جاؤ میں نے ایس ایچ او صاحب سے کہا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو تسلی دو میں نے اپنا تعارفی کارڈ محمد نواز آفیسر انچارج تھانہ منڈان کے حوالے کیا کہ میرے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا تو خبر لے لینا۔ راقم نے بتایا کہ وہ جب انڈیا گیا تو اپنی آمد قیام گاہ کی رپورٹ پولیس ہیڈ کوارٹر کرتا رہا۔ خدانخواستہ

حادثہ ہو جائے تو بروقت کوائف کے مطابق امداد مل سکے۔ محمد نواز ایس ایچ او تھانہ منڈان نے بتایا کہ یورپ کے لوگ آ کرہ کے کھنڈرات دیکھنے آتے ہیں ان کی یقین دہانی پر ٹیکسی ڈرائیور کو تسلی ہوئی ہم آ کرہ کے کھنڈرات کی طرف روانہ ہوئے بھرت یونین کونسل سے ایک سڑک آ کرہ کی طرف جاتی ہے۔ میں پاکستان بھر میں گھوم پھر چکا ہوں۔ جتنا سرسبز شاداب علاقہ آ کرہ کا ہے وہ کہیں اور نہیں دیکھا۔ ماسٹر زرتیاز خان جن کا تعلق خودل بھرت بنوں سے ہے راہنمائی کے لئے ہمارے ساتھ چل پڑے۔ وہ آ کرہ کے کھنڈرات کے بارے میں بتا رہے تھے۔ جب زوردار بارش ہو تو یہاں سے سکے مٹی کے برتن موتی دیگر اشیاء ملتی ہیں انگریز یہاں کئی روز تک خیمے لگا کر مزدوروں کے ہمراہ اشیاء تلاش کرتے ہیں آ کرہ کے کھنڈرات کی بلند چوٹی پر چڑھ کر دور دور تک نظارہ کیا۔ یہ علاقہ بہت زیادہ سرسبز و شاداب ہے آبی گزرگاہ بھی ہے اس ہریالی کی وجہ سے دنیا کے قدیم لوگ یہاں آباد ہوئے ماسٹر زرتیاز نے تین کنویں بھی دکھائے جو اَب غیر آباد ہو چکے ہیں آ کرہ کے



بنوں اکرہ کے کھنڈرات سے اشیاء نوادرات تلاش کی جارہی ہیں



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈوو کیٹ آ کرہ کے کھنڈرات دیکھ رہے ہیں

کھنڈرات میں بڑے سائز کی انٹیں تراشے ہوئے پتھر مٹی کے برتنوں کے ٹکڑوں کی تہہ در تہہ ہیں۔ میری نظریں کھنڈرات پر تھیں ایک مٹی کا منکا۔ ایسے منکے موہن جوداڑو ہڑپہ سے ملتے۔ بچوں کے کھلونے بھی ملے۔ محمد ایوب جو آ کرہ کے کھنڈرات کی کھدائی کررہا تھا نے بتایا کبھی کبھی دورانِ کھدائی کوئی نہ کوئی پرانی چیز مل جاتی ہے اسرار احمد ذوالفقار عرف نومی، رضا اللہ خان، ابرار احمد جو بنوں شہر سے یہ کھنڈرات دیکھنے آتے تھے ہمارے ہمراہ تھے۔ آ کرہ کے کھنڈرات کی مٹی بھر بھری ہے عذاب الٰہی کی وجہ سے اس مٹی کی ساخت ختم ہو چکی ہے آ کرہ کے کھنڈرات تین سو کنال سے زیادہ رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ کھنڈرات بلندی پر ہیں۔ پروفیسر شمشیر علی خان کی تحریر کردہ کتاب بن باس تاریخ بنوں میں آ کرہ کے کھنڈرات کی منظر کشی کی گئی ہے ان کے مطابق بنوں کے باسیوں میں آ کرہ کے بارے میں ایک روایت سینہ با سینہ چلی آ رہی ہے کہ آ کرہ کے کھنڈرات عذاب الٰہی کی یادگار ہیں یہ کہ کسی زمانے میں شہر آ کرہ خوب آباد تھا مگر یہاں کے باسیوں پر ان کی نافرمانیوں کے سبب

قہر خداوندی یعنی آسمان کی طرف سے سنگ باری کے طور پر نازل ہوا اور آبادی آن کی آن میں نیست و نابود ہوگئی اب بھی لفظ آکرہ کو بد دعا کیلئے استعمال ہوتا ہے خدا فلانے پر آکرہ برسائے۔ یہ بدترین بد دعا سمجھی جاتی ہے۔

ایک دوسرا مفروضہ بھی ہے کہ آتش فشاں کے عمل سے آکرہ کے کھنڈرات وجود میں آئے ہیں جس کا منبع آکرہ سے چند میل دور وریئی غذیری کے قریب ایک کنوں نما سوراخ تھا۔ بتایا جاتا ہے اس سوراخ میں سے لاوا نے بہہ کر سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور اسے نیست و نابود کر کے زمین دوز کر دیا گیا۔ آج بھی سیاہ پتھروں کی پٹی کا سلسلہ اس سوراخ سے شروع ہو کر بکا خیل سے ہوتا ہوا آکرہ تک پھر آگے علاقہ لیوان تک پہنچ جاتا ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق تہر آکرہ کا بانی بھرت تھا جو رام کا بھائی اور راجہ دسترتھ کا بیٹا تھا۔ جو ہندوؤں کے دیو مالا میں مشہور کردار ہیں۔ اس دعوے کی تصدیق ان سکوں کی یونانی تحریروں سے ہوتی ہے۔ ان سکوں کو سیتا رام سے منسوب کیا گیا ہے مگر حیرت ہے کہ دیو مالا کے یہ کردار یونانی کیسے جانتے تھے؟ یہ معمہ حل طلب بھی ہے اور توجہ طلب بھی



اکرہ کے کھنڈرات سے ملنے والے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے

ہے۔اس کا جواب شاید کوئی سکہ شناس یا ماہر آثار قدیمہ ہی دے سکے یہ بھی کہ آگرہ سے
مساوی فاصلے پر ایک دوسرا شہر لگی ہے یہ بھی ہندوؤں کے متذکرہ مفروضے کی تائید کرتا ہے
دہلی بھرت کی ماں تھی۔

شہر آگرہ کے ماضی کے باب میں تاریخ خاموش ہے آگرہ کے بارے میں جو بھی
اظہار خیال کیا جاتا ہے اور جسے تاریخ کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے اس کا ماخذ وہ نوادرات
سکے، بت، مہریں اور کچھ کتبے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً آگرہ کے کھنڈرات یا آس پاس کے دیگر
متعدد کھنڈرات سے دریافت ہوئے ہیں جنکی بنیاد پر یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے اور اس میں
کوئی دشواری بھی حائل نہیں کہ شہر آگرہ ایک گریک سٹی یعنی یونانی شہر تھا یہاں جو نوادرات
ملے ہیں وہ یونانی اور ہندومت دونوں تہذیبوں کی آمیزش ہیں یعنی گرشیو، باختریا، یہ دعویٰ
سکوں کی تحریروں سے ثابت ہوسکتا ہے سکوں پر جو اُبھرے ہوئے نقوش ہیں یا جو بت ملے
ہیں وہ یونانی خدوخال رکھتے ہیں بعض شبیہہ جو سکوں پر کندہ ہیں سکندر یونانی کے ہم وطن
معلوم ہوتے ہیں کھنڈرات اور ان میں پائے جانے والے نوادرات، سکے اور دیگر فن
پارے اس عہد کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جبکہ فن سکہ سازی، فن تعمیر، اور فن سنگ تراشی عروج
پر تھی۔ مزیداً آگرہ خود یونانی لفظ ہے جس کے معنی اونچی جگہ کی ہے۔ یہ قدرت کا کرشمہ ہے
کہ گردو پیش کا علاقہ وسیع وعریض، ہموار اور زیریں ہے۔ صرف جہاں آگرہ واقع ہے یہ
ایک بلند پہاڑی ہے شاید فاتحین یونان نے اس جگہ کو امتیازی نام آگرہ دیا ہو۔ یہ بات یقینی
ہے کہ سکندر بنوں سے ہوگزرا ہے۔

ماضی میں بنوں عسکری گزرگاہ رہا ہے۔ انڈیا تک رسائی کا مختصر ترین راستہ بھی
یہی تھا مگر شہر آگرہ جو قلعہ بند شہر ہوتا تھا بیرونی فاتحین کے لئے سدراہ ثابت ہوتا تھا۔

آگرہ کے کھنڈرات ۲۵۰ فٹ اونچی پہاڑی پر موجود ہیں جو ۱۳۳ ایکڑ زمین پر
محیط ہیں کسی زمانے میں آگرہ کے کھنڈرات خاصی دوری سے نمایاں نظر آتے تھے جس کے
آثار ختم ہوتے جارہے ہیں۔ اگر یہ صورت قائم رہی شاید مستقبل میں آگرہ کے کھنڈرات
محض خواب وخیال اور زمین بوس ہو کر ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ مقامی

باسی بے دردی کے ساتھ کھنڈرات کی مٹی کھود کر زمینوں میں منتقل کر چکے ہیں۔

یہاں کھنڈرات میں اب بھی بے شمار بڑی بڑی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جڑی ہوئی ملیں گی۔ آکرہ کے یہ کھنڈرات ضلع بنوں کے جنوب مغرب کے ایک گوشے میں نالا لوزہ کے بائیں جانب شہر بھرت اور شہر لکی کے درمیان ایک پہاڑی پر واقع ہیں جو مختلف جسامت اور بلندی کے متعدد ٹیلوں پر مشتمل ہیں۔

بہر حال متعدد ٹیلوں کا یہ جھرمٹ اور طویل کھنڈرات کا یہ سلسلہ دعوت غور وفکر کا ذریعہ ہے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آکرہ کی تعمیر میں پکی اینٹوں کا استعمال خوب ہوا جو جسامت میں بڑی ہیں مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں ان اینٹوں کی قدامت آج سے ۲۷۰۰ اور ۳ ہزار سال پہلے بتائی جاتی ہے۔

بقول ایڈورڈز۔ بنوں کے موجودہ شاہی قلعہ میں بھی یہ اینٹیں استعمال کی جا چکی ہیں اور مقامی لوگ بھی بے دھڑک بے جھجک بے دریغ مٹی اور اینٹوں کو لوٹ رہے ہیں۔

بقول ایڈورڈز کھدائی کے دوران ان کے عہد میں ایک وسیع عریض کمرے کے خدوخال دریافت ہوئے تھے شاید یہ شاہی خواب گاہ یا خلوت خانہ تھا۔

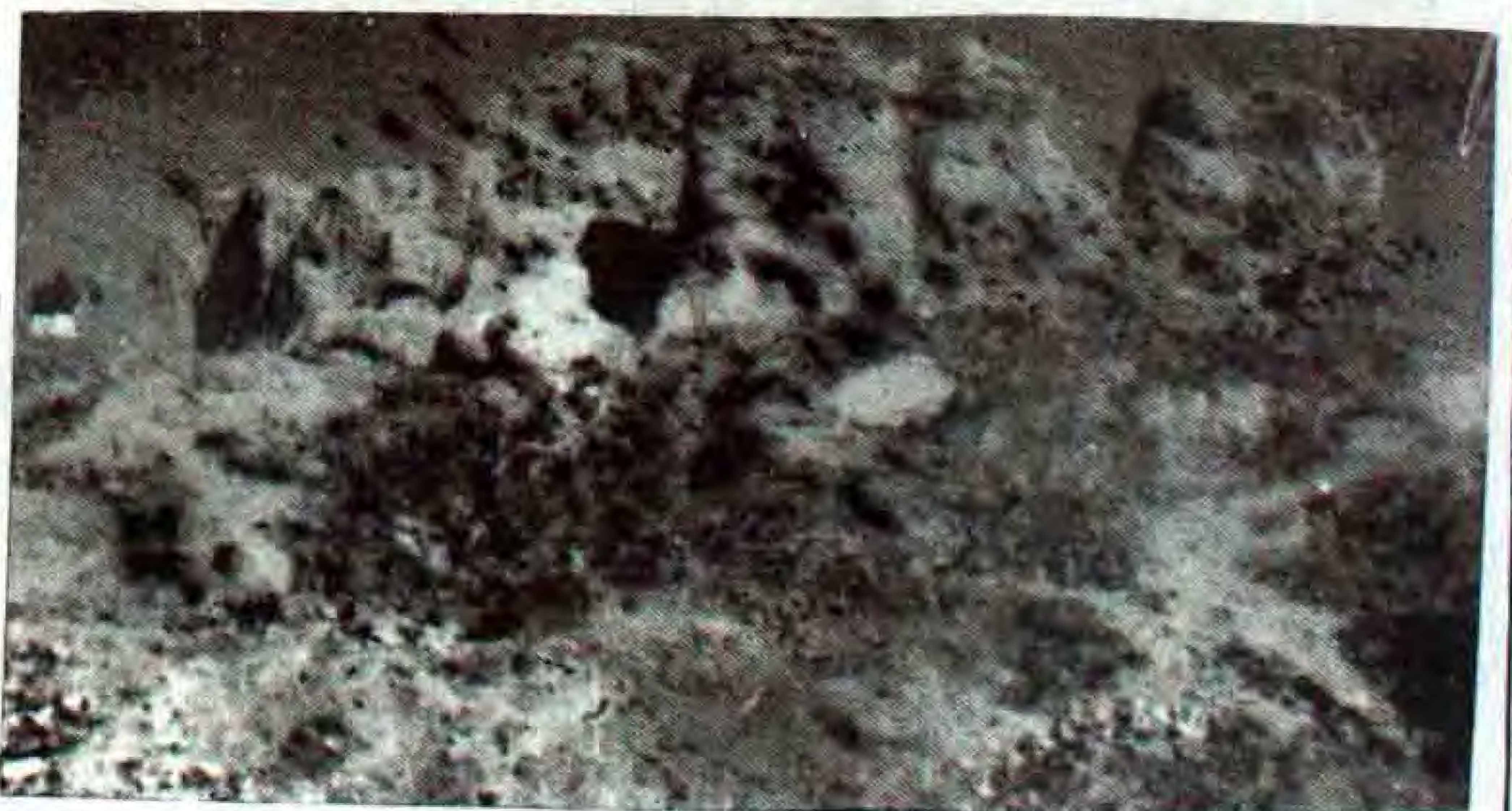
ایڈورڈز کی سپاہ کو گزرنے کے لئے راستہ مطلوب تھا اس لئے ان کھنڈرات کے بعض حصوں کا ہٹانا ضروری تھا جس کے لئے وہ کھدائی کر رہے تھے۔

بعض مہریں اور سکے جو آکرہ کے کھنڈرات سے دریافت ہوئے ہیں آج کل لاہور عجائب گھر کی زینت ہیں جو سکے تا حال دریافت ہوئے ہیں وہ یونانی ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے آئینہ دار ہیں یہاں بدھ کا مجسمہ بھی ملا تھا۔ بعض سکے ایسے بھی دریافت ہوئے تھے جن کا رنگ وروغن تازہ تھا۔ آکرہ سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کے مقابل کچھ اور کھنڈرات بھی ہیں جو قلعہ نما ہیں۔ اسے مقامی لوگ کافر کوٹ کہتے ہیں اور بعض اسے حور محل سمجھتے ہیں۔ ان کے شکستہ حصے اب تھوڑے بہت یعنی کچھ کچھ موجود ہیں باقی آب برد ہو چکے ہیں یہ کافر کوٹ ایک دوسری پہاڑی پر واقع ہیں جسے شاید پانی کی گزرگاہ نے دیگر ٹیلوں سے الگ کر دیا ہے۔ چند سال پیشتر اس مرتفع پر دیواروں کا ایک

طویل سلسلہ ایستادہ تھا اب وہ بھی نہیں رہا کہتے ہیں ہندوستان پر مسلمانوں کی یلغار سے قبل کافرکوٹ موجود تھا اسکی تعمیر میں بھی بڑے حجم کے پتھر استعمال ہوئے ہیں کچھ فاصلے پر نشانات قدیمہ ہیں کچھ فاصلے پر آثار قدیمہ ہیں جو یہ گواہی دے رہی ہیں کہ یہاں گردوپیش متعدد فوجی برجیاں موجود تھیں جنکی وجہ سے شہر آکرہ کو ناقابلِ تسخیر بنایا گیا تھا آکرہ سے مناسب فاصلوں پر اور بھی کھنڈرات پائے جاتے ہیں مثلاً جانی خیل میں لاک لارگنی بکا خیل میں تیر کی قلعہ، عیسک میں بھی ایک کافرکوٹ موجود ہے جسکے کھنڈرات پائے جاتے ہیں یہاں بھی بہت سارے سکے دریافت ہوئے ہیں۔ آکرہ کے شمال میں نالا موڑہ بہتا ہے جہاں ماضی میں سیلاب آتے تھے مگر اب یہ نالہ سنبھل چکا ہے اور اسکی بیقراری اور لا ابالی پن ختم چکا ہے۔ ماضی میں ایک بار سردار نونہال سنگھ کے ۴۰ سپاہ اور ۱۵۰ الدے ہوئے اونٹ غرقاب ہوئے تھے یہ واقعہ ۱۸۲۳ء کے بعد کا ہے۔

آکرہ کے گردوپیش دیگر کھنڈرات شہادت دیتے ہیں کہ شہر آکرہ کسی زمانے میں ایک قلعہ بند شہر ہوا کرتا تھا، فوجی لحاظ سے بہت مظبوط تھا۔

یہاں جو سکے دریافت ہوئے ہیں ان میں اکثر تانبے کے ہیں ان سکوں پر برہمن راجاؤں یونانی بادشاہوں اور مسلمان سلاطین کے نام کندہ ہیں گویا آکرہ کے کھنڈرات اپنے سینہ میں تاریخ سموئے ہوئے ہیں۔ بعض مہروں پر یونانی بادشاہوں کی شبیہہ ہوا کرتی



اکرہ کی بلند ترین چوٹی جس کی اونچائی 200 فٹ ہے

تھیں۔ سنگ سلیمان کی تراشیدہ مہر بھی دریافت ہوئی۔ ایسی مہریں بھی ملی ہیں جن پر مرغ، بیل اور انسانی شبیہہ کندہ تھی۔ ان سکوں پر یونانی نقش اور بعض پر باختر کی تحریریں تھیں اسلام نگر میں بھی اس نوع کا ایک اور آکرہ موجود ہے ان تحریروں سے معلوم ہوا افغانستان، ہندوستان بشمول کشمیر اس پورے خطے پر یونانیوں ہندو راجاؤں اور مسلمان سلاطین کا تسلط تھا۔ ان کھنڈرات سے جو بہت ساری نوادرات سکے بت دریافت ہوئے وہ بنوں سے پر آمد کر کے براستہ افغانستان ہندوستان منتقل کر دیئے گئے۔ یہ تاریخی وملکی ورثہ، سکے، بت، مہریں، کتبے قدموں تلے پڑے کسی قدر شناس کے منتظر ہیں۔ اب بھی آکرہ کے کھنڈرات معنی ومفہوم اور مقصد سے عاری نہیں۔ آکرہ اپنے سینہ میں اسرار ورموز سے بھرا تاریخی ورثہ سموئے ہوئے ہے۔ لیوان اینڈ دی بنوں بیسن کے عنوان سے کیمبرج اور پشاور یونیورسٹی (ارکیالوجی) کی مشترکہ مہم جو ۷۸۔ ۱۹۷۷ء میں شروع ہوئی اور ابتک جاری ہے ان کی معلومات کے مطابق علاقہ لیوان (آکرہ کے جنوب مغرب) سنگ سازی کے لئے مشہور تھا کھدائی کے دوران پتھروں اور برتنوں کے ٹکڑے ملے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ یہ اشیاء، پتھر



اکرہ کے کھنڈرات کے قریب حضرت لندون نیگ کا مزار جس کی لمبائی 40 گز ہے

اور خدمت گزار کا نام بادشاہ میر ہے

کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں ۔ لیوان کا علاقہ سنگ سازی کی صنعت کے لئے مشہور تھا اور سنگ سازی کی یہ صنعت پورے عروج پر تھی لیوان میں پتھروں سے اوزار بنائے جاتے تھے جو ناصرف مقامی آبادی کی ضروریات کو پورا کرتے تھے بلکہ برآمد بھی کئے جاتے تھے یہ اوزار خاص طور پر حرب اور شکار دونوں کے لئے استعمال کئے جاتے تھے کھدائی کے دوران یہ بھی معلوم ہوا یہ تند و تیز اوزار کثیر المقاصد تھے تیرہ کئی قلعہ سے بھی دوران کھدائی سے معلوم ہوا کہ سنگ سازی کی یہ صنعت ترقی یافتہ اور طویل عرصے پر محیط رہا۔

ان ماہرین آثار قدیمہ کے بموجب بنوں کا شمال مشرقی حصہ آبی پرندوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ یہاں کثرت آب کے باعث آبی پرندے جیسے کونج وغیرہ سائبریا سے براستہ ہندوستان بنوں آکر بسیرا کرتے تھے جن کا مقامی آبادی شکار کیا کرتی تھی کثرت آب اور کثرت باراں کے باعث بنوں کا پیشتر حصہ جنگلات پر مشتمل تھا یہاں درندے۔ ہرن اور دیگر جنگلی جانور پائے جاتے تھے مگر لیوان کا علاقہ بنوں کے دیگر حصوں میں صنعتی لحاظ سے قابل التفات تھا۔ تجارت بھی زوروں پر تھی ۔ علاقہ لیوان میں پتھروں سے مختلف اشیاء مثلاً اوزار ۔ سامان حرب ۔ تسبیح کے دانے دیگر سامان زیست ظروف وغیرہ بنائے



اکرہ سے مغرب کی طرف کھجور کا ایک گھنا جنگل ہے جس کے درمیان پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے

جاتے تھے۔ ظروف سازی کا یہ عہد ۳۲۰۰ ق م ۲۰۰۰ ق م کے درمیان عہد سے متعلق ہے۔
آکرہ کے کھنڈرات دیکھنے کے بعد راقم نے بھی 60 گز لمبی قبر پر حاضری دی۔ سہ پہر ٹیکسی بنوں شہر کی طرف رواں دواں تھی چار بجے کے قریب پشاور نے لئے ویگن تیار رکھی تھی۔ میں ان سوچوں میں گم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا انجام دیکھو جو زمین پر اکڑ اکڑ کر چلتے تھے آج ان نافرمان قوموں کا نام ونشان تک مٹ چکا ہے۔ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا مقام ہے۔



اکرہ کے قریب 80 فٹ لمبا مزار

بنوں شہر کے قریب 100 گز لمبی قبر



راقم کی تحریر کردہ بیشتر کتب میں نوگز لمبے مزار کا ہی اہم موضوع رہا۔ لہٰذا بنوں میں سوگز لمبی قبر پر حاضری کیلئے ٹیکسی پکڑی ڈرائیور عمر نواز بنوں کے گردونواح جانے والے تمام راستوں سے واقف تھا۔ بنوں شہر سے ایک سڑک سورانی کی طرف جاتی ہے سورانی سے گزر کر یہ سڑک دریوبہ روڈ کے نام سے مشہور اسی سڑک کے مشرقی کنارے پر یہ لمبا مزار ہے جو اس علاقہ میں 100 گز لمبی قبر کے نام سے مشہور ہے یہ قبر پہاڑوں کے دامن میں ایک آبی گزرگاہ کے کنارے پر واقع ہے یہ قبر پتھروں کا ایک پلیٹ فارم بنا کر اس پر تعمیر کی گئی ہے۔ قبر کی تمام تعمیرات پتھروں سے کی گئی ہے قبر ہلکے پیلے رنگ روغن سے خوبصورت بنائی گئی ہے قبر پر تراشے ہوئے پتھروں کے برج نما پتھر نصب ہیں۔ قبر کے سر کی جانب ایک برآمدہ نما کمرہ ہے جہاں دِیا بتی چٹائیاں پینے کے پانی کے مٹکے پڑے ہوئے ہیں قبر کے شمال کی جانب چیک پوسٹ ہے۔ چیک پوسٹ پر مقامی آبادی کے چند افراد موجود تھے جنہوں نے بتایا یہ قبر بہت پرانی ہے لوگ منت مرادوں کے لئے یہاں حاضری دیتے ہیں۔ بے ادبی کرنے والوں کو فوراً سزا مل جاتی ہے۔ عقیدت مند قبر کی دیکھ بھال اور دِیا بتی کرتے ہیں۔

ٹانک

ضلع ٹانک کی تاریخ قلعہ ٹانک تاریخ کے آئینے میں

ٹانک پہلے ڈیرہ اسماعیل کی ایک تحصیل تھی۔ اَب اسے ضلع کا درجہ حاصل ہے۔ ٹانک کا رابطہ پختہ سڑکوں کے ذریعے ڈیرہ اسماعیل جنوبی وزیرستان اور دوسرے اہم شہروں سے ہے افغانستان کیلئے کئی قدیمی گزرگاہیں ٹانک سے گزرتی ہیں قبائلی علاقہ کی تجارت کا دارومدار ٹانک کے ساتھ ہے انگریزوں کے دور میں ٹانک اور قبائلی علاقوں کو جانے والے راستوں میں کئی قلعے تعمیر کئے گئے ہیں ٹانک کی مختصر تاریخ یوں ہے۔ سولہویں صدی عیسوی کے شروع تک ٹانک کا علاقہ بنجر و بیاباں تھا۔ کہیں کہیں سوری، سروانی اور بڑنگی قبیلے آباد تھے۔ علاقہ افغانستان سے موسم بہار (سرما) میں مویشی چرانے کے لیے چند کوچی قبیلے (خانہ بدوش) یہاں آکر خیموں میں آباد ہو جاتے تھے۔ ان قبیلوں میں کٹی خیل، دولت خیل،



ٹانک کا قلعہ جو انگریز دور میں تعمیر ہوا اب اس میں پولیس رہتی ہے



حاجی ایم زمان کھوکھر جنوبی وزیرستان کی روائتی پگڑی پہنے ہوئے

کنڈی اور مروت مشہور قبیلے تھے۔ ان سب قبیلوں نے کٹی خیل قبیلے کی سرداری یا خانی تسلیم کی ہوئی تھی۔ سولہوی صدی عیسوی کے وسط میں ان قبیلوں کا سردار قتال خان کٹی خیل اول عُرف قتلو خان تھا۔ 1540ء میں اس نے ہند کے بادشاہ شیر شاہ سوری کی ملازمت اختیار کر لی۔ شیر شاہ نے اس کے خاندان اور اس کے حلیف قبیلوں کو ٹانک کے علاقہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔

قتلو خان کے ملازمت پر چلے جانے کے بعد ان تمام قبائل کا خان قتلو خان کا بیٹا خان زمان خان بنا۔ خان زمان خان نے حلیف قبیلوں کو اپنی مرضی کی جگہ منتخب کرنے کی اجازت دی اور اپنے قبیلہ کے لیے موجودہ ٹانک سے تین میل شمال کو ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی۔ نام اسکا ٹانک رکھا۔ قریباً سارے کٹی خیل خاندان یہاں آباد ہو گئے علاقہ ٹانک سے سوریوں، سروانیوں اور پڑنگیوں کی بھگا کر نکال دیا گیا۔

خان زمان خان کٹی خیل اور اس کے بیٹوں کے دور میں ٹانک شہر کی بڑی رونق رہی۔ لیکن ڈیڑھ سال کے بعد قتلو خان کا پڑپوتا قتال خان ثانی اپنے حلیف قبیلوں کا سردار بنا

تو اس نے اپنے خاندان کی رہائش کے لیے اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں موجودہ ٹانک میں مکانات تعمیر کروائے اور اپنے کنبہ کو یہاں لا کر رہنے لگا۔ تھوڑے عرصہ بعد نیا شہر پُر رونق شہر بن گیا اور پرانا شہر اُجڑ گیا۔ اس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔

قتال خان ثانی کے غازی احمد شاہ والئی قندھار کے ساتھ مراسم نہایت خوشگوار تھے۔ قتال خان اکثر قندھار جاتا۔ غازی احمد شاہ اس کی بڑی عزت وقدر کرتا۔ غازی احمد شاہ بھی جب کسی مہم پر جاتا تو وہ کوشش کرتا کہ قتال خان کو اپنے ساتھ لے جائے۔ اگرچہ ٹانک غازی احمد شاہ کے مقبوضات میں سے تھا۔ لیکن بادشاہ نے اس علاقہ پر لگان مقرر کرنے کا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

احمد شاہ کے مرنے کے بعد اسکا بیٹا تیمور شاہ اسکا جانشین بنا۔ 1782ء میں تیمور شاہ سندھ پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا وہ اپنے ساتھ قتال خان کٹی خیل کو بھی لے گیا۔ قتال خان اور اس کی ملیشیا چار ماہ تک سندھیوں سے لڑتے رہے۔ قتال خان نے سندھ میں بے انتہا دولت جمع کی۔ مہم ختم ہونے کے بعد جب وہ وطن واپس آیا تو کہتے ہیں کہ وہ زر ودولت کے کئی خچر لاد کر لایا۔

قتال خان کی غیر حاضری میں اسکے بیٹے سرور خان نے ایک بہت بڑے قلعہ کا نقشہ تیار کر کے اسکی تعمیر شروع کر دی تھی قتال خان نے واپس آ کر اس کی تکمیل کی۔ آغا عباس نے اپنی تصنیف تاریخ شیر شاہی میں اس قلعہ کی تشریح یوں کی ہے۔

''قلعہ کا رقبہ تقریباً 350 مربع گز ہے۔ قلعہ کے اندر ایک اور قلعہ ہے بیرونی قلعہ کی دیواریں تقریباً چار گز چوڑی ہیں جن میں سات دروازے ہیں اندرونی قلعہ کی دیواروں کی چوڑائی اور بلندی عام قلعوں جتنی ہیں اس قلعہ کی فصیل میں دو دروازے ہیں شہر دونوں قلعوں کے درمیان آباد ہے جبکہ نواب کا اپنا کنبہ اندرونی قلعہ کے اندر رہتا ہے قلعہ میں پھول بکثرت ہیں ہندوستان میں شاید ہی کوئی پھول ایسا ہو جو اس قلعہ میں نہ پایا جاتا ہو قلعہ کی تکمیل کئی سالوں میں ہوئی قلعہ کی تکمیل کے بعد اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے

قتال خان مغرور ہو گیا۔ وہ اپنے حلیف قبیلوں کنڈی اور مروت سے بلا جواز زیاتیاں کرنے لگا۔ تنگ آ کر اُنہوں نے اتحاد کر لیا اور ایک رات اندھیرے میں قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اُنہوں نے سوائے سرور خان کے قتال خان کے باقی سارے قبیلے کو قتل کر دیا۔ سرور خان جو ایک پاؤں سے لنگڑا تھا کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

سرور خان کٹی خیل کچھ مدت تک روپوش رہا پھر موقع پر کسی کی رفاقت میں کابل چلا گیا۔ بادشاہ تیمور سے اپنی داستان غم بیان کی بادشاہ نے جہان خان پوپل زئی کو اس کی امداد پر مامور کیا۔ جہان خان ایک عظیم فوج کے ساتھ ٹانک آیا۔ قلعہ کو دشمن سے خالی کروا کر سرور خان کے حوالے کر دیا کچھ سپاہی اس کی مدد کیلئے چھوڑ دیئے اور باقی فوج لے کر جہان خان واپس کابل چلا گیا۔ برسر اقتدار آ کر اس نے باپ کے مخالفین سے چن چن کر بدلہ لیا وہ پھلوں اور پھولوں کا بڑا شوقین تھا اُس نے ہند کے مختلف علاقوں سے میوہ دار درختوں کی پنیری اور پھول دار پودے منگوائے اور انہیں اپنے قلعہ میں لگوایا سرور خان کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا اللہ داد خان برسر اقتدار آیا۔



جنوبی وزیرستان ٹانک کے قریب انگریز دور کا تعمیر کردہ قلعہ چھت پر حفاظتی مورچے نظر آ رہے ہیں۔

ٹانک جنوبی وزیرستان روڈ پر نوگز لمبے مزار اور تاریخی قلعے

23 مارچ 2002ء کو ڈیرہ اسماعیل کے درابن چودھوان کے علاوہ قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری کے بعد 24 مارچ کو ٹانک ڈبرہ جنوبی وزیرستان کیلئے ہمارا قافلہ تیار تھا۔ محمد نواز کی طبیعت گزشتہ روز کے تھکا دینے والے سفر کی وجہ سے ناساز تھی۔ محمد شریف جن پر اولیاء کرام کی خاص نظر ہے جس شخص پر اللہ کی مہربانی ہو مخلوق خدا اسکی تابعدار ہو جاتی ہے۔ محمد شریف بھی ایسی ہی ہستیوں میں سے ہے جو اللہ کے منظور نظر ہیں۔ محمد شریف نے متبادل انتظام کرلیا۔ حاجی اسرار احمد قادری جو آستانہ عالیہ سدرہ شریف سے وابستہ ہیں۔ اس سفر کیلئے اپنی گاڑی لئے تیار کھڑے تھے۔ ٹانک ڈیرہ اسماعیل خان سے 60 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے پورے راستہ میں سڑک کے کنارے چند دیہات دیکھنے کو



ضلع ٹانک کے مشہور قصبہ ڈبرہ کے قریب حضرت سید
عبدالرزاق کا مزار آپ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے بیان کئے جاتے ہیں



ٹانک ڈبرہ کے قریب سید عبدالرزاق کے مزار کے ساتھ دوسرا قدیمی مزار

ملے۔ قبائلی علاقہ ہونے کی وہ سے نسل در نسل پرانی دشمنیاں چلی آ رہی ہے جسکی وجہ سے یہ لوگ محتاط رہتے ہیں۔ سی آر پی سی نہر کے آگے سارا علاقہ بنجر اور بارانی ہے میدانی علاقہ میں گندم کے کھیت ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے بڑی آن بان کے جھول رہے تھے بھٹانہ گاؤں سے کلاچی شہر جنوب کی طرف تقریباً بارہ تیرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ گھنٹہ بھر کی مسافت کے بعد ہم ٹانک میں داخل ہوئے۔ ٹانک کو اب ضلع کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ ہائی ایس گاڑی جن کو اسرار احمد قادری ڈرائیو کر رہے تھے مین بازار سے گزرتی ہوئی مزار حضرت پیر محمد صابر شاہ قادری کے مزار پر رکی۔ مزار حضرت پیر محمد صابر شاہ قادری پر حاضری دی۔ آپ کا مزار پختہ اور شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے صحن میں بزرگوں کی لاتعداد قبریں ہیں مزار چار دیواری کے اندر ہے بیرونی گیٹ خوشنما تعمیر کیا گیا ہے۔ ٹانک کا پانی کڑوا ہے۔ ٹانک کے بعد ہم اس قدیمی تاریخی سڑک پر رواں دواں تھے۔ اس سڑک پر تجارتی قافلوں کے علاوہ کئی



ٹانک جنوبی وزیرستان روڈ پر منزئی کے قریب تخی بابا کے مزار کے ساتھ
پتھروں سے تعمیر کی گئی قدیمی مسجد۔



ٹانک منزہی میں قدیمی مزار

حملہ آور گزرے جن کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے برصغیر کے در و دیوار دہل جاتے تھے۔ مختصری مسافت کے بعد قدیمی تاریخی بستی ڈبرہ میں حاجی اسرار قادری اپنے محل نما گھر میں لے گئے۔ حاجی اسرار احمد قادری کے والد کے تجارتی مراسم سعودی عرب کے افراد کے ساتھ ہیں اس لحاظ سے ان کی رہائش گاہیں بھی محل نما ہیں۔ ڈبرہ میں اسرار قادری نے اپنے ملازم شیر غنی کو دوپہر کے کھانے کیلئے کہا وانہ ٹانک روڈ پر حضرت درویش بابا جن کا مزار ڈبرہ میں ہے حاضری دی۔ حضرت درویش بابا حضرت پیر زین العابدین کے خلیفہ تھے، بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ آپ کا تعلق افغانستان کے علاقہ غزنی سے تھا۔ اجمیر شریف میں پانچ سال گزارنے کے بعد آپ افغانستان چلے آئے۔ بقیہ زندگی افغانستان میں گزاری عمر کے آخری حصہ میں ڈبرہ آ گئے یہیں آپ کا انتقال ہوا آپ کا مزار ڈبرہ میں سڑک کے کنارے ہے ڈبرہ سرسبز شاداب علاقہ ہے۔ اس سے آگے قبائلی علاقہ جنوبی وزیرستان شروع ہو جاتا



ٹانک ڈبرہ کے قریب حضرت محمد ایوب درویش بابا کا مزار۔

ہے۔ ایک سڑک جنوبی وزیرستان دوسری درہ گومل کو جاتی ہے درہ گومل یہاں سے چالیس کلومیٹر کے لگ بھگ ہے درہ گومل کو جانے والی سڑک وانہ جنڈولہ روڈ کہلاتی ہے انگورا اڈا سے غزنی کی طرف سڑک جاتی ہے اس پر قدیمی گزرگاہ کے دامن میں کئی تاریخی واقعات پوشیدہ ہیں۔ اسرار احمد قادری اور محمد شریف اس علاقہ کا تاریخی پس منظر بیان کرتے رہے راقم اپنی ڈائری میں محفوظ کرتا رہا۔

محمد شریف بڑی شائستگی سے تاریخی واقعات بیان کرتے رہے انگورا اڈا پر پاکستان اور افغانستان کی کرنسی چلتی ہے۔ جس پر سڑک پر ہمارا قافلہ رواں دواں تھا۔ سامنے پہاڑوں کے دامن میں حضرت شیخ سلیمان بابا کا مزار ہے جو منزی روڈ سے نظر آتا ہے۔ راستہ کٹھن دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ہم مزار پر حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت شیخ سلیمان بابا کے مزار کے پاؤں کی طرف ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے جنوبی وزیرستان کا



منزئی جنڈولہ وانہ ٹانک روڈ پر حضرت سخی بابا کی چلہ گاہ۔

مرکزی شہر وانہ ہے منزی میں انگریزوں کے دور کا ایف سی ہیڈ کوارٹر پرانا قلعہ میں ہے۔ قلعہ کے سامنے تین نمبر پوسٹ جو بند پڑی ہے جس کے بارے یہ مشہور ہے کہ جو بھی وہاں جاتا ہے زندہ غائب ہو جاتا ہے اس ڈر خوف سے اس پوسٹ کی طرف کوئی نہیں جاتا قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر انگریزوں کا قبرستان ہے یہ قبرستان چار دیواری کے اندر ہے چالیس کے قریب ان قبروں پر نام اور تاریخ وفات لکھی ہوئی ہے مثلاً SACRE TO THE MEMORY OF JOHN PRIVATE FOLLOWER OF SOUTH WAZIRISTAN SCOUTS 16-07-1922 متعدد قبریں ان سپاہیوں کی ہیں جو وزیرستان ایکشن میں مارے گئے۔ صلیب کا نشان واضح ہے۔ بہار یعنی مارچ کا پیارا موسم پہاڑوں کی جانب سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں سے ہم لطف اندوز ہوتے رہے۔ یہ بات تو مشہور ہے اس علاقہ کے لوگ بہت مہمان نواز ہوتے ہیں ہر ملنے



ایم زمان کھوکھر جنوبی وزیرستان ٹانک روڈ پر انگریزوں کی قبروں کے قریب کھڑے ہیں۔ یہ انگریز جنوبی وزیرستان کے معرکہ میں مارے گئے تھے۔

والا خلوص سے ملتا اور چائے کھانے کی دعوت دیتا۔ خرگائی قلعہ کے قریب صحابی رسول کا نوگز لمبا مزار ہے خرگائی منزی سے تھوڑے فاصلہ پر ہے مزار کی تعمیر پتھروں سے کی گئی ہے چونا بھی کیا گیا ہے قبر کے مشرق کی سمت درمیان میں ایک سوراخ ہے یہ سوراخ قبائلیوں نے خزانہ کی تلاش کیلئے کیا لیکن وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ آنکھوں سے اندھے ہو گئے ہاتھ پاؤں جکڑ گئے صحابی رسولؐ کے نوگز لمبے مزار کے قریب حضرت میاں سخی باباؒ کا مزار ہے جس پر سفید گنبد بنایا گیا ہے مزار کے قریب پتھروں سے تعمیر کردہ پرانی مسجد بھی ہے مزار سے ملحقہ آبی گزرگاہ اور خانہ بدوشوں کی بستی ہے حضرت میاں سخی بابا کے وقت کا پرانا زمین دوز کمرہ بھی ہے جو پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ متولی خدمت گزار کا نام زر محمد ہے۔ قریب ہی خواتین منت مراد کیلئے بڑے بڑے سائز کی روٹیاں تیار کر کے زائرین میں تقسیم کر رہی تھیں حضرت سخی بابا کے مزار کے شمال کی طرف ایک اور 26 گز لمبا مزار ہے یہ مزار اور چار

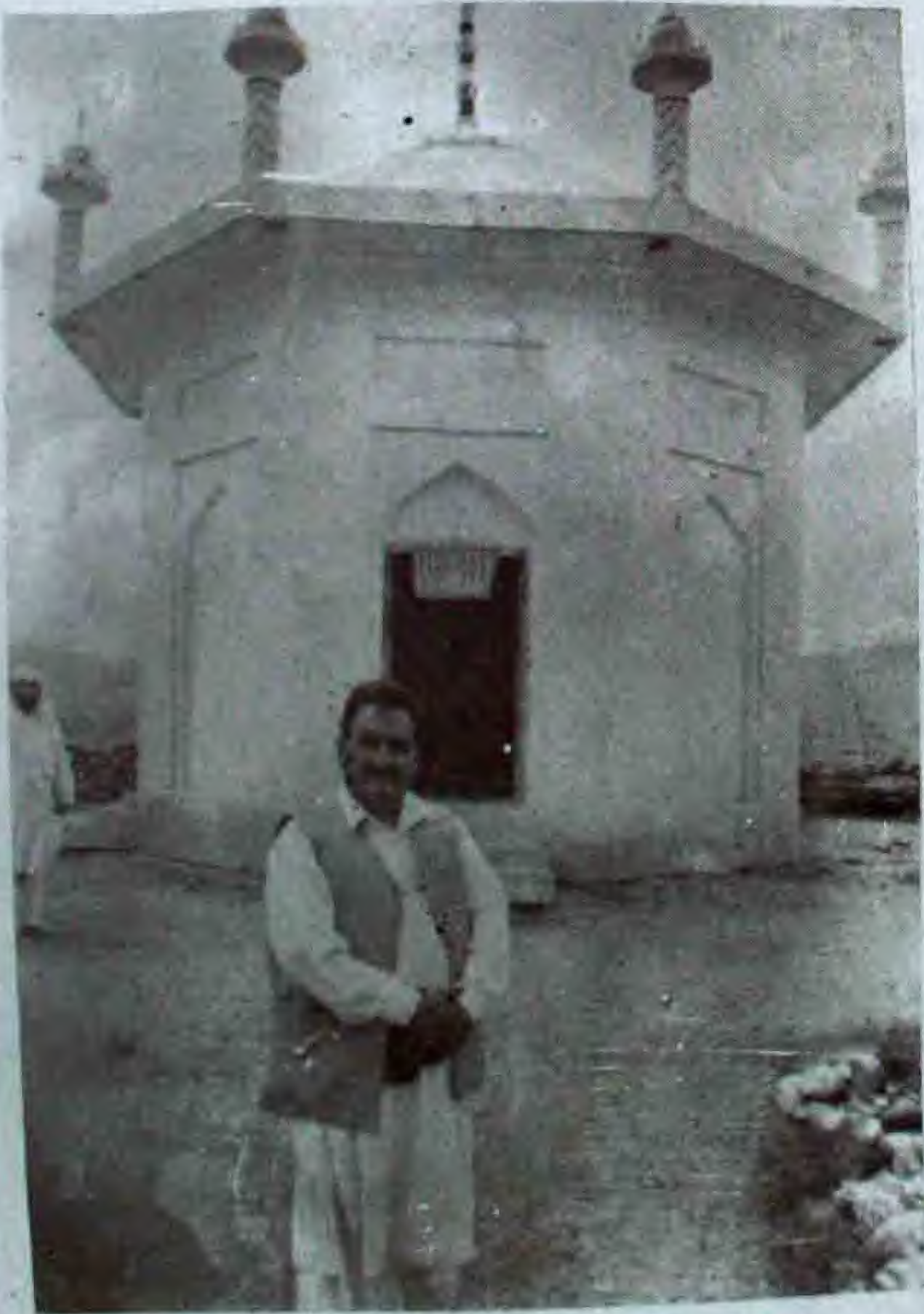


جنوبی وزیرستان روڈ پر منزئی کے قریب مزار

حضرت سخی بابا کے ملحقہ صحابی رسول کا 26 گز لمبا مزار، مزار اور چاردیواری پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ مزار پر دعا مانگ رہے ہیں قریب آبی گزرگاہ بھی ہے

دیواری پتھروں سے بنائی گئی ہے پتھروں پر قدرتی طور پر نقش بنے ہوئے ہیں۔ اس قبرستان میں لاتعداد قبریں ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں یہاں ماضی میں حق باطل کے معرکے ہوتے ہوں گے۔

قبر کے پاؤں کی طرف منت مرادوں کیلئے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں زمین میں گاڑ رکھی ہیں۔ چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں متولی زر محمد نے بتایا کہ ان پہاڑوں کے دامن



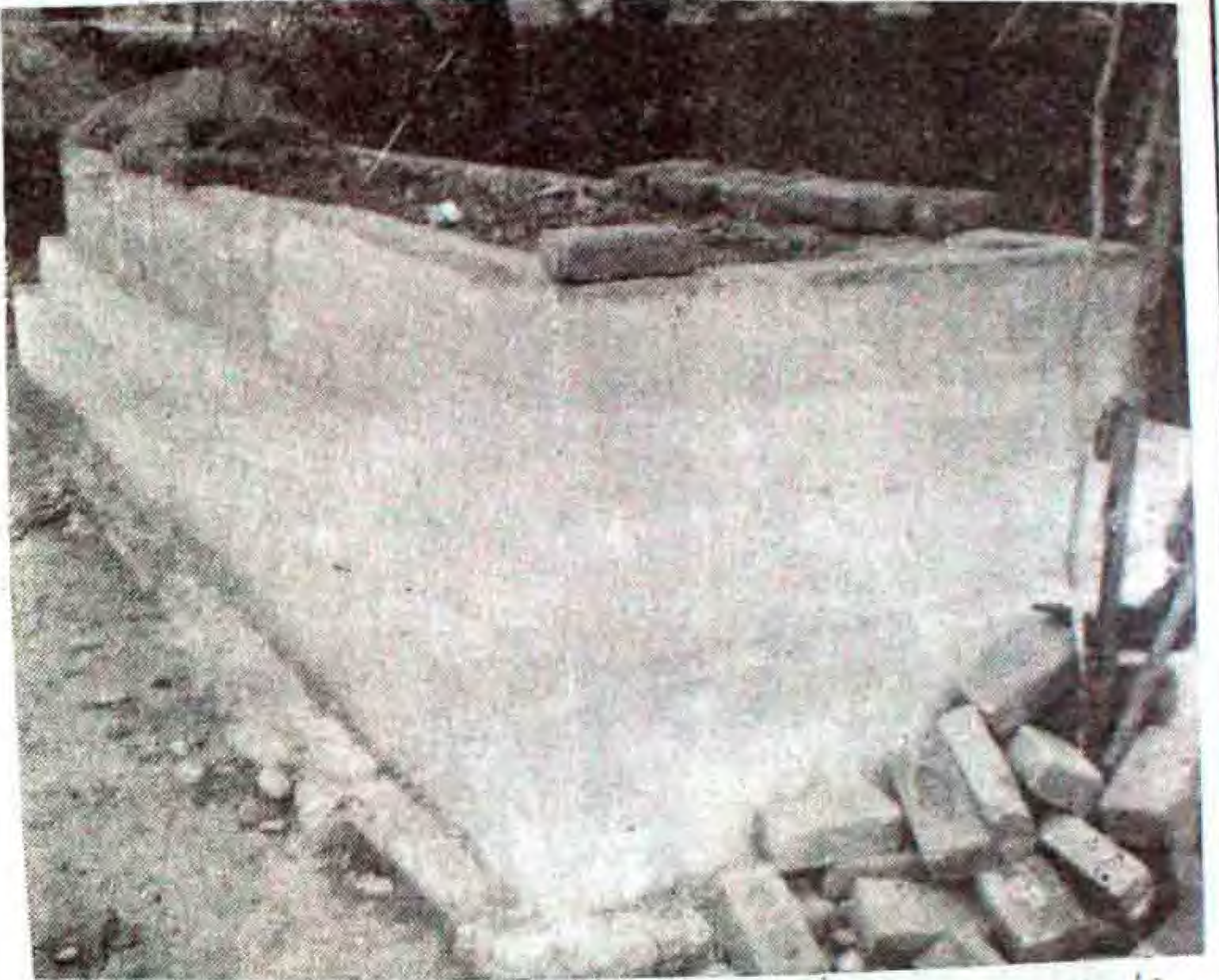
بنڈ ولہ وانہ روڈ کے قریب منزئی کے نزد حضرت سخی بابا کا مزار کہتے ہیں آپ نے یہاں سے پتھر پھنکا جو ملتان پہنچ گیا تھا۔

میں کئی نو گز لمبی قبریں ہیں راستہ دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ہم پہاڑوں میں نہ جا سکے اس 26 گز لمبے مزار کے قریب درختوں کے جھنڈ میں ایک اور نو گز لمبا مزار ہے قریب قبائلیوں کے چند رہائشی مکان میں چھوٹے چھوٹے بچوں نے گلے میں غلیل ڈال رکھی تھی جس سے وہ پرندوں کا شکار کرتے ہیں نالہ زریبز سے سارا سال ٹھنڈا اور میٹھا پانی مہیا ہوتا رہتا ہے کوٹ قلعہ میں اب ایف سی کا تھانہ ہے یہ پولیس یہاں کا نظم ونسق اور سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے واپسی پر ہم نے ڈبرہ کے قریب افغان بستی دیکھی اس بستی میں پتھروں سے تعمیر کردہ نو گز لمبا مزار ہے افغانستان کے لوگ جب واپس گھروں کو جاتے ہیں وہ اپنا سامان اس مزار کے قریب چھوڑ جاتے ہیں کوئی شخص اس سامان کو ہاتھ تک نہیں لگاتا واپس آنے پر انہیں ہر سامان صحیح حالت میں مل جاتا ہے اس افغان بستی میں افغان عورتوں کا حسن خدوخال یورپ کے حسن کو مات کر دیتا ہے نہ اچھی خوراک نہ میک اپ کا سامان لیکن قدرت کا عطا کردہ حسن اپنی مثال آپ ہوتا ہے ڈبرہ کے قریب سید عبدالرزاق" کا مزار ہے جو غوث پاک کی اولاد بتائے جاتے ہیں اس مزار پر اولیاء کرام حاضری دیتے رہتے ہیں یہاں بہت بڑا قبرستان ہے قریب کسی تباہ شدہ بستی کے آثار ملتے ہیں مزار کے ملحقہ ایک اور مزار ہے چار دیواری بھی ہے کھجور کے درختوں کے جھنڈ میں شہید بابا کا نو گز لمبا مزار ہے ڈبرہ کے اڈا پر حضرت محمد ایوب درویش بابا کا مزار ہے جن کا وصال 1982ء میں ہوا۔

حافظ شیر علی خطیب جامع مسجد پیر زین العابدین ڈبرہ ضلع ٹانک میں ان سے ملاقات ہوئی کمال شاہ ولد سردار علی ڈبرہ نے لنگی پیش کی جو اسرار احمد قادری نے راقم کے سر پر باندھی شیر غنی نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا ہوا کھانا پیش کیا محمد انور دکاندار نے سبز الائچی پیش کی شام کے قریب ہم سدرہ شریف کیلئے روانہ ہوئے دور سے ہی جب آستانہ عالیہ سدرہ شریف کے مینار نظر آئے اسرار احمد قادری نے سدرہ شریف کے بارے اپنے عقیدت کا اظہار کرنا شروع کر دیا کچے راستوں سے گزرتے ہوئے دشمنی والے علاقوں سے خیر عافیت سے گزر کر سدرہ شریف پہنچے پیر محمد انور شاہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ سدرہ


راقم ایم زمان کھوکھر ٹانک میں اسرار قادری کے ہمراہ بیٹھے ہیں

شریف بڑے پرخلوص طریقہ سے ملے ان کے ہمراہ نماز ادا کی پھر مزار پر حاضری دی پیر صاحب نے فرمایا کہ اس بار عرس پر پچاس ہزار عقیدت مندوں نے عرس میں شرکت کی۔ ان کے وسیع عریض دستر خوان پر تمام حاضرین نے لنگر کھایا۔ رات بارہ بجے انہوں نے اجازت دی ہم ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف روانہ ہوئے۔ خیر و عافیت سے اپنے مقام پر پہنچے شیخ بدیں ڈیرہ اسماعیل خان کا صحت افزا پہاڑی مقام ہے۔ جون جولائی میں یہ علاقہ سرد ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر شیخ بہاؤالدین کا مزار ہے انگریزوں نے یہاں ریسٹ ہاؤس تعمیر کر رکھا ہے ٹوٹی ہوئی شکستہ سڑک پہاڑ تک جاتی ہے شیخ بدیں پہاڑ کی چوٹی پر مسجد کے قریب غوث پاک کی چارپائی کے آثار بھی ملتے ہیں وقت کی قلت اور جیپ نہ ملنے کی وجہ سے شیخ بدیں کے پہاڑ پر مزار حضرت بہاؤالدین پر حاضری نہ ہو سکی۔ اور نہ ہی غوث پاک کی چارپائی کو دیکھ سکے۔ **21** مارچ کو دسویں محرم ڈیرہ اسماعیل میں کرفیو کا سماں تھا۔ ٹریفک بند ہونے کی وجہ سے ہم کسی طرف نہ جا سکے البتہ حضرت شیخ محمد یوسفؒ کے مزار پر حاضری دی اور تحت سلیمان کے بارے معلومات حاصل کیں رات **10** بجے گجرات کیلئے روانہ ہوا محمد شریف محمد نواز اس وقت تک اڈا پر کھڑے رہے جب تک گاڑی روانہ نہ ہوئی۔ یہ اُن کی پرخلوص ادا تھی جو ہمیشہ یاد رہے گی۔ ڈیرہ اسماعیل خان کا سوہن حلوہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔



ضلع ٹانک میں ڈبرہ کے نزدیک شہید بابا کا مزار یہ مزار سڑک کے کنارے پر ہے۔



جنوبی وزیرستان منزئی کے قریب مزار سخی بابا کے خدمت گزار زر محمد سے حاجی ایم زمان بکوکھر معلومات کر رہے ہیں عقب میں پتھروں سے تعمیر شدہ زیر زمین کمرہ نظر آتا ہے۔



ٹانک کے اسرار قادری حاجی ایم زمان کھوکھر کو اپنے علاقہ کی لنگی پیش کر رہے ہیں۔

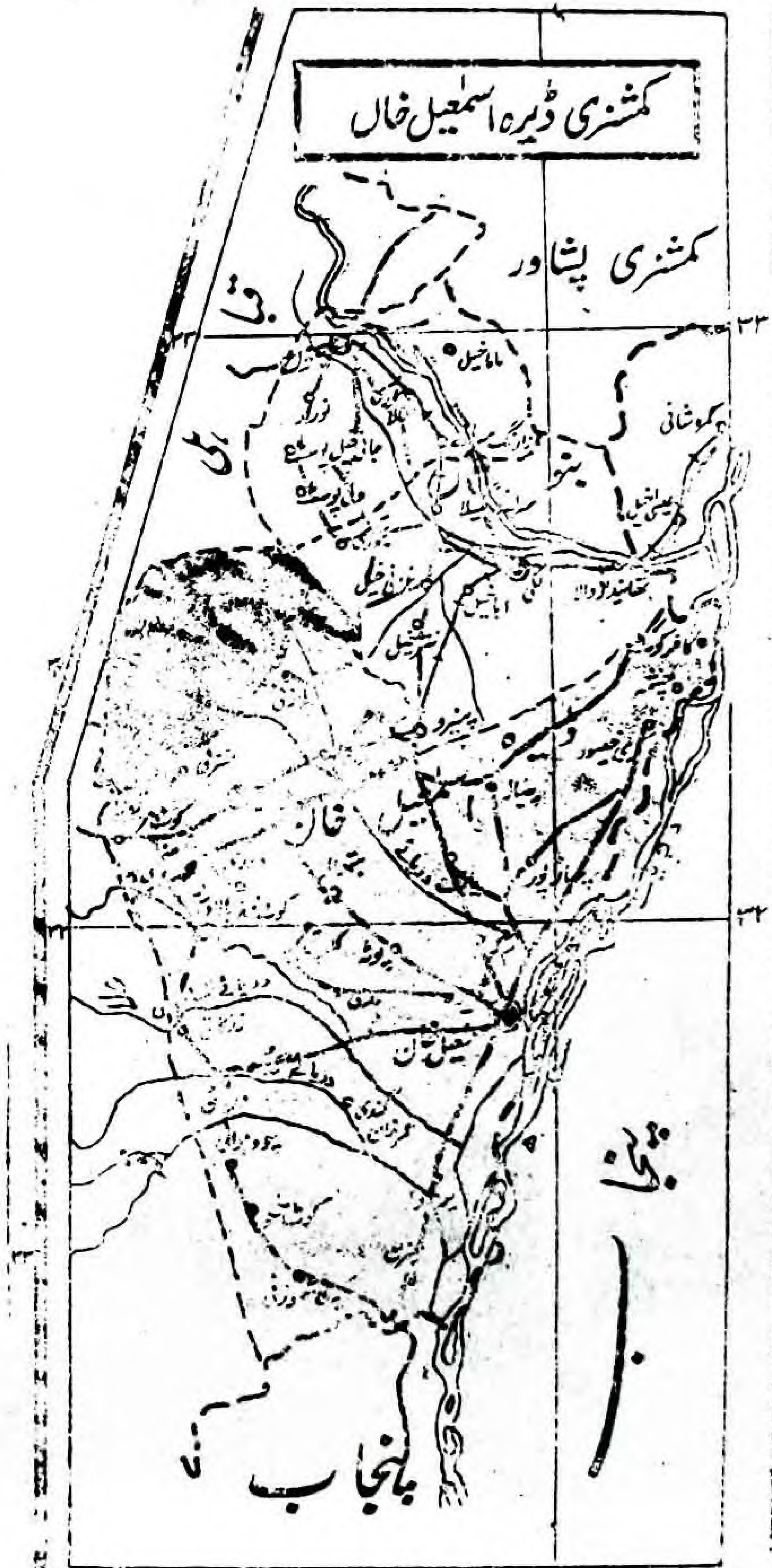
ٹانک میں حضرت سید صابر شاہؒ کا مزار

ٹانک صوبہ سرحد کا اہم ضلع ہے جو ڈیرہ اسمٰعیل سے تقریباً 40 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اس کا پانی خوش ذائقہ نہیں ہے لیکن ٹانک کے گردونواح بہت سرسبز شاداب علاقے ہیں۔ اور کئی چھوٹی بڑی آبی گزرگاہ ہیں۔ ٹانک کا بازار بہت لمبا ہے قبائلی علاقہ میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے بازار کے آخری سرے پر حضرت سید صابر شاہؒ کا قدیمی مزار ہے آپ کی آمد اور سن وصال کا علم نہیں ہوسکا۔ البتہ مزار خوبصورت اور شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کے صحن میں کئی بزرگوں کی قبریں ہیں۔ مزار کے احاطہ میں کئی قدیمی درخت ہیں آپ کے مزار کا بیرونی دروازہ شانداز انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ جس پر یہ عبارت تحریر ہے کہ مزار حضرت سید صابر شاہؒ۔ اسرار قادری نے بتایا وہ اس مزار پر عقیدت سے حاضری دیتے اور علاقہ بھر کے لوگ دن رات یہاں حاضری دیتے ہیں بیماروں کو شفا ملتی ہے حضرت سید صابر شاہ کا عرس ہر سال بڑے عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے دن رات عام لنگر تقسیم ہوتا ہے۔ حمد وثنا کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ راقم نے جب مزار حضرت سید صابر شاہ پر حاضری دی تو اسے بہت سرور حاصل ہوا کہ دور افتادہ علاقہ میں اللہ کے نیک بندے کے مزار پر حاضری کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ یہ سب بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔



مزار حضرت پیر صابر شاہ کے مزار پر حاجی ایم زمان کھوکھر اسرار احمد قادری دعا مانگ رہے ہیں۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان



کمشنری ڈیرہ اسمٰعیل خاں
کمشنری پشاور
بنوں
پنجاب

ڈیرہ اسماعیل خان کی کہانی ۔ محمد شریف کی زبانی

پرودگار عالم نے اس کائنات کو اور خصوصاً ہماری اس زمین کو جس پر ہم رہتے ہیں فطرتی حسن و جمال سے مالا مال کیا ہے۔ کہیں دلکش سبزہ زار ہیں تو کہیں ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے، کہیں ٹھاٹھیں مارتے دریا تو کہیں بلندیوں سے نیچے گرتی آبشاریں، جنگلوں اور پہاڑوں کے خوبصورت نظارے اور ان میں کھلے جنگلی پھولوں کی بہار، یہ سب کچھ انسان کو نہ صرف دعوت نظارہ ہے بلکہ معروفت خداوندی کا ایک بے مثال فلسفہ بھی ہے۔ بعض میدانوں اور صحراؤں میں بظاہر کچھ بھی نہیں ہوتا مگر ان پر نظر دوڑائیں تو ان کا اپنا ایک انفرادی حسن ہوتا ہے۔ صرف دیکھنے اور سمجھنے والی آنکھ چاہیے سیر و سیاحت دور دراز ممالک کی ہو یا اپنے وطن کی شائقین کے لئے اس میں بے پناہ کشش ہوتی ہے۔

ہمارے وطن پاکستان کو قدرت نے بعض ایسے دلکش مقامات عطا کئے ہیں کہ جو



ڈیرہ اسماعیل چھاؤنی میں چوک کا منظر

پر فضا اور جنت نظیر ہیں۔ ان حسین وادیوں میں کشمیر جنت نظیر کے علاوہ کاغان، سوات، گلگت، ہنزہ، چترال اور مغربی سرحدی پٹی کے ساتھ ساتھ واقع وادی بولان، کرم اور خیبر کی وادیاں شامل ہیں جن میں ایک خوبصورت وادی ''گومل'' بھی ہے۔

''وادی گومل'' ہمارے ملک پاکستان کے صوبہ سرحد کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ یہ وادی دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے شہر ڈیرہ اسماعیل خان سے لیکر مغرب میں کوہ سلیمان کے دامن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس وادی کا مرکزی شہر ڈیرہ اسماعیل خان جو درہ گومل کے سامنے ایک اہم چھاؤنی بھی ہے۔ اپنے خوبصورت دریائی پس منظر کے باعث نہایت دلکش نظارہ پیش کرتا ہے اور جسے یہاں کے لوگ محبت سے ''ڈیرہ پھلاں دا سہرا'' کہتے ہیں۔ اگر آپ یہاں شام کے وقت دریائے سندھ کے ساحل پر موجود ہوں تو افق مغرب کی جانب کوہ سلیمان کی مشہور چوٹی ''تخت سلیمان'' کے پیچھے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کا دلکش نظارہ آپ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

سندھ ساگر کا ساتھی اور وادی گومل کا تاریخی دروازہ ''ڈیرہ اسماعیل خان'' قدیم قوموں کی برصغیر پاک و ہند آمد کا راستہ بھی رہا ہے۔ قدیم کوچی خانہ بدوش صدیوں سے درہ گومل کے راستے سردیوں کا شدید موسم ڈیرہ اسماعیل خان کے میدانوں میں گزارنے کیلئے آیا کرتے تھے اور آج تک رہتے ہیں۔ اسی طرح اونٹوں کے قدیم تجارتی قافلے بھی اسی درہ گومل کے راستے افغانستان کے علاقے غزنی، قندھار اور ارغون کے شہر سے ڈیرہ اسماعیل خان کی جانب آیا کرتے تھے، یہ لوگ خالص دیسی گھی، ہینگ اور خشک میوہ جات لاتے اور اندرون پاوندہ گیٹ واقع تجارت گنج کی کارواں سراؤں میں قیام کیا کرتے تھے۔ ایک طویل عرصے تک یہ قدیم کاروان سرائیں تجارت گنج میں موجود رہیں مگر نئی تعمیرات سے اب ان کا وجود باقی نہیں رہا۔

وادی گومل کے مشہور شہر ڈیرہ اسماعیل خان کو مشرق میں دریائے سندھ پنجاب سے جدا کرتا ہے جبکہ اس کے شمال میں کوہ نیلا اور وچھی وادی اور دامان [illegible] پہاڑ اسے

بنوں کے علاقہ لکی مروت سے علیحدہ کرتے ہیں۔ مغرب میں کوہ سلیمان کا پہاڑی سلسلہ اس کی فیصل بنا ہوا ہے جس کے پیچھے قبائلی علاقہ وزیرستان اور ژوب (بلوچستان) واقع ہے۔ جنوب میں ضلع ڈیرہ غازیخان کی تحصیل تونسہ کی سرزمین ہے جہاں روحانی پیشوا حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کا تاریخی مزار واقع ہے۔

وادی گومل کی زمین زیادہ تر ہموار میدانی ہے۔ البتہ جنوبی وزیرستان کا علاقہ پہاڑی ہے۔ میدانی زمین زراعت کیلئے نہایت موزوں ہے مگر پانی کے مناسب وسائل نہ ہونے کے باعث بہت کم رقبہ زیر کاشت ہے البتہ دریائے سندھ اور چشمہ رائیٹ بینک کینال کے درمیان واقع زمینیں اب سرسبز و شاداب ہو چکی ہیں۔ اس لئے ڈھکی اور پہاڑ پور کا علاقہ نیم ریگستانی ہونے کے باوجود خاصا زرخیز ہے کوہ سلیمان میں کہیں کہیں آب سیاہ کے چشمے پائے جاتے ہیں۔ جن سے کوہ سلیمان کے دامن کی زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کشتی کے ذریعے دریائے سندھ کا نظارہ کر رہے ہیں

وادی کی باقی زمین کی سیرابی بارش اور رودکوہی نالوں سے کی جاتی ہے۔اس زمین کوعلاقائی زبان میں ''دامان'' کہا جاتا ہے۔گومل زام سکیم یا کسی متبادل آبپاشی کی تکمیل سے یہ علاقہ سرسبز وشاداب اور لہلہاتے کھیتوں میں بدل سکتا ہے۔

کوہ سلیمان کا پہاڑی سلسلہ دلکش مناظر سے بھرپور ہے خاص کر اسکی بلند ترین چوٹی پر واقع روایتی ''تخت سلیمان'' سیاحوں کیلئے کشش کا باعث ہے مگر راستوں کی دشواری، ذرائع آمدروفت کی مشکلات اور حفاظتی انتظامات کی کمی کے باعث سیاح حضرات اس جانب کم آتے ہیں براستہ مغلکوٹ ہائی وے کی تعمیر سے یہ وادی ژوب (بلوچستان) سے براہِ راست منسلک ہو جائے گی اور اس طرح آمدروفت کی سہولت سے اس طرح سیاحت کوفروغ مل سکتا ہے۔

وادی گومل کے اس موجودہ شہر ڈیرہ اسماعیل خان کو آباد ہوئے اگرچہ پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔تاہم وادی گومل کی اپنی تاریخ بہت پرانی ہے جسکا پتہ ہمیں ہندوؤں کی قدیم کتابوں،چینی سیاح ہیون سانگ اور مسلمان مراکشی سیاہ ابن بطوطہ کے سفر ناموں سے ملتا ہے۔۷۳۴ھ میں ابن بطوطہ ملتان جاتے ہوئے دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ وادی گومل کی سرزمین ڈیرہ اسماعیل خان سے گزرا تھا۔اگرچہ اس وقت اس علاقے کا نام ڈیرہ اسماعیل خان نہ تھا۔ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سندھ کے کنارے آباد یہاں کے لوگ بڑے ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔

ہندوؤں کی قدیم کتابوں سے پتہ چلتا ہے دریائے سندھ کا قدیم نام اباسین تھا۔ افغانستان سے ہندوستان جانے والی دو مشہور شاہرائیں اس علاقے سے گزرتی تھیں۔ایک شاہراہ غزنی سے درہ شیخ حیدر سے گزرکر درابن۔چودھوان اور گرڑانگ سے ہوتی ہوئی ملتان اور وہاں سے بمبئی چلی جاتی تھی۔دوسری شاہراہ غزنی سے رحمان ڈھیری کے راستے لاہور اور دہلی جاتی تھی۔بعض خانہ بدوشوں نے ان شاہراؤں کے کنارے مستقل بستیاں بسالیں اور اس طرح وادی گومل آباد ہوتی چلی گئی۔یہ آبادکار ہندومت اور بدھ مت سے

تعلق رکھتے تھے۔ اکثر و بیشتر راجپوت، لنگاہ اور سرائی قبیلوں کے لوگ تھے۔ دریائے سندھ
اس زمانے میں چشمہ کڑی خسور اور بلوٹ شریف کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر بہتا تھا۔ حیدر آباد
(سندھ) سے کالا باغ تک بآسانی کشتیاں چلی آتی تھیں۔

ظہور اسلام سے پہلے ڈیرہ اسماعیل خان کی وادی گومل میں واقع دریائے گومل
ایک مستقل دریا تھا جو افغانستان سے نکل کر کوہ سلیمان سے گزرتا ہوا علاقہ دامان میں داخل
ہوتا تھا اور موجودہ بستی حسام کے قریب دریائے سندھ میں گرتا تھا۔ کوہ سلیمان میں اس دریا



ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب دریائے سندھ کا ٹھنڈا میٹھا پانی شہریوں کو مہیا کیا جاتا ہے

کی گزرگاہ کو درہ گومل کہتے ہیں۔ یہ درہ افغانستان اور ہندوستان کے درمیان طورخم کے بعد
آسان ترین راستہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دریا خشک ہوگیا اور اکثر آبادیاں ختم
ہوگئیں۔

وادی گومل کے موجودہ شہر ڈیرہ اسماعیل خان کی بنیاد ۱۴۶۹ء میں ایک بلوچ
سردار سہراب خان نے رکھی جو اسماعیل خان کا والد تھا۔ سہراب خان بلوچ ملتان کے گورنر
قطب الدین خان کے ہاں ایک مکرانی پلٹن کا صوبیدار تھا۔ اُس نے ڈیرہ اسماعیل خان کے
قریب دریائے سندھ کے دونوں کنارے جنہیں اُس زمان میں گھاٹ کہتے تھے اور آج کل
پتن، سہراب خان کے حوالے کئے، چنانچہ ڈیرہ دریا خان کے قدیم گھاٹ پر دریائے سندھ
میں کشتیاں چلانے اور مسافروں کو دریا پار لانے لے جانے کا کام سہراب خان نے
سنبھالا۔ اس وقت دریا پار کرنے اور پنجاب پہنچنے کے لئے دو مشہور گھاٹ تھے۔ ایک ڈیرہ
داجل گھاٹ اور دوسرا زرخیز کچا گھاٹ، ڈیرہ داجل گھاٹ سے لوگ دریا خان پہنچتے تھے
اور یہ گھاٹ سے پنجاب کے شہر بھکر۔ ۱۴۶۹ء میں اس نے سندھ کے مغربی کنارے پر کئی
گھرانے آباد کر کے بستی کا نام سہراب گھاٹ رکھا۔ سہراب خان خود پتن پر رہتا تھا اور بستی میں
تمام کام اس کے بیٹے اسماعیل خان کے سپرد تھے لہٰذا عوام میں سہراب خان کے مقابلے میں
اسماعیل خان کی پہچان زیادہ تھی۔ اس لئے یہ بستی گھاٹ اسماعیل خان کے نام سے مشہور ہوئی۔
کچھ عرصہ بعد گھاٹ کا لفظ ''ڈیرہ'' سے بدل گیا اور یہ علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان کہلانے لگا۔

بلوچ خاندان تقریباً تین سو سال تک یہاں برسراقتدار رہا جن کا پہلا سردار
سہراب خان اور آخری سردار نصرت خان تھا۔ بلوچوں کے بعد یہ اقتدار سدوزئی خاندان
میں منتقل ہوگیا۔ جو یہاں چالیس سال حکمران رہے سدوزیوں سے یہ اقتدار سکھوں نے
چھینا اور یہ علاقہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زیرنگیں رہا۔ جسکا مقام لاہور تھا۔ سکھوں نے بارہ
سال ڈیرہ اسماعیل خان پر حکومت کی۔ ملٹری ڈیری فارم کے قریب واقع قلعہ اکال گڑھ سکھ
دور کی یادگار ہے جس کا نام آجکل قلعہ اقبال گڑھ رکھ دیا گیا ہے۔

گومل کی وادی اپنے منفرد صحرائی ونخلستانی حسن فطرت کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی پس منظر بھی رکھتی ہے اور یہاں چاروں طرف دور دور تک آثارِ قدیمہ بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔ جن میں قصبہ بلوٹ شریف کی پہاڑی کے پاس کافرکوٹ کے تاریخی آثار سب سے زیادہ اہم اور مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی حالت میں محفوظ ہیں۔ تاہم بے توجہی اور نگہداشت کی کمی کے باعث یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں موجودہ گاؤں بلوٹ راجہ بل کی ریاست تھی، جو راجہ جے پال کا باجگذار تھا۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر کھجور کے درختوں سے ڈھکا ہوا شہر بل کوٹ اس کا صدر مقام تھا۔ یہی بل کوٹ بگڑ کر بعد میں بلوٹ بن گی۔

کافرکوٹ کے یہ آثار ڈیرہ چشمہ روڈ پر ہیڈ بلوٹ سے چند فرلانگ کی دوری پر پہاڑی ٹیلوں پہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی میں یہ قلعہ اور ملحقہ مندروں کی عمارات کسی ہندو راجپوت راجہ نے تعمیر کرائی تھیں۔ قلعے کو سلطان محمود غزنوی نے آج سے ایک ہزار پہلے مسمار کر دیا تاہم مندروں کی عمارات جن کی تعداد چھ ہے ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر کسی قدر شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ وادی گومل کے آثار میں دوسرے نمبر پر رحمان ڈھیری کے کھنڈرات ہیں۔ جو ڈیرہ سے پشاور جانے والی سڑک پر پشہ پل سے چند کلومیٹر آگے گرہ رحمان کے قریب واقع ہیں پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ نے یہاں ۱۹۷۱ء میں کھدائی کی تھی یہاں سے نکلنے والے برتن اور نوادرات پشاور میوزیم میں رکھے گئے ہیں۔ تاہم یہاں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

ان آثارِ قدیمہ کے علاوہ بلوٹ میں قبرستان حضرت شاہ عیسیٰؒ، کلاچی کے قریب میاں نور پہاڑی کا قبرستان، کلاچی کے قریب ہی شادا ڈھیری، کنوڑی ڈھیری اور گومل حیات ڈھیری وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ وادی گومل میں لال ماہڑہ کے کھنڈرات، رمک کے قریب قلعہ گڑانک کے آثار اور کوہِ سلیمان کے دامن میں درابن کا قلعہ اور چودھوان کا قلعہ مشہور تاریخی آثار قدیمہ میں شامل ہیں۔ ان تاریخی آثار کو بچانے کیلئے حفاظتی انتظامات کی ضرورت ہے۔

وادی گومل کے علاقے میں ڈیرہ اسماعیل خان کے بعد مشہور شہروں اور قصبوں میں ٹانک، کلاچی، پہاڑ پور، ڈھکی، پنیالہ، درابن، پرِوا، اور گومل بازار زیادہ اہم ہیں۔ بلوٹ کا علاقہ مخدوم صاحب آف بلوٹ کی جاگیر ہے۔ جو انہیں ہند کے بادشاہ سلطان سکندر لودھی نے عطا کی تھی۔ ٹانک کا بڑا اور کاروباری شہر ایک مشہور بزرگ پیر صابر شاہؒ کے مزار کے باعث مشہور ہے۔ جہاں سالانہ عرس ہوتا ہے۔ میلہ مویشیاں کے علاوہ دیگر علاقائی میلوں میں چیت کا میلہ بلوٹ اور چودھوان کا میلہ شاہ عالم مشہور ہیں۔ پہاڑ پور قصبے کے مضافات میں پھیلے کھجوروں کے جھنڈ بہترین نخلستانی مناظر پیش کرتے ہیں۔ پہاڑ پور اور ڈھکی کا علاقہ کھجوروں کی عمدہ اقسام کیلئے پوری دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ پنیالہ کا پہاڑی گاؤں میٹھے پانی کے چشموں اور قلمی آموں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کی پہاڑی بلندیوں سے مضافات کے خوبصورت اور دلفریب نظارے نہایت روح پرور ہیں۔ شیخ بدین پہاڑ کی چوٹیاں انگریزی دور میں ایک خوبصورت اور صحت افزا مقام کے طور پر بارونق اور پرفضا تھیں مگر وہاں آجکل ویرانی کا راج ہے۔

کلاچی کا علاقہ پورے پاکستان میں خربوزوں کی لذیز ترین اقسام کیلئے شہرت رکھتا ہے۔ درابن اور چودھوان میں بھی باغات موجود ہیں۔ چودھوان کے قریب کوہ سلیمان میں مارخور پہاڑی بکروں کی ایک منفرد قسم پائی جاتی ہے جسکے سینگ بالکل سیدھے ہوتے ہیں۔

وادی گومل کی معروف زبانیں سرائیکی اور پشتو ہیں۔ تحصیل ڈیرہ اسماعیل خان اور تحصیل پہاڑ پور میں سرائیکی، ٹانک میں پشتو بولی جاتی ہے جبکہ سرائیکی بھی سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ اسی طرح کلاچی میں پشتو اور سرائیکی دونوں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجر اُردو بولتے ہیں۔ وادی گومل کی 80 فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ جن میں کچھ پٹھان اور باقی جاٹ ہیں۔ اہم قوموں میں اور قبیلوں میں بلوچ، سدوزئی، علیزئی، کنڈی، مروت، کئی خیل، خیسور، گنڈہ پور، میانخیل، بابڑ، استرانہ اور نیازی

زیادہ مشہور ہیں۔ عام طور پر علاقے میں سادہ لباس شلوار قمیض پہنا جاتا ہے۔ دیہاتی لوگ کرتہ دھوتی اور پگڑی بھی پہنتے ہیں۔ پٹھان شلوار قمیض کے ساتھ واسکٹ لنگی اور پاؤں میں چپلی پہنتے ہیں۔ وادی گومل کی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ صرف کہیں کہیں تھوڑی تعداد میں اقلیتی ہندو اور عیسائی رہتے ہیں۔ اس وادی کے لوگ غریب محنت کش، مزدوری پیشہ، خوش باش، خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے یہ علاقہ غربت کے باعث بہت پیچھے ہے، مگر یہاں ذہانت اور جوہر قابل کی کمی نہیں۔ صرف اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ کئی سکولوں، کالجوں اور تعلیمی اداروں کے علاوہ یہاں ایک یونیورسٹی بھی موجود ہے جسکا نام وادی گومل کے نام پر ''گومل یونیورسٹی'' رکھا گیا ہے۔ اس کا قیام ۱۹۷۳ء میں عمل میں آیا اور اس وقت کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اس کا افتتاح کیا۔ اس یونیورسٹی کے لئے زمین نوابزادہ اللہ نواز خان سدوزئی نے بطور عطیہ دی۔ جو اس کے پہلے وائس چانسلر بھی تھے۔

وادی گومل کے صحت افزا مقامات میں کوہ شیخ بدین کی چوٹی، تخت سلیمان کی چوٹی اور پنیالے کا قصبہ مشہور ہیں۔ اسکے علاوہ شہر ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب سندھ کا ساحل دریا بھی سیر و تفریح کے اہم مقامات میں شمار ہوتا ہے اور یہاں کے مناظر پاکستان کے چند دلکش نظاروں میں سے ہیں۔ تاہم اس پر مزید توجہ سے ساحل دریا کو اور بھی خوش منظر بنایا جا سکتا ہے۔ جمعہ کے روز دریائے سندھ کے ساحل کی رونق قابلِ دید ہوتی ہے۔ کیونکہ شہر کے اکثر باشندے اور نوجوان یہاں پکنک منانے کیلئے آتے ہیں۔

وادی گومل کی تاریخ اس کے آثار قدیمہ اور منفرد پہاڑی و میدانی مناظر نہ صرف سیاحت کے شائقین بلکہ ہمارے طلباء کو بھی دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ صرف اس کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت ہے۔

ڈیرہ پھلاں دا سہرا

مدثر شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں

ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اطراف میں گول سڑک صدیوں سے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے چاروں اطراف گولائی کی صورت گھومتی ہوئی نظر آتی ہے اور سارے شہر کا احاطہ کرتی ہے اس سڑک کی لمبائی **18** ہزار فٹ کے قریب تھی **1901** کے دور میں یہ سڑک بہت بارونق اور قابل دید تھی سڑک پختہ اینٹوں سے بنائی گئی تھی اس سڑک کے دونوں اطراف سرخی بچھائی گئی تھی سڑک کے دونوں اطراف میں چودہ فٹ چوڑے گھاس کے گراس گراؤنڈ بنائے گئے تھے یہ گراس گراؤنڈ سڑک کے ساتھ ساتھ چاروں اطراف میں موجود تھے اس گراس گراؤنڈ میں قسم قسم کے پھول ہر موسم میں کھلتے ہیں سدا بہار پھلدار پودے بھی



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب کوٹلہ لودھیاں میں کھجوروں کے باغ

تھے ان میں ایک ایسا پودہ بھی تھا جو سارا سال بہار کی مانند رہتا سفید اور سرخ پھول اس پر کھلتے جو بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ گراس گراؤنڈ کے باہر درختوں کی قطاریں تھیں نئے نئے درخت بھی اگائے جاتے تھے گراس گراؤنڈ سے پھولوں کی بہار باہر کی طرف سرسبز درختوں کی قطار اور درمیان میں گھومتی چکر کھاتی پختہ سڑک بہت دلفریب منظر پیش کرتی گراس گراؤنڈ کی سیرابی کیلئے خاطر خواہ انتظام تھا جو کہ سڑک کے کنارے بہنے والے نالوں سے سیراب ہوتا تھا۔ ہر ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تالاب تھے یہ تالاب پختہ تھے ہر وقت پانی سے بھرے رہتے ہر فرلانگ کے فاصلہ پر جو مالی مقرر ہوتا تالاب کا پانی، پھولوں کی سیرابی کیلئے استعمال کرتا مالی کے علاوہ ہر فرلانگ کے فاصلہ پر ایک بہشتی مقرر ہوا کرتا تھا جو ایک فرلانگ سڑک پر دونوں وقت صبح شام چھڑکاؤ کیا کرتا تھا اتنے اچھے انتظام ہونے کی وجہ سے گول سڑک اور گراس گراؤنڈ کافی دیدہ زیب تھے۔ اور سیرگاہ کی حیثیت رکھتے تھے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے تمام معزز شہری اپنے بچوں سمیت ہر وقت یہاں بیٹھے رہتے اور پھولوں کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کیلئے یہ ترجیحات بھی برطانوی دور کی تھیں برطانیہ حکومت کو پورا پورا عروج حاصل تھا۔ برطانوی حکومت سڑک کی طرف پوری توجہ دے رہی تھی آج ۲۰۰۱ء میں اسی پرانی سڑک پر اب بھی کہیں کہیں گراؤنڈ کے صرف نشانات نظر آتے ہیں جس جگہ پھولوں کی مہک تھی پھولوں کے صدابہار پودے تھے۔ آج وہاں ویرانی ہے ہزاروں درخت جو قطاروں میں کھڑے تھے آج وہاں کچھ نہیں سوائے چند پرانے درختوں کے جو کہ بوسیدہ خاموش کھڑے اپنی بہار کے دن یاد کر کے ڈیرہ اسمٰعیل خان کی عظمت رفتہ کو رو رہے ہیں۔ کسی نے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے بارے خوب کہا ہے ڈیرہ پھلاں دا سہرا۔

حضرت سلیمانؑ اور تخت سلیمانؑ

تخت سلیمان صوبہ سرحد کے مشہور قدیمی تاریخی روحانی شہر ڈیرہ اسماعیل خان کے مغرب کی جانب کوہ سلیمان کے پہاڑوں کی بلند ترین چوٹی پر ہے۔ تخت سلیمان کے بارے جائزہ لینے کے لئے راقم نے تین بار ڈیرہ اسماعیل خان کا دورہ کیا۔ قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری کیلئے راہنمائی کے فرائض ڈیرہ اسماعیل خان کی علمی ادبی روحانی شخصیت محمد شریف نے سرانجام دیئے۔ 15 اپریل 2001ء کو تخت سلیمان دیکھنے کیلئے پروگرام بنا لیکن شدید بارش کی وجہ سے پروگرام ملتوی کرنا پڑا ماہ مارچ اور اپریل کا موسم بھی عجیب سا ہوتا ہے دھوپ اچانک سیاہ بادل تیز آندھی بارش اور ساتھ ہی ژالہ باری بھی شروع ہو جاتی ہے۔ اس موسم میں سیاح محتاط انداز میں سفر کرتے ہیں۔ اگست 2001ء کو دوبارہ ڈیرہ اسماعیل خاں کا مطالعاتی دورہ کیا۔ لیکن اگست میں ڈیرہ کی گرمی میں برداشت نہ کر سکا۔ سدرہ شریف اور کلاچی کے دورہ کے بعد واپس گجرات آنا پڑا۔

سال 2002ء تمیں مارچ اور محرم کی چھٹیوں میں تیسری بار پھر ڈیرہ اسماعیل خان جانے کا اتفاق



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب کوہِ سلیمان کے پہاڑوں میں تخت سلیمان

ہوا۔ محمد شریف اور محمد نواز کے ہمراہ تخت سلیمان تک پہنچنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں راہنمائی کے فرائض محمد اقبال اور میزبانی عبداللہ شاہ ایڈووکیٹ آف درابن کے حصہ میں آئی۔ آستانہ عالیہ موسیٰ زئی اور چودھوان اور آثار قدیمہ جنہیں مقامی زبان میں پرانی ڈھیری کہتے ہیں۔ یہ ڈھیریاں قبل از مسیح کے دور کی ہیں۔ ان مقامات پر حاضری اور معلومات لینے کے بعد جب ہم نے کوہ سلیمان کے دامن میں تخت سلیمان کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو مقامی لوگوں نے بتایا کہ تخت سلیمان تک پہنچنے کے لئے دو دن کی مسافت ہے راستہ انتہائی دشوار اور خطرناک ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ بات کہ ان دنوں وہاں سخت سردی ہے تخت سلیمان پر پہنچنے کے لئے جولائی اور اگست کے مہینے سازگار ہوتے ہیں برف پگھل جاتی ہے۔

کتاب تاریخ پشتون از سردار شیر محمد خان گنڈاپور جس کا ترجمہ سراج احمد علوی نے کیا ہے صفحہ نمبر 155 پر حضرت سلیمانؑ اور انکی نبوت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"جب حضرت داؤد علیہ السلام چالیس سال نبوت و خلافت اور تقویت دین و ملت موسوی کے



تخت سلیمان کی چوتی پر رھائشی کمرے

فرائض انجام دے کر بعمر سو سال یا ایک قول کے مطابق ایک سو بیس سال راہی روضہ رضوان ہوئے حضرت سلیمانؑ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ ان کی یہ دُعا قبول ہوئی اور تمام انس و جن اور حوش وطیور آپکے منقاد و مطیع ہو گئے۔ ہوا بھی انکی تابع تھی چڑیوں کی بولیوں کا علم انکو عطا ہوا۔

روضتہ الصفاء کی روایت یہ ہے کہ آنحضرات نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنے ایوان کے متصل بارہ فرسنگ لمبا اور اور بارہ فرسنگ چوڑا ہموار میدان بنوایا اور حکم دیا اس میں چاندی سونے کی اینٹوں کا فرش لگایا جائے۔ اس میدان میں روزانہ سونے کا جڑاؤ تخت بچھایا جاتا تھا اور آصف بن برخیا تخت سے بالکل قریب ایک سونے کی کرسی پر بیٹھا کرتے تھے اور امور مملکت سرانجام دیتے تھے اور چار ہزار کرسیوں پر دوسرے دانشمند تشریف فرما ہوتے اور تخت کے عقب میں آدمیوں' دیوؤں اور پریوں کے چار ہزار مخصوص افراد کھڑے رہتے اور حضرت سلیمان کے تخت پر ان کے لشکریوں کے سر پر چڑیاں پر پھیلائے سایہ کئے رہتی تھیں۔ شیاطین نے دو مصنوعی شیر بنائے تھے جن کی پشت پر حضرت سلیمان کا تخت قائم تھا اور ایسا طلسمی نظام بنایا تھا کہ جب حضرت سلیمانؑ تخت پر بیٹھنے کا ارادہ کرتے دونوں شیر اپنے ہاتھ اٹھا کر جوڑ لیتے اور حضرت سلیمانؑ ان پر پاؤں رکھ کر بالائے تخت پہنچ جاتے۔ منقول ہے کہ حضرت سلیمان کی وفات کے بعد ایک بادشاہ نے اس تخت پر بیٹھنا چاہا تو ایک شیر نے اس کے پیر پر اتنی زور سے پنجہ مارا کہ اسکی پنڈلی ٹوٹ گئی اور اسکی آرزو پوری نہ ہوئی۔

محمد شریف کے ایک تحقیقی مقالہ کے مطابق تخت سلیمان ڈیرہ اسماعیل کے مغرب میں کوہ سلیمان پر واقع ہے جسکی بلندی چار ہزار فٹ سے زیادہ ہے بڑا ٹھنڈا اور صحت افزاء مقام ہے اس پہاڑ پر سخت گرمیوں کے موسم میں بھی پہاڑی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ زائرین بڑی مشکل سے وہاں تک پہنچ پاتے ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل سے پی آئی اے کی پرواز جب ژوب کیلئے روانہ ہوتی ہے تو یہ جہاز تخت سلیمان کے اوپر سے گزرتا ہے۔ قدیم ایام میں ہندو اسے ''ستی پرلاد پربت'' کہتے تھے اور آج بھی اسی نام سے پکارتے ہیں اور اہل فارس اسے کوہ سلیمان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوران سیر و سیاحت اس پہاڑ کی ہموار سطح پر اپنا تخت اتار کر کچھ دیر آرام فرمایا تھا اور اسی روز سے

اسکا نام کوہ سلیمان پڑ گیا اور جس جگہ حضرت سلیمانؑ کا تخت اترا تھا اسے آج بھی تخت سلیمان کہتے ہیں۔
کوہ سلیمان کے بارے میں یہ روایت زبان زد خاص و عام ہے کہ جن وانس، پرند و چرند کے فرمانروا اور پیغمبر خدا حضرت سلیمان کا دربار اس پہاڑ کی چوٹی پر سجا کرتا تھا یا پھر ہوا کے دوش سلیمانی تخت کبھی یہاں آ کر رکا تھا۔ اسلئے پہاڑ کا نام کوہ سلیمان پڑ گیا اور اس کی چوٹی جو سطح سمندر سے تقریباً بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے تخت سلیمان سے موسوم ہو گئی۔ اس چوٹی پر پانچ فٹ چوڑا اور چھ فٹ لمبا سنگ مرمر کا مصلح نما چبوترہ موجود ہے جسے لوگ حضرت سلیمان کی مسند کی جگہ قرار دیتے ہیں اور ہر سال موسم گرما میں سینکڑوں کی تعداد میں زائرین دو دن کی پیدل مسافت طے کر کے اس چوٹی پر پہنچتے ہیں اور متذکرہ پتھر پر ذکر و اذکار اور نوافل ادا کرتے ہیں بلندی پر واقع ہونیکی وجہ سے یہ چوٹی مسلسل چھ ماہ تک برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ سے نسبت کے علاوہ چوٹی پر پشتون قوم کے جد امجد حضرت قیس بن عبدالرشید (صحابی رسول) کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔
جب پٹھانوں کے جد امجد قیس عبدالرشید (جنہیں صحابی رسول ہونے کا شرف حاصل تھا نے جہاد



تخت سلیمان پر پہنچنے والے محمد ہاشم اعوان محمد نواز کے ہمراہ

کی نیت سے اس کوہستان پر حملہ کیا اور اسے کفار سے خالی کرایا تو افغانوں نے اسے افغانی زبان میں ''قیسی غر'' یعنی کوہ قیسی کہنا شروع کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ قیس عبدالرشید نے وہیں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ چند سال پہلے اس سرسبز و شاداب پہاڑ پر پہاڑی بکرے، مارخور، ہرن، ریچھ، چکور و دیگر جنگلی جانور انتہائی وافر مقدار میں موجود تھے۔

موسم سازگار ہونے کی وجہ سے ہم تخت سلیمان تک نہ پہنچ سکے۔ میں نے تجویز دی کہ ڈیرہ اسماعیل خاں میں اس شخص سے ملاقات کی جائے جو تخت سلیمانؑ پر گیا ہو محمد نواز نے بتایا میرے چچازاد بھائی ہاشم خان اعوان تخت سلیمان تک پہنچے ہیں چنانچہ ہم ہاشم خان سے ملاقات کر کے اس سے تخت سلیمان تک پہنچنے کے واقعات پوچھے۔ ہاشم اعوان نے بتایا جس پہاڑ پر تخت سلیمان واقع ہے وہ کوہ سلیمان کے نام سے مشہور ہے۔ ڈیرہ اسمائیل خان سے درہ زندہ تقریباً 53 میل ہے وہاں سے راغہ سر تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ہے، راغہ سر سے پیدل دو دن کی مسافت ہے۔ لیکن تجربہ کار سیاح یہ مسافت ایک دن میں طے کر لیتے ہیں اس سفر میں ہاشم خان کے ساتھ ان کا بھانجہ اطلس خان بلوچ بھی تھا۔ وہ ڈیرہ اسماعیل خان سے تین بجے رات اپنی گاڑی سے اس سفر پر روانہ ہوئے۔ سات گھنٹے کی مسافت کے بعد صبح سات بجے راغہ سر پہنچے۔ خوبصورت وادی کا راستہ کافی دشوار ہے تخت سلیمان تک پہنچنے سے دو گھنٹے قبل پانی کے آثار ختم ہو جاتے ہیں۔ تخت سلیمان تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہیں، مقامی گائیڈ کے بغیر وہاں پر پہنچنا ناممکن ہے۔ راغہ سر سے خورد و نوش کا سامان اور گائیڈ حاصل کیا۔ گائیڈ کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ راغہ سر سے پونگا گاؤں تک چھ گھنٹے کی مسافت ہے۔ پونگا میں تخت سلیمان تک جانے والے ایک رات قیام کرتے ہیں۔ پونگا گاؤں پہاڑ کی بلندی پر ہے یہاں کے رہنے والے نیچے سے آنے والے کو دیکھ کر اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ مقامی باشندہ ہے یا مسافر ہے۔ پونگا کے لوگ مسافر کے لئے گھر سے جو کچھ ملے لے آتے ہیں اپنی مہمان نوازی کی روایات کو قائم رکھا ہوا ہے مسافر مہمان کے قیام کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر رکھی ہے۔ جو راستہ میں ہی آتی ہے دوران سفر پانی کا مشکیزہ اپنے ہمراہ ضرور ہونا چاہیے۔ گائیڈ اجرت پر پانی کا مشکیزہ اور خورد و نوش کا سامان بھی اٹھا لیتا ہے۔ تخت سلیمان تک راستہ بہت دشوار ہے اگر کوئی سیاح تخت سلیمان تک جانے کے لئے کمر بستہ ہو جائے تو راستہ میں خدا سے یہ دعا مانگتا ہے یا اللہ مجھے صحیح سلامت گھر پہنچا دے۔ پہاڑ کی چوٹی سے اونٹ

گر جائے تو اس کی ہڈی تک نہیں ملتی۔ تخت سلیمان کے قریب ایک مقام پر پہاڑ عمودی ہے یہاں پہاڑ میں پاؤں رکھنے کیلئے سوراخ بنائے گئے ہیں تخت سلیمان تک پہنچنے کے لئے سفر کا یہ حصہ بہت خطرناک اور جان لیوا بھی ہوسکتا ہے۔ تخت سلیمانؑ کا رنگ زردی مائل ہے لمبائی چھ فٹ اور چوڑائی پانچ فٹ ہے۔ موٹائی ایک فٹ ہے یہ تخت پہاڑ پر شیڈ کی مانند باہر نکلا ہوا ہے۔ تخت سلیمان کے دو اطراف میں پہاڑ جبکہ دو خالی ہیں۔ خالی اطراف پر لکڑی اور پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ تاکہ کوئی سیاح مسافر نیچے گر نہ پڑے۔ تخت سلیمان پر کھڑے ہو کر دور دراز تک سرسبز درخت پہاڑوں کا نظارہ برف پوش چوٹیاں ایک خوبصورت منظر پیش کرتی ہیں۔ یہ پہاڑ چلغوزہ کے درختوں سے بھرے پڑے۔ ہیں۔ چلغوزہ خشک پھل ہے سردیوں ڈرائی فروٹ کی دکانوں پر فروخت ہوتا ہے تخت سلیمان کے دشوار گزار پہاڑوں سے چلغوزہ اکٹھے کرنے والے بہت کم لوگ ہیں یوں چلغوزہ پہاڑوں میں گل جاتے ہیں۔ تخت سلیمان کے قریب نماز ادا کرنے کی جگہ بھی ہے روایت ہے اس مقام پر حضرت سلیمانؑ عبادت کیا کرتے تھے۔ تخت سلیمان کے قریب اٹھارہ فٹ لمبا اٹھارہ فٹ چوڑا کمرہ ہے کمرہ میں چائے روٹی سالن چاول پکانے کے لئے چھوٹے بڑے برتن رکھے ہوئے ہیں۔ چلغوزہ کی لکڑی عام مل جاتی ہے یہ لکڑی فوراً آگ پکڑ لیتی ہے۔ چلغوزہ کا درخت سفیدہ کے درخت کی مانند لمبا ہوا ہے۔ تخت سلیمان تک پہنچنے والے اس کمرہ میں رات قیام کرتے ہیں۔ جولائی اگست میں یہاں اتنی سردی ہوتی ہے کہ رات کو آگ جلانی پڑتی ہے تخت سلیمانی کی بابت مختلف روایات ہیں یہاں پر حضرت سلیمانؑ کچھ وقت کے لئے ملکہ بلقیس کے ہمراہ ٹھہرے تھے۔ پہاڑوں کے دامن میں رہنے والے لوگ غربت سے دوچار ہیں۔ عورتوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں ہوتے۔ زندگی بھر ننگے پاؤں پھرتے رہنے سے ان عورتوں کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی مانند سخت ہیں۔

محمد ہاشم اعوان نے بتایا کہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام سے بہت عقیدت ہے اس عقیدت اور جذبہ سے تخت سلیمان پر حاضری دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے عقیدت کی بناء پر مسجد کا نام بھی مسجد سلیمان رکھا ہے۔ محمد ہاشم مہم جو قسم کے انسان ہیں انہوں نے تخت سلیمان کے فوٹو ہمارے حوالے کئے۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ چلغوزہ کی فصل جب پک جائے اسے محفوظ کرنے کے لئے طریقہ کار اختیار کیا جائے، صحت افزاء مقام تخت سلیمان تک جانے کے لئے راستہ تعمیر کیا جائے اور تخت سلیمان صحت افزاء مقام کو عوام میں روشناس کرایا جائے۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب لعل ماڑھا کے کھنڈرات

جو ہندیرے کے نام سے مشہور ہیں

پندرہ اپریل سن دو ہزار ایک کو راقم کے علاوہ محمد شریف مرزا جمال احمد چشتی لعل مارہ کے کھنڈرات دیگر قدیمی تاریخی مقامات دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے محمد نواز نے گاڑی کو سٹارٹ کرتے ہوئے بتایا اَب ہم انڈس ہائی وے پر جا رہے ہیں۔ ماضی میں یہ سڑک پرانا ملتان روڈ کے نام سے مشہور تھی یہ سڑک پشاور سے کراچی تک جاتی ہے محمد شریف نے بتایا سڑک کے مشرق کی جانب ڈیرہ اسماعیل خان کی گومل یونیورسٹی ہے جو تیرہ ہزار کنال رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے یونیورسٹی کے لئے اللہ نواز خان نے رقبہ دیا تھا جو یہاں کا حکمران تھا وہ



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب لعل ماڑھا کے کھنڈرات قدیمی عمارتیں طرز تعمیر تعلق دور کی عکاسی کرتی ہیں

یونیورسٹی کا پہلا چانسلر مقرر ہوا تھا سولہ میل کی مسافت کے بعد ہم نے پیرنخی شاہ حسین شیرازی کے مزار پر حاضری دی یہاں ایک کمرہ میں لاتعداد بندر باندھے ہوتے ہیں چونکہ پیرنخی شاہ حسین شیرازی کو بندروں سے بہت پیار تھا۔ عقیدت مند بندروں کے چڑھاوے دیتے ہیں زاہرین بندروں کے سامنے خوراک رکھ دیتے ہیں محمد شریف نے گاؤں میرن سے محمد عبداللہ چکی والا کو لعل ماڑھا کے کھنڈرات کی راہنمائی کیلئے کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ میرن ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے بیشتر مکان کچے ہیں قریب کھلے میدان میں احمد شاہ جلال آبادی کے مزار پر حاضری دی لعل ماڑھا میں خلیفہ غلام رسول صاحب سے ملاقات کی ان کی رہائش گاہ کے قریب حضرت لعل سلطان کا مزار ہے جو مٹی سے تعمیر کیا گیا ہے ان کی تاریخ وفات **690** ھ بتائی جاتی ہے مزار کے قریب کسی تباہ شدہ بستی کے آثار ملتے ہیں۔ دور دور تک تراشے پتھر اینٹوں اور مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے نظر آتے ہیں اس تباہ شدہ بستی کے بارے مخلف روایات ہیں یہ کھنڈرات سکندر کے وقت کے ہیں۔ ہزاروں سالہ قدیمی گزرگاہ ان کھنڈرات کے قریب سے گزرتی تھی جس کے آثار ختم ہو چکے ہیں قدیم زمانہ میں دریاؤں یا آبی گزرگاہوں کے ساتھ ساتھ سڑکیں راستے ہوا کرتے تھے افغانستان کے دروں سے گزر کر برصغیر آنے والے ملتان کی سمت آتے ملتان سے لاہور اور دہلی کی طرف نکل جاتے۔ لعل ماڑھا کے کھنڈرات کے لئے کسی طرف سے کوئی سڑک نہیں ہے ٹریکٹر ٹرالی والوں نے اپنے طور پر راستے بنائے ہیں عبداللہ دائیں بائیں بھاگ کر راستہ تلاش کرتا۔ محمد نواز کبھی کسی پگڈنڈی پر کار ڈال دیتا لعل ماڑھا کے کھنڈرات کو سڑک نہ مل سکی گاڑی کو دور ہی کھڑا کر کے ان تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کیلئے پیدل روانہ ہوئے دور دور تک کوئی دیہات اور نہ ہی درخت دیکھنے کو ملا نہ ہی پانی کے آثار ملے۔ صرف لعل ماڑھا کی عمارتیں ہی دور سے دکھائی دیتی ہیں۔ کھنڈرات لعل ماڑھا کے چوکیدار نے مٹی کے گھڑوں میں پانی رکھا ہوا تھا۔ لعل ماڑھا کے کھنڈرات کیلئے راستہ اور ان کی حقیقت کیا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان سے جنوب کی طرف انڈس ہائی وے پر سفر کرتے ہوئے **40**

کلومیٹر کے فاصلے پر ماہڑہ گاؤں کے قریب روڈ کی غربی جانب ایک چھوٹا سا سائن بورڈ چند تاریخی مقبروں کی نشاندہی کر رہا ہے۔ یہ مقبرے انڈس ہائی وے سے تقریباً 7 کلومیٹر کے فاصلے پر مغرب کی جانب واقع ہیں اور چشمہ رائٹ بینک کینال کی ڈسٹری نمبر 18A کی کچی سڑک ان کھنڈرات اور مقبروں تک جاتی ہے۔ جن کے بارے میں بے شمار افسانوی کہانیاں مشہور ہیں۔ مگر تاریخ اور ریسرچ کے حوالے سے ابھی تک یہ مقبرے ایک معمہ بنے ہوئے ہیں۔ مقامی لوگ صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے سرائیکی علاقے ان مقبروں کو ''ہندیرا'' کہتے ہیں۔ جس کے معنی محل یا محل نما مقبرہ ہیں۔ لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ اگر ان کی تاریخی حیثیت متعین میں ناکام ہے تو کم از کم انکا صحیح نام ہی جان لیتا کیوں کہ مقبروں کے قریب محکمہ کی طرف سے جو سائن بورڈ آویزاں کیا گیا ہے اس پر انہوں نے لفظ ''ادھیرے'' ''ADHIRA'' لکھا ہے جسکا نہ کوئی معنی ہے اور نہ کوئی

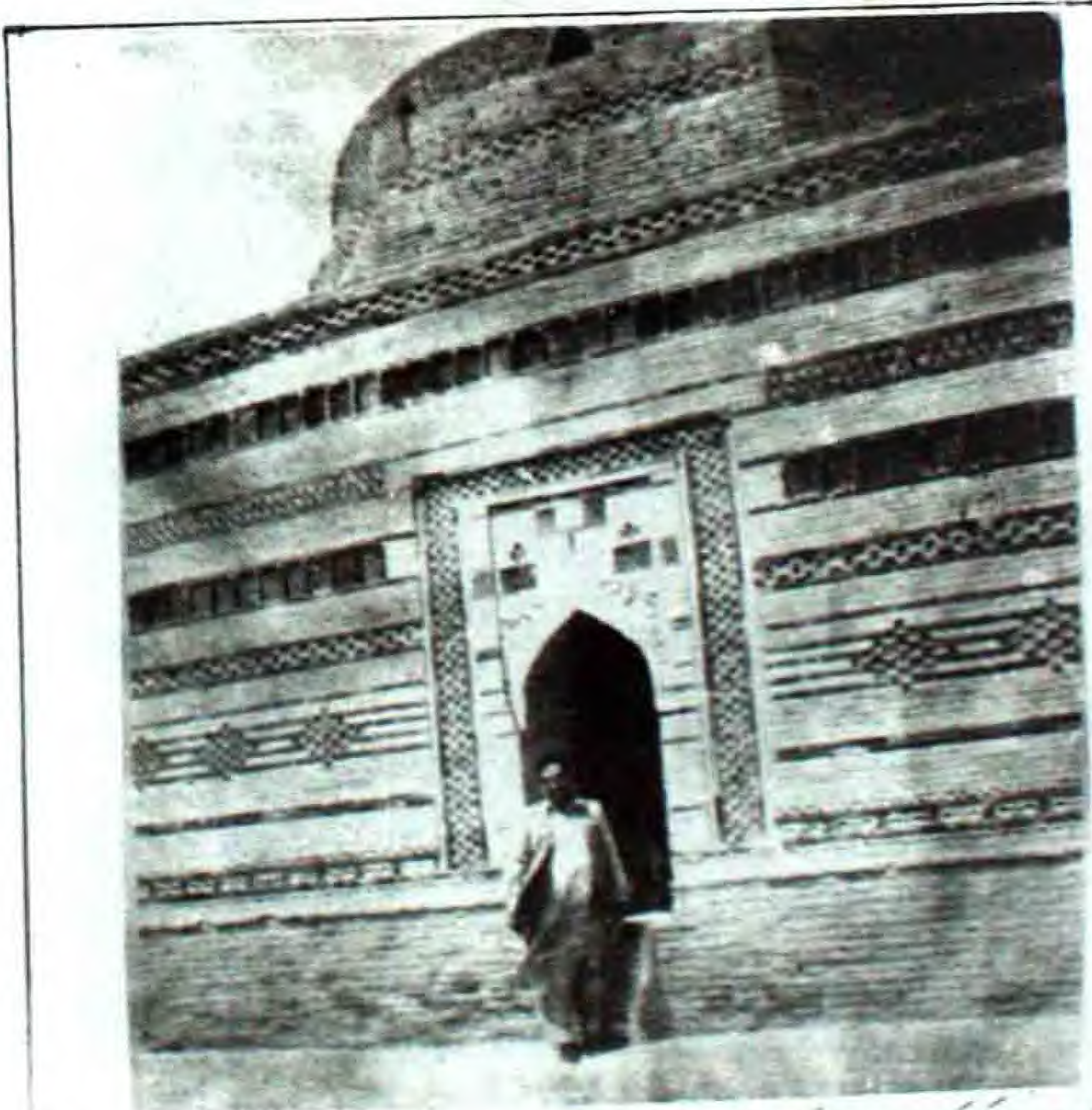


ڈیرہ اسمٰعیل خان لعل ماڑھا کے کھنڈرات سے دریافت ہونے والی اینٹوں اور برتنوں کے ٹکڑے

مفہوم، بلکہ ریسرچ کی راہ میں مزید ایک پتھر اٹکا دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ کسی بھی چیز کے بارے میں ریسرچ کے لئے اس کے نام کی کافی اہمیت ہوتی ہے۔ بلکہ ریسرچ کا نقطہ آغاز ہی نام سے ہوتا ہے۔ اس کے لئے چند مشہور شہروں کی مثال ہی لے لیں۔ جیسے پشاور۔ پیش آور یا پیشہ ور سے ہے۔ خوشاب دراصل خوش آب ہے اور انہی قدیم ناموں سے ہی ہم ان شہروں کی تاریخ اور وجہ تسمیہ کی ریسرچ کا آغاز کرتے ہیں۔ ہندیرے دراصل یہ ایک قدیم قبرستان ہے۔ جس کی بہت سی قبریں کھلے میدان میں ہیں اور چند قبروں پر گنبد والے مقبرے بنا دیئے گئے ہیں۔ کسی زمانہ میں ان مقبروں کی تعداد گیارہ تھی مگر اب صرف چار مقبرے موجود ہیں جن کی دیکھ بھال اور مرمت 1978ء سے محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی سے ہو رہی ہے۔ باقی سات مقبروں کے نشانات اور بنیادیں موجود ہیں۔ ان مقبروں میں پہلے مقبرہ میں بارہ قبریں۔ دوسرے میں پانچ قبریں۔ تیسرے میں آٹھ قبریں۔ چوتھے میں دس قبریں ہیں ان مقبروں میں کل 35 قبریں ہیں باقی لاتعداد قبریں کھلے میدان میں ہیں ہر طرف اینٹیں بکھری پڑی ہیں۔ اردگرد کی آبادیوں میں ان کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہاں کی اینٹ اُٹھا کر لے جائے تو وہ گھر تباہ ہو جاتا ہے۔ دو محبت کرنے والے دلوں کے درمیان ظالم سماج اگر دیوار بن جائے تو یہاں کی مٹی سے آسانی پیدا کی جا سکتی ہے اور یہ ہندیرے جن بھوت اور چڑیلوں کا مسکن ہیں۔ کوئی آدمی شام کے بعد اِدھر کا رُخ نہیں کرتا لوگ آج بھی چڑیلوں کو دیکھنے۔ جن بھوت کو ناچتے گاتے اور آگ جلاتے ہوئے دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اب وہ دور نہیں رہا جبکہ دن کو بھی یہاں سے گزرنے والا شخص خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ 1978ء سے یہاں پر آثار قدیمہ کی طرف سے ایک چوکیدار گل محمد تعینات کیا گیا ہے جو یہاں پر دن بھر موجود رہتا ہے مرمت کے کام کی نگرانی بھی اس کے ذمے ہے لوگوں کی سہولت کیلئے ایک برآمدہ بھی تعمیر کیا گیا ہے تاہم ایک سحر انگیز خوف ہے جو شام ڈھلے اس طرف رُخ نہیں کرنے دیتا۔ ان مقبروں کو ٹھٹھہ۔ مکلی قبرستان جیسی شہرت تو حاصل نہ ہو سکی اور گمنامی کی وجہ

سے سیاحوں کی نظر سے اوجھل ہے اگر یہاں سہولتیں فراہم کر دی جائیں اور ان کی تشہیر بھی کی جائے تو آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے ہزاروں سیاح ان نادر نمونوں کو دیکھنے اور ان کی تاریخ جاننے کیلئے یہاں ضرور آیا کریں گے۔

ان مقبروں کا طرز تعمیر تیرھویں صدی عیسوی کا ہے اس زمانے میں ہندوستان پر تغلق خاندان کی حکومت تھی یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان مقبروں میں کہیں بھی کوئی قرآنی آیات یا کوئی تحریری تختی نہیں ملی جس سے شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہندیرے کہیں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تعمیر نہ ہوئی۔ ان مقبروں کی تعمیر ریت۔ سیمنٹ یا کوئی مصالحہ استعمال کئے بغیر گچ مٹی سے تعمیر کی گئی ہیں اینٹوں پر موجود نیلا اور سبز روغن کئی سو سال گزرنے کے باوجود بھی اپنی چمک دمک برقرار رکھے ہوئے ہے۔ ہر کمرے کا مشرقی دروازہ صدر دروازہ ہے



محمد ایم زمان کھوکھر ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب مل ماڑھا کے کھنڈرات کے قریب کھڑے ہیں

جبکہ شمال اور جنوب میں چھوٹے دروازے ہیں اور مغرب کی طرف محراب بنا کر قبلہ کا تعین کیا گیا ہے بعض اینٹوں پر کچھ ایسے نمونے ہیں کہ انہیں دیکھ کر طرز تحریر کا گمان ہوتا ہے اور اگر واقعی وہ کوئی تحریر ہے تو آج تک اُسے کوئی بھی نہیں پڑھ سکا۔ گل محمد چوکیدار کے کہنے کے مطابق یہاں سے ایک اینٹ ملی ہے جس پر قرآنی آیات کندہ ہیں جو اس وقت پشاور میوزیم میں محفوظ ہے۔ تا حال اس پر کوئی تحقیق نہیں کی گئی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدیوں پرانے ان پراسرار مقبروں میں کون دفن ہیں؟ لق و دق صحرا میں واقع اس ویرانے کے



لعل ماڑھا کے ہندیرے کے اندر کی منظر کشی

مکینوں پر کیا گزری جو کوسوں دور تک نہ کسی آبادی کے آثار نہ پانی اور سبزے کی علامت چار سو آنکھیں خیرہ کر دینے والی چمکتی ہوئی ریت ہر قدم پر سراب کا پر فریب نظارہ اور اس پراسرار ویرانے میں صدیوں سے سر اٹھائے یہ ہندیرے چلچلاتی دھوپ اور تند و تیز صحرائی آندھیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ طوفانی بارشوں اور ہلا دینے والی زمین کی انگڑائیوں کا وار سہتے طلسم اور خوف کا مسکن یہ مقبرے کن لوگوں کی آرام گاہ ہیں۔ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے وہاں البتہ سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات ضرور موجود ہیں اور کچھ حقیقت سے قریب تر بھی معلوم ہوتی ہیں۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ افغانستان سے ہندوستان اور ایران سے قافلوں کی گزرگاہ کا راستہ یہی تھا۔ ان قافلوں کو ڈاکو اور راہزن لوٹ لیتے تھے نیز حکومت کے باغیوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان میں شامل تھی۔ ہند کے ان تجارتی راستوں کو محفوظ بنانے اور



مزار حضرت لعل شاہ ماڑھا ڈیرہ اسماعیل خاں راقم حاجی ایم زمان کھوکھر دعا مانگ رہے ہیں

باغیوں کی سرکوبی کیلئے حکمرانوں نے ایک بڑی فوج بھیجی، بہت سے مقامات پر امن فوج کا باغیوں سے سامنا ہوا۔ ہندیرہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ ''ہند راہ'' یعنی ہندوستان کا راستہ اور پھر یہ ہند کا راستہ باغیوں سے پاک ہو گیا تو ان شہداء کی قبریں اور مقبرے بنا دیئے گئے۔ جنہوں نے اس مہم میں حصہ لیا تھا۔ مقبروں کے اندر موجود قبریں فوج کے اعلیٰ افسروں، اور سپہ سالاروں کی ہیں جبکہ باہر کا قبرستان عام فوجیوں کا ہے۔ بعد میں ''ہند راہ'' پر تعمیر یہ مقبرے ہندوستان کے راستوں کا سمبل بن گیا یہاں تک کہ انہی مقبروں نے ''ہند راہ'' کا نام اختیار کر لیا جو وقت کے ساتھ ساتھ بگڑ کر ہندیرہ کہلانے لگا۔ انہی سے ملتے جلتے ہندیروں کے آثار کئی مقامات پر ہیں۔ جن میں ان فوجوں کی جھڑپ ہوئی۔ ہندیرہ کے آثار چڑانامی گاؤں۔ سڑہ گرہ اور فوتک میں بھی ملتے ہیں لیکن قیاس ہے کہ ان معمولی جھڑپوں کے بعد یہاں فیصلہ کن معرکہ ہوا ہوگا اس لئے یہاں مقبروں کی تعداد زیادہ ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مقبروں کے اندر خواتین کی قبریں ہیں یا پھر سید اور قریشی خاندان کے لوگ دفن ہیں بہر حال یہاں دفن ہونے والے لوگ کوئی بھی ہوں ان کے کارنامے کیسے ہی



لعل ماڑھا کے ہندیرے کے اندر امراء اجرنیلوں کی قبور

رہے ہوں ان کی بہادری اور جان فروشی کی داستان تو لوگوں کے ذہن سے محو ہوئی مگر ماضی کے یہ پرشکوں مقبرے صدیوں کے آمین بن کر آئندہ آنے والی نسلوں کو اپنے اندر دفن بہادروں کی شجاعت اور عظمت کی داستان سنا رہے ہیں۔ کیا ان کی عظمت اور ہیبت کی یہی دلیل کم ہے کہ صدیاں بیت گئیں مگر ان مقبروں کی ایک اینٹ بھی ضائع نہیں ہوئی جو اینٹیں گرتی رہیں وہیں ڈھیر ہوتی گئیں تمام تر خوبصورتی اور نایاب رنگ وروغن ہونے کے باوجود ایک اینٹ بھی چوری نہی ہوئی۔ یقیناً ہندیروں کا یہ پراسرار خون ان کی عظمت وہیبت کی بڑی دلیل ہے۔ نہایت صد افسوس کی بات ہے کہ حکومتی ادارے اس طرف توجہ نہیں دے رہے بلکہ ان کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔

ہمارے ایک دوست بتارہے تھے کہ انہیں کسی نے کہا کہ ان قبروں کے نیچے خزانہ دفن ہے تو اس عرض سے اس نے ایک قبر کی کھدائی کی خزانہ تو نہ ملا وہ ایک انسانی کھوپڑی جو اسے ملی تھی گھر لے آئے۔ چند دن گزرے تھے کہ کسی حادثے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور وہ دو سال بستر پر پڑے رہے۔ کیا یہ انہیں مقبروں کی عظمت کی دلیل نہیں۔ کتاب ڈیرہ اسماعیل خان ماضی اور حال کے آئینے میں از قادر دار خان گنڈاپور نے ان کھنڈرات کے بارے لکھا ہے یہ مخصوص طرز کی تعمیر شدہ عمارتیں ہیں جو شاہراہ شہر سے تین میل مغرب کی طرف واقع ہیں مغل طرز تعمیر کی عمارتیں شاہراہ درہ شیخ حیدر کے سنگم پر واقع ہیں روایت ہے کہ مغلیہ اور حکومت میں یہ تمام زمانہ وسطی میں ہندوستان کی مغل حکومت کی کسٹم چوکی تھی افغانستان سے درہ حیدر کے راستے ہندوستان کو جانے والے تجارتی مال کا کسٹم یہاں وصول کیا جاتا تھا۔ راقم اس رائے سے اتفاق نہیں کیونکہ عمارتوں میں استعمال ہونے والی اینٹیں :: ے سائز کی ہیں طرز تعمیر تعلق دور کی معلوم ہوتی ہے۔ مزید تحقیق کے دروازے کھلے ہیں۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مشہور شہر بلوٹ کافر کوٹ پنیالہ اور نو گز لمبے مزار

سولہ اپریل 2001ء صبح سویرے محمد شریف، جمال احمد، مرزا چشتی نظامی، ڈاکٹر محمد خالد محمود، محمد نواز کے ہمراہ راقم نے بلوٹ کافر کوٹ پہاڑ اور پنیالہ کے مطالعاتی دورے پر روانہ ہوئے۔ گاڑی ڈیرہ اسماعیل کے بڑا بازار سے گزر رہی تھی۔ ہمیں ایک معصوم چہ نظر ایا جو دکانوں میں ہرمل کی دھونی دے رہا تھا۔ ایک چھوٹے سے ڈبے میں دھکتے کوئلوں پر ہرمل کے چند دانے بکھیر دیے جاتے



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب بلوٹ کے نزدیک کافر کوٹ کے کھنڈرات

ہیں۔ ہرمل کے دانے بکھرتے ہی ڈبہ سے نکلنے والا دھواں نظر بد سے محفوظ رکھتا ہے۔ دکاندار ہرمل کے دھواں والے کو ایک دو روپے دے دیتا ہے۔ ہم نے چھ کو ایک دو روپے دے کر ہرمل کا دھواں لے کر سفر کا آغاز کیا۔ کوٹلی امام بارگاہ کے قبرستان میں شبیہ روضہ حضرت عباس پر حاضری دی۔ شبیہ کے دروازے پر یہ لفظ تحریر ہیں "شبیہ روضہ باب الحوائج حضرت عباس علمدار علیہ السلام" شبیہ حضرت عباسؑ سے مشرق کی جانب حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک کی شبیہ



ڈیرہ اسماعیل خان کوٹلی امام بارگاہ میں شبیہ روضہ عباس علمدار

ہے جو خوبصورت انداز میں تعمیر کی گئی ہے۔ شبیہ کے اندر شیشہ کاری کا کام ہوا ہے۔
کوٹلی امام بارگاہ کے قبرستان میں کئی بزرگوں کے مزار ہیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان چشمہ روڈ پر کئی قدیمی تاریخی بستیاں ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں کوٹ جائی بستی جہاں ہر طرف کھجوروں کے باغ ہی باغ ہیں۔ یہ بہت سر سبز شاداب علاقہ ہے جو پہاڑ پور تحصیل میں ہے۔ دریائے سندھ کسی زمانہ میں پہاڑ پور کے قریب بہتا تھا پہاڑ پور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے شمال مشرق سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے رابطہ کے لئے پختہ سڑک ہے۔ پندرویں صدی عیسوی میں لودھی خاندان کے عہد میں پہاڑ پور کی بنیاد رکھی گئی۔



کوٹلی امام بارگاہ کے قبرستان میں شبیہ روضہ حضرت امام حسین

جائی بلوچوں کی ایک شاخ کا نام ہے اسی وجہ سے یہ قصبہ کوٹ جائی کے نام سے مشہور ہے۔ کوٹ جائی کے بالمقابل جاڑا روڈ نزد پہاڑ پور کوٹلہ لودھیاں کا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں ایک ٹیلہ پر اب ہائی سکول ہے۔ لودھی خاندان کے افراد دوران سفر یہاں قیام کرتے تھے اور فیصلے کرتے تھے۔ پیر حبیب الرحمٰن شاہ نے بتایا دریائے سندھ کے سیلاب کی وجہ سے یہ ٹبہ ایک محفوظ پناہ گاہ تھی کوٹلہ لودھیاں کی پہلی آبادی یہاں آباد تھی۔ محمد اقبال فوٹوگرافر کوٹ جائی نے ہمارے قافلہ کی راہنمائی کے فرائض سرانجام



ڈیرہ اسمٰعیل خان سفر پر روانگی سے قبل اس بچہ نے ہمیں ہرمل کی دھونی دی تاکہ ہم ہر بلا سے محفوظ رہیں۔

دیئے۔ کھجوروں کے جھنڈ میں ہمیں مزار حضرت ابو صالحؓ پر لے گئے۔ تراشے ہوئے پتھروں کی چاردیواری کے اندر دو نو گز لمبے مزار ہیں۔ مغرب کی طرف والے مزار کی لمبائی نو گز ہے جو پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کے سرہانے یہ عبارت تحریر ہے حضرت ابو صالحؓ اصحاب رسول کریمؐ تعمیر مزار 1982ء اس مزار کے مشرق کی جانب دوسرا نو



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب بلوٹ میں حضرت عبدالرحمٰن اصحابی رسولؐ کا نو گز لمبا مزار یہ مزار بلوٹ کی تنگ گلی میں ہے راقمؔ نے اس علاقہ میں تمام نو گز لمبے مزاروں پر حاضری دی۔

گز لمبا مزار ہے۔ یہ مزار بھی پختہ تعمیر کیا گیا ہے جس کے لئے علیحدہ چار دیواری ہے۔ یہاں دو پتھر پڑے ہیں ایک پتھر پر پاؤں کا نشان دوسرے پر ہاتھ کا نشان ہے دونوں نشان بڑے سائز کے ہیں۔ اس علاقہ میں شادابی کے علاوہ وسیع عریض رقبہ میں کھجوروں کے باغ ہیں اسکی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حجاز مقدس سے رشد وہدایت کے لئے جو قافلے یہاں آئے اپنے ہمراہ کھجور لاتے تھے۔ کھجور کی یہ خصوصیت ہے ہو مہینوں خراب نہیں ہوتی۔ یہ قوت بخش غذا ہے۔ پانی اور دودھ کے ہمراہ بطور غذا کھائی جا سکتی ہے۔

سرزمین عرب سے آنے والے قافلے اپنے ہمراہ اونٹوں گھوڑوں پر کھجور لاد کر لاتے اور قیام کے دوران کھجور استعمال کرتے کھجور کی گٹھلیوں کی وجہ سے یہاں اعلیٰ قسم کی کھجوروں کے باغ ہیں۔ محمد اقبال بتا رہے تھے کہ قریب حضرت پیر محمد افضلؒ کا مزار ہے۔ نہر کی تعمیر کے دوران ان کا مزار نہر میں آتا تھا۔ نقشہ کے مطابق نہر سیدھی تعمیر کرنا مطلوب تھی لیکن بہت کوششوں کے باوجود مزار کو ہٹایا نہ جا سکا مجبوراً



ڈیرہ اسمٰعیل کے قریب کوٹلہ لودھیان کا تباہ شدہ قلعہ اب یہاں سکول قائم کیا



ڈیرہ اسماعیل خان کوٹلہ لودھیاں میں حضرت ابو صالح اصحاب رسول کریم کا مزار

نہر مزار سے دور تعمیر کی گئی۔ یہ اس بزرگ کی کرامت تھی چشمہ رائٹ منک کنال کے قریب قصبہ سیدووالی کے نزدیک نہر کے کنارے جامع مسجد کی دیوار کے ساتھ ایک اور نو گز لمبا مزار ہے جو پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ چار دیواری بھی ہے دروازہ پر اصحاب صاحب تحریر ہے۔ ماضی میں انسانی آبادیاں پہاڑوں کے دامن میں آبی گزگاہوں کے کنارے آباد تھیں۔ جن کے آثار اب جدید دور میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلوٹ اور کافر کوٹ روانگی سے قبل ہمارے قافلہ نے ڈھکی میں چند لمحے قیام کیا۔ محمد شریف بتا

رہے تھے ڈھکی کی کھجور دنیا بھر میں مشہور ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے نمائش میں ڈھکی کی کھجور کو بہترین کھجور قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کھلے میدانوں میں کھجور کو خشک کیا جاتا ہے۔ جون جولائی میں کھجور کا پھل تیار ہو جاتا ہے۔ جدید دور میں چھوٹے قد والے کھجور کی اقسام بھی تیار کر لی گئی ہے۔ کھجور کے یہ درخت اتنے چھوٹے ہیں۔ بچہ بھی ہاتھ اٹھا کر پھل اتار سکتا ہے۔ قصبہ بلوٹ بھی پہاڑوں کے دامن میں ہے یہاں دو نو گز لمبے مزار ہیں۔ آلی گزرگاہ کے کنارے آبادی دیہہ میں نو گز لمبا مزار ہے۔ مزار پختہ



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب کوٹلہ لودھیان میں مزار حضرت ابو صالحؒ کے زیب پتھر پر ہاتھ اور پاؤں کے نشان، یہ نشان بڑے سائز کے ہیں۔

تعمیر کیا گیا ہے چار دیواری بھی ہے ملحقہ مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ مزار کے سرہانہ یہ عبارت تحریر ہے مزار عبدالرحمٰن اصحاب رسولؐ بلوٹ شریف۔ بلوٹ کا علاقہ سرسبز شاداب ہے۔ کھجوروں کے باغ ہیں۔ مزار عبدالرحمٰن پر اردگرد نواح کے لوگ عقیدت احترام سے حاضر ہوتے ہیں۔ یہاں حاضری کے بعد ہمارے قافلہ نے آستانہ عالیہ حضرت پیر شاہ عیسیٰؒ کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت پیر شاہ عیسیٰؒ کے مزار کے اردگرد لاتعداد بزرگوں کے مزار ہیں۔ عورتیں منت مراد کے لئے بچوں کے چھوٹے چھوٹے جھولے چڑھاوے کے طور پر ساتھ لے آتی ہیں۔ اس علاقہ میں مزار پر چھوٹے چھوٹے جھولے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مزار حضرت شاہ عیسیٰؒ کی دیوار مغلیہ دور میں تعمیر کی گئی ہیں جو چار پانچ فٹ چوڑی ہے۔ چونا گچ گارا سے تعمیر کی گئی ہیں۔ مزار پر مرد خواتین کافی تعداد میں جمع تھے جو ڈھول کی تھاپ پر رقص کر رہے



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب — نوگز لمبا مزار

تھے۔ عمر رسیدہ عورتیں نیلے رنگ کا تہبند استعمال کرتی ہیں۔ بلوٹ کے بس سٹاپ سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر تھلہ ستی کیول رام بوہڑ والا کا مندر ہے۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان سے یاتری یہاں آتے ہیں۔ مندر کا متولی محمد رمضان محرم علی ہے جو مسلمان ہیں جو ہر سال بارہ تیرہ اپریل کو میلہ منعقد کرواتے ہیں۔ ہندو کے علاوہ مسلمان بھی ستی کیول رام کے مندر میں ہندو جنات سے نجات کے لئے حاضری دیتے ہیں اور ٹھیک ہو جاتے ہیں سے جنات کا سایہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جس جگہ کیول رام زمین میں سما گئے تھے وہاں بوہڑ کا درخت ہے۔ درخت کے نیچے تھڑا تعمیر کر رکھا ہے جسے پھولوں سے سجا رکھا ہے۔ بوہڑ کا درخت بھی ہے۔ محمد رمضان نے ہمیں مشری پیش کی۔ مندر کے اندر پیاز، گوشت، مچھلی، انڈا کھانا منع ہے۔ ستی کیول رام کا مندر سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ مغرب کی جانب دس بارہ کمرے یاتریوں کے آرام شب بسری کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں۔ شمال کی جانب ہال نما کمرہ ہے۔ جس وقت ہم مندر میں داخل ہوئے



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب بلوٹ کے نزدیک پہاڑوں کے دامن میں ستی کیول رام کی سمادھی

سندھ سے سے آئے ہوئے یاتری مرد خواتین گھن قوالی کے انداز میں گا رہے تھے۔ ہم نے گھن کا ترجمہ پوچھا زائرین نے بتایا دل چاہتا ہے مجھے پنکھ لگ جائیں میں ہستی کیول رام کے پاس جاؤں دل بے تاب ہے اگلی چھٹی آئی ہے لیکن میلہ میں شرکت کے لئے سال بھر انتظار کرنا ہے۔ ستی کیول رام کا مندر دیکھنے کے بعد ہم کافر کوٹ روانہ ہوئے ۔اڈا بلوٹ سے کافر کوٹ کے پہاڑ چند کلو میٹر کے فاصلہ پر ہیں۔ کسی زمانہ میں دریائے سندھ کافر کوٹ کے پہاڑوں کے نیچے بہتا تھا۔ کافر کوٹ کے پہاڑوں تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہر طرف خار دار جھاڑیاں ہیں، نوکیلے پتھر خشک ندی نالے ہیں۔ پہاڑوں کے اوپر کھلے میدان ہیں پہاڑوں کی چوٹی پر بدھ دور کی عبادت گاہیں ہیں جو پتھروں کو تراش کر تعمیر کی گئی ہیں۔ کافر کوٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ کافر کوٹ کے پہاڑوں سے چند میل کے فاصلہ پر دریائے کرم دریائے سندھ آپس میں ملتے ہیں۔ کافر کوٹ کے پہاڑوں پر جانے کے لئے کوئی مستقل راستہ



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب بلوٹ کے نزدیک ستی کیول رام کی سمادھی پر سندھ سے آئے ہوئے بندے عبادت میں مصروف ہیں۔

نہیں۔ پہاڑ کے عین دامن میں حضرت اصحاب شہید کا نو گز لمبا مزار ہے۔ سرہانے کی جانب کھجور کے درخت ہیں۔ مزار پر ہم نے حاضری دی عصر کی نماز ادا کی۔ مزار کی چار دیواری بھی ہے۔ چھوٹی سے مسجد بھی ہے۔ گرد نواح افغان مہاجرین نے خیمے لگا رکھے ہیں جنہوں نے بھیڑ بکریاں پال رکھی ہیں۔ چرواہے کی ایک بکری ریوڑ سے بچھڑ کر جھاڑیوں میں گم ہو گئی۔ چرواہا نے بکری کو مخصوص آواز سے پکارا بکری میں میں کرتی بھاگتی ہوئی ریوڑ میں شامل ہو گئی۔ کافر کوٹ سے ہم ڈیرہ اسماعیل کے مشہور معروف قصبے پنیالہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پنیالہ ڈیرہ اسماعیل خان چھتیس میل کے



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب کافر کوٹ کے نزدیک پہاڑوں کے دامن میں اصحابی رسول کا نو گز لمبا مزار، مزار کے سر کی جانب کھجور کا قدیمی درخت شان سے کھڑا ہے۔

فاصلہ پر ہے۔ پنیالہ کا سرسبز قصبہ پہاڑوں کے دامن میں ہے۔ کئی قدرتی چشمے ہیں پنیالہ کی کھجور اور آم بہت مشہور ہیں۔ جولائی اگست کے مہینے میں کھجور اور آم کا پھل تیار ہو جاتا ہے۔ کوٹلہ لودھیاں سے چار کلو میٹر سیدو والی میں حضرت اصحاب سوہنا کا نو گز لمبا مزار ہے۔ سیدو والی سے مغرب کی طرف چھوٹی نہر کے ساتھ ساتھ پہاڑپور سے پنیالہ شریف پہنچے تو دائیں بائیں جانب تمام علاقہ ریگستانی ہے۔ سڑک کے دونوں اطراف گندم کی پکی ہوئی فصل دلہن کے سر پر جھومر کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ تمام زمین بارانی ہے حیران کن بات ہے پنیالہ کے باہر کا تمام علاقہ پانی سے محروم ہے۔



ڈیرہ اسماعیل خان پنیالہ میں حاجی بابا علی لچ حضرت غازی شہید کا نو گز لمبا مزار

ساتھ والے دیہات کے مکین چشمہ رائٹ ہنک کینال سے ٹریکٹر ٹرالیوں ریڑھیوں گدھوں کے ذریعے پانی لے جا رہے تھے۔ لیکن یہ اللہ والوں کی شان ہے جو برگزیدہ ہستیاں پنیالہ شریف میں آرام فرما رہی ہے ان کی برکات سے پنیالہ چشموں اور پھلوں کا شہر کہلاتا ہے۔ یہاں چودہ پندرہ کے قریب بزرگ ہستیوں کے مزار ہیں فالج اور لقوہ کے مریضوں کو یہاں سے شفا ملتی ہے۔ پنیالہ کے مشرق پہاڑ پور شمال شیخ بدین کے پہاڑ پنیالہ میں بہلول دانا کی بیٹھک اور لودھی خاندان کا قبرستان ہے۔ پنیالہ میں زمین دوز کاریز میں جو پانچ فٹ سے لے کر چالیس فٹ گہرے ہیں۔ پنیالہ میں قیام پاکستان سے قبل ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ پنیالہ بازار میں اگر مسلمان کی ایک دوکان تھی ہندوؤں کی



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب کوٹلہ لودھیان میں حضرت ابو صالحؒ اصحاب رسولؐ کے نوگزلمبے مزار کے ساتھ دوسرا نوگز لمبا مزار

پانچ دوکانیں تھیں۔ پنیالہ کے پہاڑوں کے دامن میں ایک پہاڑ پر تین نوگز لمبے مزار ہیں۔ ایک مزار پر چھت اور گنبد بھی ہے صاحب مزار کو مقامی لوگ حضرت علی المعروف حاجی بابا پنج کے نام سے پکارتے ہیں۔ دوسرے نوگز لمبے مزار کو احمد کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ مزار بھی پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ چھت بھی ہے۔ تیسرے مزار کو حضرت غازی شہید کے نام سے پکارتے ہیں۔ حاجی بابا ویلفیئر سوسائٹی پنیالہ کے ایک عہدیدار نے بتایا کہ یہاں دو وفادار کتے بھی دفن ہیں کتوں کے نام کستمیر بتائے جاتے ہیں۔ ان نوگز لمبے مزارات پر حاضری کے بعد پہاڑ کے دامن میں آثار قدیمہ بھی دیکھے پنیالہ ہر دور میں خوشحال رہا۔ اسکی خوشحالی کے پیش نظر یہاں بیرونی حملہ آور تجارتی قافلے اور رشد و ہدایت کے لئے اللہ کے نیک بندے تشریف لاتے رہے۔
دسار خان نے ہمارے وفد کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ فقیر زادہ عمر حیات، حاجی جاوید افضال، نسیم اللہ جان، محمد یونس کریم بھی اس دعوت میں شامل تھے واپسی پر محمد شریف نے ٹوبتہ عوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ یہ کھانا بہت لذیذ تھا اکٹھے مل بیٹھنے میں اخوت اور محبت کا رشتہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا آئندہ پروگرام کوہ سلمان کے دامن میں تخت سلمان پر حاضری کا تھا۔



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ پنیالہ ڈیرہ اسمٰعیل خان قدیمی مزار پر حاضری دے رہے ہیں۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان کے نزد حضرت شاہ اصحاب کے ساٹھ گز لمبے مزار پر حاضری

کوہ سلیمان پہاڑ کے دامن میں تخت سلیمانؑ کے آثار پائے جاتے ہیں

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی ایک پر خلوص علمی ادبی روحانی شخصیت راقم سے مخاطب ہوئی، میں محمد شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان سے بول رہا ہوں، میں حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ راقم نے عرض کی میں ہی زمان کھوکھر بول رہا ہوں۔ سلام دوعا کے بعد محمد شریف نے کہا مجھے آپ کی تحریر کردہ کتب گجرات تصاویر کے آئینے میں۔ گجرات تاریخ کے آئینے میں۔ سیالکوٹ سے خیبر تک۔ پاکستان میں محبوبان



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب شاہ اصحاب کے 60 گز لمبے مزار کے قریب قدیمی مسجد جو پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے

خدا کے نوگز لمبے مزار۔ جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام اولیائے ہندو مسلمانوں کی عظمت کے نشان ۔ حجاز مقدس کا روحانی سفر در کار ہیں ۔ راقم نے کہا بذریعہ ڈاک پہنچ جائیں گی ۔ بات چیت کا سلسلہ آگے چل نکلا ، محمد شریف نے بتایا میں کتاب، اسلامی تصوف و تذکرہ اولیائے ڈیرہ اسمٰعیل خان تحریر کر رہا ہوں راقم نے محمد شریف کو بتایا کہ قدیمی تاریخی روحانی مقامات کے بارے ان کی ایک کتاب پشاور سے کوئٹہ تک زیر طبع ہے ۔ محمد شریف نے کیا خوب کہا ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں ۔ اولیائے کرام کے پیروکار ہیں ۔

انہوں نے مجھے ڈیرہ اسمٰعیل خان آنے کی دعوت دی یہ دعوت ان کی جانب سے نہیں تھی ، جبکہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی برگزیدہ ہستیوں کی طرف سے تھی ۔ اپریل کے وسط میں موسم بھی خوشگوار رہا ۔ راقم ماہ مارچ اپریل اور اکتوبر ، نومبر میں تحقیقی اور مطالعاتی سفر پر



ڈیرہ اسماعیل خان مزار شاہ اصحاب کے مزار پر راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ضیاالحق نقشبندی محمد نواز دعا مانگ رہے ہیں

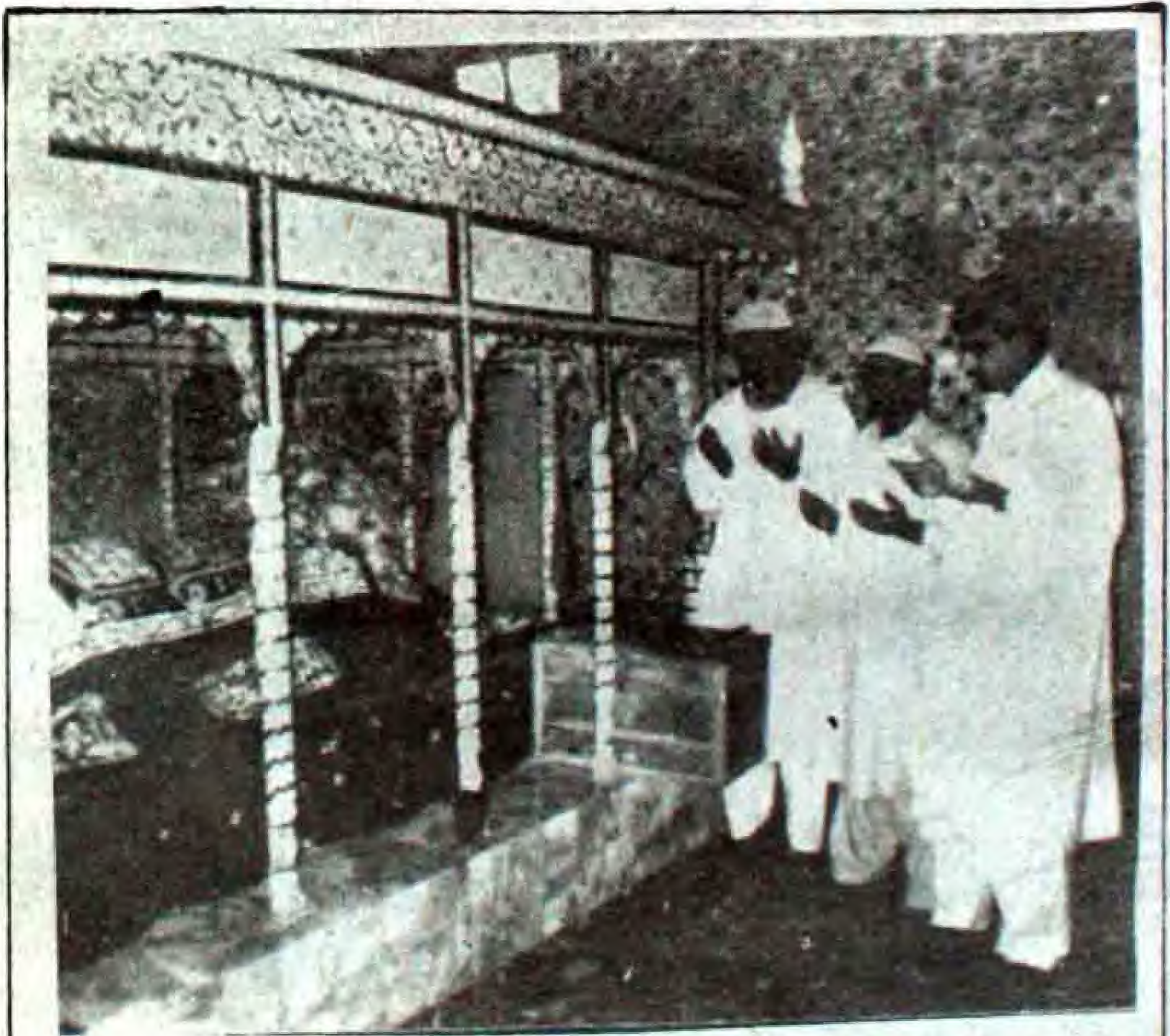
روانہ ہوتا ہے۔ راقم نے ڈیرہ اسمٰعیل خان کیلئے سفر کا آغاز گجرات سے براستہ روالپنڈی کیا۔ یہ ارادہ موٹروے دیکھنے کا تھا۔ اربوں روپوں سے پایہ پانے والے اس منصوبہ سے قوم کتنی مستفید ہو رہی ہے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان سے راولپنڈی کیلئے گھنٹہ گھنٹہ بعد بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں گلی محلوں میں چھوٹی اور بڑی گاڑیوں کے اڈے کھل گئے ہیں۔ آئے روز یہ اڈے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اور مسافروں کو اڈے تلاش کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راولپنڈی سے چند کلومیٹر کے بعد موٹروے شروع ہو جاتی ہے۔ تلہ گنگ تک موٹروے پر سفر جاری رہتا ہے۔ تلہ گنگ کے بعد میانوالی اور میانوالی سے ڈیرہ اسمٰعیل خان، راولپنڈی سے تقریباً چھ سات گھنٹے کی مسافت کے بعد بس ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچ جاتی ہے۔ موٹروے پر گاڑیوں کا زیادہ رش نہیں، اکا دکا گاڑیاں گزرتی ہیں۔ اسلام آباد سے پشاور تک موٹروے زیر تعمیر ہے۔ وسط ایشیاء کی ریاستوں تک پہنچے کیلئے یہ عالمی سامراج کا تیار کردہ منصوبہ ہے۔ موٹروے پر سفر آرام دہ ہوتا ہے۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان شموزئی کچی مسجد

سڑک پر بہت سہولتیں حاصل ہیں لیکن یہ سہولتیں تمام مسافروں کیلئے نہیں ہیں۔ تین بجے کے قریب محمد شریف ڈیرہ اسمٰعیل بس سٹینڈ پر ساتھیوں کے ہمراہ کھڑے منتظر تھے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان بلکہ سرحد والے بہت ہی مہمان نواز ہیں۔ ان کے ہاں کوئی مہمان آ جائے تو وہ اسے اللہ کی رحمت سمجھتے ہوئے پورے خلوص اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ محمد شریف، جمال احمد مرزا چشتی نظامی، محمد نواز سراج دین زخمی کے ہمراہ سرسبز شاداب سرزمین جسے ڈیرہ پھلاں دا سہرا کا نام دیا گیا۔ حضرت پیر سید عبدلطیف شاہ بخاری کے مزار سے حاضری شروع کی۔ محمد شریف بتا رہے تھے کہ انہیں حضر پیر سید عدالطیف شاہ بخاری کی خانقاہ سے روحانی فیض ملا ہے۔ اولیائے زکوڑی شریف، حضرت شاہ منور شیرازی، حضرت احمد مجذوب المعروف سٹھو سلطان حضرت سخی سلطان، احمد شاہ جلال آبادی اور دوسرے اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری کے بعد دوسرے دن حضرت شاہ اصحاب اور دوسرے اولیائے کرام قدیمی تاریخی مقامات پر رہنمائی کیلئے ایک پسماندہ گاؤں راکھ پرن سے محمد شریف نے عبداللہ چکی والے کو ہمراہ لیا ان کے ہمراہ حضرت سخی شاہ حسین ؒ کے مزار پر حاضری دی مزار کے باہر درجنوں بندر باندھے ہوئے تھے کیونکہ حضرت سخی شاہ حسین ؒ کو بندروں سے بہت پیار تھا۔ مزار پر بندروں کے چڑھاوے چڑھتے ہیں لعل ماڑہ میں خلیفہ غلام رسول صاحب جو ولی اللہ درویش ہیں، سو کے لگ بھگ عمر ہے، سے ملاقات کے بعد حضرت دوست محمد قندھاری کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں ایک تباہ شدہ بستی کے آثار ملتے ہیں، کسی زمانہ میں شاہراہ اعظم یہاں سے گذرتی تھی قریب لعل ماڑہ کے کھنڈرات اور آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں یہاں لاتعداد قبریں ہیں چار گنبدی کمرے ہیں۔ ان کی طرز تعمیر مغلوں کے دور کی معلوم ہوئی۔ تراشی ہوئی رنگین اینٹیں نصب کر کے خوبصورتی پیدا کی گئی ہے گنبد گر گئے ہیں ہر کمرہ میں دس بارہ قبریں ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے یہاں بہت بڑا معرکہ ہوا ہے۔ جسمیں جرنیل امراء مارے گئے جن کی یاد میں عمارتیں تعمیر کی گئیں ہیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان سے 26 میل کا فیصلہ طے کرنے کے بعد ہماری اگلی منزل کڑی شموزئی تھی،

یہاں ہمارے میزبان مولانا ضیاء الحق نقشبندی منتظر تھے۔ کڑی شموزئی میں ننگے سر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ بچوں نے اشاروں سے سر ڈھانپنے کیلئے اشارہ کیا ہم سب نے سروں پر رومال ٹوپیاں پہن لیں، مولانا ضیاء الحق نقشبندی نے ہمارے لیے ثوبت کا اہتمام کر رکھا تھا ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ثوبت بڑے کھانے کو کہتے ہیں، یہ حضور ﷺ کی سنت مبارک ہے۔ ایک پرات تھال میں دیسی مرغی کی یخنی میں روٹی کے ٹکڑوں کو بھگو دیا جاتا ہے اور لذیذ اور نرم کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ تمام افراد پرات تھال کے ارد گرد بیٹھ کر بڑے شوق سے ثوبت کھاتے ہیں۔ ثوبت کھانے کے بعد حضرت مولانا عبدالکریم کے مزار پر حاضری کے بعد مغرب کی جانب شکستہ سڑک پر کوہ سلیمان کی طرف روانہ ہوئے۔ پرانی روایات کے پابند اس علاقہ سے گزر رہے تھے یہاں عورت کے پردہ پر سخت پابندی ہے



مزار حضرت شاہ حسین کے اندر محمد شریف جمال احمد مرزا محمد نواز دعا مانگ رہے ہیں

دیور اپنی بھابھی کا چہرہ تک نہیں دیکھ سکتا۔ مولانا ضیاء الحق بتا رہے تھے کہ عورت گھر میں بھی منہ ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ عورت کے لباس پر چادر آٹھ گز، زنانہ قمیض پانچ گز اور شلوار بھی پانچ گز سے تیار ہوتی ہے۔ یہاں کسی گاؤں میں داخل ہوتے وقت گاڑی کا ہارن نہ بجایا جائے تو خطرہ تشویش کی علامت ہوتی ہے ہارن بجایا جائے تو خیر خیریت کی نشانی ہوتی ہے ڈنیڈیرہ اسمٰعیل خان کا آخری گاؤں اس سے آگے بلوچستان کی حد شروع ہو جاتی ہے ڈنی کے قریب حضرت شاہ اصحابؒ کا تقریباً ساٹھ گز لمبا مزار ہے جو پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے پہاڑوں کے دامن میں یہاں لاتعداد شہداء کی قبریں ہیں جو پتھروں سے اٹی پڑی ہیں اگرچہ گرد و انواح اور دور تک کہیں بھی پانی کے آثار نہیں ہیں لیکن مزار حضرت شاہ اصحابؒ کے حلقہ کمرہ میں دس بارہ گھڑوں میں ہر وقت ٹھنڈا میٹھا پانی موجود رہتا ہے۔ مزار کے قریب قدیمی مسجد بھی ہے۔ مزار حضرت شاہ اصحاب پر اتوار کے روز رش ہوتا ہے عصر کی نماز مولانا ضیاء الحق نے پڑھائی، مزار حضرت شاہ اصحابؒ پر حاضری کے وقت ہمارے اوپر باران رحمت کے چند قطرے گرے مزار شاہ اصحاب کے قریب پانی ذخیرہ کرنے کیلئے پتھروں سے تالاب بھی تعمیر کیا گیا ہے میرے سامنے پہاڑوں میں وہ گزرگاہ بھی تھی جہاں سے رشد وہدایت کیلئے اللہ کے نیک بندے گزرتے رہے راقم نے مزار کے قدموں میں خصوصی حاضری دی، جنہوں نے اتنی دور گجرات سے محمد شریف کے ذریعے اپنے پاس بلایا فیوض برکات سے ہم سب کی خالی جھولیاں مرادوں سے بھردیں مولانا ضیاء الحق نقشبندی نے بتایا کہ ایک بزرگ نور الحق نے مزار حضرت شاہ اصحاب پر رات بھر تلاوت قرآن پاک کرتے رہے انہیں خواب میں شاہ اصحاب ملے فرمایا میں شہید ہوا ہوں مزار نہ ہونے کی وجہ سے تقدس قائم نہیں رہتا۔ لہذا قبر تعمیر کرو اشارہ ملنے پر تقریباً ساٹھ گز لمبا مزار تعمیر کروایا گیا شاہ اصحاب کے سرہانے ون کا ہزاروں سالہ قدیمی مزار ہے مزار پر حاضری سے دلی سکون حاصل ہوتا ہے بلکہ ہر طرف سکون اور خاموشی ہے یہاں حاضری سے انسان کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے محمد شریف نے مزار شاہ اصحاب پر حاضری کے

وقت اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا۔ میرے تمام جسم کے اعضاء اور جوڑ مفلوج ہو کر رہ گئے میرا وجود ایک بے جان پتھر کی طرح ہو گیا قلب میں سوائے انتظار اور طلب تمنائے دیدار کے کچھ باقی نہ رہا اور میں ان پتھروں کو دیکھ رہا ہوں جیسے ایک صاف شفاف موم بتی چٹان پر نصب ہو اور اس کا شعلہ سکون اور اطمینان سے جل رہا ہو اور باطن میں سوز گداز کا آتش فشاں کھول رہا ہے مجھ پر ایک حاضری کا ایک حیرت انگیز اثر ہوا ایسا معلوم ہوا جیسے ساری کائنات کی رحمتیں اور برکات کی مجھ پر بارش ہو رہی ہو ایسی بے پناہ خوشی عطا



ڈیرہ اسماعیل خان کوہ سلیمان کے دامن میں قدیمی مزار

ہوئی کہ اگر اس خوش کا ایک معمولی حصہ تمام زندگی کی حالت میں وارد ہو جائے تو روح جسم عنصری سے ایسے اڑ جائے جیسے خوف کے وقت پرندے اپنے آشیانہ سے پرواز کر جاتے ہیں، مجھے ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ ساری کائنات کھنچی جا رہی ہے آپ کی نگاہ پاک۔ جلال اور جمال حیات آفریں رحمت افریں سے میرا وجود ایسے پگل رہا ہے جیسے شعلہ کی گرمی سے موم شعلہ میں فنا ہو جاتی ہے کچھ حرارت پگل کر زمین پر پھیل جاتی ہے میرا وجود آفتاب عالم تاب کے انوار پر تجلیات سے پگل کر فنا ہونے لگا اور کچھ زمین پر بہنے لگا حتیٰ کہ تمام وجود پانی پانی ہو کر زمین پر بہہ گیا، اگر اسرار کی حقیقت بیان کرنے لگوں تو عمر تمام ہو جائے۔ غرض یہ کہ اس ذرہ قلب میں ایک صورت دھمک رہی تھی اس صورت کے ساتھ میری نسبت ایسے تھی جیسے آئینہ سے آئینہ میں دیکھنے والوں کی صورت ہوئی ہے جس کو میں دمکنے اور چمکنے کے نام سے یاد کر رہا ہوں آپ کے فیضان نظر سے اس ذرہ مجسم میں ایک قیامت کا عالم برپا ہوا۔ جذب اور کشش کا ایک طوفان برپا ہوا جسے آفتاب کی شعاعیں سمندر کا پانی ذرات و بخارات بن کر آسمان کی طرف طوفان بن کر اڑ جاتا ہے اور بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے واپسی پر ہم نے کڑی شموزئی کی مسجد میں نماز ادا کی ہر نمازی کی یہی خواہش تھی کہ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھایا جائے۔ قہوہ کی پیشکش ہوئی تمام نمازی ہمیں گاڑی تک چھوڑنے آئے کچی سڑک سے ہوتے ہوئے ہماری گاڑی رکھ کے قریب انڈس ہائی وے پر رواں دواں تھی رکھ سے صوبہ پنجاب کی سرحد یعنی تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ پتھریلے راستوں پر چلتے چلتے جمال احمد مرزا نے یہ شعر پڑھا (شوق برہنا پا چلتا تھا راستے بھی پتھریلے تھے...... گھستے گھستے گھس گئے آخر کنکر جو نوکیلے تھے) راقم نے شاہ اصحاب کے روضہ پر حاضری کی نعمت سے مالا مال ہو کر رات دریائے سندھ کے کنارے مڈوے ہوٹل میں بسر کی اور اگلے روز کا پروگرام ترتیب دیا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان کا تیسرا سفر

قبل ازیں دو دفعہ ڈیرہ اسماعیل خان کے قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر میری حاضری ہو چکی ہے۔ تیسری بار بھی میزبانی کے فرائض روحانی شخصیت محمد شریف نے سرانجام دیئے۔ **23** مارچ دو ہزار دو محمد نواز جو تجربہ کار ڈرائیور ہے۔ اسے علم وادب سے گہرا لگاؤ ہے گاڑی لئے تیار کھڑے تھے محمد شریف کے علاوہ قیوم نواز، محمد اقبال بھی اس سفر میں ہمارے ساتھ تھے۔ آج محمد نواز اس راستے پر سفر پر رواں دواں تھا جہاں کبھی ابن بطوطہ گزرا تھا۔ درابن روڈ جو ڈیرہ اسماعیل خان کوئٹہ کے درمیان رابطہ سڑک جوژوب تک زیر تعمیر ہے یہ سڑک کشادہ اور جدید انداز میں تعمیر کی جارہی ہے۔ سڑک پر دور دور تک کسی آبادی کے آثار نہیں ملتے۔ سڑک کے دونوں طرف خودرو جھاڑیاں ہیں۔ زمینیں ہموار ہیں



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں دریائے سندھ کے کنارے مڈوے ہوٹل کے قریب کھڑے ہیں۔

صرف پانی کی کمی ہے۔ اس زمین کو پانی مل جائے یہ سونا اُگلنے والی زمین ہے۔ محمد شریف بتا رہے تھے اس علاقہ کے سینکڑوں کنال رقبہ کے مالک بھی شہری علاقہ میں آ کر محنت مزدور کرتے ہیں اب حکومت اس علاقہ میں نہری نظام کا جال بچھا رہی ہے۔ جہاں تک نہر کا پانی پہنچ چکا ہے۔ اُس علاقہ میں انقلاب آ چکا ہے۔ جو ڈیم زیر تجویز ہیں مکمل ہو گئے تو یہ علاقہ خوشحالی سے دوچار ہو جائے گا۔ اس علاقہ میں پیدا ہونے والی گندم کو دامانی گندم کہتے ہیں۔ یہ گندم بغیر کھاد کے پیدا ہوتی ہے۔ اعلیٰ قسم کی اس گندم کی روٹیاں بہت لذیذ ہوتی ہیں اس علاقہ میں باریک پتوں والے درخت پائے جاتے ہیں جہاں پانی ہو وہاں بڑے پتوں والے درخت پائے جاتے ہیں جہاں پانی میسر نہ ہو جنگل بیاباں میں چھوٹے پتوں والے درخت اپنی خوراک ہوا میں پائی جانے والی نمی سے لیتے ہیں۔

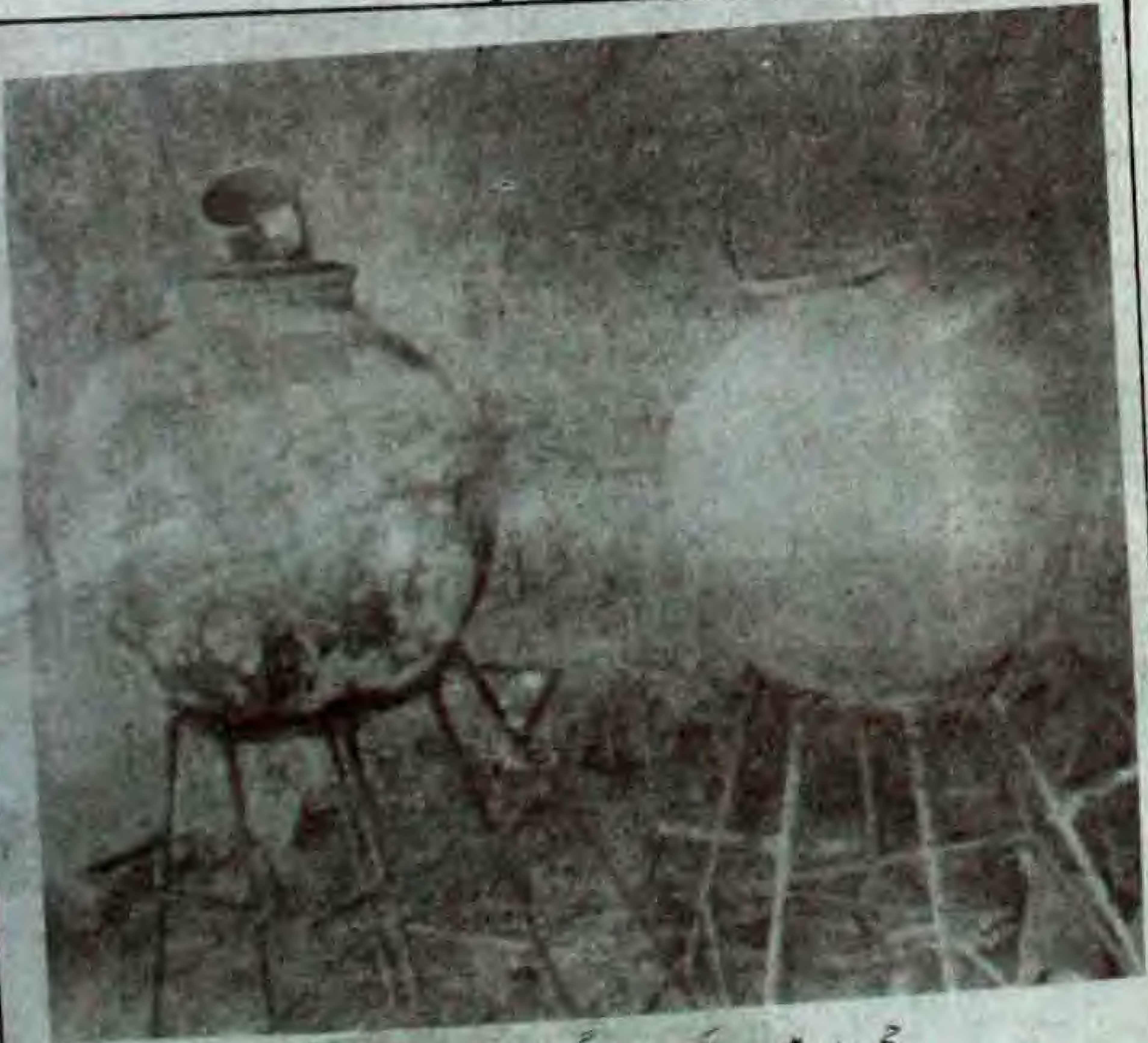
سارے سفر میں ہمارا رُخ مغرب کی طرف رہا سامنے کوہ سلیمان کے پہاڑ پر نظر جمی رہتی کوہ سلیمان تحت سلیمان زیر بحث رہا۔ دراہن پختہ سڑک سے تقریباً ایک کلومیٹر کچا راستہ طے کرنے کے بعد ایک بلند بالا ٹبہ پر پیر پنجن شاہ کا مزار ہے گاؤں کا نام بھی پنجن شاہ ہے۔ حضرت پیر پنجن شاہ کا مزار کچی مٹی سے تیار کیا گیا ہے پائنتی کی طرف سوراخ ہے سیڑھیاں بھی کچی ہیں مزار کے چاروں طرف دیوار ہے اس میں سوراخ رکھے گئے ہیں ون کریا کے درخت سینکڑوں سالوں سے کھڑے اپنے دامن میں کئی تاریخی واقعات لئے ہوئے ہیں۔ مزار حضرت پیر پنجن پر کھڑے ہو کر دور دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے پہاڑوں کی طرف سے آتے رہتے ہیں۔ حضرت پیر پنجن شاہ صاحب کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر جب اس علاقہ سے گزرا تو اس نے فتح یاب ہونے کیلئے حضرت پیر پنجن شاہ سے دُعا کیلئے کہا۔ آپ نے فرمایا فتح ہو گی۔ بابر نے عرض کی حضور ہندوستان سے آپ کیلئے کیا تحفہ لاؤں حضرت پیر پنجن شاہ نے فرمایا جتنے بار برداری کے جانور ہیں ان پر ایک ایک مٹی کا بورا لیتے آنا۔ بابر بادشاہ کو میدان جنگ میں کامیابی نصیب ہوئی واپسی پر وہ مٹی کے بورے لے کر پیش ہوا۔ چنانچہ مٹی سے یہاں بہت

بڑا پہاڑ نما بن گیا۔ حضرت پیر پنجن کا مزار اب اس جبہ پر جبہ کافی بلندی پر ہے۔ پورے گاؤں والے بارش کا پانی اکٹھا کر لیتے ہیں۔ یہاں پینے کیلئے بارش کا پانی اکٹھا کیا جاتا ہے بارش کا یہ پانی ناریل کے پانی کی طرح میٹھا ذائقہ دار ہوتا ہے۔ محمد رمضان نے جو مزار پیر پنجن شاہ کا متولی ہے نے ہمیں بارش کا پانی پیش کیا۔ اب ہم درابن کی طرف رواں دواں تھے۔ درابن مشہور قدیمی تاریخی قصبہ ہے۔ یہ قصبہ کئی بار اُجڑا اور کئی بار آباد ہوا۔ یہ بستی افغانستان کے حملہ آوروں کی زد میں رہی۔ ابن بطوطہ بھی درابن سے گزر کر ملتان کی طرف آیا وہ 30 سال سفر میں رہا۔ درابن چشمہ اور آبی گزرگاہ کے کنارے آباد ہے۔ تباہ شدہ بستی سے مٹی کے برتن انسان کے استعمال میں ہونے والی اشیاء کے آثار ملتے ہیں۔ درابن میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام عبداللہ شاہ ایڈووکیٹ نے کیا۔ درابن کے ہردلعزیز ڈاکٹر محمد سعید انچارج سول ہسپتال درابن بھی ہماری محفل میں شامل ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب درابن کی جند جان ہیں۔ عبداللہ شاہ کے بزرگ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ بلخ بخارہ میں وسیع پیمانے



سید عبداللہ شاہ ایڈووکیٹ حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کو تحائف پیش کر رہے ہیں

پر تجارت کرتے تھے۔ عبداللہ شاہ نے کئی پرانی چیزیں خاص کر سو سالہ پرانی کراکری دکھائی۔ اس کراکری میں شیشے کے ایسے گلاس بھی دیکھنے کو ملے اگر ان میں زہر ڈال دیا جائے تو تڑتڑ کی آوازیں نکلتی ہیں۔ درابن کو اس علاقہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ماضی میں حملہ آور اور تجارتی قافلے یہاں پڑا کرتے تھے۔ عبداللہ شاہ نے قدیمی مسجد بھی دکھائی جو ان کے بزرگوں حاجی لال خان بختار نے تعمیر کروائی۔ مسجد کی دیواریں بہت چوڑی ہیں مینار بھی شاندار انداز میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ درابن اب ڈیرہ اسماعیل کی تحصیل ہے۔ درابن کے قریب ڈھیریاں نام کے بزرگوں نے درابن میں بہت بڑا حجرہ تعمیر کروا رکھا ہے۔ لاتعداد چارپائیاں آرام کیلئے بچھائی گئی ہیں۔ حجرہ میں پرانے زمانے کا گیزر بھی دیکھا جس کے نیچے رات کو گوبر ڈال کر آگ لگا دیتے۔ رات بھر گوبر آہستہ آہستہ جلتا رہتا۔ صبح پانی گرم ہو جاتا۔ یہ مٹکا نما گیزر اب بھی حجرہ کے باہر پڑے ہوئے ہیں۔ درابن



حجروں میں رکھے ہوئے گھڑوں میں پینے کا پانی

سے عبداللہ شاہ اپنے قافلہ کے ہمراہ جیپ پر سوار ہوئے اور ہماری راہنمائی کرتے ہوئے چودہوان کی طرف روانہ ہوئے درابن کے قریب ہی سے ایک سڑک درہ زندہ کوئٹہ ژوب کوہ سلیمان کی طرف جاتی ہے۔ دوسری سڑک چودہوان کی طرف جاتی ہے۔ چودہوان کا قبرستان میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ قریب تباہ شدہ بستی جو ڈھیری کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کھودائی کے دوران مجسمے، مورتیاں پرانے زمانے کے زیورات، موتی، سکے ملتے ہیں۔ یہ علاقہ حملہ آوروں کی گزرگاہ اور میدان جنگ رہا۔ درہ زندہ ایک تنگ درہ ہے۔ یہاں باغیوں کو قید کیا جاتا تھا۔ زنداں سے قید خانہ یعنی دارا کا قید خانہ جو بعد میں درہ زندہ مشہور ہو گیا۔ چودہوان میں کئی صحابی رسولؐ کے مزار اور نوگزے مزار بھی ہیں ایک قدیمی مزار حضرت شاہ عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ مزار کچا ہے مزار کے باہر ایک تختی پر یہ عبارت تحریر ہے۔

شاہ شاہان شیخ عبداللہ نمود۔ جاری او در جنت الماوی نمود۔ ایں مزار فیض اثار



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب درابن میں قدیمی مسجد

قدوۃ السالکین ۔ عبد الواسلین حضرت شاہ عبد اللہ صاحب ۔ عمرہ اللہ مرقد چودہوان ۔

حضرت سید شاہ عبداللہ کے مزار کے شمال کی طرف حضرت ملا قاسم رحمۃ اللہ کا مزار ہے۔ آپ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کے جنوب کی طرف قدیمی مسجد بھی ہے۔ چودہوان کے قبرستان میں سینکڑوں اولیاء کرام کے مزار ہیں۔ جن کے اسم گرامی پتھروں پر کندہ ہیں۔ اس قبرستان میں حضرت پیران حضرت غوث پاک کی اولاد سے وہ بزرگوں کی قبریں بتائی جاتی ہیں یہ قبریں کچی ہیں چار دیواری کے اندر ہیں۔ دُنیا کے سب سے قدیمی درخت ون کریا یہاں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ تمام قبریں پتھروں سے تعمیر کی گئی ہیں۔ اس سفر میں ہماری حاضری آستانہ عالیہ سراجیہ مجددیہ خانقاہ احمدیہ سعدیہ موسیٰ زئی شریف میں



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب چودوان میں غوث پاک کی اولاد کے بزرگوں کے مزار
چودوان کا قبرستان میلوں میں پھیلا ہوا ہے یہاں نوگزلمبی قبریں بھی ہیں اس تباہ شدہ بستی میں سے موتی ہار پتھر کی مورتیاں مٹی کے برتن اور برتنوں کے ٹکڑے کھدوائی کے دوران ملے ہیں چودوان کی یہ تباہ شدہ بستی قبر کی گنڈ اگاہ دامن کے قریب ہے۔

ہوئی۔ پاکستان میں نقشبندیہ سلسلہ کی یہ بہت بڑی درگاہ ہے۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری حضرت خواجہ محمد عثمانؒ۔ دامانیؒ۔ حضرت سراج الدینؒ صاحب اور حضرت محمد ابراہیمؒ۔ حضرت حاجی محمد اسمعیلؒ کے مزارات پر حاضری دی اور فوٹو حاصل کئے۔ حضرت صاحبزادہ محمد لقمان نے آستانہ میں ہمارے قافلہ کو لنگر سے نوازا۔ واپسی پر رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ مارچ کا موسم ناقابل یقین ہوتا ہے۔ راستہ میں اچانک طوفان آندھی ژالہ باری بارش نے آ گھیرا۔ بجلی کی کڑک چمک اولے گاڑی پر پڑتے۔ ٹھاہ ٹھاہ کی آوازیں اور پھر جنگل بیابان خوش قسمتی سے کار کی سکرین کا شیشہ بچ گیا۔ محمد نواز نے بہت مہارت سے ڈرائیونگ کی اور ہم متبادل راستہ سے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے۔ اس وقت رات کے دس بج چکے تھے۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب چودوان کے قبرستان میں حضرت سید عبداللہ شاہؒ کا مزار
مزار پر یہ عبارت تحریر ہے این مزار فیض آثار عمدۃ السالکین عمدالواصلین حضرت سید عبداللہ شاہؒ راقم نے 23 مارچ سن دوہزار دو کو مزار پر حاضری دی۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب چودوان کے قبرستان میں حضرت ملا قاسمؒ کا مزار
مزار پر تاریخ وصال 1314ھ درج ہے



قدیمی دور میں دریائے سندھ میں چلنے والے سٹیمر جو آج کل بیکار پڑے ہیں

ڈیرہ اسماعیل خاں کے قریب درہ گومل کا تاریخی پس منظر

پاکستان اور افغانستان کے درمیان پوری سرحد پہاڑی سلسلہ پر مشتمل ہے یہ پہاڑ کہیں سرسبز شاداب ہیں اور کہیں بالکل خشک ہیں ان پہاڑوں کے درمیان بڑی اور چھوٹی گزرگاہوں کو درہ کہتے ہیں جنکے ذریعے سارا سال آمدروفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ ماضی میں ڈیرہ اسماعیل خان سے دریائے سندھ کے ذریعے تجارتی مال کشتیوں کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچایا جاتا تھا۔ ڈیرہ اسماعیل سے گزرکر حملہ آور اور تجارتی قافلے ملتان لاہور اور وسطی ہند تک پہنچتے رہے۔ ڈیرہ اسماعیل کے قریب جنوبی وزیرستان میں درہ گومل مشہور درہ ہے ڈیرہ اسماعیل میں 1974ء میں قائم یونیورسٹی کو گومل یونیورسٹی کا نام دیا گیا ہے۔ درہ گومل کے راستے اللہ کے نیک بندے رشد ہدایت کیلئے اس سرزمین میں آئے۔ درہ گومل تک پہنچنے کیلئے ٹانک سے ڈیرہ روڈ جو آگے جاکر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک شاخ میراں شاہ جنوبی وزیرستان کی طرف اور دوسری درہ گومل کی طرف جاتی ہے۔ درہ گومل تک پہنچنے کیلئے کئی کچے راستے ہیں۔ پروفیسر محمد افضل امر ڈیرہ تہذیب و ثقافت کے آئینے میں کے مطابق پاکستان کے شمال مغربی سرحد کے دوسرے اہم دروں کی طرح وادی گومل کے سرے پر درو گومل عرصہ قدیم سے بیرونی حملہ آوروں اور مختلف قبائل تجارتی قافلوں کی گزرگاہ رہا ہے۔ برطانوی عہد میں درہ خیبر نے زیادہ اہمیت اختیار کر لی تھی۔ کیونکہ اس درہ سے گزرنے والی شاہراہ بیرونی ممالک سے زرخیز وادی پشاور کا رابطہ قائم کرتی تھی۔ اس زمانے میں درہ بولان کو بھی اس قدر اہم سمجھا جانے لگا۔ یہ درہ کوئٹہ کو بلوچستان کے راستے سندھ سے ملاتا ہے۔ اس لیئے خیبر و بولان کی نسبت درہ کرم ٹوچی اور گومل کو عمومی طور پر نظرانداز کیا گیا۔ قدیم حملہ آور قبائل اور مہم جو فرمانرواؤں نے ان شاہراؤں سے گزرکر جنوبی ایشیاء میں اپنی اپنی حکومتوں کی داغ بیل ڈالی۔ درہ کرم اور ٹوچی

کی شاہراہیں سلسلہ کوہستان کے جنوب سے گزرنے کے بعد کالا باغ تک پہنچتی ہیں اور درہ گومل کی شاہراہ کوہ نیلا اور کوہ خسیور کے ساتھ ساتھ آ کر دریائے سندھ کے کنارے بلوٹ پر ختم ہوتی ہیں۔ دوسری طرف یہ شاہراہ کوہ سلیمان کی مشرقی ڈھال کے ساتھ ساتھ ڈیرہ غازی خان تک بھی گئی ہے۔ اس محل وقوع کے اعتبار سے وادی گومل خاصی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ اس قدیم تاریخی شاہراہ پر واقع ہے جو درہ گومل سے گزر کر جنوبی ایشیا کو افغانستان اور ایران سے ملاتی ہے۔ 1918ء میں انقلاب روس سے پہلے یہ خطہ اسی شاہراہ کے ذریعے بخارا اور ثمر قند کی تجارتی اشیاء کا مرکز تھا یہاں سے مذکورہ ملکوں کا سامان تجارت ملتان' لاہور' بمبئی' دہلی (بھارت) کی تجارتی منڈیوں میں اچھے داموں فروخت ہوتا تھا اور اس طرح جنوبی ایشیاء کا سامان ان خطوں میں قدر قیمت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وادی گومل اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ایک ہی جغرافیائی وحدت کے دو نام ہیں۔ وادی گومل مشہور تاریخی درہ گومل کے سرے پر واقع ہے اور مشرق میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً طول میں زیادہ سے زیادہ 112 کلومیٹر اور شرقاً غرباً انتہائی عرض میں 88 کلومیٹر ہے۔ اس کی شکل ایک بے قاعدہ مخروطہ سے ملتی جلتی ہے جسکا سرا جنوب کی طرف ہے اور جسکے قائدے شمال میں کوہ خسیور' کوہ مروت و بھٹنی ہے اسکے مشرق میں دریائے سندھ اور مغرب میں کوہ سلیمان ہے۔ اس کی جنوبی سرحد 22 کلومیٹر ہے جو اسے ڈیرہ غازی خان سے جدا کرتی ہے کوہ خسیور کے پہاڑی سلسلے جو عموماً کوہ رتہ کے نام سے مشہور ہیں۔ دریائے سندھ اور کوہ بھٹنی کے مشرقی سرے کے درمیان اس وادی کا شمال مشرقی کونہ بناتے ہوئے مخروطہ کی مانند دور تک چلے گئے ہیں۔ سطح کے لحاظ سے اس وادی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑی اور ریگستانی علاقہ میں جس میں کوہ سلیمان' کوہ بھٹنی' کوہ شیخ بدین اور کوہ رتہ کے پہاڑی علاقے پہاڑیوں کا مغربی حصہ اور پنیالہ کا ریگستان شامل ہے۔ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ کا نشیبی یا زیریں علاقہ' جو کچی کے نام سے موسوم ہے۔ کچی کے علاقہ سے پہاڑی سلسلوں تک پھیلا ہوا وسیع و عریض میدان جو دامان کہلاتا

ہے۔ ویسے مجموعی طور پر اس وادی کی سطح میدانی ہے اس علاقے کی مقامی زبان کے مطابق داماں کا مطلب ہے دامن کوہ اور اصطلاحاً کوہ سلیمان کے پہاڑی سلسلوں کے دامن کا میدانی علاقہ جہاں پٹھان قبیلے آباد تھے داماں کہلاتا ہے اور اس علاقے سے لے کر کچھی تک کا باقی میدان جہاں جاٹ قبیلے آباد ہیں۔ اس وادی کی ڈھلوان مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔

داماں ایک وسیع و عریض بے آب و گیا میدانی علاقہ جہاں بارش کم ہوتی ہے لیکن زمین انتہائی زرخیز اور مٹی چکنی ہے سارا علاقہ بارانی ہے اور اس کی زراعت کا انحصار بارش پر ہے۔ داماں کی آبپاشی کا دارومدار ان ندی نالوں پر ہے جو مغربی اور شمال مغربی پہاڑی سلسلوں سے نکل کر اس خطے سے گزرتے ہوئے دریائے سندھ میں جا گرتے ہیں۔ مقامی روایات کے مطابق اس خطے میں ہندو راجہ حکمران تھا اس کے ایک وزیر کا نام ''گومل'' تھا اور اس کے نام پر درہ اور وادی کا نام گومل پڑ گیا۔ رگ وید میں دریا گومتی (GOMATI) اور کرمو (KRUMU) کا ذکر ہے اور گومتی سے درہ اور وادی گومل کے نام سے مشہور ہوئی۔ آریا دو ہزار قبل مسیح یا پندرہ سو قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں اس وادی میں داخل ہوئے ان کی ابتدائی بستیاں صوبہ سرحد کے دوسرے دریاوں کے علاوہ دریائے گومل کے کناروں پر بھی آباد ہوئی۔ شروع شروع میں اصلی باشندوں کے مقابلے کی وجہ سے ان کی پیش قدمی کی رفتار سست تھی مگر رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی بستیاں پنجاب اور سندھ میں پھیلا دیں۔ چنانچہ اس علاقے میں ان قبائل کی ابتدائی آبادکاری سے متعلق آریوں کی سب سے پرانی کتاب رگ وید سے ملتی ہے اس کتاب کے بعض حصوں سے ہمیں کم از کم پندرہ سو قبل مسیح کے زمانے کا پتہ چلتا ہے اور اس میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے دریاؤں کے علاوہ دریائے گومل کا بھی ذکر بیان ملتا ہے۔ محمد شریف کے تحقیقی مقالہ کے مطابق اس وادی میں دارابن یعنی دارا کا جنگل اور اس کے مغرب میں دارازندہ جو شاید دارازندان تھا۔ اس دارااول سے منسوب کئے جانے کا قوی امکان ہے۔ مقامی روایات کے مطابق دارابن اور اسکے آس پاس کے علاقے میں انتہائی گھنے جنگلات پائے جاتے تھے اور عہد قدیم میں

ایرانی شہزادے ان علاقوں میں شکار کھیلنے کے لیے آتے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دارازندہ میں عہد قدیم کے ایرانی بادشاہ اپنے باغیوں کو اس علاقے میں قیدی رکھا کرتے تھے گویا یہ علاقہ قدیم ایرانی شہنشاہوں کا زنداں تھا۔ ۳۳۰ ق م میں یونانیوں کے ہاتھوں ایرانی خاندان کا خاتمہ ہوا۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ تیرھویں صدی عیسوی کے ابتدائی حصے یعنی سلاطین دہلی کے عہد میں مختلف افغان قبیلے لودھی' سوری' پڑانگی اور نیازی درہ گومل سے گزر کر اس خطے کے مغربی اور شمال مغربی پہاڑی سلسلوں کے دامن کے ساتھ جہاں مستقل پانی کے نالے تھے آباد ہو گئے کچھ عرصہ کے بعد لودھی قبیلے نے پیش قدمی کر کے پہاڑپور اور کوٹلہ لودھیاں کی بنیادیں رکھیں۔



کوہ سلیمان کے دامن میں پہاڑ کی چوٹی پر تخت سلیمان

ڈیرہ اسماعیل خان کی چند تباہ شدہ بستیاں

ڈیرہ اسماعیل خان میں پرانے راستوں آبی گزرگاہوں بالخصوص دریائے گومل کے قریب کئی قدیمی بستیاں جو قدرتی آفات یا پھر حملہ آوروں کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اِن تباہ شدہ بستیوں کے آثار ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب جوار میں دیکھے جاسکتے ہیں ان میں چند مشہور تباہ شدہ بستیاں یہ ہیں۔

شادا ڈھیری

یہ ڈھیری گرہ شادا (گاؤں کا نام) کے قریب روڑی سے دو میل شمال مغرب کو دریائے گومل کے بائیں کنارے پر واقع ہے کافی رقبہ پر پھیلی ہوئی دو سو فٹ بلند ڈھیری ہے۔ بعض مقامی لوگوں کو اس ڈھیری سے قسم قسم کے نوادرات مثلاً مٹی کے برتن، سکے، کھلونے اور زیورات ملے ہیں اس ڈھیری سے برآمد ہونے والی اینٹ بڑے سائز کی تھی خیال ہے کہ یہاں کا قلعہ انہی اینٹوں سے بنا تھا۔ روایت یہ ہے کہ قدیم زمانے میں یہاں بہت بڑا پر رونق تجارتی شہر آباد تھا یہاں افغانستان اور ہندوستان کے مابین تجارتی مال کا تبادلہ ہوتا تھا کسی حادثے یا مغربی حملہ آوروں کی یلغار کی وجہ سے ویران ہوا۔ جس کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔

کنوڑی ڈھیری

یہ کھنڈر کنوڑی شہر سے ایک میل مشرق کو دریائے گومل کے کنارے پر واقع ہیں پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ نے 61-1960ء عیسوی میں ان کھنڈرات کی کھدائی کی یہاں سے جو نوادرات ملے ہیں اس سے شعبہ کے ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قدیم زمانے میں یہاں پر رونق تجارتی شہر آباد تھا۔ یہ شہر کسی لڑائی یا کسی آفاقی حادثہ کی وجہ سے ویران ہوگیا یہاں سے برآمد ہونے والے نوادرات پشاور میوزیم میں محفوظ ہیں۔

گمل حیات ڈھیری

یہ کھنڈرات ڈیرہ ٹانک روڈ کے کنارے ڈیرہ سے چھ میل کے فاصلے پر بستی حیات اور کورائی کے قریب واقع ہیں۔ ان کھنڈرات کی بھی پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ نے 1960-61ء عیسوی میں کھدائی کی۔ نوادرات پشاور میوزیم میں محفوظ ہیں۔

تھڑہ چودھوان۔ چودھوان کے کھنڈرات

یہ قصبہ تحصیل کلاچی میں واقع ہے یہاں پہاڑی پانی بکثرت سے بہتا ہے یہاں پر پرانی عمارتوں کے کھنڈرات ہیں یہ قصبہ کسی زمانے میں حاکم وقت کا صدر مقام تھا۔ بدھ مت کی پرانی مورتیاں پرانے برتن زیورات ان کھنڈرات سے ملے ہیں۔ اَب بھی زوردار بارش ہو تو تباہ شدہ بستی سے پرانے زمانے کی چیزیں ملتی ہیں۔

درابن

یہ مشہور قصبہ تحصیل کلاچی میں واقع ہے یہاں بھی ہندو راج رہ چکا ہے جس کا ثبوت پرانے سکے اور زمین اور عمارتوں سے ملتا ہے یہاں سے بلوچستان کو سڑک جاتی ہے۔ شری گوسائیں کیول رام جی نے بلوٹ آنے سے پہلے یہاں تھڑہ درابن میں بنوایا تھا جس کے کھنڈرات موجود ہیں انہوں نے کچھ مدت یہاں قیام کیا تھا۔

رحمان ڈھیری

یہ کھنڈرات ڈیرہ بنوں روڈ پر ڈیرہ سے چودہ میل کے فاصلے پر سڑک سے مغرب کو چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہیں۔ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ نے 1976ء عیسوی میں ان کی کھدائی کی جو نوادرات ملے اُن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہاں پر قبل مسیح میں ایک پر رونق شہر آباد تھا اس کی تاریخ ہڑپہ اور موہن جوداڑو سے بھی پرانی ہے۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب تباہ شدہ بستی رحمٰن ڈھیری سے ملنے والے برتنوں پر نقش نگار
آج بھی نمایاں ہیں



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب تباہ شدہ بستی رحمٰن ڈھیری سے ملنے والے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے

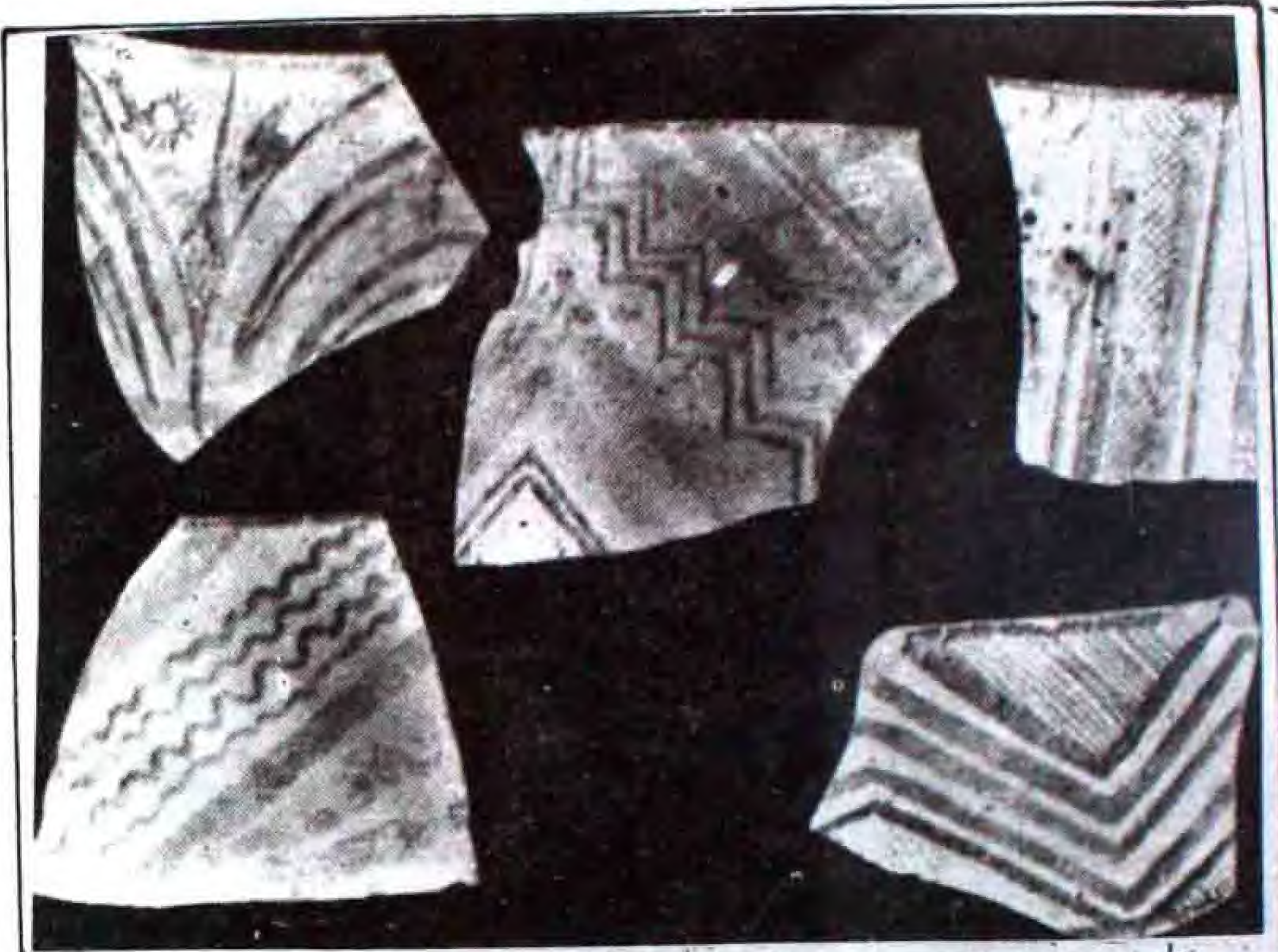


رحمٰن ڈھیری ڈیرہ اسمٰعیل خان کی تباہ شدہ بستی سے دریافت ہونے والا مٹکا

قلعہ ٹل اور قلعہ بل (کافر کوٹ)

ٹل اور بل کی پرانی تہذیبیں بلوٹ کے قریب میں کسی زمانہ میں دریائے سندھ یہاں بہتا تھا۔

ڈیرہ اسماعیل کے کھنڈرات اور برآمدہ سکوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس سرزمین پر جہاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان واقع ہے کسی زمانے میں ہندوؤں کا راج تھا اس کے بعد یونانیوں اور تاتادیون کا تسلط ہوا جس وقت یہاں مسلمان آئے تو غزنی اور خراساں میں سبکتگین کی سلطنت تھی اور سارے دامان (کوہ دامن) میں راجہ بل کی حکومت تھی جسکا پایہ تخت بلوٹ میں تھا۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب تباہ شدہ بستی رحمٰن ڈھیری سے ملنے والی مٹی کے جار کے ٹکڑے

قلعہ ٹل (کافرکوٹ)

اس قلعہ کے آثار چشمہ سے چند فرلانگ شمال کو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ایک پہاڑی چوٹی پر واقع ہیں ماضی میں مسلمان اس کو کافرکوٹ کے نام سے پکارتے تھے اور ہندو اس کو راجہ ٹل کا قلعہ کہتے تھے روایت مشہور ہے کہ راجہ ٹل، راجہ بل کے خاندان سے ہوا ہے جس کا قلعہ بلوٹ سے جنوب کی طرف پہاڑی پر ہے۔

قلعہ ٹل کافرکوٹ پہاڑی کے دامن میں دریا کے کنارے پرانے زمانے کی ایک کوٹھی بنی ہوئی ہے مقامی لوگ اس کوٹھی کو کنجری (طوائفہ) کی کوٹھی کہتے ہیں ایک روایت ہے کہ اس قلعہ کی آبادی کے زمانہ میں قلعہ سے کنجری کی کوٹھی تک پہاڑی میں ایک سرنگ بنی ہوئی تھی جس کے ذریعے قلعہ کے مکین کنجری کی کوٹھی تک آمدروفت کیا کرتے تھے اب یہ سرنگ موجود نہیں ہے پہاڑی پر چڑھنے کیلئے جو راستہ ہے اس کے کنارے جگہ جگہ حوض دکھائی دیتے ہیں روایت ہے کہ ان حوضوں کے ذریعے قلعہ تک پانی لے جایا جاتا تھا قلعہ

کے نواح میں ہندو دور کے چند عمارتیں بھی ہیں اس کے علاوہ مغلیہ دور کے نمونہ تعمیرات کے ایک قلعہ کے کھنڈر بھی پائے جاتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مندرجہ بالا دونوں قلعے یعنی مل اور بل دفاعی قلعے تھے ان کا ایک دوسرے سے مواصلاتی رابطہ دن کو نقاروں کے ذریعے اور رات کو روشنی کے ذریعے ہوا کرتا تھا یہ قلعہ اور اس سے ملحقہ عمارات قریباً 60 ایکڑ رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں قلعہ کی دیواریں تخمیناً 25 فٹ اُونچی ہیں۔ قلعہ کے اندر چار مندروں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان بلوٹ کے قریب پہاڑ پر کافر کوٹ کے کھنڈرات بدھ دور کی عبادت گاہیں

قلعہ بل

اس قلعہ کے کھنڈرات موجودہ بلوٹ شہر سے ایک میل جنوب کو دریائے سندھ کی پرانی گزرگاہ کے کنارے پہاڑی کی ایک چوٹی پر واقع ہیں قلعہ کے اس پار ہندو عبادت گاہوں کے کھنڈرات ہیں پہاڑی پر چڑھنے کیلئے پرانے زمانے کی ایک شاہراہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔

یہاں سے کچھ فاصلے پر ہندوؤں کا ایک متبرک تالاب ہے جس کو ''رام کنڈ'' کہتے ہیں رام کنڈ کا تالاب اس قسم کے پتھروں سے بنا ہوا ہے جو ماڑی انڈس نزد کالا باغ کے ہندو مندروں پر لگا ہوا تھا۔ راجہ بل نے یہ قلعہ رنگ آمیز پختہ پتھر سے تعمیر کرایا تھا۔ اس قلعہ میں بھی پانی دریائے سندھ سے لیا جاتا تھا جو اس وقت ساتھ بہتا تھا۔ سلطان محمود غزنوی یا سلطان محمود غوری نے اس قلعہ کو مسمار کر دیا تھا۔

جنرل کننگھم کی کتاب آثار قدیمہ سے بھی ان قلعوں کا پتا چلتا ہے۔



رحمن ڈھیری ڈیرہ اسمٰعیل خان کی تباہ شدہ بستی سے دریافت ہونے ٹوٹا ہوا مٹکا

ڈیرہ اسمٰعیل خان میں کالی دیوی کا مندر

کالی دیوی کا مندر بازار توپانوالہ دروازہ کے باہر ریلوے ایجنسی اور پولیس چوکی کے پیچھے ہے پہلے پہل سیٹھ بھگوانداس نے اس جگہ پر کچا مندر بنوادیا تھا۔ یہ مندر ڈیرہ میونسپل کمیٹی کی طرف سے 08-1907ء کی پلیگ میں ہندو سیوا کرنے والوں مول چند۔ چوھارام۔ ناﮈارام حلوائی۔ روپ چند نجھارا۔ دیوی داس نانکپال وغیرہ کو بطور انعام میں ملا اور اس وقت اس مندر کے اگلے حصہ میں یعنی سڑک کے ساتھ ملک لیلا رام کا مسافر خانہ بھی بنایا گیا تھا۔ یہ مسافر خانہ آج کل تاج محل ہوٹل کے نام سے موجود ہے اور مذکورہ مندر اب اسی ہوٹل کا حصہ ہے۔ 1941ء میں سیٹھ کالورام ٹھیکیدار لاہور نے زر کثیر خرچ کر کے اس مندر کو از سر نو پکا اور بڑا عالی شان بنوادیا۔ اس کے اندر کالی دیوی کی مورتی، شوالہ اور مہاویر ہنومان کی مورتی تھی۔ اس مندر میں ایک بڑا گھڑیال تھا۔ جس کی آواز سارے شہر میں پہنچتی تھی۔ شری باوا ہری داس اس مندر کا پجاری تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے مندر میں سیلیاں والے اور گھنگھرو والے باوے رہا کرتے تھے۔ کالی دیوی کے مندر کے بیشتر حصے سنگ مرمر سے تعمیر کئے گئے ہیں یاتریوں کے لئے کمرے بھی تعمیر کئے گئے ہیں صحن میں پیپل، بوہڑ کے قدیمی درخت بھی موجود ہیں مورتی کے رکھنے کے لئے تھڑا کے اوپر برجی بنائی گئی ہے۔ یہ مندر آج بھی دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ جو نہایت خوبصورت لگتا ہے۔ تاج محل ہوٹل والوں کا قبضہ ہے۔ کمرے رہنے کے قابل نہیں ہیں لیکن پھر بھی مہمان مسافر رہائش پذیر رہتے ہیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں یہ بات مشہور ہے قلعہ آکال گڑھ جس کا نام اب قلعہ اقبال گڑھ ہے کہ اندر سے ایک سرنگ کالی دیوی کے مندر کی طرف جاتی تھی۔ اس سرنگ کا دہانہ چھ سات فٹ بتایا جاتا ہے۔ اس سرنگ کے آثار اب بھی قلعہ میں موجود ہیں۔ یہ سرنگ اب بند کر دی گئی ہے۔ یہ بات عام طور پر مشہور ہے پرانے قلعہ بند

شہروں کے زیرزمین سرنگیں ہوتی تھیں۔ کسی بغاوت یا حملہ آور کے دباؤ کی وجہ سے قلعہ سے حفاظت کے ساتھ بھاگا جاسکے۔ یہ سرنگیں اتنی کشادہ ہوتی تھیں ہاتھی گھوڑا سوار آسانی سے گزر سکتا تھا۔ ان سرنگوں میں روشنی اور ہوا کے لئے کہیں کہیں سوراخوں والے روشندان نصب ہوتے تھے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں کالی دیوی کا مندر ابھی تک صحیح حالت میں ہے مندر ہندوؤں کی طرز تعمیر کی عکاسی کرتا ہے۔ کتاب ہندوصنمیات از ڈاکٹر مہر عبدالحق



راقم حاجی ایم زمان کھڈ کھر ایڈووکیٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں کالی ماتا کے مندر میں کھڑے ہیں

نے کالی دیوی کا پس منظر یوں بیان کیا ہے کالی (سیاہ فام عورت) اب اُسے کالی مایا کالی ماتا کہتے ہیں۔ اس صورت میں اُس نے چندی کی مدد سے دیو کے فوجی سردار رَکتاوجا کو قتل کیا۔ رَکتاوِجا کے آدمی مارے گئے تو اس نے دیوی پر خود حملہ کر دیا تھا۔ جب زمین پر گرنے والے اس کے خون کے ہر قطرے سے ایک ہزار سپاہی پیدا ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اس کی طاقت کے برابر تھا تو اس وقت دیوی کی ایک صورت چندی پیدا ہوئی جو اس کی مدد کو پہنچی۔ کالی نے دیو کا خون پی لیا اور نئے سپاہیوں کو پیدا ہونے سے روک لیا۔ چندی نے بڑھکر دیو کو قتل کر دیا۔ کالی کو ایک سیاہ فام عورت کی شکل میں دکھایا جاتا ہے جس کے چار بازو ہیں۔ ایک میں تلوار ہے، دوسرے میں اس دیو کا سر ہے جسے اس نے قتل کیا ہے اور باقی دو کے ساتھ وہ اپنے پجاریوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ بالیوں کی بجائے دو لاشیں ہیں اور گلوبند کی جگہ کھوپڑیوں کا ہار ہے۔ اس کے جسم پر سوائے ایک جانگھیا کے اور کچھ نہیں ہے اور جانگھیا بھی کیا ہے مردہ آدمیوں کے ہاتھ ہیں۔ اسکی زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھیں شرابیوں کی آنکھوں کی طرح سرخ ہیں۔ اس کے چہرے اور سینے پر خون کے دھبے ہیں۔ یہ اپنی ران پر ایک پاؤں رکھ کر کھڑی ہے۔ اس کا دوسرا پاؤں اس کے خاوند کے سینے پر ہے۔ دیوؤں پر فتح پانے کے بعد وہ اتنا ناچی تھی کہ زمین کانپنے لگی۔ شوا نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر یہ اپنے رقص میں اس قدر وارفتہ ہوگئی کہ اُسے خاوند کا پتہ بھی نہ چلا۔ وہ مردہ لاشوں میں لیٹ گیا اور یہ اس پر بھی ناچنے لگی لیکن اچانک اس نے دیکھ لیا کہ خاوند اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ خاوند کی اِس بے حرمتی پر شرم کے مارے اس نے اپنی زبان باہر نکالی پہلے وقتوں میں سب سے پہلے انسانی قربانیاں کالی کو پیش کی جاتی تھیں اب یہ قربانیاں بند ہو چکی ہیں ہندوؤں کے بقول بارہ سنگا ہنو سر کا گوشت کالی کو پانچ سو سال تک خوش رکھتا ہے ایک انسان کی قربانی جو مقررہ قوانین کے مطابق ہو دیوی کو ایک ہزار سال تک مسرور رکھتی ہے شیر دوسرے جانوروں کالی دیوی پر

قربان کیا جاتا تھا عورت کی قربانی بالکل ممنوع ہے مالدار لوگ نوکر مقروض خرید شدہ مفلس مجرم وغیرہ کی قربانی دیتے۔ قربانی والی بھینس کی عمر چار سال اور انسان کی عمر پچیس سال کی ہو۔ دشمن کی بجائے کسی اور شخص یا جانور کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان بھینس یا بکری وغیرہ کو دشمن کا نام دیا جائے گا ساری رسومات میں اسی نام کو دہرایا جائے گا تصور یہ کر لیا جائے گا کہ دشمن کی روح اس کے اندر آ جاتی ہے اس طرح اس کی موت سے دشمن کی موت بھی ہو جاتی ہے بعض پجاری اس ظالم دیوی کو خوش کرنے کے لئے اپنا جسم جلا ڈالتے ہیں۔

چشمہ رائٹ بنک کنال ہل اور بل کے کھنڈرات

میانوالی اڈا پر ڈیرہ اسمعیل خان کے لئے ویگن تیار کھڑی تھی جو تین بجے سہ پہر ڈیرہ اسمعیل خان کے لئے روانہ ہوئی ڈرائیور نے راقم کو ویگن کی فرنٹ سیٹ دے دی تاکہ میں سفر کے دوران اس سرزمین کا مشاہدہ کرسکوں دریائے سندھ میانوالی اور ڈیرہ اسمعیل کے درمیان بہتا ہے۔ میانوالی سے ڈیرہ اسمعیل خان 150 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے سڑک جھیل کے ساتھ جاتی ہے میانوالی سے مختلف اطراف کو سڑکیں جاتی ہیں خوشاب 130 کلومیٹر ملتان 350 کلومیٹر۔ لاہور 300 کلومیٹر۔ سرگودھا 133 کلومیٹر۔ بنوں 200 کلومیٹر۔ بھکر 120 کلومیٹر ۔کندیاں 10 کلومیٹر۔ چشمہ براج 18 کلومیٹر میانوالی سے جو بڑی سڑک گزرتی ہے وہ ایم ایم روڈ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سڑک پاکستان کی بہترین سڑکوں میں سے ایک ہے۔ چشمہ کے مقام پر دریائے سندھ پر چشمہ براج بجلی گھر بند اور نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جھیل کا پانی دور دور تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا کئی مناظر پیش کرتا ہے اللہ تعالی نے وطن عزیز کو دریاؤں جیسی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے چشمہ رائٹ بینک کنال کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ واپڈا خبر نامہ کے مطابق یہ بین الصوبائی منصوبہ دریائے سندھ کے دائیں جانب شمال مغرب میں صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کی تقریباً 606,000 ایکڑ مجموعی زمین کو سیراب کرے گا۔ اس منصوبے کے تحت چشمہ بیراج سے 170 میل لمبی نہر نکالی گئی جو تونسہ بیراج تک پھیلی ہوئی ہے۔ چشمہ رائٹ بینک کنال کا پہلا مرحلہ 1986ء میں مکمل ہوا جس کی کل لمبائی 52 میل ہے جس کا 24 میل لمبا پہلا حصہ مٹی سے بنا ہوا ہے جبکہ باقی 28 میل کا حصہ پختہ ہے۔ یہ تقریباً 50 ہزار ایکڑ زمین سیراب کرتا ہے اور اس میں 1226 کیوسک پانی گزرنے کی صلاحیت ہے

۔ پہلے مرحلے کے دوران 5 نہریں نکالی گئی ہیں جن کی مجموعی لمبائی 35 میل ہے۔اس منصوبے کے بنیادی ڈھانچے میں 32 پیراج اور 17 کراس ڈرینج شامل ہیں۔اس منصوبے کی بڑی نہر میں پانی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے 2 کراس ریگولیٹرز بھی تعمیر کئے گئے ہیں جو دوسری نہروں میں بھی پانی کی فراہمی کو کنٹرول کریں گے۔اس منصوبے میں نہر سے ایسی صورت میں پانی نکالنے کے لئے جب نہر میں بارش یا تعمیری کام کے دوران پانی کی ضرورت نہیں ہوگی اخراجی ڈھانچے بھی بنائے گئے ہیں۔چشمہ رائٹ بینک کینال کے پہلے مرحلے میں کام 2292 ملین روپے کی لاگت سے جنوری 1978ء میں شروع کیا گیا تھا۔اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ایشیائی ڈیویلپمنٹ بینک نے 79 فی صد اور حکومت پاکستان نے 21 فی صد اقتصادی معاونت کی۔اس منصوبے کا دوسرا مرحلہ 24 میل لمبا ہے جو مکمل طور پر پختہ ہے۔یہ 94 ہزار ایکڑ زمین کو سیراب کرتا ہے۔اس سے تقریباً 800 کیوسک پانی کا اخراج ممکن ہے۔اس مرحلے میں 11 نہریں نکالی گئی ہیں جن کی مجموعی لمبائی 58 میل ہے۔اس کا بنیادی ڈھانچہ 20 پیراجوں 21 کراس ڈرینج اور 3 کراس ریگولیٹرز پر مشتمل ہے۔اس میں پانی نکالنے کے لئے ایک اخراجی ڈھانچہ بھی تشکیل دیا گیا ہے۔اس مرحلے پر کام اگست 1988ء شروع کیا گیا تھا اور یہ جنوری 1994ء میں 2087 ملین روپے کی لاگت سے مکمل ہوا۔چشمہ رائٹ بینک کینال کے تیسرے مرحلے کی لمبائی



چشمہ رائٹ بنک کنال ڈیرہ اسمٰعیل خان

94 میل ہے، جو 362000 ایکڑ زمین بھی شامل ہے اس مرحلے میں پانی کی اخراجی صلاحیت 2853 کیوسک ہے۔ اس مرحلے کے دوران 34 نہریں نکالی گئی ہیں جن کی مجموعی لمبائی 282 میل ہے اور ... بنیادی ڈھانچے میں 33 ہیراج، 29 کراس ڈرینج اور 18 کراس ریگولیٹرز شامل ہیں۔ اس میں 4 ... ڈھانچے بھی بنائے گئے ہیں۔ تیسرے مرحلے پر کام فروری 1995 میں شروع ہوا اور جس کی جلد تکمیل میں ... حکومت کی ... سمت عملی اور واپڈا کی ان تھک محنت کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اس کے تخمینے میں ایشیائی ڈویلپمنٹ بینک کا 65 فی صد جرمنی کے ایف ڈبلیو کا 14 فی صد اور حکومت پاکستان کا 21 فی صد اقتصادی حصہ شامل ہے۔ چشمہ رائٹ بینک کینال کے تحت سیلاب کے نقصان سے بچنے کے لئے 185 میل پر مشتمل فلڈ کیریئر چینلز بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہ فلڈ چینلز سیلابی ریلوں کو قریبی اخراجی مقامات تک لیجانے میں معاون ثابت ہوں گے۔ چشمہ کے مناظر ختم ہوتے ہی ڈیرہ اسمٰعیل خان کے پہاڑی علاقہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ عمر خیل کڑی خیسور مدی خیل کی مشہور بستیاں ہیں۔ میانوالی ڈیرہ اسمٰعیل خان روڈ بلوٹ شریف کے قریب سے گزرتی ہے بلوٹ شریف میں کئی پرانی تہذیبیں دفن ہیں یہاں دو نو گز لمبی قبریں ہیں۔ بلوٹ شریف میں حضرت شاہ عیسیٰؒ کے علاوہ کئی اولیائے کرام کے مزارات ہیں۔ بلوٹ شریف کے قریب پہاڑوں پر ہل اور بل کے قلعے اور کنڈرات ہیں ہل کے کھنڈرات چشمہ سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں۔ درہ تنگ سے عیسی خیل کے لئے سڑک جاتی ہے۔ ہل اور بل دونوں بھائی تھے جو یہاں کے حکمران ہو گزرے ہیں محمد شریف کے مطابق ان کا زمانہ قبل مسیح بتایا جاتا ہے کسی زمانہ میں دریائے سندھ کافر کوٹ کے پہاڑوں کے قریب بہتا تھا۔ بل کے کنڈرات یا کافر کوٹ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بدھ دور عبادت گاہیں ہیں جو پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے پہاڑوں کی چوٹی پر ہونے کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ سیاح کافر کوٹ کے کنڈرات دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ بلوٹ شریف سے گزرنے کے بعد سامنے پہاڑوں پر یہ عمارت دور سے نظر آتی ہے۔ میدانی علاقہ زرخیز اور شاداب ہے ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ کافر کوٹ کے پہاڑوں کے دامن میں نو گز لمبا مزار ہے۔ بلوٹ شریف کے قریب ستی کیول رام نام کا مشہور مندر ہے۔ ہندوستان کے علاوہ سندھ سے ہندو اس مندر کی یاترہ کے لئے آتے ہیں۔ مندر کے رکھوالے مسلمان ہیں جنات سایہ میں مبتلا لوگ اس مندر میں آتے ہیں۔ اس سارے سفر میں پہاڑوں کے دامن میں کھجوروں کے باغ ہیں۔ ڈگی قصبہ کھجوروں کے لئے مشہور ہے۔ ڈگی کی کھجور پاکستان کے علاوہ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ علاقہ کھجوروں کی چھوٹی صنعت کے لئے مشہور ہے مین سڑک سے تھوڑے سے فاصلے پر کوٹلہ لودھیان ہے۔ یہ بستی لودھی دور کی ہے پہاڑی کی چوٹی پر پرانی بستی کے آثار ملتے ہیں۔ کوٹلہ لودھیاں میں اعلیٰ قسم کی کھجوروں کے باغات ہیں یہ علاقہ بہت زرخیز اور شاداب ہے۔ یہاں تین نو گز لمبے مزار ہیں قصبہ کوٹ جائی کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل

ہے ۔رنگ موڑ سے آگے پہاڑ پر جو ڈیرہ اسمٰعیل کی تحصیل ہے۔ سے ایک لنک روڈ پنیالہ شریف کی طرف جاتی ہے پنیالہ شریف اس خطہ کی قدیم ترین بستی ہے۔ کئی حملہ آور پنیالہ شریف سے گزر کر آگے بڑھے یہاں پہاڑوں کے دامن میں کئی تباہ شدہ شہروں کے آثار ملتے ہیں کھدائی کے دوران پرانے سکے مٹی کے برتن تلواریں خنجر ہیرے موتی ۔کوڈیاں ملتی ہیں ۔پنیالہ شریف کی زمین بہت زرخیز ہے کئی چشمے اور آبی گزرگاہوں نے پنیالہ شریف کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ پرانی سڑکیں پنیالہ شریف کے قریب سے گزرتی ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر کئی نوگز لمبے مزار ہیں۔ سورج پہاڑوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ مغرب کی آذان کے ساتھ ہی گاڑی ڈیرہ اسمٰعیل خان شہر میں داخل ہوئی۔ حسب سابق محمد شریف اور محمد نواز گاڑی لئے میرے منتظر تھے



ڈیرہ اسمٰعیل خان کافر کوٹ پہاڑوں کے دامن میں حاجی ایم زمان کھوکھر اور محمد شریف ، افغان مہاجر کے ساتھ کھڑے ہیں

لکی مروت کا تاریخی پس منظر

بنوں ڈیرہ روڈ پر بنوں سے قریباً 32 کلومیٹر کے فاصلہ پر روڈ پر تاجہ زئی شہر سے مشرق کی طرف قریباً 9 کلومیٹر کے فاصلے پر لکی مروت شہر آباد ہے۔ پہلے یہ دریائے گمبیلا کے شمالی کنارے پر آباد تھا۔ جو کہ معمولی سا گاؤں تھا۔ وہاں ایک ہندو لکھی نامی دکانداری کیا کرتا تھا۔ اسی ہندو دکاندار کے نام پر اسے لکھی کہا گیا جو کہ کثرت استعمال سے لکی بنا۔ کچھ عرصہ بعد نامعلوم وجوہ کی بناء پر یہ گاؤں منتقل ہو کر دریائے گمبیلا کے جنوبی کنارے پر آباد ہو گیا۔ تقسیم سے قبل یہاں اکثریت ہندوؤں کی تھی اور کاروبار انہیں کے ہاتھوں میں تھا لکی مروت میں تعداد کے لحاظ سے مروت قبیلہ سب سے بڑا ہے۔ مروت قبائل قندھار اور غزنی کے راستے افغانستان اور پھر لودھی دور حکومت میں پہلے پہل صوبہ سرحد کے علاقہ ساؤتھ وزیرستان میں درہ گومل کے راستے داخل ہوئے اور وانا کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں آباد ہوئے جس کی وجہ سے وہ پہاڑی ''مروتی'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ انڈین ہائی وے روڈ پر اسکے بعد ایک بہت بڑا قصبہ ''پیزو'' نامی آتا ہے یہ درہ پیزو کے نام سے مشہور ہے یہاں پر ''لکی سیمنٹ فیکٹری'' بھی ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ ایک درہ تھا اور یہاں پہلے کوئی آبادی نہیں تھی مگر انگریزوں نے پہلے پہل یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ بنایا۔ دس سواروں کی حفاظتی لیوی بھی یہاں تعینات کی گئی۔ اس قلعہ کا حاکم ایک پٹھان سردار مٹھو خان ابراہیم زئی تھا۔ جس نے ذاتی دلچسپی لے کر وہاں کچھ آبادیاں قائم کیں شیخ بدین جو کہ صحت افزا مقام ہے درہ پیزو کے پہاڑی سلسلہ میں ہے۔ اسے کچھ لوگ کوہ مروت بھی کہتے ہیں اسکی سب سے اُونچی چوٹی کو شیخ بدین کہتے ہیں یہ سطح سمندر سے 1365 میٹر بلندی پر ہے اس چوٹی کو شیخ بدیں اس گاؤں کی وجہ سے کہا جاتا ہے جو چوٹی پر اسی نام سے مشہور ہے یہ پہاڑی سلسلہ درہ پیزو سے لیکر درہ تنگ تک چلا گیا ہے اور جنوبی حصہ اس سلسلہ کا ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع ہے جہاں نیپالہ

شہر آباد ہے درہ پیزو سے آگے مین روڈ پر قریباً 10 میل کے فاصلے پر نیپاری شہر جانب شرق واقع ہے بہت خوبصورت وادی ہے۔ چشموں اور مزارات کا شہر کہا جاتا ہے۔

شیخ بدین کی چوٹی پر اللہ کے ولی کا مزار ہے جو غالباً ہمدانی ہے اسکو شیخ بدین یا زندہ والا فقیر کہتے ہیں۔ زیارت کیساتھ والے کمرہ میں حضرت شیخ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی چارپائی رکھی ہے سننے میں آیا ہے کہ یہاں پر پیران پیر صاحب تشریف لاتے یہاں پر جنات کے فیصلے کرتے تھے۔

اور ہند میں ولایت کی تقسیم اسی پہاڑ سے کی تھی۔ دریائے ٹوچی بنوں شہر سے 13 کلومیٹر مغرب میں بنوں ضلع میں داخل ہوتا ہے۔ اس دریا کی تہہ میں ہوید گاؤں کے نزدیک پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں جس کی وجہ یہاں پانی ہمیشہ پایا جاتا ہے۔ یہ دریا جب بنوں میں داخل ہوتا ہے تو اسے گمبیلا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جو لکی مروت کے قریب دریائے کرم میں جا کر ملتا ہے۔

دریائے کرم بنوں ضلع کا سب سے بڑا دریا ہے یہ بنوں شہر کے قریب سے گزرتا ہے اور ضلع میں شمال مشرق سے داخل ہوتا ہے یہ وزیرستان کی پہاڑیوں سے گزر کر آتا ہے۔ یہ بنوں شہر کے قریب شمال سے مشرق کی طرف بہتا ہے۔ لکی مروت کے قریب جہاں دریائے گمبیلا کا سنگھم ہے یہ دریا مشرق کی جانب مڑ جاتا ہے۔ شیخ بدین کی پہاڑیوں اور میدانی پہاڑیوں کے درمیان درہ تنگ سے ہوتا ہوا میانوالی میں داخل ہو جاتا ہے۔

اب تین سو سال سے قوم مروت یہاں قابض ہے اسلئے یہ علاقہ لکی مروت کہلاتا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے آثار قدیمہ

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں جو آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں ان سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ اس سرزمین پر نہ صرف آبادی موجود تھی بلکہ ق م سے اپنے اندر ایک شاندار تہذیب رکھتی تھی۔ شادا ڈھیری، کنوڑی ڈھیری، گومل حیات ڈھیری، رحمان ڈھیری،



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مشہور شہر پنیالہ میں قدیمی تلوار، سکے اور نوادرات دیکھ رہے ہیں۔

قلعہ کافر کوٹ اور اس طرح کی کئی ڈھیریوں کے آثار قدیمہ کے دریافت سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ یہاں اس سرزمین پر یکے بعد دیگرے مختلف تہذیبوں کے نقش ثبت ہیں۔ کتاب ''تاریخ پاکستان'' کے مصنف محمد علی چراغ صفحہ نمبر 35 پر لکھتے ہیں پاکستان کے صوبہ سرحد میں ڈیرہ اسماعیل خان سے جانب شمال 14 میل کے فاصلے پر رحمان ڈھیری کو پاکستان میں پہلا شہر کا نشان کہا جا سکتا ہے۔ اس ابتدائی شہر کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ وہ چار ہزار سال قبل مسیح میں موجود تھا۔ یہ بھی محتاط اندازے اور شواہد سے معلوم ہوا ہے کہ وہ شہر قلعہ بند تھا بیرونی دشمنوں سے محفوظ تھا اور اس شہر کے باشندوں کی تعداد دس پندرہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس شہر میں سے ملنے والے آثار و شواہد' مہروں' ہڈیوں پر کھدے ہوئے نشانات' مٹی کے برتنوں پر کھدے اور اُبھرے ہوئے نشانات اور علامتوں اور رنگین اشدوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں وادی سندھ کے لوگوں سے بھی پہلے اپنا کوئی رسم الخط موجود تھا۔ مذکورہ بالا آثار قدیمہ اس امر کی نشان دہی کرتی ہیں کہ دریائے گومل جو کسی زمانے میں ایک مستقل دریا تھا جو افغانستان سے نکل کر کوہ سلیمان سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ میں گرتا تھا۔ اس کے کنارے پر مشہور پر رونق اور تجارتی شہر آباد تھے۔ بعد میں کسی لڑائی یا کسی آفاتی حادثات کی وجہ سے ویران ہو گئے۔ جس کے نوادرات پشاور میوزیم میں موجود ہیں۔

بھٹنی قبائل

قیس عبدالرشید کے تیسرے بیٹے بٹیان کی نسل سے ان کا تعلق ہے ان کی جائے رہائش بنوں سے ٹانک تک کوہ گر سے لیکر درہ گومل تک ہے۔ اس قبیلے کی تین شاخیں تاتا قبیلہ' دانا' وزسپون ہیں۔ شکل یہاں تک کہ کچھ بول چال بھی مروت قبائل سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ ایک خاص پہاڑی قبیلہ ہونے کی وجہ سے ان میں جرات و بہادری کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ اس قبیلے نے خصوصی طور پر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کی اور پوری سرگرمی سے انہیں کچلنے میں حصہ لیا۔

10 محرم کو ہنستا بستا ڈیرہ اسماعیل خان ویران ہو گیا

23 مارچ راقم کے ہمراہ محمد شریف قیوم ناز' محمد نواز مطالعاتی دورے پر درابن' موسیٰ زی' چوہدوان قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری دی۔ 24 مارچ کوٹا نک ڈیرہ منزی' خرگانی کے قریب صحابہ کرام کے مزارات پر حاضری دی۔ 25 مارچ 10 محرم کو بنوں ہماری روانگی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میں راقم محمد شریف اور محمد نواز کا منتظر تھا۔ ہوٹل سے باہر نکلا ہر طرف ویرانی تھی۔ ٹرانسپورٹ دکانیں بند بازار بند' ہر قسم کی نقل وحرکت پر پابندی کرفیو جیسا سماں' میں روز ہوٹل کے کمرہ 1103 میں بند شریف صاحب گھر میں بند ہو کر رہ گئے محمد نواز گاڑی لے کر سڑک پر نکلا ہی تھا اسے واپس گھر بھیج دیا گیا معلوم ہوا کہ جلوس صبح سات بجے نکلے گا ایک بجے ختم ہو جائے گا آج ہنستا بستا ڈیرہ اسماعیل خان ویران اور سنسان نظر آ رہا ہے۔ آج معلوم ہوا اللہ کی زمین پر انسان کی وجہ سے کتنی رونق ہے مخلوق خدا کی وجہ سے شہر آباد ہیں لیکن افسوس مسلمان مسلمان کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے اخوت محبت کے رشتے ختم ہو گئے ہیں محمد نواز مجھے بتا رہا تھا کہ دس بارہ سال قبل ڈیرہ اسماعیل خان پیار محبت کے لحاظ سے ایک مثالی شہر تھا۔ آج معلوم نہیں اسے کس کی نظر لگ گئی ہر طرف پولیس ایف سی فوج کی گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ صبح سویرے سے بجلی بند کر دی گئی ہے لمبے لمبے علم تاروں کو چھونے سے انسانی جانوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے آج ہر فرد کے منہ سے یہی دعا نکل رہی ہے یا اللہ آج کے دن خیر و عافیت رہے' آج کا دن خیر سے گزر جائے۔ 10 محرم خیر و عافیت سے گزرنے پر سب شہریوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ڈیرہ اسمٰعیل کا خصوصی پکوان ثوبت

ڈیرہ اسمٰعیل میں مہمان کے اعزاز میں ایک خصوصی کھانا ثوبت پیش کیا جاتا ہے۔ ثوبت میں تمام مہمان بمعہ اہل خانہ زمین پر دسترخوان بچھا کر گول دائرہ کی صورت میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے درمیان بڑی سی ٹرے رکھ دی جاتی ہے۔ ٹرے (پرات) برتن میں خصوصی کھانا ثوبت ہوتا ہے۔ پکوان روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پرات میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ روٹی کے ان ٹکڑوں پر دیسی مرغی کی یخنی بوٹیاں ڈال دی جاتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں یخنی روٹی کے ٹکڑوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہ روٹی کے ٹکڑے بڑے لذیز خستہ ہو جاتے ہیں تمام افراد ایک ہی برتن میں ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ چمچ یا علیحدہ پلیٹ استعمال نہیں کی جاتی۔ ثوبت دعوت۔ کا یہ طریقہ اسلامی دور کی یاد دلاتا ہے جب کسی نئے مہمان کو یہ کہا جائے آج ثوبت کریں گے تو وہ گھبرا جاتا ہے۔ جب مہمان کو بتایا جاتا ہے کہ ثوبت ڈیرہ اسماعیل خان کی خاص ڈش ہوتی ہے تو مہمان کی گھبراہٹ ختم ہو جاتی ہے۔



حاجی ایم ۔ زیڈ ۔ ت کھوکھر کزی شموزئی ڈیرہ اسماعیل خان میں ثوبت کھانے کی تیاری میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ اس دعوت کا اہتمام مولانا ضیاء الحق نقشبندی نے اپنے حجرہ میں کیا۔

مدثر شریف، محمد اقبال میاں خیل اور عبداللہ چکی والا

راقم جتنی بار بھی ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مطالعاتی دورہ پر گیا۔ مدثر شریف جو محمد شریف کے بیٹے ہیں نے مہمان نوازی اور خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آرام اور سکون کے لئے لحہ لحہ خبرگیری کرتے رہے اور ڈیرہ اسمٰعیل کے گردونواح تحقیق اور مطالعاتی سفر میں راقم کے ساتھ ساتھ رہے۔ محمد اقبال میاں خیل جو ڈیرہ اسمٰعیل کے زمیندار ہیں۔ دراصل



عبداللہ چکی والا آف میرن جس نے لعل ماڑھا کے کھنڈرات میں ہماری راہنمائی کی

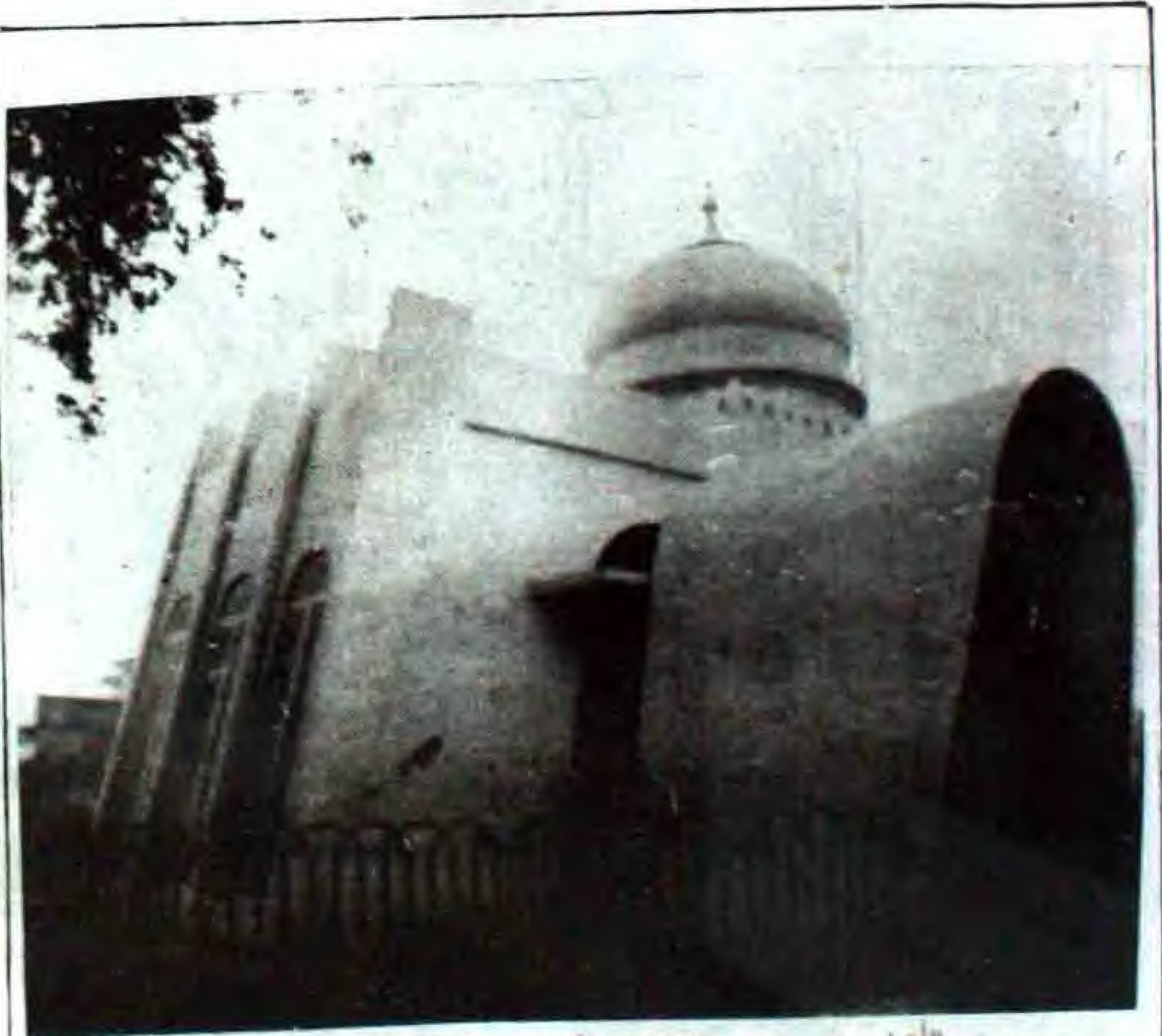
چوہدوان کے سفر میں انہوں نے ہمارے قافلہ کی راہنمائی کی ان کی ہی دعوت پر سید عبداللہ شاہ نے درابن میں ہمارے قافلہ کے اعزاز میں پر تکلف دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ درابن کے گردونواح چوہدوان کی تباہ شدہ بستیاں ان کی راہنمائی میں دیکھیں عبداللہ چکی والا جن کا تعلق گاؤں میرن نزد رکھ سے ہے۔لعل ماڑہ کے کھنڈرات اور اس علاقہ میں قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر حاضری کے لئے عبداللہ پیش پیش رہا۔لعل ماڑہ کے کھنڈرات کے لئے کوئی پختہ سڑک نہیں ہے۔اس سفر میں عبداللہ بھاگ کر لعل ماڑہ کے کھنڈرات تک جانے لئے راستہ تلاش کرتا رہا۔راستہ کی تلاش میں اس قدر پھرتی دکھاتا کہ ہمارا قافلہ بہت پیچھے رہ جاتا عبداللہ منہ سے آوازیں اور ہاتھ کے اشاروں سے آگے بڑھنے کی تاکید کرتا اس ویرانے میں عبداللہ نے ہماری بہت راہنمائی کی سفر کے اختتام پر عبداللہ چلم سے تازہ دم ہو رہا ہے۔



یہ غریب لوگ دریائے سندھ عبور کر کے ڈیرہ اسماعیل شہر میں ٹوکرے فروخت کرتے ہیں۔

شہید حق نواز گنڈاپور

شہید حق نواز گنڈاپور شہید کا تعلق ڈیرہ اسماعیل سے تھا جو 1970ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کے صف اول کے راہنما تھے۔ امریت کے خلاف جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے قابل اعتماد ساتھیوں میں تھے۔ وطن عزیز سے سرمایہ داری جاگیرداری کے نظام کے خاتمہ کے متمنی تھے۔ انقلابی نظریات کے داعی حق نواز گنڈاپور کو پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آنے سے قبل مخالفوں نے شہید کردیا۔ پاکستان میں سیاسی قتل نامی کتاب میں حق نواز گنڈاپور کی شہادت کی تفصیل درج ہے۔



ڈیرہ اسمٰعیل خان میں سردار حق نواز گنڈاپور شہید کا مزار مبارک

اولیائے
ڈیرہ اسمٰعیل خان

سرزمین ڈیرہ اسمعیل خان میں شمس العارفین مصباح العاشقین حضرت پیر سید عبد الطیف شاہ بخاریؒ کا قدیمی مزار

یوں تو ڈیرہ اسمٰعیل خان کی سرزمین پر قدم قدم پر اولیائے کرام کے آستانے ہیں لیکن جو شان عظمت مزار حضرت پیر سید عبداللطیف شاہ بخاریؒ کو حاصل ہے وہ بیان سے باہر ہے سبز گنبد روضہ کی شاندار جالیاں درختوں کی ہریالی پرندوں کی چہک آپ کے مزار پر عجب منظر پیش کرتی ہیں راقم آپ کے عقیدت مند محمد شریف کے ہمراہ ڈیرہ اسمٰعیل خان سب سے پہلے آپ کے مزار مبارک



ڈیرہ اسماعیل خان کمشنر آفس کے قریب حضرت پیر عبداللطیف بخاریؒ کا مزار

پر حاضری دی حضرت پیر سید عبد اللطیف شاہ بخاریؒ ان قدیم اکابر اولیاء سے ہیں جنہوں نے نور اسلام پھیلانے ظلمت میں اسلام کا ڈنکا بجانے اور اسلامی نظریہ حیات سے روشناس کرانے کے لئے افغانستان سے ہجرت فرمائی آپ سادات عظام سے تھے۔

آپ کا آبائی وطن افغانستان تھا آپ غزنوی عہد میں درہ گومل کے راستے یہاں آ کر آباد ہوئے اور انہیں دنوں میں دریائے سندھ (موجودہ جگہ) سے دور بہتا تھا اسوقت ڈیرہ اسمٰعیل خان آباد نہیں ہوا تھا۔ یہ علاقہ کوہ دامن کا دامن کہلاتا تھا۔ بعد ازاں آپ کے اہل خانہ کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد اوچ شریف ہجرت کر گئے۔ آپ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں کفر و شرک کی تاریکیوں کو نور ایمانی سے روشن کرنے کے لئے قدم رکھا آپ بہت بڑے محدث و مفسر تھے۔ پابند صوم وصلوٰۃ تھے ان کی غذا نہایت سادہ اور کم تھی ایسے ہی آپ بہت کم سوتے تھے اور سارا وقت یاد الہیٰ میں مصروف رہتے۔ جہاں آپ کا مزار مبارک ہے یہی پر آپ نے اپنے باطن کی صفائی اور حصول روحانیت کے لیے بہت سے مجاہدے اور ریاضتیں کیں آپ جنگل اور ویرانے کو بہت پسند کرتے تھے۔ آپ کو ذکر الہیٰ سے بڑی دلچسپی تھی چنانچہ آپ ہر وقت ذکر الہیٰ میں مشغول رہتے۔ اسی موجودہ جگہ پر قبرستان تھا جس میں بے شمار قبور تھیں لیکن اب قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں مقبرہ کے مشرق میں پرانی طرز کے حجرے تھے جو اب مسمار ہو گئے ہیں۔ آپ نے جس جگہ سکونت اختیار کی وہاں دن رات یاد الہیٰ میں مصروف رہتے آہستہ آہستہ آپ کی بزرگی اور ولایت کا چرچا ہو گیا اور بے شمار لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض پایا آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طالبان رشد و ہدایت کا ہجوم آپ کی خانقاہ میں حاضر رہتا اور آپ کا تمام وقت یاد الہیٰ اور رشد و ہدایت میں گزرتا۔ ہر ولی صالح تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس میں کچھ اوصاف ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کی بناء پر اسے ولایت ملتی ہے بارگاہ رب میں آپکا پسندیدہ وصف آپ کی پابندی شریعت اور عشق رسول ﷺ ہے آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ کتاب وسنت کے مطابق گزارنے کی کوشش کی آپ بیک وقت جید عالم دین اور صوفی بھی تھے آپ عشق رسول ﷺ کے نشہ سے سرشار رہتے آپ کی رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس۔ سے

والہانہ محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے پاس آنے والے کی توجہ سے رسول اکرم ﷺ کے دربار میں زیارت سے سرفراز ہوئے خلق کثیر نے آپ سے ظاہری اور باطنی فیض کیا آپ کامل درویش اور ولی کامل تھے۔آپ کا روضہ مبارک علاقہ چھاؤنی ڈیرہ میں سرکٹ ہاؤس چوک سے بجانب مشرق جاتے ہوئے تھوڑے سے فاصلہ پر دائیں جانب ایک چھوٹی سی پختہ سڑک ہے جو سیدھی اس سبز گنبد والے مزار کو جاتی ہے۔یہ سبز گنبد والا مزار اس پاک ہستی کا ہے۔جنہوں نے یہاں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھا اور وہ دل جو کفر وشرک سے سومنات بن چکے تھے ان کو نور ایمانی سے روشن کیا ۔تاریخی ادوار میں مزار مبارک کی حالت یوں بیان کی جاتی ہے کہ صدیوں تک آپکا مزار مبارک مرجع خلائق رہا پھر چار دیواری بنادی گئی اب یہ معلوم نہیں کہ چار دیواری کب اور کس نے بنائی ۔آپ کی قبر مبارک پہلے ایک بند کمرہ مین تھی بعدازاں آپ کے مزار پر ایک گنبد بنایا گیا روضہ مبارک کے جنوب میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے آپ کا سالانہ عرس جون جولائی میں بڑی شان وشوکت سے ہوتا ہے اور بڑی تعداد میں زائرین دور دور سے آکر فیض یاب ہوتے ہیں ۔نقیب اولیاء محمد شریف آف ڈیرہ اسمٰعیل خان جنہیں آپ سے والہانہ عقیدت ہے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کی۔ایک روز میں پیر بخاریؒ کے آستانے پر بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے حضرت سے کہا کہ سرکار ولی تو اور بھی ہیں جو اس خطہ ڈیرہ میں اسودہ خاک ہیں لیکن جو شانِ روحانیت کا منظر آپ کے در پر پاتا ہوں وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔تیرے آستانہ پر عرش تا مرقد بارشِ نور ہی نور ہے جس سے کیفیت میں ایسا سرور ہے کہ آنے والے کو سکون ملتا ہے۔تیرے روضے کی جالیوں سے لپٹ کر دل تسکین پاتا ہے۔لیکن اسکے برعکس اہل نظر جو نگاہِ باطن سے تیرے مقام اور تیری شان کو دیکھتا ہے تو اللہ اللہ پکار اٹھتا ہے تیرے آسان پر مخلوق کا تانتا بندھا ہے۔کوئی طلب سکون کی خاطر آرہا ہے تو کوئی روحانیت سے مسرور ہو کر جارہا ہے کوئی کاسہ گدائی لیے تیرے در پر ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔طالبانِ حق وصداقت تیرے آستانہ پر یادالٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں کوئی گڑگڑا کر دعا مانگ رہا ہے۔کوئی عجز ونیاز کا پیکر بنے بیٹھا ہے۔اہل فقر بھی جذب ومستی کے عالم میں عشق حقیقی میں کھوئے ہوئے ہیں۔کہیں گنہگار تیرے توسل سے بارگاہ رب العزت میں اپنے

گناہوں پر شرمسار ہو کر گردن جھکائے ہوئے ہیں۔ بے شمار ولی تیرے آستانے پر حقیقت کا جلوہ پانے آئے اور جام روحانیت بھر کر چل دیے۔ آخر یہ تو بتا کہ تیرا اتنا بلند مقام کیسے ہوا۔ آخر یہ راز کی بات کیا ہے؟ مرقد سے آئی صدا نادان سوچتا ہے کیا۔ یہ تو خالق کائنات کا کرم ہے جو محمد مصطفی ﷺ کے صدقے ہوا۔ اللہ کے محبوب کی نگاہ کرم نے ہمیں بھی محبوب کر دیا جس نے مجھے محمد ﷺ کا سچا خادم کر دیا یہ تو محبت مرشد کا فیض ہے جس نے صاحب فیض کر دیا۔ گر تو بھی خدا سے کچھ چاہتا ہے تو عشق حضرت محمد ﷺ میں ڈوب جا اتباع شریعت میں نام پیدا کر اور یاد الٰہی میں کھو جا۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب درابن روڈ پر حضرت پیر پنجن شاہ کا مزار

آپ کی دعاؤں سے ظہر الدین بابر کو پانی پت کے میدان میں فتح نصیب ہوئی

روز ہوٹل ڈیرہ اسماعیل خان کا خوبصورت اور شاندار ہوٹل ہے ڈیرہ اسماعیل خان کے دورہ کے دوران محمد شریف نے راقم کا قیام وطعام کا اہتمام اس ہوٹل میں کر رکھا تھا۔ 23 مارچ 2002ء صبح سویرے ناشتہ کے بعد محمد نواز گاڑی لے کر آ گیا محمد شریف اور قیوم نواز دکھنا بھی ہوٹل کے کمرہ نمبر 101 میں آ گئے اس سفر میں راہنمائی کے فرائض اس علاقہ کی مشہور شخصیت محمد اقبال میاں خیل نے سرانجام دیئے اور دوپہر کے کھانے کا اہتمام سید عبداللہ شاہ ایڈووکیٹ درابن نے کیا۔ درابن روڈ ایک قدیمی گزرگاہ ہے اسکی ایک شاخ درہ زندہ افغانستان کی طرف جبکہ دوسری ژوب کوئٹہ کی طرف جاتی ہے اس مشہور قدیمی گزرگاہ سے ابن بطوطہ بھی گزرا۔ یہ سڑک جو درابن روڈ کے نام سے بھی مشہور ہے افغانستان اور ڈیرہ اسماعیل کے درمیان ماضی میں درابن مشہور پڑاؤ تھا۔ درابن کے گردونواح کئی تباہ شدہ بستیوں کے آثار ملتے ہیں یہ بستیاں بلند بالا ٹبوں پر ہیں جو اس بات کی [illegible] ہیں کہ کسی زمانہ میں یہاں شہر آباد تھے۔ یہ بستیاں گزرگاہوں کے قریب ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں کی [illegible] نابود ہو گئیں۔ اس علاقہ میں کئی اللہ کے نیک بندوں

کے مزار ہیں ان ہی نیک ہستیوں میں ایک مرد قلندر حضرت پیر پنجن شاہ کا مزار ہے اس بستی کا نام بھی پیر پنجن شاہ ہے جو ڈیرہ اسماعیل خان سے تقریباً چالیس پچاس کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے محمد نواز، محمد شریف، قیوم نواز اس علاقہ کی تاریخی اہمیت بیان کر رہے تھے محمد اقبال میاں خیل نے محمد نواز کو کہا گاڑی روکو وہ سامنے بلند ٹبہ پر حضرت پنجن شیر شاہ کا مزار ہے اور گاؤں کا نام بھی یہی ہے ایک پلڈ ندی پر تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد مزار حضرت پنجن شیر شاہ پر حاضری دی سارا ٹبہ مٹی کا ہے مزار بھی کچا ہے چاروں طرف تین چار فٹ بلند چار دیواری تعمیر کی گئی ہے۔ حضرت پنجن شیر شاہ کے مزار کے پاؤں کی جانب ایک سوراخ رکھا ہوا ہے اس علاقہ میں بیشتر قبروں کے پاؤں کی جانب سوراخ رکھے ہوتے ہیں۔ مزار حضرت پنجن شیر شاہ کافی بلندی پر ہے اس پر کھڑے ہو کر دور دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے بالخصوص مغرب کی طرف پہاڑی سلسلہ ہے۔ اس پہاڑی سلسلہ میں درہ گومل ہے بارش ہو جائے تو فضا، گرد سے پاک ہو جاتی ہے۔ پہاڑ صاف نظر آتے ہیں۔ برسات کے بعد



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب درابن روڈ پر حضرت پیر پنجن کا مزار

پہاڑوں کا نظارہ بھی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے حضرت پیر پنجن شاہؒ کے مزار پر حاضری کے بعد محمد رمضان جو مزار کا متولی اور نگران ہے مٹی کے گھڑوں سے ٹھنڈا میٹھا بارش کا پانی پیش کیا اس علاقہ میں پینے کے پانی کا فقدان ہے اور افتادہ دیہات کے لوگ بارش کے پانی پر گزارہ کرتے ہیں بارش کے اس پانی کا ذائقہ ناریل کے پانی کی طرح ہوتا ہے محمد شریف نے بتایا حضرت پیر پنجن شاہؒ ایک روحانی شخصیت اور مجذوب مرد ہو گزرے ہیں۔ مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر ہندوستان کو فتح کرنے نکلا تو وہ آپ کے حضور پیش ہوا عرض کی فتح یابی کیلئے درخواست گزار ہوں دعا ئیں فرمائیں میدان جنگ میں فتح ہو۔ حضرت پیر پنجن شاہؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے فتح حاصل ہوگی۔ لیکن جب واپس آؤ گے تمام گھوڑوں اونٹوں پر مٹی کے بورے لے کر آنا۔ بابر بادشاہ کو میدان جنگ میں فتح ہوئی واپسی پر درہ



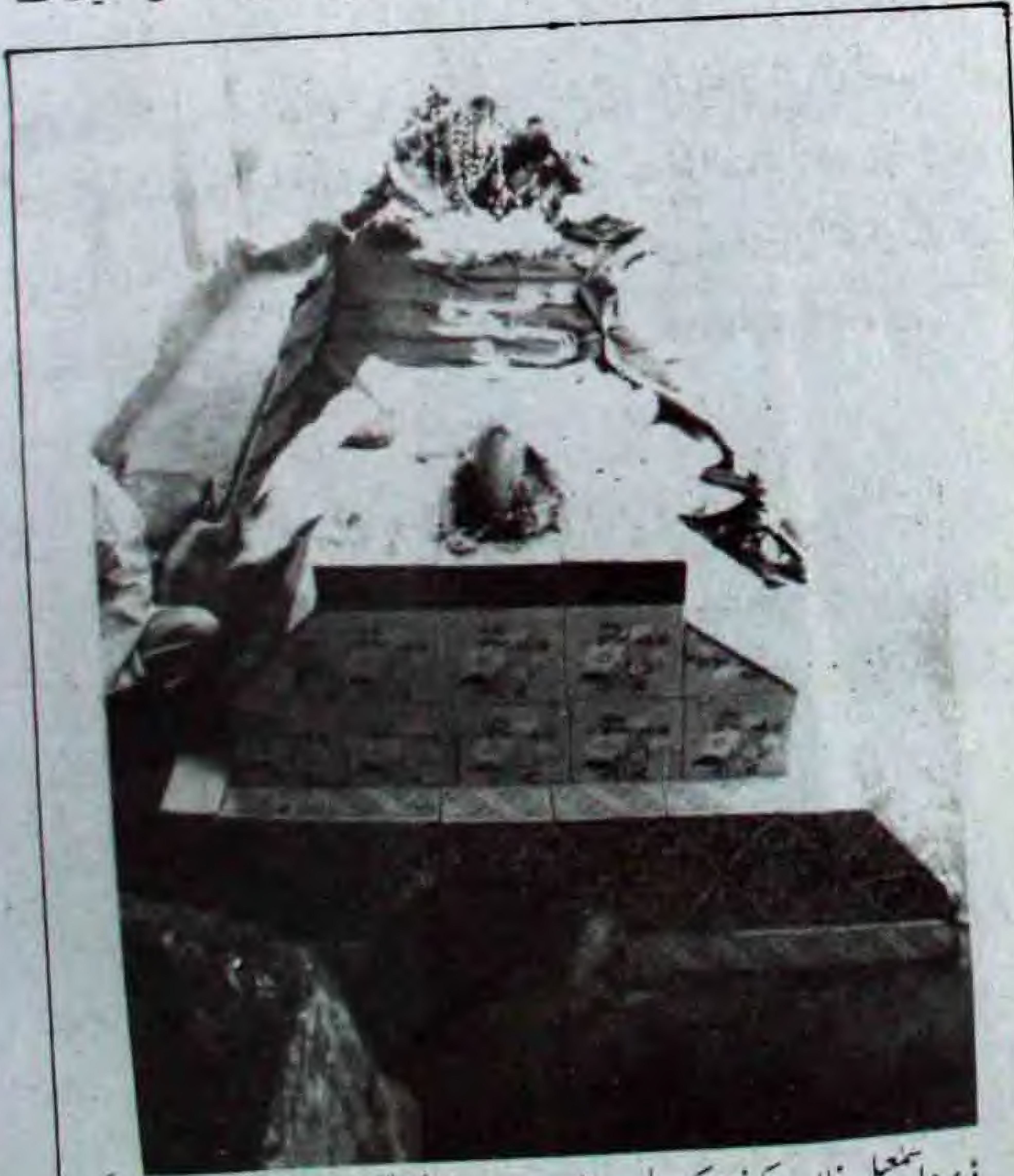
راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ مزار حضرت پیر پنجن شاہؒ کے مزار دعا مانگ رہے ہیں

گومل سے گزرتے ہوئے بار برداری کے تمام جانوروں پر مٹی کے بورے تھے۔ یہ مٹی جب ایک جگہ اکٹھی ہوئی تو دیکھتے ہی دیکھتے مٹی کا ایک چھوٹا سا پہاڑ بن گیا درویش فقیر لوگ ہمیشہ ہی جنگل بیاباں پہاڑوں دریاؤں کے کنارے آبادی سے دور رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں فقیر کی بات میں کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے جب زوردار بارش ہوتو پہاڑوں کا سیلابی پانی اس علاقہ میں سیلاب کی صورت میں اِکٹھا ہوکر آجاتا ہے حضرت پیر پنجن شاہؒ نے کرآنے والے خطرات کے سدباب کے لئے مٹی کا ٹبہ تیار کروایا۔ آپ کے مزار تک جانے کیلئے تقریباً ایک درجن سے زیادہ سیڑھیاں ہیں یہ سیڑھیاں مٹی گارا سے تعمیر کی گئی ہیں مزار کے قریب سینکڑوں سالہ ون اور کریا کے قدیمی درخت ہیں۔ اس علاقہ میں کئی نشیب وفراز آئے لیکن حضرت پیر پنجن شاہؒ کا مزار اسی آن اور شان سے کھڑا ہے محمد رمضان متولی نے بتایا۔ یہاں حاضری دینے سے کئی بیماریوں سے شفا ملتی ہے مٹی کے برتن کی ٹھیکری گلے میں ڈالنے سے بخار سے آرام ملتا ہے بلکہ یہاں جسمانی بیماریوں کا روحانی علاج ہوتا ہے۔

اولیائے بلوٹ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

بلوٹ شریف ڈیرہ اسماعیل خان کی مشہور ومعروف روحانی بستی ہے۔ میانوالی سے ڈیرہ اسماعیل خان سفر کرتے ہوئے مشہور اڈا بلوٹ شریف آتا ہے۔ سولہ اپریل سال دوہزار ایک راقم کے علاوہ محمد شریف، جمال احمد مرزا چشتی نظامی، ڈاکٹر محمد خالد محمود، محمد نواز بلوٹ شریف میں اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری کیلئے روانہ ہوئے۔ دریائے سندھ کبھی بلوٹ شریف کے نیچے بہتا تھا۔ یہاں پہاڑوں کے دامن میں قبل مسیح کے ہل اور بل کے کھنڈرات اور نوگز لمبے مزار ہیں۔ بدھ دور کی عبادت گاہیں جو کافر کوٹ کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ بھی بلوٹ شریف کے قریب ہیں۔ عہد حاضر میں ہندوؤں کا مقدس مقام ستی کیول رام بھی بلوٹ شریف کے دامن میں ہے بلوٹ شریف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان ایک قدیمی روحانی بستی ہے یہاں لاتعداد اولیائے کرام کے مزارات ہیں۔ ان

مزارات کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مزارات مغلیہ دور کے طرز تعمیر کی عکاسی کرتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اولیائے بلوٹ شریف نے اسلام کی روشنی پھیلائی۔ یوں تو بلوٹ شریف میں لاتعداد اولیائے کرام کے مزار ہیں لیکن حضرت پیر شاہ عبدالوہاب زبدۃ الانبیاء، حضرت پیر شاہ عیسیٰ قتال بلند پایہ اولیاء ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے اس خطہ میں رشد ہدایت کی شمعیں روشن کیں ان کی دینی خدمات مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں حضرت پیر شاہ عبدالوہاب زبدۃ الانبیاء آپ وہی بزرگ اور متبرک ہستی ہیں جنہوں نے اوچ شریف سے



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے نزدیک بلوٹ میں حضرت شاہ عیسیٰؒ کا مزار دریائے سندھ کسی زمانہ میں بلوٹ کے قریب بہتا تھا بلوٹ میں مغلیہ دور کے بزرگوں کے لاتعداد مزار ہیں۔

ہجرت فرما کر سادات حسینی جلالی بخاری سلسلہ کی بنیاد اوچ شریف میں رکھی۔ آپ دسویں صدی ہجری میں اوچ شریف سے تبلیغی مشن پر روانہ ہوئے۔ سادات بخاری جس مقام پر بھی پہنچے وہاں عبادت الٰہی میں محو ہو جاتے اور اس قدر عبادت کرتے کہ سوائے حمد باری [illegible] آپ [illegible] سے ہوتے ہوئے پہنچے [illegible] ہوئے راجہ بل کے تعمیر کردہ شیو بھگوان کے مندر کی وجہ سے ہندو مذہب کا گڑھ تھا ہندو مذہبی روحانی مرکز ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس مقام کو اپنے مشن کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے [illegible] ایک بستی میں نزول فرمایا آپ نے دیکھا کہ ایک عورت [illegible] چنے بھون کر فروخت کر رہی ہے جب آپ اس کے قریب آئے عورت نے سمجھا کہ شاید اجنبی بھوکا ہے اس نے چنوں کا ایک پیالہ آپ کی طرف بڑھایا آپ نے چنے لینے سے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ میں سید ہوں اور سید صدقہ نہیں کھا سکتے البتہ میرے لئے تین پاؤ چنے بھون لو پیسے تو میرے پاس نہیں ہیں میں ان کے بدلے لکڑیاں کاٹ کر لا سکتا ہوں مگر میں اس زمین کے مالک سے اجازت لینا بھی ضروری سمجھتا ہوں عورت آپ کی گفتگو سے نہایت متاثر ہو رہی تھی اسی اثناء میں اس نے تین پاؤ چنے کی قیمت پانی کے چند مشکیزے مقرر کی جنہیں حضرت نے دریا سے بھر کر چنے حاصل کئے اس وقت اس بوڑھی عورت کے ساتھ اس کی کمسن بچی بھی یہ منظر دیکھ رہی تھی آپ نے چنے اور ایک چھاگل پانی اپنے ساتھ لیا اور بستی اور مندر کے درمیان دریا کے کنارے کھجوروں کے گھنے جنگل میں آپ نے تنے اور شاخوں کی مدد سے ایک حجرہ بنا کر وہیں عبادت میں محو ہو گئے۔ کئی کئی مہینے آپ خوراک کے بغیر بھی رہتے رہتے پیچھے آپ کے والد حضرت قطب شیر بخاری اور آپ کے دادا حضرت شاہ جنید آپ کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے جب لیہ سے حضرت قطب شیر بخاری کو معلوم ہوا کہ آپ حجرا میں موجود ضلع بھکر کی سمت بڑھتے جا رہے تھے تو حضرت پیر قطب شیر نے اپنے خادمین کی جماعتیں دریا کی دونوں طرف دوڑا دیں جو ہر بستی میں اس سید زادے کے متعلق دریافت کر رہے تھے جب بلوٹ کی اس بستی میں اعلان ہوا تو اس وقت حضرت شاہ

عبدالوہابؒ کی بلوٹ آمد پر بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اعلان سنتے ہی چنے بھوننے والی عورت کی کمسن بچی جواب کئی بچوں کی ماں بن چکی تھی دوڑتی ہوئی آئی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ خادموں نے یہ اطلاع دریا کے اس پار حضرت قطب شیرؒ کو بھیجی جو خود تشریف لا کر بچی سے تمام احوال بذات خود سنا۔ جب آپ نے اس سے پوچھا کہ چنے اور پانی کا پیالہ لے کر آپ کس سمت کو روانہ ہوئے اس نے بتایا کہ وہ قریبی جنگل میں دو دن تک نظر آتے رہے مگر اس کے بعد وہ روپوش ہو گئے یہ سنتے ہی آپ ہمراہیوں کے ہمراہ جنگل میں تشریف لائے ایک گھنے جھنڈ میں آپ کو حجرہ نظر آیا۔ آپ اندر تشریف لائے دیکھا کہ اپنا فرزند سربسجود ہے مگر آپ بیٹے کی حالت دیکھ کر غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے آپ بھی روتے ہوئے بیٹے کے ساتھ سجدہ شکر بجالائے آپ نے دیکھا کہ حضرت شاہ عبدالوہابؒ اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر پڑے تھے سجدے کی طوالت کا اندازہ آپ نے اس بات سے کرلیا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان اور آپ کے اردگرد گھاس نے آپ کو لپیٹ رکھا تھا آپ نے گھاس علیحدہ کر کے بیٹے کو اُٹھایا تو آپ میں صرف سانس لینے کی قوت کے علاوہ کوئی سکت باقی نہیں تھی ساتھیوں کی مدد سے آپ نے اپنے لخت جگر کو بڑے آرام سے اُٹھا کر جنگل سے باہر نکالا اور کئی دنوں تک کپاس کے ذریعے دودھ کے قطرے آپ کے حلق مبارک میں اُتارے گئے کئی دنوں بعد جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو اپنے پدر محترم کا نورانی چہرہ آپ کو نظر آیا مگر ابھی تک آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ خود اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے تھے ایک ماہ تک آپ کو دودھ اور گوشت کی یخنی پلائی گی اور آپ کی تمام تر توانائیاں لوٹ کر آئیں تو آپ دونوں نے مل کر حجرے کے ساتھ قطعہ اراضی حاصل کیا اور وہیں اپنا گھر بنایا۔ آپ نے اپنی عبادت کا دوسرا مرحلہ شروع کیا دریائے سندھ کے شمالی کنارے مندر کے بالکل سامنے اپنی عبادت شروع کی یہاں آپ عبادت سے کچھ وقت نکال کر لوگوں کو اسلام کے اُصولوں اور برکتوں کا بھی درس دیتے رہے۔ یہیں سے آپ نے اعوان اور پٹھان قبائل پر نوازشات فرمائیں یہی وجہ ہے کہ آج تک نواب کالا باغ اپنے بچوں کی پیدائش پر خصوصاً ولی عہد کی پیدائش پر گھوڑا اور دیگر نذرانے پیش کرتے رہے ہیں۔ آپ

نے بلوٹ شریف میں موجود پہاڑ کی آغوش میں حجرہ بنایا۔ ایک دن جب آپ غار میں عبادت کے بعد محو استراحت تھے تو آپ کو خواب میں جناب رسولؐ پاک نے فرمایا کہ بس اب تیری عبادت مکمل ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کے ولی کامل بیٹے حضرت شاہ عیسیٰ قتالؒ اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے۔ جس نے اپنے زہد الانبیاء والد کو ہر آزمائش میں سرخرو ہو کر دکھایا آپ نے کئی کرامات دکھائیں۔ آپ حضرت پیر قطب شیر کے گھر اوچ شریف میں پیدا ہوئے آپ نے پچاس برس کی عمر پائی اور تمام عمر عبادات میں گزاری زہد الانبیاء کا لقب پانے والے آپ دنیا کے منفرد ولی اللہ ہیں۔ آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں۔

حضرت پیر شاہ عیسیٰ قتالؒ

آپ حضرت نوری شاہ عبدالرحمٰنؒ خدا بخش دیوان کبیر المعروف نور کلیان کے جانشین اور صاحب کرامات ولی اللہ تھے حضرت پیر شاہ عیسیٰ قتالؒ کی شادی اپنے ہی خاندان میں ہوئی تھی حضرت شاہ محمد دھیرو آپ کے سسر تھے جو کہ علم و ادب اور علم الکلام کے بے مثال عالم مانے جاتے تھے بڑے بڑے حکمران حضرت شاہ محمد دھیرو کی زبان سے دیوان حافظ کی شرح سنتے تھے حضرت پیر شاہ عیسیٰؒ آپ ہی کے داماد تھے۔ آپ کی دختر کے بطن سے حضرت نوری شاہ عبدالرحمان کی زندگی میں صرف ایک ہی فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام خود دادا حضور یعنی حضرت شاہ عبدالرحمانؒ نے رکھا تھا۔ جب حضرت شاہ عیسیٰؒ کے اس نومولود بچے کو حضرت نے ہاتھوں پر اٹھایا تو پوتے کا بوسہ لے کے فرمایا کہ جلال الدین کا یہ جانشین پیدائشی ولی اللہ ہے مگر اس کا اپنا رنگ ہوگا پھر فرمایا کہ یہ رنگ جلال ہے اس لئے آپ کا نام رنگیا جلالؒ کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت رنگیا جلالؒ نے اپنی زندگی میں کئی کرامات دکھائیں۔ جو آج بھی تذکرہ اولیاءؒ کی زینت ہیں۔

حضرت پیر شاہ عیسیٰ کی دوسری شادی سلطان سارنگ خان گکھڑ کی صاحبزادی سے ہوئی سلطان سارنگ خان بادشاہ ہفت اقلیم کا مالک تھا۔ بابر کے بیٹے کامران کو بھی

حضرت شاہ عیسیٰ کے سسر سلطان سارنگ خان نے پکڑ کر ہمایوں کے حوالے کیا تھا۔ جس نے بابر کی عظیم جد و جہد کو خاک میں ملا رکھا تھا۔ سلطان سارنگ آدم خان گکھڑ کی اولاد سے تھا۔ حضرت نوری نے عبد الرحمان سے جب [illegible] اور [illegible] قبول [illegible] آپ کے نسب اور اعلیٰ اقدار کے اعتراف میں آپ کے ساتھ رشتہ داری کی مگر آپ کی دوسری بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تھی ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ [illegible] بیٹے [illegible] آپ نے [illegible] فرمائی [illegible] فرمایا اور آپ کے بطن مبارک سے تین بیٹے متولد ہوئے حاجی امام غازی امام عبد الرب جن کے تبلیغی مراکز آج تک اٹک راولپنڈی اور ہری پور وایبٹ آباد کے اضلاع میں موجود ہیں۔ حضرت زبدۃ الانبیاء کے تخت کے دوسرے وارث حضرت شاہ عیسیٰ نے اپنے اوقات کار کو کچھ اس طرح تقسیم کر رکھا تھا۔ آپ ہر ماہ کے دو ہفتے پردہ غیب میں جا کر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ ایک ہفتہ گھر از دواج اور دیگر رشتہ داروں کے لئے وقف تھا جب کہ ایک ہفتہ درس تبلیغ اور مہمانوں سے ملنے کے لئے تھا آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں مشہور تھی یہ وہ وقت تھا جب بلوٹ شریف میں ولائتیں تقسیم ہوتی تھیں یہی وجہ ہے کہ اس دور میں کئی شخصیات کو اس دور سے بزرگی اور ولایت ملی جن میں سلطان غیرت خان المعروف بھنور سلطان، حاجی بلوچ، حضرت سخی دودا مردحقانی جن کا مزار دریائے جہلم کے کنارے قلعہ دان گلی کے قریب ہے راقم یہاں حاضری دے چکا ہے۔ حضرت نونہال نوری حضرت لعل عیسن کروڑ، حضرت ۔ تگ سلطان، شیخ موسیٰ درہ تنگ، حضرت میاں حسین وھوٹی، منگو سلطان، ملو سلطان، پتنگ سلطان، جانگا سلطان اور اسی طرح کئی شخصیات ہیں جنہوں نے بلوٹ شریف سے ریاضت کا وصلہ پایا جو آج تک ان بزرگی اور دائمی شہرت کا ضامن ہے۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان میں
حضرت شیخ محمد یوسف نقشبندیؒ کا مزار

ڈیرہ اسمٰعیل خان شہر دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے دریائے سندھ کی وجہ سے زرخیزی و شادابی ڈیرہ اسمٰعیل خان کے حصہ میں آئی ۔ افغانستان کا پہاڑی سلسلہ ختم ہوتے ہی ڈیرہ اسمٰعیل کے سبز و شاداب میدان آنکھوں کو ٹھنڈک دل کو سکون بخشتے ہیں ۔ درہ گومل کے راستے تمام تجارتی قافلے ملتان سے ہوتے ہوئے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے راستے لاہور دہلی وغیرہ ہندوستان پہنچتے رہے ۔ اسلام آباد کے اولین نقوش ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پائے جاتے ہیں شہر کے علاوہ گردونواح میں اللہ کی کئی نیک برگزیدہ ہستیوں کے مزار ہیں جو سینکڑوں ہزاروں سال گزرنے کے باوجود صحیح حالت میں ہیں مخلوق خدا کو ظاہری باطنی فیض دے رہے ہیں ایسے ہی اللہ کے نیک بندوں میں جناب حضرت شیخ یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ جی القریشی الہاشمی نجیب الطرفین کامل



روضہ مبارک حضرت شیخ محمد یوسف نقشبندی ڈیرہ اسمٰعیل خان

ولی اللہ گزرے ہیں۔ آپ کے کشف وکرامات کا ایک عالم معترف رہا ہے۔ آپ ایک عالم باعمل بزرگ تھے۔ آپکا خاندان بلخ اور بخارا میں آباد تھا۔ آپ کے مورث اعلیٰ بعہد نورالدین جہانگیر برصغیر میں تشریف لائے اور مشرقی پنجاب کے بعد مغربی پنجاب میں مستقل طور پر آباد ہوئے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندیؒ کے سلسلہ نقشبندیہ میں امام ربانی کے خلیفہ حضرت آدم بنوریؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ یوسف صاحبؒ تک تمام حضرات آپ



مزار حضرت شیخ محمد یوسف نقشبندی ڈیرہ اسمٰعیل خان کا بیرونی دروازہ

کے آبائی سلسلہ طریقت نقشبندیہ سے وابستہ رہے۔آپ کی عربی فارسی کی تعلیم اپنے دادا اور پھر والد بزرگوار سے حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے آپ کے والد بزرگوار کی درسگاہ لعل محسین کروڑ میں بے حد مشہور تھی۔دور دور سے لوگ تعلیم حاصل کرنے آتے اور نہ صرف دینی تعلیم بلکہ تصوف وسلوک کے تشنگان بھی فیض یاب اور سیراب ہو کر جاتے آپکا بھی یہی معمول رہا۔آپ کی پیدائش سال 1120ھ میں کروڑ میں ہوئی۔82 سال کی عمر میں سال 1202ھ میں یہ آفتاب علم وہدایت ہزار ہا لوگوں کو رشد وہدایت اور علوم اسلامیہ سے فیض یاب فرماتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔آپ کی وفات حسرت آیات سے سے پیشتر آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے جنوب میں جھوک قریشیاں میں ڈیرہ ڈال کر شمع ہدایت کی روشنی سے اہالیان ڈیرہ کے لوگوں کے قلوب روشن کرتے رہے۔آپ کے قریشی ہونے کی نسبت سے وہ جھوک قریشیاں مشہور ہوئی۔یہ سارا علاقہ آپ کو نواب آف ڈیرہ نے بخش دیا تھا۔اور وہاں آپ مدفون ہوئے کچھ عرصہ کے بعد دریائے سندھ نے جھوک قریشیاں کی طرف تمام علاقے کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگا۔تو حضرت شیخ یوسف صاحبؒ نے اپنے وقت کے ایک بزرگ کو عالم خواب میں ارشاد فرمایا کہ حکم الٰہی ایسا ہے کہ دریا اس طرف آئے آپ میرے جسد خاکی کو اس جگہ سے فوراً منتقل کرتے ہوئے شہر کے شمالی علاقہ میں دفن کریں۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔شان الٰہی کہ جب آپکا مزار پرانوار کھولا گیا تو جسم مبارک بدستور ویسا ہی پڑا تھا۔بلکہ کفن کا کپڑا ابھی اسی حالت میں تھا۔ہزار ہا لوگ اس کرامت سے متاثر ہوئے اور بڑے احترام کے ساتھ آپ کو موجودہ خانقاہ عالیہ میں دفن کیا گیا۔آپ کا مزار مبارک شہر ڈیرہ اسماعیل خان سے دو میل شمال کو بنوں روڈ سے چند فرلانگ مغرب کو ہے۔ایک سڑک نظام خان دروازہ سے بھی جاتی ہے۔

آپ اپنے دادا صاحب کے نہایت ہی فرمانبرداری اور خدمت گزاری میں ہر وقت مستعد رہتے آپکے دادا صاحب جب بھی اٹھتے کسی بھی کام کے لئے بغرض وضو یا بغرض نماز مسجد میں جاتے یا مدرسہ وخانقاہ میں آتے جاتے تو حضرت شیخ یوسف صاحبؒ فوراً آپ کے نعلین اٹھا کر رکھ دیتے۔بلکہ بعض اوقات آپکے نعلین کو محبت سے سرشار ہو کر سر پر رکھ دیتے۔ایک عرصہ جب اس حالت کو

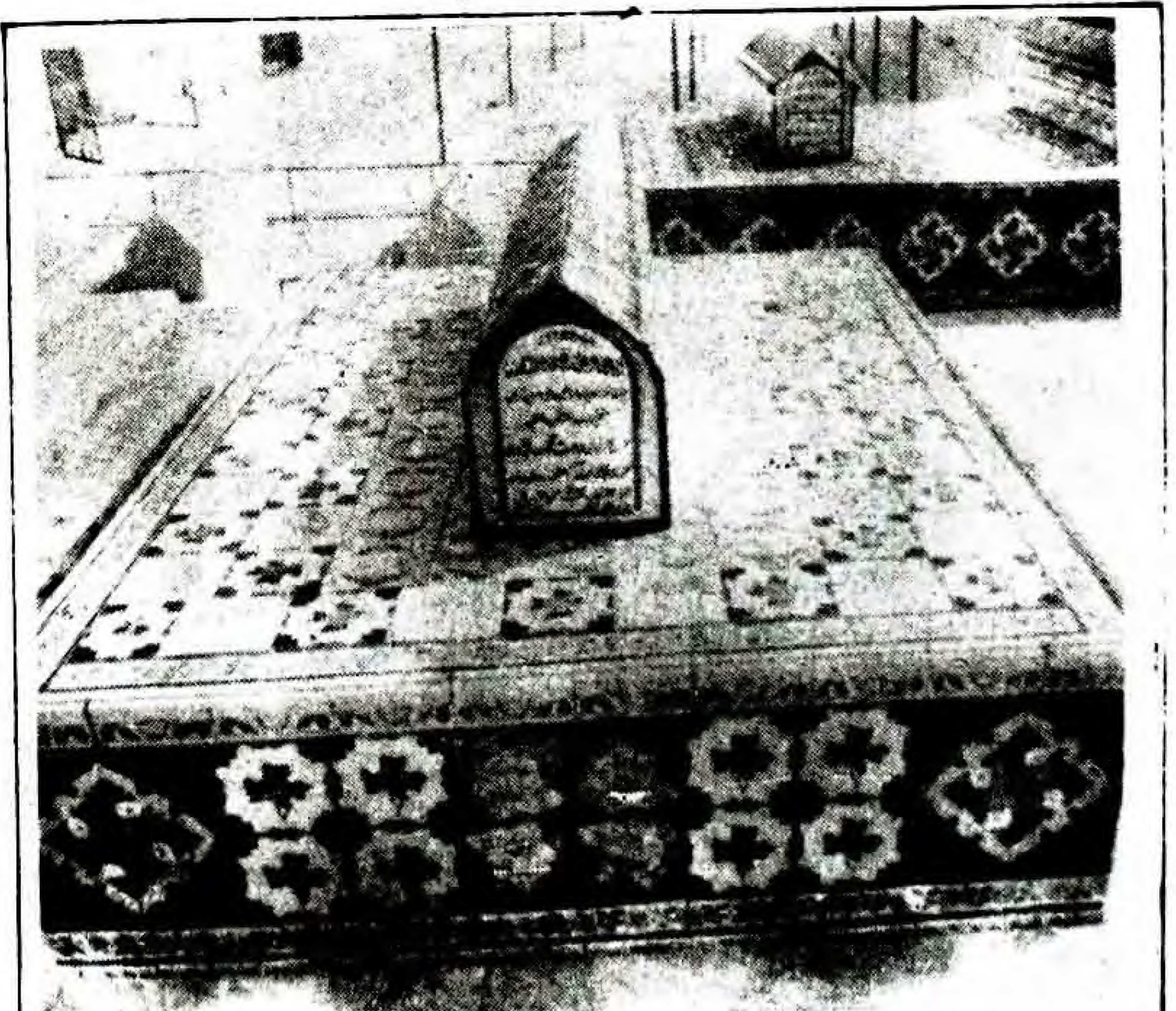
آپ کے دادا صاحب نے دیکھا تو ایک دن وجد میں آ کر آپ کو دعا فرمائی کہ یا الٰہی جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت تھی۔ میرے لیے بھی میرا یوسف میرے دل کی گہرائیوں میں گھر کر چکا ہے۔ تو اپنے خاص فضل و کرم سے اس کے نعلین کو وہ عزت عطا کر کہ دنیا فیض یاب ہو کیونکہ میرے نعلین اس کو از حد محبوب ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بلا امتیاز مذہب مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، کلکتہ، رنگون اور آسام و برما سے لوگ یہاں آتے اور شفا پاتے۔ یہ کرامت آج تک جاری ہے۔ آپ جب صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر ذکر میں مشغول ہوتے تو اس وقت انسان تو کیا در و دیوار بھی جھومتے نظر آتے۔ نماز جمعہ کے بعد ختم خواجگان پڑھتے اور اس کا ثواب بزرگان کو بخشتے۔ نماز عشاء کے بعد ذکر خفی کے بعد مراقبہ کراتے اور مریدان با صفا سے مراقبہ کے فضائل اور اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے کہ مراقبہ معیت کا خاص خیال اور جس حال میں بھی ہو خداوند قدوس کی ذات پاک تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ آپ کے نعلین ایک کمرہ میں رکھے ہوئے ہیں۔

خالصہ دور حکومت میں پوربی پلٹن اور سکھ پلٹن کا چندا نامی ایک سکھ جرنیل تھا۔ چندا سکھ حضرت شیخ یوسف کا بہت معتقد تھا۔ اکثر آپ کے مزار پر جاتا۔ نذرانے چڑھاتا اور مزار کے پاس کئی گھنٹوں کھڑا رہتا اور بزرگ شیخ یوسفؒ سے اپنی ترقی کے لیے دعائیں مانگتا۔ آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں۔ محلہ قریشیاں کے ایک احاطہ میں آپ کا مزار ہے جو بیرونی دروازہ ملتان [illegible] ہے۔ [illegible] 1202ھ [illegible]

ایک عظیم سفرنامہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ جدہ کے قدیم تاریخی مقامات مناسک حج و عمرہ کی تفصیل۔ حجاز مقدس کا روحانی سفر مع [illegible]	**روشنی کے مینار** یہاں ترقی خداوندی دنیاوی فیض حاصل کر رہی ہے **ایک ولی ایک کرامت** زیر طبع

پیران موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان سے پچاس ساٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے آستانہ عالیہ موسیٰ زئی شریف کو درابن روڈ سے راستہ جاتا ہے مورخہ 23 مارچ 2002ء کو راقم نے یہاں محمد شریف، محمد نواز، محمد اقبال، میاں خیل، عبداللہ شاہ کے ہمراہ حاضری دی۔ موسیٰ زئی شریف کے آستانہ کے بزرگوں نے اس خطہ میں رشد ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے آستانہ کے صحن میں ایک قطار میں چند بزرگوں کے مزارات ہیں۔ جو شاندار انداز میں تعمیر کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے اس سلسلہ اور بنی نوع انسان کی بہت زیادہ خدمات کی ہے ان کے نام حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ، خواجہ محمد عثمان دامانیؒ، حضرت سراج الدینؒ، حضرت محمد ابراہیمؒ، حضرت حاجی خواجہ محمد اسمٰعیلؒ ہیں۔



مزار حضرت دوست محمد قندھاریؒ موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان

حضرت حاجی دوست محمد قندھاری ثم دامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ افغان یوسف زئی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''قندھار'' کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ بلادِ عراق میں نشو ونما پائی۔ آپ علوم وفنون میں شہرۂ آفاق تھے۔ بچپن ہی میں بزرگی وکرامات کی علامات آپ کی پیشانی میں جلوہ گر تھیں۔ آپ کی عبادت اور خرق عادات کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ سلسلہ عالیہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ نے حقائق ملکوت کو مسخر کرلیا تھا۔ یکتائے زمانہ ہونے کے باعث خاص وعام میں قبولیت عامہ حاصل کر چکے تھے۔ جب آپ فردِ وحید حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو اپنی استعداد وصلاحیت اور شیخ فیاض کی صحبت سے تمام مشہور سلاسل میں خلافت عظمیٰ کا شرف حاصل کیا اور خلق خدا کے لئے فیوض وبرکات کے



حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ، حضرت خواجہ محمد سراج الدینؒ دوسرے اولیائے کرام کے مزارات موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان

دروازے کھول دیئے۔ حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بوقت ہجرت حاجی صاحب کو اپنا جانشین مطلق بنا کر تمام املاک ہند وخراسان آپ کے حوالہ کیے۔ اور اس سلسلہ میں اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمان بھی تحریر فرمایا۔ آپ کی ولادت 1216ھ اور وصال مبارک 22 شوال 1284ھ میں ہوا۔ آپ کی خانقاہ شریف موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خان میں کوہِ سلیمان کے دامن میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرت خواجہ محمد عثمان بن ملا موسیٰ جان بن ملا عبدالحلیم بن ملا عبدالکریم بن ملا شمس الدین اچکزئی قندھاریؒ کی ولادت باسعادت 1244ھ کو موضع ''لونی''، تحصیل کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع ہوئی۔ موضع ''لونی'' خانقاہ شریف موسیٰ زئی شریف سے دس میل کے فاصلہ پر کوہِ سلیمان کے دامن میں واقع ہے۔ آپ نے نظم اور صرف ونحو کی تعلیم مختلف اُساتذہ سے حاصل کی۔ فقہ کی چند کتابیں ڈیرہ اسماعیل خان میں پڑھیں۔ کتب اُصول کی تعلیم ''چودھواں'' میں حاصل کی۔ آپ کے ماموں مولنٰا مولوی معزالدین صاحب، حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب اپنے ماموں کی وساطت سے حضرت قبلہ حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد علم حدیث اپنے پیر روشن ضمیر سے پڑھا۔ اٹھارہ سال چار ماہ تیرہ روز اپنے پیرومرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر فیوضات باطنی سے مستفیض ہوئے۔ اور طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے تمام مقامات طے فرمائے۔ اگرچہ حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں باکمال اور پاک باطن خلفاء تھے، لیکن حضرت قبلہ حاجی صاحب نے تمام خلفاء میں سے حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنا خلیفہ مجاز اور جانشین مطلق مقرر فرمایا اور اپنا نائب مناب منتخب فرما کر سب کچھ ان کے سپرد کر دیا۔ خراسان، دامان، ہند، سندھ اور بلاد پنجاب کے ہزارہا انسان آپ کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہوئے۔ انیس سال دو ماہ مسند ارشاد پر جلوہ فگن رہ کر طریقہ عالیہ کی خوب ترویج واشاعت فرمائی۔ 22 شعبان 1314ھ

بروز سہ شنبہ بوقت اشراق آپ نے وفات پائی۔ مزار شریف خانقاہ شریف موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خان میں اپنے مرشد کے پہلو میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد سراج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت 15 محرم 1297ھ بروز پیر بوقت اشراق ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید ملا شاہ محمد صاحب اخوند چودھواں والے سے پڑھا۔ نثر، نظم فارسی، علم صرف، نحو، منطق، عقائد، معانی قرأت اور فقہ جناب مولانا مولوی محمود شیرازی صاحب سے حاصل کئے۔ تصوف کی تمام کتابیں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ تمام علوم کی تکمیل کے بعد 14 جمادی الاوّل 1313ھ کو بوقت صبح حضرت قبلہ حاجی صاحب کے مزار مبارک پر ختم قرآن مجید



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان میں اولیائے موسیٰ زئی شریف کے مزارات پر دعا مانگ رہے ہیں

کے بعد دیر تک دعا مانگی گئی اور اختتام پر خود حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور ہر طرف سے مبارکباد کی صدائیں آنے لگیں۔ 7 ربیع الاوّل 1314ھ کو حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی حیات میں ان کو حلقہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے حضرات کبار کے ختم سے فارغ ہو کر مراقبہ فرمایا درویشوں اور زائروں کو توجہ دی، جس سے بہت تاثیرات ظاہر ہوئیں۔ آپ مسند رشد وہدایت پر 22 شعبان 1314ھ کو رونق افروز ہوئے اور خلق خدا کو اپنے فیوضات سے مالا مال کیا۔ 26 ربیع الاوّل 1333ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزارِ مبارک اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خان میں موجود ہے۔

حضرت حاجی دوست محمد قندھاری ثم دامانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضرت شاہ احمد سعید احمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ

اِسم مبارک ''احمد سعید'' لقب ''سراج الاولیاء'' اور کنیت ''ابوالمکارم'' آپ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرزند اکبر ہیں۔ اور حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت یکم ربیع الاوّل 1217ھ کو رام پور میں ہوئی۔ دس سال کی عمر میں حضرت قبلہ شاہ صاحب سے بیعت کی۔ اکثر کتب تصوف وکتب حدیث شریف حضرت شاہ صاحب سے پڑھیں۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد حضرت قبلہ شاہ صاحب کی مسند ارشاد پر بیٹھے۔ آخر 1274ھ میں تمام اہل وعیال سمیت دہلی سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی۔ اس شہر محبوب میں آپ نے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی خوب ترویج واشاعت فرمائی۔ ہزاروں لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جام معرفت نوش کیے۔ جب آپ کی عمر شریف ساٹھ سال کی ہوئی تو سخت بخار اور اسہال سے بیمار ہو کر 3 ربیع الاوّل 1277ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آستانہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت لقمان صاحب ہیں جو تصوف اور معرفت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ جو پیران

زکوڑی شریف کے مزار جدید انداز میں تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں انہوں نے روضہ مبارک کا ماڈل بھی دکھایا پیران زکوڑی شریف کی زندگیاں سراپا کرامات ہیں مخلوق خدا دور دراز سے حاضر ہو کر فیض یاب ہو رہی ہے ہمارے وفد کے لئے لنگر خانہ میں چائے کا اہتمام کیا گیا اس دوران حضرت نعمان صاحب نے پیران زکوڑی شریف کی کئی کرامات بیان کیں۔ ان بزرگوں کی زندگی کے واقعات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ آستانہ عالیہ زکوڑی شریف میں ہمارا قیام مختصر سا تھا لیکن ارادتمند مریدین کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا ان مریدین میں لاہور، کراچی اور دور افتادہ علاقوں کے عقیدت مند تھے۔



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ سید عبداللہ شاہ درانی ایڈووکیٹ حضرت صاحبزادہ نعمان صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

اولیائے زکوڑی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

شہر ڈیرہ اسمٰعیل خان سے تھوڑے سے فاصلہ پر آستانہ عالیہ زکوڑی شریف ہے پندرہ اپریل سن دو ہزار راقم نے محمد شریف، محمد نواز، سراج دین کے ہمراہ اولیائے زکوڑی شریف کے مزارات پر حاضری دی۔ یہ مزارات ایک قدیمی قبرستان میں ہیں۔ جن پر کتبے نصب ہیں۔ یہاں ون اور کریا کے درختوں کی بہتات ہے۔ صوبہ بلوچستان کو جانے والی سڑک قریب سے گزرتی ہے جس احاطہ میں بزرگوں کے مزار ہیں ان کے جنوب مغرب کی طرف آستانہ عالیہ زکوڑی شریف ہے مہمان خانہ لنگر خانہ اور رہائش گاہ ہے سب سے پہلے ہم نے مزار حضرت محمد عبداللطیف پر حاضری دی۔ مزار پر یہ تحریر درج ہے مصباح شریف واقف رموز طریقت بطل حریت فاتح ریفرنڈم معمار پاکستان حضرت محمد عبداللطیف پیر صاحب زکوڑی شریف تاریخ وفات 2 فروری 1978ء مزار پر حاضری کے بعد دوسرے اولیائے کرام کے مزار پر حاضری دی آپ کی ولادت 2 نومبر 1914ء کو بمقام زکوڑی



ڈیرہ اسمٰعیل خان میں امام رضا نوہانی زکوڑی شریف کا مزار

شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہوئی آپ امام المشائخ سیدنا امام محمد رضا نوحانی زکوڑی کی اولاد بامراد سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نصب یوں ہے حضرت پیر محمد عبداللطیفؒ بن قطب المشائخ حضرت پیر محمد عبدالقادرؒ بن امام السالکین حضرت پیر محمد حسن جیو صاحبؒ بن غوث الخلائق سیدنا حضرت امام محمد رضا نوحانی زکوڑی شریف حضرت پیر محمد عبداللطیف کا گھرانہ دولت دین وفقر سے مالا مال تھا۔ آپ کی پیدائش ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں ہر طرف دین داری کا چرچہ تھا گھر میں شریعت طریقت کا چراغ روشن تھا۔ قسمت میں فقر وملائت کی دولت ازل سے نصیب تھی۔ آپ تحریک پاکستان کے سرکردہ راہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ملی، ملکی، دینی وسیاسی خدمات لازوال ہیں۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ اور صوبہ سرحد میں 1947ء کے ریفرنڈم میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ صوبہ کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرایا۔ صوبہ سرحد کو پاکستان کا حصہ بنایا۔ پیر محمد عبداللطیف زکوڑی شریف (مرحوم) کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جن کا نام زبان پر آتے ہی ذہن کے کینوس پر ایک عظیم قومی راہنما اور مثل خطیب کی تصویر اُبھر کر آجاتی ہے۔ جنہوں نے برصغیر کی آزادی، مسلمانوں میں آزادی کی لگن اور مذہبی ذوق وشوق پیدا کرنے میں بے مثال خدمات اور قربانیاں پیش کیں۔ آپ کی ملی ودینی خدمات تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں۔ آپ کی سعی پیہم سے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو فرنگی سامراجیت سے نجات ملی اور دنیا کے نقشے پر پاکستان کا نام اُبھرا۔ پیر صاحب زکوڑی شریفؒ نے ہر مشکل گھڑی میں قائداعظم کا ساتھ دیتے ہوئے آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ پیر صاحبؒ مرحوم ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اور ان کی شخصیت کا ہر پہلو کمالات کا آئینہ دار تھا۔ وہ ایک پہلودار نگینے کی مانند تھے جو ہر پہلو سے جاذب نظر اور دلکشی اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ ان کی سیاست کا محور خدمت خلق تھ۔ مفادات کی آلودگی سے ان کا دامن ہمیشہ صاف رہا۔ ان کی شخصیت اتحاد ملت کی علامت تھی۔ موجودہ پیر زکوڑی شریف کے جانشین ڈاکٹر محمد رضا پیر زکوڑی شریف اتحاد المشائخ پاکستان کے سربراہ ہیں۔

اور پیر زکوڑی شریف محمد عبداللطیف کے صاحبزادے ہیں انہوں نے دیگر گدی نشینوں کے برعکس نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ اور نشتر ہسپتال و لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں ہاؤس جاب بھی کی۔ ڈاکٹر خالد رضا زکوڑی شریف صوبہ سرحد میں مذہبی اُمور واوقاف حج اور اقلیتی اُمور کے وزیر کی حیثیت سے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ یاد رہے کہ پیر محمد عبداللطیف زکوڑی شریف کی خدمات کے اعتراف کے طور پر حکومت پاکستان نے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا ہے۔ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پیر زکوڑی ڈاکٹر محمد خالد رضا ملک وملت کے لئے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اور ملکی سیاست میں قومی سطح پر ایک بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ امام محمد حسن جیو صاحب زکوڑی رحمۃ اللہ علیہ امام المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لخت جگر نور نظر تھے اور صورت وسیرت میں اپنے اسلاف کا پرتو تھے آپ کی ولادت باسعادت ایسے دیندار گھرانے میں ہوئی۔ چنانچہ آپ کی تعلیم وتربیت نہایت اہتمام سے ہوئی۔ آپ کی طبع رسا اور ذہن خداداد کا یہ عالم تھا کہ چھوٹی ہی عمر میں آپ کو تمام مسائل دینیہ یاد ہو گئے۔ بعد ازیں آپ نے بلند پایہ علماً سے اکتساب فیض کیا اور فقہ، حدیث اور تفسیر پر عبور حاصل کیا۔ علم تصوف ومعرفت تو آپکا آبائی ورثہ تھا تعلیم سے فارغ ہوتے ہی آپ نے تدریس وعظ ونصیحت اور خلق خدا کی اصلاح کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علم وفضل اور فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے زاہد علما اور فضلاء آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علوم دینیہ اور فیوضات باطنی سے مستفیض ہوئے جہاں آپ ایک اعلیٰ مبلغ و مدرس تھے وہاں آپ صاحب قلم بھی تھے چنانچہ آپ نے تصوف وعظ اور فقہ پر کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ روضۃ الاولیاء امام السالکین رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف ہے اس میں امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورت طیبہ سیرت مطہرہ فضائل وخصائل مبارکہ اور معجزات کا نورانی بیان ہے۔ نیز اہلبیت اطہار واصحاب کرامؓ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگانؒ والا شان کے روح پرور حالات موثر ودل کش انداز میں تحریر کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر ایمان میں تازگی

پیدا ہو جاتی ہے اور قلب عرفان الٰہی سے معمور ومنور ہو جاتا ہے۔ اسلامی تصوف اور شریعت وطریقت کے اُصولوں کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب خضر راہ کا کام دیتی ہے۔ حضرت شیخ محمد حسن جیو صاحب زکوڑی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک 23 رمضان المبارک 1314ھ میں ہوا۔ آپ کی مزار مبارک بمقام زکوڑی شریف مرجع خلائق ہے۔ آپ ہی وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں جن کے فیض تربیت سے حضرات خواجہ جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ میل شریف قبلہ عام ہوئے اور آپ کی ذات ستودہ صفات کی توجہ کرم سے سیدنا ومشائخنا مجدد الوقت حضرت فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھور شریف گنجینہ معرفت بنے۔ حضرت پیر محمد عبدالقادر صاحب نوحانی زکوڑی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت آبائی سرزمین زکوڑی شریف میں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت امام المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے پیارے فرزند ارجمند تھے۔ آپ جس طرح جمال ظاہری میں باکمال تھے اسی طرح جمال باطنی میں بھی یکتائے بے مثال تھے آپ کی ذات عالی صفات درخشاں آفتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کو اوائل عمر سے ہی علم دین کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ علوم درسیہ وشرعیہ کی تکمیل کے بعد آپ نے علوم باطنی پر بھی مکمل عبور حاصل کیا اور علوم ظاہری وباطنی کے جامع تھے۔ آپ ایک مستند عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ واقف رموز طریقت اور آشنائے عالم حقیقت بھی تھے۔ آپ اپنے نام مبارک کے ساتھ فقیر اس لئے لکھتے تھے کہ آپ کی ساری زندگی فقر میں گزری۔ **"اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ"** آپ کا طرۂ امتیاز رہا اور فقر ہی آپ کا اوڑھنا۔ بچھونا تھا۔ نیز فقر ہی آپ کی زندگی کا واحد نصب العین تھا۔ شیخ المشائخ کے وصال شریف کے بعد زیب آرائے مسند عالیہ زکوڑی شریف ہوئے اور فیضان باطنی کی پیاسی مخلوق کو فیض بخشی شروع فرمائی۔ اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین اسلام کی خدمت جاری رکھی۔ آپ کی ساری زندگی مجاہدات، ریاضات، درس تدریس اور تبلیغ دین میں گزری، آپ پوری زندگی ازخود بھی طالبان حق کو نصیحت اور تزکیہ نفس کی تعلیم کے ساتھ تعلیم دین بھی دیتے رہے۔ آپ اپنے زمانہ کے ولی کامل اور قطب الاقطاب ہونے کے علاوہ بیک وقت شیخ التفسیر شیخ الحدیث اور شیخ فقہ تھے۔

حضرت کی کرامات احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ حضرت کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ صاحب شریعت زندگی بزرگ تھے۔ ساری عمری تبلیغ دین میں گزاری اور خود دین اسلام پر پابند رہے۔ آپ صورت اور سیرت میں اسلاف کا عملی نمونہ تھے۔ ساری زندگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر گزاری۔ غایت درجہ کے سخی تھے جو چیز بھی لنگر میں پیش ہوتی راہ مولی صرف فرما دیتے۔ آپ نے زندگی عمر تبلیغ حق کا فرض پوری ذمہ داری اور جوش خروش سے ادا کیا اور لوگوں کی رہنمائی کیلئے ہمہ وقت کمر بستہ رہے۔ آپ کا وصال مبارک 22 جمادی الثانی 1337ھ میں ہوا۔ اور آپ کا مزار مبارک بمقام زکوڑی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت سخی۔ملطان کا مزار



قلعہ اکال گڑھ جس کا موجودہ نام قلعہ اقبال گڑھ ہے۔ قلعہ اکال گڑھ کی بنیاد نونہال سنگھ پوتا مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1896ء میں ڈیرہ سے ایک میل مغرب کی طرف ٹانک روڈ کے کنارے نزد قلعہ نواب آف ڈیرہ اسماعیل خان ڈالی۔ یہ قلعہ بہت ہی مضبوط بنا ہوا ہے۔ انگریزوں

نے اپنے زمانہ میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ یہ قلعہ سرحد کے مشہور قلعوں میں شمار ہوتا ہے۔ آج کل اسی قلعہ میں پاک فوج رہ رہی ہے۔ اس قلعہ کی دیوار کے نیچے حضرت تخی سلطان کا مزار ہے۔ مزار پختہ ہے۔ چاردیواری بھی ہے۔ پرانے زمانہ میں رواج تھا اللہ کے نیک بندوں کو برکت کے لئے قلعوں میں دفن کیا جاتا تھا۔ صاحب مزار کا نام حضرت تخی سلطانؒ ہے۔

حضرت میاں محمد بارانؒ کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان



ماہ اگست 2001ء میں ایک مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں راقم کو جانے کا اتفاق ہوا۔ پشاور سے ڈیرہ اسماعیل کے لئے صبح چھ بجے چھوٹی گاڑی میں سوار ہوا اور تقریباً گیارہ بارہ بجے کے درمیان ڈیرہ اسماعیل پہنچا۔ دوسرے روز محمد شریف محمد نواز کے ہمراہ کلاچی کے روحانی مقامات پر حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔ کلاچی ایک انتہائی پسماندہ علاقہ ہے سڑک کے دونوں طرف دور دور تک پہاڑوں کے سیلابی، پانی نے زمینوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ میلوں تک کسی آبادی کے آثار نہیں ہیں۔ صرف بکریوں کے ریوڑ

دیکھنے کو ملے کلاچی کسی زمانہ میں قلعہ بند شہر تھا۔ اس کے چاروں طرف داخلی دروازے کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ بیشتر مکان کچے ہیں پورا علاقہ غربت سے دوچار ہے اگرچہ سرحد کے وزیر اعلیٰ عنایت اللہ گنڈا پور کا تعلق بھی کلاچی سے ہے لیکن جاگیر داری زمین رکھنے والوں نے کلاچی کے تعمیر ترقی کے لئے کچھ نہیں کیا پاؤں سے ننگے، غربت سے دوچار افلاس زدہ لوگ دیکھنے کو ملے۔ جو بٹیر بازی اور مرغ کی لڑائی کے شوقین ہیں۔ غربت اور افلاس زدہ اس سرزمین پر ایک ولی اللہ درویش حضرت میاں محمد باران کا آستانہ بھی ہے آپ کا مزار کلاچی جانے والی سڑک کے مشرق کی طرف ہے مزار کے قریب زائرین کے آرام کے لئے حجرے بنائے گئے ہیں مزار کے ملحقہ صاحبزادگان کی رہائش گاہیں ہیں۔ زائرین کے قیام اور طعام کا انتظام بہت اچھا ہے۔ مزار پر ہر وقت خدمت گذار موجود رہتا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل اور کلاچی میں اگست کے مہینے گرمی عروج پر ہوتی ہے یہ گرمی راقم کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ راقم نے کافی وقت حضرت میاں محمد باران کے مزار میں گزارہ میرے لئے ان کی سب سے بڑی کرامت تھی مزار میں داخل ہوتے ہی ٹھنڈک محسوس ہوئی دل کو سکون اور چین نصیب ہوا۔ پرانے زمانہ کی تعمیر کردہ عمارتیں گرمیوں میں ٹھنڈی ہوتی ہیں مزار کا خادم مٹی کے برتن میں مٹکے کا ٹھنڈا پانی لایا جس سے پیاس بجھائی۔ تذکرہ خواجگان تونسویؒ جلد اوّل از پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی کی تحریر کردہ کتاب میں حضرت خواجہ شاہ محمد سلمان تونسویؒ کے اہم خلفاء میں حضرت میاں محمد بارانؒ کلاچی کا نام سرفہرست ہے ان کے علاوہ دیگر اہم خلفاء مولوی محمد علی خیر آبادیؒ۔ میاں کالے صاحب دہلوی آپؒ کا مزار دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے احاطہ میں مسجد کے جنوب کی طرف ایک چھوٹے سے احاطہ میں ہے ان کے علاوہ مولوی سرفراز چشتی فریدیؒ۔ حاجی نجم الدین فتح پوریؒ۔ مولوی محمد علی مکھڈیؒ۔ حضرت خواجہ شاہ شمس الدین سیالویؒ قابل ذکر خلفاء میں سے ہیں۔ تبلیغ اسلام اور توسیع سلسلہ کا سب سے زیادہ کام سیال شریف میں ہوا پنجاب میں حضرت شاہ فخر الدینؒ کا فیض اور چشتیہ سلسلہ کا نام خواجہ نور محمد

مہارویؒ کے ذریعہ پہنچا اور حضرت شاہ محمد سلمان تونسویؒ کے ذریعے اسکی تکمیل ہوئی۔
حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ نے بائیس برس کی عمر میں خلافت حاصل کی اور چوراسی سال کی عمر میں 1267 ھ میں آپ کا وصال ہوا اس طرح آپ نے ساٹھ سال کی مدت خلافت میں انہوں نے چشتیہ سلسلہ کی اشاعت تبلیغ میں اہم ترین کردار ادا کیا۔

حضرت میاں محمد باران کلاچیؒ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے بڑے خلیفہ ہیں آپ کلاچی علاقہ دامان ضلع ڈیرہ اسماعیل میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام نور محمد تھا۔ جو کہ پٹھانوں کے ایک معزز قبیلہ کے فرد تھے۔

ابتدائی تعلیم مولوی عثمان ساکن وہوا (تحصیل تونسہ) سے حاصل کی۔ پھر کچھ عرصہ ڈیرہ غازی خان میں پڑھتے رہے پھر جب آپ کے استاد محترم مہار شریف تشریف



جدید دور میں کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کا باشندہ پانی کی تلاش میں

لے گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ معمول تھا کہ جو سبق اُستاد سے پڑھتے روزانہ خواجہ نور محمد مہاروی کو سناتے۔

بعد میں خواجہ نور محمد کے ایماء سے کوٹ مٹھن چلے گئے اور وہاں حضرت قاضی محمد عاقلؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ اس دوران حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ بھی آپکے شریک درس رہے۔ آپ نے پہلے حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تھی مگر انہوں نے فرمایا کہ'' پہلے علم حاصل کرو'' چنانچہ سات سال میں علوم کی تکمیل کے بعد جب دوبارہ حاضر ہوئے تو خواجہ نور محمد مہارویؒ نے آپ کو خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بیعت ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور بہت ریاضت ومجاہدہ سے کام لیا اور آخر ان سے خلافت حاصل کی۔ حصولِ خلافت کے بعد بھی اپنے شیخ سے جدا ہونا پسند نہ کیا بلکہ تونسہ ہی میں رہے۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا معمول تھا کہ بعض علماء کو خلافت عطا فرما کر میاں محمد بارانؒ صاحب کی خلافت میں کچھ عرصہ حاضر رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں بلکہ آپ کی زندگی سراپا کرامت تھی آپ کے لاتعداد خلفاء نے رشد ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا آپ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

آپ کا وصال 28 ربیع الاول 1254ھ کو بمطابق سن 1838ء کو ہوا آپ کا مزار مبارک کلاچی میں مرجع خلائق ہے۔

مزار پر حاضری کے بعد ہم ڈیرہ اسماعیل کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں پکی کھجوریں کے سٹال سے پکی کھجوریں جنہیں مقامی زبان میں ڈوکے کہتے ہیں محمد شریف نے ایک ٹوکری تحفہ میں دی۔ یہ ڈیرہ اسماعیل خان کی اہم سوغات ہے۔

حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

7 اگست 2001ء کلاچی میں آستانہ عالیہ حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ کے مزار پر حاضری کے دوران محمد شریف۔ محمد نواز۔ مدثر شریف۔ قیوم نواز راقم کے ہمراہ تھے۔ کلاچی کی کچی اور پختہ گلیوں سے گزرتے ہوئے حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ کے مزار پر حاضری دی۔ مزار اور مسجد کی تعمیر حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کے مزار مسجد کی طرز پر تعمیر کی گئی ہے۔ دروازہ چاندی کا ہے پھول بوٹے نقش نگاری کا کام بڑی نفاست سے کیا گیا ہے۔ حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ کا وصال 1380ھ 1960ء کو ہوا عرس مبارک سولہ سترہ اٹھارہ اکتوبر کو منعقد ہوتا ہے۔ مسجد میں مولانا محمد بشیر جو درس دیتے ہیں ہمیں خوش آمدید کہا اور عصر کی نماز ادا کی۔ مزار پر حاضری کے بعد ہمارا قافلہ آستانہ عالیہ میں صاحبزادہ عبدالحمید سجادہ نشین سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا لیکن وہ لاہور گئے ہوئے تھے صاحبزادہ ہارون احمد سے ملاقات ہوئی۔ آستانہ عالیہ کی جانب سے تحریر کردہ کتابوں کا مکمل سیٹ حاصل کیا ان کتب میں عرفان حصہ اوّل عرفان حصہ دوم انگریزی کو عالمی سطح پر بہت شہرت حاصل ہوئی۔ دیگر کتب میں حکم نامہ اردو ترجمہ نور الہدیٰ فارسی مصنفہ حضرت سلطان العارفین مخزن الاسرار بہت مشہور ہیں۔ سلطان الاوراد بھی آپ نے تصنیف فرمائی ان کے علاوہ موجودہ سجادہ نشین حضرت عبدالمجید نے بھی لاتعداد کتب تحریر کی ہیں کتاب تذکرہ مشائخ قادریہ مصنف محمد دین قادری صفحہ نمبر 267 پر حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کے ابتدائی حالات تحریر کئے ہیں۔ آپ کی ولادت کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوئی۔ حضرت خواجہ گیسو دراز بندہ نواز کی اولاد سے تھے۔ باپ کا نام حاجی گل محمد تھا۔ پیدائش 1882ء میں ہوئی۔ آپ نسل سے پٹھان تھے۔ آپ کے والد گرامی نے حج کئے تھے۔ اور اچھی خاصی عربی فارسی جانتے تھے۔ آپ نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کے بعد 1912ء میں بغداد چلے گئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے محسوس کی

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ قادری کی کم وبیش یک صد کتب کی اشاعت لازمی ہے چنانچہ آپ نے مکتبہ سلطانی کے زیر انتظام حضرت سلطان باہوؒ قادری کی کتب کی ترتیب وتدوین کی چنانچہ ایک سو میں چالیس کے قریب کتب ایڈٹ کردی گئیں۔ جن میں سے صرف چند کتب ہی زیور طبع سے آراستہ ہوسکیں۔ بیعت آپ نے حضرت سلطان باہو کے سجادہ نشین سوئم حضرت صالح محمد قادری سے کی۔ آپ کے صاحبزادوں کا نام فقیر عبدالحمید کامل سروری قادری ہے۔ فقیر عبدالرشید خاں سروری قادری ہے۔ جن کی رہائش کلاچی میں ہے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے۔ 1 : عرفان حصہ اوّل۔ 2 : عرفان حصہ دوم (انگریزی)۔ 3 : حکم نامہ۔ اُردو ترجمہ نورالہدیٰ فارسی مصنفہ حضرت سلطان العارفینؒ۔ 4: مخزن الاسرار۔ بہت معروف ہیں۔ سلطان الاوراد بھی آپ نے ہی تصنیف فرمائی ہے۔



حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ کلاچی آستانہ عالیہ کے قریب خوبصورت مسجد۔

وفات آپ کی 17-18 اکتوبر 1960ء میں ہوئی۔ اور کلاچی شریف میں دفن ہوئے۔ جو ڈیرہ اسماعیل خاں سے 42 میل کے فاصلے پر ہے۔ وفات لائلپور میں ہوئی تھی لیکن بعد ازاں کلاچی لے جا کر دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کا مقبرہ بنا۔ کتاب عرفان جلد اول مصنف حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ کلاچی کے مطابق فقیر صاحبؒ کو سکول سے کالج تک پہنچنے اور پھر کالج چھوڑ کر تارک الدنیا ہونے اور درویشی اختیار کرنے تک جن ذہنی کیفیات اور خارجی مساعد حالات اور کشمکش سے گزرنا پڑا، وہ انتہائی دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ بچپن ہی سے جب آپؒ نے کچھ ہوش سنبھالا تو ایک عجیب کیفیت سے دوچار ہوئے۔ وقتاً فوقتاً آپؒ کو اپنے اندر ایک نوری بجلی کی لہر محسوس ہوتی تھی۔ نفل پڑھ کر استخارہ کیا اور تھوڑی دیر کے لئے چارپائی پر دراز ہو کر آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ نیند آ گئی۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ کے مزار پرانوار کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اتنے میں آپؒ کے والد بزرگوا مزار مقدس سے نکلے اور نہایت شفقت سے فرمایا۔ بیٹا نور محمد! حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کالج نہ جاؤ۔ انگریزی تعلیم تمہیں راس نہیں آئے گی۔ یہ کہہ کر آپؒ کے والد صاحب پھر مزار مقدس کے اندر چلے گئے۔ فقیر صاحبؒ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ کو مجبوراً کالج چھوڑنا پڑا۔ آپ لاہور سے شورکوٹ کے راستے سیدھے حضرت سلطان العارفین کے مزارِ مقدس پر پہنچ گئے۔ کالج کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ آپؒ کا سارا سامان اور کتابیں وغیرہ کالج ہی میں رہ گئیں۔ دربار شریف پر دورانِ قیام میں پہلے پہل آپ کی طبیت کسی سے نہ لگتی تھی۔ دل میں ایک عجیب اجنبیت سمائی تھی۔ جب یہ حالت آپؒ کے رشتہ داروں اور ہمدردوں کو معلوم ہوئی تو وہ حیران رہ گئے۔ انہیں وہم و گمان تک نہ تھا کہ اِتنا ہونہار اور قابل نوجوان یوں تبدیل ہو کر رہ جائے گا۔ سب کو آپؒ کے مستقبل پر رحم آتا تھا۔ جب آپؒ نے کالج اور گھر بار غرض تمام دُنیوی تعلقات چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی۔ امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن آپؒ ثابت قدم رہے۔ درویشوں کے ہمراہ صرف خشک روٹی کھاتے، زمین پر سوتے اور ایک گودڑی اور تہہ بند پہننے کے سوا کچھ میسر نہ

تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپؒ کا دل مطمئن، آنکھیں پرنور اور رُوح مسرور تھی۔ خویش واقارب اور گھر والے سب حیران تھے کہ اس تعلیم یافتہ اور وشن خیال نوجوان کو کیا ہو گیا ہے۔ فقیرانہ لباس میں دیکھ کر بہت لوگ آپؒ پر دیوانگی اور جنون کا شبہ کرنے لگے۔ جن لوگوں نے آپ کو زمانہ طالب علمی میں کالج کے لباس میں دیکھا تھا اُن کی نگاہیں آپ کو اِس حالت میں دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ لیکن آپؒ کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی۔ آپؒ کی شادی کالج کے ابتدائی ایام میں ہو چکی تھی اور اس وقت آپؒ کے دو تین بچے بھی تھے۔ وہ بھی اپنے وطن میں خدا کے سپرد کر آئے تھے۔ ذکرِ الٰہی اور عبادتِ الٰہی آپؒ کا دن رات کا شغل تھا۔ انہی ایام میں حضرت سلطان العارفینؒ کی ایک قلمی کتاب آپؒ کی نظروں سے گزری۔ اُس کا بہت غور سے مطالعہ کیا۔ آپ نے یوں محسوس کیا کہ معرفت اور فقر کا ایک بیش بہا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ آپ نے حضرت سلطان اعارفینؒ کے سجادہ نشین سوم حضرت صالح محمد صاحبؒ کی بھی زیارت کی تھی۔ ابھی آپ کمسن ہی تھے کہ آپؒ کے والد مرحوم آپ کو دربار شریف لے گئے۔ اور اپنے مرشد حضرت صالح محمد صاحبؒ کے حضور میں پیش کر کے آپؒ کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے بڑی شفقت سے آپؒ کو گود میں لیا۔ ابتدائی ایام میں آپؒ حضرت سلطان العارفین کے مزار پرانوار کی زیارت کے لئے سینکڑوں مرتبہ تن تنہا پیدل گئے ہیں۔ تقریباً بارہ سال تک آپؒ صحرا نورد اور بادیہ پیما رہے ہیں۔ سینکڑوں راتیں تھل کے بے آب وگیاہ ریگستانوں اور جنگلوں میں خاک پر بسر کیں۔ اِس دوران میں آپؒ نے کوئی دنیاوی شغل اختیار نہیں کیا۔ دن رات ایک گونہ خمار کا عالم طاری رہتا تھا۔ ایک روحانی نشہ تھا۔ جو آپؒ کو دُنیا و مافیا سے بے نیاز اور بیگانہ رکھتا تھا۔ آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا جو آپ آخر تک جاری رہا۔ آپ کی ذات بابرکات سے ہزاروں عقیدت مندوں کو آپؒ کا روحانی فیض پہنچا۔ اور ہزاروں اشخاص آپؒ کے ہاتھوں ہدایت پا کر راہِ راست پر آ گئے۔ کئی قادیانی آپؒ کی کتاب "عرفان" پڑھ کر قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ کثیر تعداد میں غیر مقلدین اور منکرین اولیاء کرام اہل سنت والجماعت کے دائرے

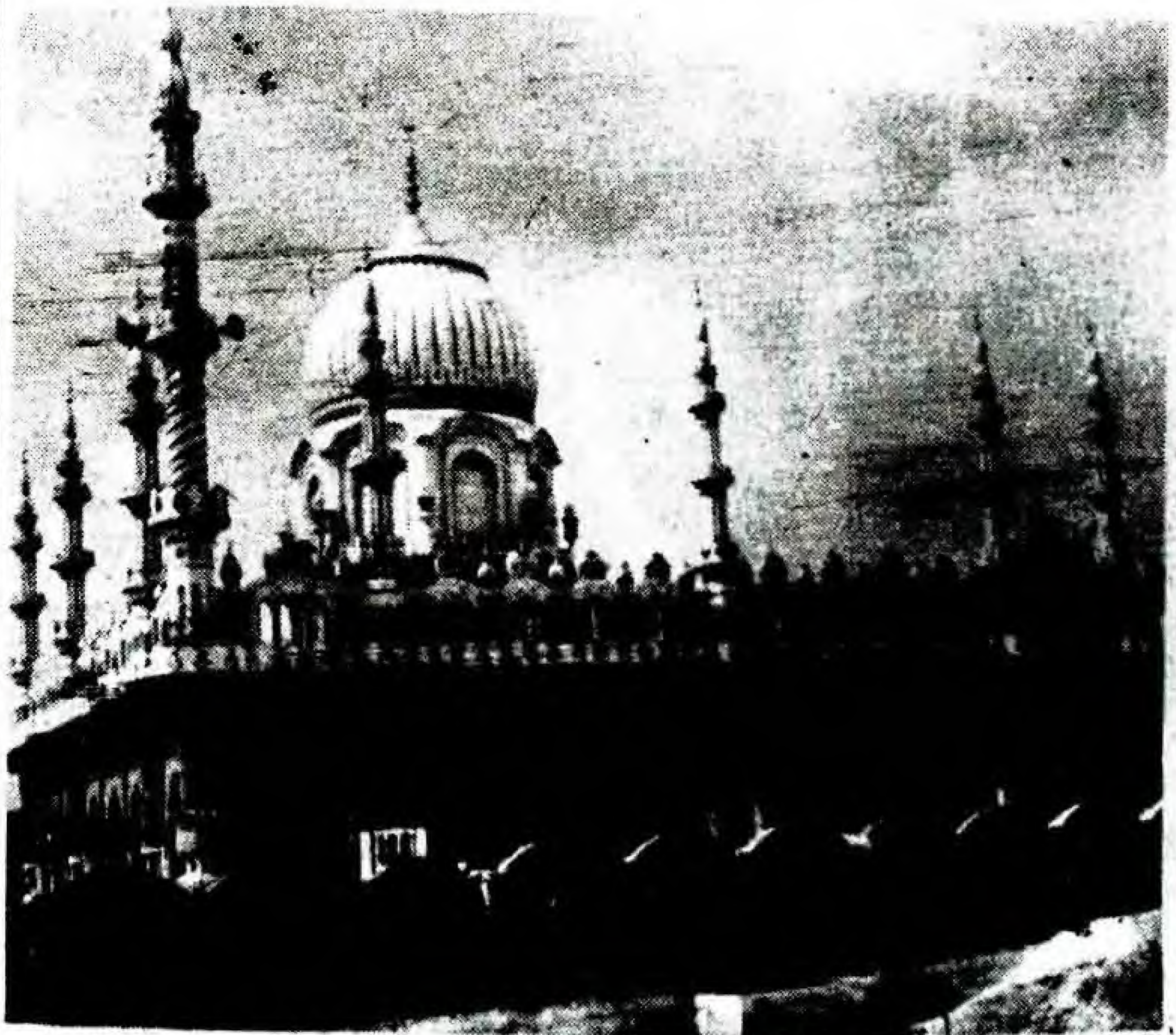
میں داخل ہو گئے۔ اپنے مریدوں کی دینی و دنیوی بھلائی کا آپ کو ہر وقت خیال رہتا۔ حضرت فقیر صاحب کا تصنیف و تالیف کے سوا اور کچھ شغل نہیں تھا۔ آپ سادگی کو بہت پسند فرماتے۔ مشائخانہ ٹھاٹھ باٹھ اور پیرانہ تصنع اور بناوٹ کے سخت مخالف تھے۔ سرمایہ داروں اور دولتمندوں کے ملاپ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ غریبوں اور درویشوں سے آپ کو خاص طور پر اُنس تھا۔ آپ بڑھاپے کی کمزوری کے باوجود بھی سال میں دو مرتبہ دربار حضرت سلطان العارفین پر حاضری دیتے تھے۔ ایک عاشورہ محرم کے موقعہ پر دوسرے موسم بہار میں اس سال بھی آپ حسب معمول محرم کی آٹھ تاریخ 3 جون 1960ء کو حضرت سلطان العارفین کی زیارت کے لئے رحمانیہ مل سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ بڑی تکلیف سے دربار شریف پہنچے۔ وہاں مرید آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ کا انتقال فیصل آباد میں ہوا۔ مزار کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہے۔



ڈیرہ اسماعیل خان کے باسی دریائے سندھ کا تازہ پانی پیتے ہیں
ایک مزدور سائیکل رکشہ کے ذریعے شہریوں کو پانی مہیا کر رہا ہے

حضرت سید عبداللہ المعروف سید بادشاہؒ
آستانہ عالیہ سدرہ شریف ڈیرہ اسماعیل خان

سید عبداللہ المعروف سید بادشاہؒ الجیلانی البغدادی صاحب مزار، قادریہ رزاقیہ سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۰۲ھ بوقت دو بجے شب بروز سوموار صوبہ سرحد کے ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب سترہ (۱۷) واسطوں سے سیدنا شیخ عبدالرزاق بن شیخ سید عبدالقادر جیلانی بغداد شریف سے ملتا ہے اور بتیس (۳۲) واسطوں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد محترم پیر عفیف الدین حسین شاہ حموی بغدادی ابن سیدؒ بدرالدین حیدر شاہ منور جیلانی بغدادی صاحب مفتاح العارفین



مزار حضرت سید عبداللہ شاہؒ المعروف سید بادشاہؒ آستانہ عالیہ سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

حماۃ ملک شام سے ہجرت کر کے پشاور میں مقیم ہوئے۔ اور افتراق و انتشار کے اس دور میں اپنی روحانی تعلیمات سے مخلوق خدا کے قلوب کو منور کیا۔ صراط مستقیم سے بھٹکی عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیا۔ قادریہ رزاقیہ سلسلے کی بنیاد رکھی اور اس کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر دور نزدیک سے لوگ آپ کے حلقہ وارادت میں شامل ہو گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے دو فرزند سید گل بادشاہ اور سید عبداللہ المعروف سید بادشاہ چھوڑے۔ سید بادشاہ وقت کے ولی کامل بنے۔ آپ نے آغاز میں تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ فقہ، حدیث اور تفسیر وقت کے اکابر علماء سے پڑھی فہم و فراست، ریاضت و عبادات، زہد و تقویٰ اور صبر و قناعت کا پیکر مجسم تھے۔ بیشتر وقت یاد الٰہی اور خلوت نشینی میں گزارتے۔ اپنا چہرہ ہمیشہ چھپائے رکھتے۔ شرم و حیا کا یہ عالم کہ نظر کبھی غیر محرم پر نہیں پڑی۔ عوام الناس سے میل جول بہت کم تھا۔ طبیعت میں انکساری و عاجزی بدرجہ اتم



یاسر زمان کھوکھر پیر صاحب سدرہ شریف پیر حضرت سید محمد انور گیلانی کے ہمراہ

موجود تھی۔تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔

مسلمانوں کی زبوں حالی اور غیر مسلم حکمرانوں کے ظلم وستم پر آپ کا دل تڑپ اٹھتا۔ پاکستان کے آپ زبردست حامی تھے۔آپ نے آغا سید لال بادشاہ بخاری جو رشتے میں آپ کے برادر نسبتی تھے انہیں مسلم لیگ میں شمولیت اور قائداعظم کی حمایت پر آمادہ کیا۔ صاحب تاریخ صوبہ سرحد محمد شفیع صابر اور اللہ بخش یوسفی نے اپنی کتاب ''سیاسیات'' سرحد کے ارتقائی مناظر'' میں لکھا ہے کہ قائداعظم کا دورہ سرحد سید لال بادشاہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔سید لال بادشاہ بخاری نے سید بادشاہ کی ہدایت پر تمام مخالفتوں کے باوجود قائداعظم کا بھرپور استقبال اور انکی میزبانی کی اور قائداعظم کو اپنے ہمراہ سید بادشاہ کی خدمت میں ان کے گھر یکہ توت لے گئے اور دعا کرائی۔آپ نے اپنے تمام مریدیں کو مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔خلوت پسندی کی وجہ سے آپ نے براہ راست سیاست میں کبھی حصہ نہ لیا۔ مگر قیام پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔آپ نے اس گئے گزرے دور میں علم وحکمت اور محبت والفت کے ایسے چراغ جلائے جن کی لو آج تک ظلمت کے اندھیروں کو منور کر رہی ہے۔۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء کو آپ کو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے ڈیرہ اسماعیل خان بمقام سدرہ شریف دفن کیا جائے۔ یہ بستی ڈیرہ اسماعیل خان سے ۴۰ کلومیٹر دور بنوں روڈ سے ۹ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر آپ کو بطور امانت یکہ توت پشاور والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ساڑھے چار سال بعد ۱۰ جولائی ۱۹۷۶ء بعد نماز عصر قبر کشائی کے بعد جب تابوت نکالا گیا تو ہر دیکھنے والی آنکھ محو حیرت تھی کہ آپ پر نچھاور کئے گئے پھول شگفتہ اور جسم اطہر تروتازہ تھا۔ایک دن اور ایک رات آپ کا تابوت اہل پشاور کی زیارت کیلئے رکھا گیا۔

۱۱ جولائی ۱۹۷۶ء کو آپ کا تابوت کو زرگر آباد بیرون یکہ توت پشاور بذریعہ سدرہ شریف لایا گیا۔آپ کی تدفین سے سدرہ کی قسمت جاگ اُٹھی۔دریائے سندھ سے ۲۰ کلومیٹر دور کوہ سلیمان کے سلسلہ درہ پیزو کی ۲۰ گھروں پر مشتمل یہ گمنام بستی دربار سدرہ

شریف کے نام سے موسوم ہو کر مسلمانان برصغیر کی عظیم زیارت گاہ بن گئی۔ آج اس کی آبادی تقریباً ۳۰۰ گھروں پر مشتمل ہے۔

آج سے ایک صدی بیشتر یہاں بالی قوم کے چند گھر آباد تھے۔ بالی قوم پیر عفیف الدین حسینؒ شاہ کی مرید تھی۔ بالی قوم کے سرداروں میں سے دو بھائی تھے ایک کا نام خدر اور دوسرے کا نام صدر تھا۔ صدر بالی قوم کا سردار تھا۔ اس کے نام سے موسوم ہو کر یہ بستی صدر کہلانے لگی اور آہستہ آہستہ یہ نام صدر کی بجائے سدرہ مشہور ہو گیا اور ۱۹۰۱ء میں یہی نام محکمہ مال کی مثل حقیعت پر درج ہوا ہے۔ سدرہ شریف کا کل رقبہ ۵۵ ہزار کنال پر مشتمل ہے۔ بالی قوم نے ۱۰۰۰ کنال پر عفیف الدین حسین شاہؒ کو بطور نذرانہ پیش کی تھی جو آپ کے وصال کے بعد دربار کے نام منتقل ہو گئی سدرہ شریف کی زمین اور مقیم بارش کے منتظر رہتے ہیں۔ بارش کے آنے پر فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ یہاں کی مشہور فصل خربوزہ ہے۔



ڈیرہ اسماعیل خان آستانہ عالیہ سدرہ شریف

قیوم نواز دھنہ۔ ایم زمان کھوکھر۔ محمد شریف اور خلیفہ صاحب دعا مانگ رہے ہیں

بارش کے آنے سے رونق آ جاتی ہے ورنہ تمام زمین سال بھر ویرانی کا منظر پیش کرتی ہے کہیں کہیں کیکر کے درخت اور خود رو جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔ حالانکہ چشمہ رائیٹ بینک کینال ۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مشرقی علاقے کو سیراب اور سرسبز و شاداب کرتی رواں دواں ہے جبکہ دوسرا کنارہ پانی کی بوند بوند کو ترس رہا ہے۔ حکومت حاضرہ نے اس محرومی کا احساس کرتے ہوئے اس نہر سے لفٹ اری گیشن کینال کا سروے مکمل کر کے دوسرے کنارے کو پانی فراہم کرنے کا منصوبہ تقریباً مکمل کرلیا ہے۔ یہ نہر سدرہ شریف سے اوپر شمال مغرب سے ہو کر گزرے گی۔ اس منصوبے کی تکمیل سے یہ بنجر بیابان رقبہ سرسبز و شاداب ہو جائے گا۔

۱۸ کلومیٹر کے فاصلے پر گرڈ بند کورائی سے بجلی کی سہولت باہم پہنچائی گئی ہے۔ پرائمری سکول، گرلز، بوائز دونوں موجود ہی۔ مگر عوام کے علاج معالجے کے لئے یہاں ہسپتال کی سہولت میسر نہیں ہے۔ بنوں روڈ تھانہ یارک سے اُتر کر جب دربار کی طرف رُخ کریں تو ۹ کلومیٹر دور ہونے کے باوجود دربار شریف کا ۸۰ فٹ بلند و بالا پروقار گنبد اپنے جاہ وجلال کے ساتھ سید بادشاہ کی عظمت و بادشاہت کا اعلان کرتا نظر آتا ہے۔ یہ چار منزلہ منفرد طرز تعمیر کا شاہکار مزار موجود سجادہ نشین نقیب الاشراف سید محمد انور شاہ جیلانی کی دربار کے ساتھ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دربار کے ساتھ منسلک ایک وسیع وعریض مسجد تمام تر سہولیات کے ساتھ موجود ہے۔ سید بادشاہ کے نام سے موسوم ایک عظیم درسگاہ سید العلوم الجامعہ ہے۔ جہاں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملک بھر سے طلبہ آتے ہیں۔ دربار کے گرد ایک فصیل ہے۔ فصیل کے صدر دروازہ کے ساتھ زائرین کے لئے غسل خانے اور اس کے ساتھ پختہ حوض کا اہتمام کیا گیا ہے۔ عرس کے دنوں میں ڈیرہ اسماعیل خان سے پانی ٹینکروں کے ذریعے لایا جاتا ہے۔ موجودہ حکومت کی توجہ اور مقامی ایم پی اے کی کوششوں سے پنیالہ کے قریب ونڈہ جمال پر سدرہ شریف سے ۲۰ کلومیٹر دور ٹیوب ویل لگا کر ۶ انچ پائپ لائن کے ذریعے براہِ راست پانی کی سپلائی کو یقینی بنایا جارہا ہے۔ پانی کی

فراہمی سے زائرین کی بہت بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔ فصیل کے ساتھ رہائشی کمروں کی ایک لمبی قطار اور لنگر خانہ ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں زائرین کی رہائش اور خورد و نوش کا اہتمام اس ویرانے میں موجودہ سجادہ نشین کی انتظامی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ دربار عالیہ، قادریہ، رزاقیہ سدرہ شریف کے سجادہ نشین سید محمد انور جیلانی ہر ممکن زائرین کے آرام کا خیال رکھتے ہیں۔ مارچ میں ہر سال عرس کے تقریب کا اہتمام کرتے ہیں ملک بھر سے اکابر علماء اور نعت خواں شرکت کو باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ دربارہ سدرہ شریف مسلمانان عالم کے لئے بہت بڑی زیارت گاہ کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔

پیر سید بادشاہ لاولد تھے۔ آپ اپنی زندگی میں اپنے بھتیجے پیر سید احمد شاہ الجیلانی کے بیٹے علامہ پیر سید محمد انور شاہ الجیلانی کو اپنا سجادہ نشین مقرر کیا۔ اور خرقہ وخلافت سے نوازہ جو کہ اس وقت پیر بغدادی یا پیر صاحب سدرہ شریف کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

کس زبان سے بیاں ہو مرتبہ تیرا یا سید بادشاہ
تو ہے سرتاج اولیاء سید الا اصفیاء یا سید بادشاہ

تحریر و تحقیق: پروفیسر محمد حسین آزاد
ڈپٹی ڈائریکٹر کالجز ملتان ڈویژن ملتان


حاجی محمد خلیفہ آستانہ عالیہ سدرہ شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان


محمد نواز آف ڈیرہ اسمٰعیل خان

آستانہ عالیہ سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

اگست سال 2001ء میں مجھے دوسری مرتبہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ڈیرہ اسمٰعیل خان کی علمی ادبی شخصیت محمد شریف کے ہمراہ آستانہ عالیہ سدرہ شریف حاضری دی۔ مین سڑک سے لے کر سدرہ شریف تک دور دور تک کسی آبادی کا نام ونشان نہیں اس جنگل بیابان میں آستانہ عالیہ سدرہ شریف کی نرالی شان ہے۔ آستانہ میں داخل ہوتے ہی وضو کیا اور مزار حضرت سید بادشاہ گیلانی القادری الرزاقی قدس سرہ پر حاضری دی پیر صاحب سید انور کو حاجی حمید اللہ نے ہماری آمد کی اطلاع دی اور ملاقات کا اہتمام کیا۔ پیر سید محمد انور مریدین کی باری باری بات سنتے اور دعائے خیر مانگتے۔ ہم جب مہمان خانہ میں داخل ہوئے پیر صاحب محمد انور نے ہمارا پرتپاک خیر مقدم کیا گلے ملے۔ محمد شریف نے پیر صاحب سے راقم کا تعارف کرایا۔ حاجی زمان کھوکھر ایڈووکیٹ جن کا تعلق گجرات سے ہے اولیائے کرام صوفیاء عظام



روحانی شخصیت محمد شریف پیر صاحب سدرہ شریف پیر محمد انور الگیلانی بغدادی کے ہمراہ

کے بارے آٹھ نو کے قریب کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ اب یہ پشاور سے کوئٹہ تک کتاب تحریر کر رہے ہیں جس میں پشاور اور کوہاٹ بنوں ٹانک ڈیرہ اسمٰعیل خان کوئٹہ کے اولیائے کرام کا تذکرہ ہوگا۔ محمد شریف نے بتایا کہ پیر صاحب محمد انور کی ملت اسلامیہ اور اسلام کی عظمت اولیائے عظام کی تعلیمات کو آگے بڑھانے میں بہت زیادہ خدمات ہیں۔ انہوں نے آستانہ عالیہ میں مختصر وقت میں مزار مبارک مسجد زائرین کے آرام کے لئے کمرہ جات مہمان خانے لنگر خانہ تعمیر کروایا ہے اور مزید تعمیراتی کام جاری ہے۔ پیر صاحب محمد انور بہت مہمان نواز ہیں۔ مخلوق خدا کی خدمت کر کے انہیں سکون ملتا ہے۔ ہماری پہلے خشک فروٹ اسکے بعد پر تکلف چائے اور دوپہر کے لنگر میں لاتعداد کھانے تھے۔ پیر صاحب ہمارے درمیان بیٹھ کر کھانا کھاتے رہے۔ راقم کو فرمایا آپ کو ایک اور حج کی سعادت نصیب کی آئندہ بغداد شریف کے سفر ہمارے ہمراہ ہوگا۔ اگست میں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ جتنا وقت ہم آستانہ پر رہے پیر محمد انور ہمارے ساتھ رہے جوں ہی ان کے وظیفہ کا وقت آیا انہوں نے ہمیں بڑی محبت اور شفقت اور دعاؤں کے ساتھ الوداع کیا آستانہ عالیہ سدرہ شریف میں راقم کی یہ پہلی حاضری تھی۔ اس حاضری سے قبل کسی روزنامہ اخبار میں آستانہ عالیہ سدرہ شریف کے بارے تفصیلی مضمون نظر سے گذرا۔ دل میں سوچا کیا سدرہ شریف حاضری ہوگی۔ وہ خوش قسمت لمحات تھے میری دعا قبول ہوئی۔ اور سدرہ شریف کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کیا۔ سدرہ شریف میری دوسری حاضری 24 مارچ 2002ء کو محمد شریف صاحب کے ہمراہ ہوئی اس روز پیر محمد انور کے مرید خاص حاجی اسرار قادری بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ حاجی اسرار قادری پیر صاحب محمد انور کے سچے عاشق ہیں اور آستانہ عالیہ سدرہ شریف سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ ٹانک سے واپسی پر وہ کچے ناپختہ راستوں سے اپنی گاڑی گزار کر شام کے وقت سدرہ شریف لے آئے اس روز پیر صاحب آستانہ پر موجود تھے۔ بڑے خلوص محبت سے ملے ماتھا چوما گلے لگایا۔ ایسی محبت صرف سدرہ شریف سے ملتی ہے۔ بیشتر آستانوں کے سجادہ نشین مریدین اور زائرین سے گلے تو کیا ہاتھ ملانا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ لیکن آستانہ عالیہ سدرہ شریف میں پیر محمد انور محبت شفقت پیار لوٹاتے

جارہے ہیں۔فون پر بھی مریدین ارادت مندوں کو محبت وشفقت پیار بھرے بولوں سے دعائیں دے رہے ہیں۔پیر صاحب ہر آنے والے کو اس انداز سے ملتے ہیں۔یہ حقیقت ہے اولیائے کرام کے آستانوں پر دکھی مخلوق حاضری دیتی ہے۔کوئی دین کی تلاش میں اور کوئی دنیا کا طلب گار ہے۔پریشان حال مصیبت زدہ مخلوق کے سر پر پیار محبت وشفقت بھرا ہاتھ پھیر دیا جائے تو ان کی آدھی پریشانی اور مصیبت دور ہو جاتی ہے۔اور وہ مرید پیار بھرے لمحات کو کبھی نہیں بھولتا بلکہ ان لمحات کو وہ اپنی زندگی کا قیمتی اثاثہ سمجھتا ہے اس دوران شام کی اذان ہوئی پیر صاحب نے خود امامت کروائی پاکستان بھر سے آئے ہوئے مریدین نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی نماز کے بعد تمام مریدین نے پیر انور صاحب کی قیادت میں مزار مبارک پر حاضری دی۔مزار مبارک پر آپ نے راقم کے بارے فرمایا اس شخص نے اولیائے کرام کے بارے آٹھ نو کتب تحریر کی ہیں۔عالم



ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قریب آستانہ عالیہ سدرہ شریف کے سجادہ نشین پیر محمد نور الگیلانی بغدادی حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی دستار بندی کر رہے ہیں۔

اسلام کے لئے ان کی بہت زیادہ خدمات ہیں اولیائے کرام نے انہیں قبول کر لیا ہے۔مزار مبارک پر حاضری کے بعد مہمان خانہ میں وسیع و عریض لنگر پیش کیا گیا۔اس لنگر میں لاتعداد کھانے تھے ملک بھر سے آئے ہوئے ارادتمندوں نے پیر صاحب کے ہمراہ یہ لنگر کھایا۔پیر صاحب محمد انور نے پھر فرمایا آپ کی حاضری بغداد شریف ضرور ہوگی۔رات گیارہ بجے پیر صاحب محمد انور نے حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارک کی جالی کے ساتھ لگی نورانی اور بابرکت چادر سے راقم کی تاج پوشی کی اور بہت ہی دعاؤں کے ساتھ ہمیں الوداع کیا ان دو حاضریوں میں پیر محمد انور صاحب کا نورانی چہرہ ہروقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔اس چہرہ میں حضرت غوث اعظم بغداد شریف کا نور چھلکتا ہے۔جس نے حضرت پیر محمد انور کو دیکھا اسے بغداد شریف کی زیارت ہوگئی۔جس نے حضرت پیر محمد انور گیلانی القادری الرزاقی کا دیدار کیا اسے بغداد شریف کی زیارت ہوئی



حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان آستانہ عالیہ سدرہ شریف کے سجادہ نشین پیر محمد انور الگیلانی بغدادی کے حضور حاضری دے رہے ہیں۔



ڈیرہ اسماعیل خان میں حضرت شاہ منور کا مزار



دریائے سندھ کے کنارے یہ کشتیاں کئی مسافروں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے
پہنچاتی رہیں اب ناکارہ ہو چکی ہیں۔



کاروں، گاڑیوں اور بسوں کے باجود اونٹ مقامی لوگوں کی ضرورت ہے۔

کوئٹہ

بلوچستان
انتظامی تقسیم
افغانستان
ایران
پنجاب
سندھ
بحیرہ عرب
قلات
زاہدان
سرحد بین الاقوامی
حد صوبائی
حد کمشنری
حد ضلع
صدر مقام صوبہ
صدر مقام کمشنری
صدر مقام ضلع
اہم مقامات

بلوچستان کا خوبصورت شہر کوئٹہ

دن کے تقریباً دس بجے گاڑی کوئٹہ ریلوے اسٹیشن پر رُکی۔ مئی کے مہینے میں کوئٹہ کا موسم بہت اچھا لگا۔ کوئٹہ کے صاف ستھرے اسٹیشن پر ہلڑ بازی نہ تھی نہ کوئی شور شرابہ تھا زیادہ تر مسافروں کا تعلق فوج سے تھا۔ راقم نے رکشہ پکڑا کوئٹہ شہر میں داخل ہوا صاف ستھرا شہر صاف ستھری سڑکیں گرد وغبار بالکل نہیں تھی۔ خوبصورت بازار دکانیں سلیقہ سے تعمیر کی گئی ہیں شہر بھر میں اتنی زیادہ بھیڑ بھی نہ تھی۔ البتہ نماز کے وقت مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ تکہ کباب بجی کی دکانوں پر رَش ہوتا ہے یہاں رکشوں کے کان پھاڑنے والے سلنسر نہیں یں بہت دھیمی آواز سے قریب سے گزر جاتے ہیں یہ رکشے سیاہ دھواں بھی نہیں چھوڑتے۔ کوئٹہ کے گردونواح کے لوگ روائتی لباس پہنے شہر ہی میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ شام سے پہلے اپنے اپنے شہروں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں کوئٹہ شہر کو چاروں طرف سے پہاڑوں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے ہیں ان پہاڑوں پر لوگ آباد ہیں رات کو جب بجلی کے قمقمے روشن ہوتے ہیں ملکہ کوہساری جیسا سماں پیدا ہو جاتا ہے دن رات ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے کوئٹہ کے گردونواح شہروں سے ہلکی اور بھاری گاڑیوں کے ذریعے آمدورفت رہتی ہے کوئٹہ شہر کی خوبصورت سرکاری عمارتوں پر جب سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو صاف ستھری عمارتوں میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے کوئٹہ کے لوگ مہمان نواز اور اچھے اخلاق کے مالک ہیں پنجاب کے لوگوں کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں بادام اخروٹ سیب آلو بخارہ خوبانی کے باغات ہیں۔ حنا جھیل سے صدیوں سے پانی اُبل رہا ہے۔ حنا جھیل کی وجہ سے یہاں کوئٹہ نام کا شہر آباد ہے۔ ماضی میں انسانوں جانوروں کو حنا جھیل کا پانی ہی میسر

تھا کوئٹہ کے معروف صحافی عزیز بھٹی کے ایک تحقیقی مضمون کے مطابق کوئٹہ کا پرانا نام ''شال کوٹ'' ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی نے خان آف قلات میر نصیر خان کی والدہ کو منہ بولی بہن بنایا تھا تو روایتی انداز میں شال پیش کی اور ساتھ یہ علاقہ بھی تحفے میں دیدیا تھا جس کے بعد اسے شال کوٹ کہا جانے لگا اس کو ''کوئٹہ'' کا نام انگریزوں نے دیا۔ جسے انگریزی میں کوئٹہ لکھا جاتا ہے۔ ڈکشنری میں یہ لفظ نہیں ہے اس لئے اس کے معنی معلوم نہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس جگہ کا قدیم نام ''کوٹہ'' تھا جس کے پشتو زبان میں معنی ٹیلے کے بنتے ہیں۔ روایت ہے کہ کوئٹہ چھاؤنی میں جو قلعہ نما جگہ ہے وہ ایک ٹیلہ تھا جہاں سب سے پہلے کاسی قبیلے کے چند خاندان آ کر آباد ہوئے تھے اور اسی ٹیلے کی نسبت سے اس کا نام کوٹہ پڑ گیا تھا۔ اس روایت میں کہاں تک صداقت ہے؟ یہ بات گو بحث اور تحقیق طلب ہے تاہم اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ جب کوئٹہ شہر آباد ہوا تو یہاں بیشتر اراضی کاسی قبیلے کے لوگوں کی تھی۔ اب بھی وسط شہر میں کاسی قبیلے کے افراد کی اراضی موجود ہے۔ بہت سی زمین کاسیوں نے دوسروں کے ہاتھ فروخت بھی کی ہے۔ کوئٹہ میں کئی سڑکیں بھی اس قبیلے کی ممتاز شخصیات سے موسوم ہیں جیسے جان محمد روڈ، فقیر محمد روڈ، اختر محمد روڈ، گل حسن روڈ، گل زمان روڈ، خداسئید اد روڈ، ارباب کرم خان روڈ وغیرہ اس کے علاوہ ایک لمبی سڑک کا تو نام ہی کاسی روڈ ہے۔ سڑک پر کاسی قلعہ ہے جہاں رہنے والے تقریباً سب ہی لوگ کاسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں کاسی پشتو بولتے ہیں اور اس کا شمار پشتو قبائل میں کیا جاتا ہے۔ جبکہ ایک صاحب کا کہنا ہے کشمیر کا تعلق بھی کاسی سے ہے بقول ان کے یہ پہلے کاسی میر تھا یعنی کاسیوں کا پہاڑ پھر کامیر، کسمیر اور اس سے کشمیر بنا۔ تاہم کسی مستند تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ احمد شاہ ابدالی کو اس کے علاقے ابدال کی نسبت سے ابدالی کہتے ہیں۔ اسے دو دوراں (زمانے موتی) کا لقب بھی حاصل تھا جو درانی بن گیا اور وہیں سے پشتو قبیلے کی شاخ درانی کا آغاز ہوا تھا۔ اسی احمد شاہ ابدالی کے دور میں کوئٹہ کا نام شال کوٹ ہوا تھا۔ کوئٹہ میں ایک محلے (جو پہلے نواہی بستی تھی)

کا نام شالدرہ (شال درہ) ہے۔ پہلے جو شہر تھا وہ مئی 1935ء کے زلزلے میں تباہ ہو گیا تھا جس کے بعد انگریزوں نے موجودہ شہر تعمیر کیا۔ مرکزی کا نقشہ ''چارخانہ'' کی طرح ہے۔

30 اور 31 مئی 1935ء کی درمیانی شب کو تقریباً تین بجے جو تباہ کن زلزلہ آیا تھا اس میں تین منٹ کے اندر شہر ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا اور تقریباً 60 ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ زندہ بچ جانے والوں کو خیمے لگا کر ''کیمپ'' میں رکھا گیا تھا۔ لوٹ مار کو روکنے کیلئے کرفیو لگا دیا گیا تھا۔ اور یہ پہلا موقع تھا جب کوئٹہ میں کرفیو لگا۔ زلزلے میں مرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اجتماعی قبریں بنانی پڑی تھیں۔ کوئٹہ کی اکثر بڑی عمارتیں 1935ء کے بعد تعمیر ہوئیں۔

کوئٹہ کی بڑی سڑکوں اور بازاروں کے نام انگریز حکمرانوں سے منسوب تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بہت سی سڑکوں کے نام بدل دیئے گئے۔ موجودہ ایم اے جناح روڈ کا نام بووس روڈ تھا، شارع لیاقت (لیاقت بازار) کا نام ایڈرسن روڈ تھا شارع اقبال کو قندھاری بازار کہتے تھے اور اب بھی کچھ لوگ کہتے ہیں۔ زرغون روڈ کا نام لٹن روڈ تھا موجودہ ''ٹاؤن ہال'' کی عمارت اور لان اس وقت بنائے گئے جب یہاں ''کوئٹہ کلب'' تھا اس کی نسبت سے اب بھی ''کلب روڈ'' موجود ہے۔ ''کوئٹہ کلب'' میں صرف انگریزوں کو داخل ہونے کی اجازت تھی۔ دیسی افسروں کیلئے پرنس روڈ پر ''براؤن جمخانہ کلب'' بنایا گیا تھا جو اب بھی ہے۔ ''کوئٹہ کلب'' چھاؤنی میں منتقل ہو گیا جو اب بھی موجود ہے۔

کوئٹہ میں ریلوے اسٹیشن تقریباً ایک سو سال پہلے بنایا گیا تھا۔ زرغون روڈ پر انگریز حکمران اے جی جی کی رہائش اور دفتر تھا جسے ریذیڈنسی کہتے تھے۔ یہ عمارت اب بھی ہے اور ''گورنر ہاؤس'' کہلاتی ہے اب یہاں گورنر بلوچستان رہتے ہیں۔

وادی کوئٹہ پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے اور اُوپر سے کٹورا نما نظر آتی ہے۔ شہر کے شمال میں زرغون اور تکاتو ہیں، مشرق میں کوہ مردار، مغرب میں کوہ چلتن ہے۔ کوئٹہ بلوچستان کا صوبائی دارالحکومت ہونے کے علاوہ ضلعی اور ڈویژنل صدر مقام بھی ہے۔ سطح سمندر سے

5500 فٹ کی بلندی پر واقع کوئٹہ شہر جب تعمیر کیا گیا تھا تو یہاں کی آبادی تیس پینتس ہزار تھی اور شہر 50 ہزار کی آبادی کی گنجائش کے مطابق بنایا گیا تھا اب شہر کئی گنا بڑھ چکا ہے اور آبادی تقریباً 12 لاکھ ہے۔ صوبہ بلوچستان رقبے کے اعتبار سے ملک کا 42 فیصد ہے جبکہ ملک کی آبادی کا تقریباً پانچ فیصد بلوچستان میں رہتا ہے۔ اس طرح یہ رقبے کے اعتبار سے ملک کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ کچھ لوگوں کیلئے شاید یہ بات نئی اور حیران کن ہو کہ ایک لاکھ چونتیس ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے اس صوبے میں صرف کوئٹہ ہی ایسا شہر ہے جسے جدید طرز کے شہروں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ویسے تو خضدار، لورالائی، سبی، تربت، مچھ، چمن، پشین، ژوب، حب، قلات، نوشکی، ڈیرہ مراد جمالی، ڈیرہ اللہ یار اور مستونگ جیسے گنجان آبادی والے شہر ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا بڑا شہر نہیں کہلا سکتا ہے جو جدید تقاضوں اور سہولتوں کا حامل ہو۔ کوئٹہ صوبے کا سب سے بڑا شہر ہے اور کچھ لوگ اسے بلوچستان کا اکلوتا شہر بھی کہتے ہیں۔ یہاں ملی جلی آبادی ہے۔ لہٰذا اُردو، بلوچی، پشتو، براہوی، فارسی، پنجابی، سندھی اور سرائیکی بولنے والے یہاں مل جاتے ہیں۔ صوبائی دارالحکومت ہونے کی وجہ سے کوئٹہ کو صوبے میں مرکزیت حاصل ہے۔

صوبہ سندھ سے بلوچستان میں ریل یا سڑک کے راستے داخل ہوں تو جیکب آباد (سندھ) سے تقریباً آٹھ میل پر ڈیرہ اللہ یار (جھٹ پٹ) آتا ہے جو بلوچستان کا پہلا ریلوے اسٹیشن اور شہر ہے۔ اس کے بعد قابل ذکر ریلوے اسٹیشن ڈیرہ مراد جمالی (ٹمپل ڈیرہ) ہے۔ جہاں سے تقریباً سوا گھنٹے کی مسافت پر بختیار خان ڈومکی (نبل پٹ) ہے اور وہاں سے اتنی ہی مسافت پر سبی آتا ہے۔ پٹ بے آباد چٹیل میدان کو کہتے ہیں۔

اسی نسبت سے نبل پٹ اور جھٹ پٹ کے نام رکھے گئے تھے چھٹی دہائی میں گدو بیراج سے ایک نہر نکالی گئی جس کا نام ''پٹ فیڈر کینال'' ہے اور یہ تقریباً چھ لاکھ ایکڑ اراضی کو سیراب کرتی ہے۔ پٹ فیڈر سے قبل ایک نہر کیرتھر کینال تھی جو بلوچستان میں تھوڑے سے رقبے کو سیراب کرتی تھی، یہ نہر اب بھی ہے۔ تاہم اس کا زیادہ فائدہ سندھ کے علاقے کو پہنچتا ہے۔

جیکب آباد سے تو سبی تک (تقریباً 3 گھنٹے کی مسافت) ڈیرہ اللہ یار، ڈیرہ مراد جمالی، بختیار خان ڈومکی میں کچھ آبادی نظر آتی ہے باقی ویران بنجر میدان ہے۔ سبی سے کچھ فاصلے پر ڈھاڈر ہے۔ سبی سے روانہ ہوں تو درہ بولان شروع ہو جاتا ہے جو برصغیر (یا شاید ایشیا) کا سب سے لمبا درہ ہے۔ ریل کے ذریعے سفر کریں تو سبی سے آگے ''ناڑی بنک'' (پل) آتا ہے۔ اور اس کے کچھ دیر بعد ہی پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ٹرین درہ بولان میں داخل ہو جاتی ہے یہ درہ 60 میل لمبا ہے۔ درہ بولان میں پہلا قابل ذکر ریلوے سٹیشن ''آب گم'' ہے۔ جہاں سے ٹرین کو ایک کی بجائے دو انجن لگ جاتے ہیں۔ ایک آگے اور دوسرا پیچھے ہوتا ہے۔ آگے اُونچائی اتنی ہے کہ دو انجنوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

درہ بولان میں دونوں جانب چٹیل پہاڑ ہیں۔ جہاں سبزہ نام کی کوئی چیز نہیں آب گم کے بعد قابل ذکر سٹیشن ''مچھ'' آتا ہے۔ یہ جگہ ''مچھ جیل'' کی وجہ سے مشہور ہے جو بلوچستان کی سب سے بڑی جیل ہے اسے سینٹرل جیل کہتے ہیں۔ یہ جگہ چاروں جانب سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ انگریزوں نے یہ جیل خطرناک قیدیوں کیلئے بنوائی تھی۔ کیونکہ یہاں سے کوئی فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس جگہ کا نام ''مچ'' ہے لیکن اکثر لوگ مچھ کہتے ہیں۔ بلوچی زبان میں ''مچ'' کھجور کو کہتے ہیں۔ موجودہ مچ شہر سے کچھ ہی فاصلے پر پرانا مچ ہے جہاں اب بھی کھجور کے درخت ہیں۔ ہر ٹرین سبی میں نصف گھنٹہ یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ دیر رکتی ہے۔ سبی ضلعی اور ڈویژنل صدر مقام ہے اس کے بعد قابل ذکر شہر مچ ہی ہے جہاں ٹرین دس پندرہ منٹ کیلئے رُکتی ہے۔

''مچ'' نئے ضلع بولان میں شامل ہے۔ درہ بولان میں ریل کا ٹریک ''خطرناک'' سمجھا جاتا ہے اگر کوئٹہ سے سبی کی طرف جائیں تو ''ہرک'' کے مقام پر ٹرین کو مکمل بریک لگا کر روکا جاتا ہے۔ یہاں سے ریل کی ایک الگ پٹڑی پہاڑی پر اُونچائی کی طرف جاتی ہے جسے ''سائیڈ ٹریک'' کہتے ہیں۔ یہاں کانٹے کے ذریعے پٹڑی کا رُخ سائیڈ ٹریک کی طرف ہوتا ہے۔ اگر کوئی ٹرین ''اوورشوٹ'' ہو جائے تو خود بخود سائیڈ

ٹریک پر چڑھ جاتی ہے اور کسی امکانی حادثے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ اس جگہ پہنچ کر ٹرین رک جاتی ہے۔ پھر کانٹا بدلا جاتا ہے اور پٹڑی سیدھی ہو جاتی ہے تب ٹرین آگے بڑھتی ہے۔ مچ ریلوے سٹیشن بھی عجیب تکنیک سے بنایا گیا ہے ٹرین سیدھی ریلوے سٹیشن پر نہیں پہنچتی بلکہ آگے نکل جاتی ہے اور وہاں سے ریورس صورت میں سٹیشن پر آتی ہے، ٹرین کے ذریعے سفر کریں تو درہ بولان میں 19 چھوٹی بڑی سرنگیں آتی ہیں۔ مچ کے بعد قابل ذکر سٹیشن ''کولپور'' ہے جو کوئٹہ سے زیادہ اونچائی پر ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا نام کوئلے کا کانوں کے حوالے سے رکھا گیا تھا اس جگہ کوئلے کی کوئی کان نہیں البتہ مچ میں کوئلے کی کانیں ہیں۔

کولپور سے کچھ میل دور ڈیگاری میں بھی کوئلے کی کانیں ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سرد علاقہ ہونے کے باعث اس کا نام ''کول پور'' رکھا گیا تھا جو ''کول پور'' ہو گیا۔ بہرحال اس ریلوے اسٹیشن پر وہ اضافی انجن اُتر جاتا ہے جو آب گم سے ٹرین کے ساتھ لگتا ہے۔ کولپور سے کوئٹہ کا فیصلہ تقریباً 30 میل ہے۔ کولپور سے ٹرین چلتی ہے تو آخری سرنگ سے گزر کر ''سپیزنڈ'' کی جانب بڑھتی ہے۔ اس سرنگ کے ساتھ ہی درہ بولان ختم ہو جاتا ہے۔ ''سپیزنڈ'' جنکشن ہے یہاں سے ایک لائن مستونگ، احمد وال، نوشکی، نوکنڈی سے ہوتی ہوئی تفتان تک پہنچتی ہے جو پاکستان اور ایران کی سرحد پر واقع ہے اس لائن پر چلنے والی ٹرین کوئٹہ سے ہفتے میں دو بار چلتی اور دوبارہ واپس آتی ہے۔

ریلوے لائن تفتان سے آگے ایرانی علاقے زاہدان تک ہے اسی نسبت سے اسے ٹرین کو زاہدان ایکسپریس کہتے ہیں۔ سپیزنڈ سے اگلا سٹیشن سریاب (سرآب) ہے جو اب عملاً کوئٹہ شہر کا حصہ بن چکا ہے۔ سریاب سے سٹیشن کوئٹہ ہے ویسے تو مچھ (مچ) کے بعد گرمی کا زور کم ہو جاتا ہے لیکن جب کولپور کے قریب پہنچتے ہیں تو ٹھنڈی ہوائیں آنے والوں استقبال کرتی ہیں۔ سبی سے روانہ ہوں تو آب گم اور مچ میں تھوڑا سا سبزہ نظر آتی ہے لیکن جب کولپور کے قریب سرنگ سے باہر آتے ہیں تو وادی کوئٹہ کے درخت نظر آنے لگتے

ہیں جیکب آباد سے کوئٹہ تک ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سڑک بھی چلتی ہے۔ کوئٹہ شہر کم آبادی اور صفائی کے اعتبار سے کبھی ایک مثالی شہر تھا۔ پھر یہاں کی روایتی صفائی رخصت ہو گئی۔ اب کچھ عرصہ سے شہر کی صفائی کی جانب پھر توجہ دی جانے لگی ہے ایسے وقت میں جبکہ ملک کے بیشتر علاقوں میں قتل، رہزنی، اغواء اور دہشت گردی کی وارداتیں عام ہیں بلوچستان دوسرے صوبوں کی نسبت امن کا گہوارہ نظر آتا ہے۔

یہ امن بھی اس صوبے کی دیرینہ روایات میں شامل ہے۔ کوئٹہ میں کبھی پنکھے یا ائرکنڈیشنر کا تصور تک نہیں تھا لیکن پھر پوری دنیا اور خاص طور پر اس خطے میں موسموں کی بہار نے کوئٹہ کے باسیوں کو بھی گرمیوں سے آشنا کر دیا اور اب جگہ جگہ پنکھے اور ائرکنڈیشنر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں پھر بھی جس قیامت خیز گرمی کی اطلاعات سبی، سندھ اور پنجاب سے مل رہی ہیں ان کے مقابلے میں کوئٹہ کا موسم بہت خوشگوار ہے۔ خاص طور پر شام کے بعد ٹھنڈی ہوا چلنے لگتی ہے۔ صبح اور رات کو پنکھا چلانے کی ضرورت بھی کم ہی پڑتی ہے۔ یہ اس موسم کی کشش ہے کہ میدانی علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ کوئٹہ آ رہے ہیں جس سے شہر کی رونق بڑھ گئی ہے۔ آنے والوں میں ایک بڑی تعداد بھکاریوں کی بھی ہے۔ جو جگہ، جگہ نظر آتے ہیں۔ کوئٹہ کیلئے رخت سفر باندھیں تو ان بھکاریوں کے حصے کی رقم بھی ساتھ رکھ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بھکاری کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔



راقم ایم زمان کھوکھر کوئٹہ میں جیل ہنہ کے کنارے کشتی پر کھڑے ہیں

کوئٹہ جفاکش لوگوں کی سرزمین



کوئٹہ کی تعریف اگر چند جملوں میں کی جائے تو یقیناً یوں ہوگی کہ ایک ایسا شہر جہاں فضا کاربن مونو آکسائیڈ کے زہر سے پاک اور پانی شیشے کی طرح صاف شفاف ہے۔ اس شہر کے خوبصورت بھورے پہاڑ اسے دوسروں شہروں سے ممتاز بناتے ہیں۔ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے بلوچستان کا دارالحکومت کوئٹہ صدیوں سے سیاسی اور عسکری اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس کی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے اسے حملہ آوروں اور حکمرانوں نے اپنے زیر نگیں رکھنے کی کوشش کی۔ لفظ ''کوئٹہ'' پشتو زبان کے لفظ ''کوئٹہ'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی قلعے کے ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئٹہ کو دفاعی اعتبار سے کس قدر مقام حاصل تھا۔ یورپ سے کوئٹہ کی سیاحت کے لئے آنے والا پہلا سیاح 1828ء میں یہاں پہنچا۔ اپنے سفرنامے میں اس نے بتایا کہ کوئٹہ شہر

کے گرد مٹی کی دیوار بنی تھی جس سے یہ شہر ایک قلعے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ اس میں مٹی ہی سے لگ بھگ تین سو گھر آباد تھے۔ 1876ء میں جب انگریزوں نے کوئٹہ کا مستقل محاصرہ کیا اور اسے خان آف قلات سے حاصل کر لیا تو یہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔ اس کا مقصد برطانوی اقتدار کو سوویت یونین کے خطرات سے محفوظ رکھنا تھا۔ برطانوی حکومت کے اس اقدام کے بعد کوئٹہ کو ترقی حاصل ہونا شروع ہوگئی۔ کاروباری سرگرمیوں میں اضافے اور فوجی علاقے کے قیام کے بعد کوئٹہ کی آبادی میں بھی روز افزوں اضافہ ہونے لگا اور اس کے ساتھ ہی کوئٹہ کو اہم دفاعی مرکز اور بلوچستان کے قابل ذکر علاقے کا درجہ بھی حاصل ہو گیا اور اس وقت کوئٹہ پورے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ شہر میں بڑی بڑی عمارتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان عمارتوں کا طرز تعمیر کوئٹہ کے مخصوص انداز تعمیرات کا غماز اور موسمی حالات کا عکاس ہے۔ بلوچستان صوبائی اسمبلی کی عمارت کا انداز تعمیر جداگانہ اور بڑا دلکش ہے۔ اسے ایک خیمے کی شکل میں بنایا گیا ہے جو کوئٹہ کے لوگوں کی صدیوں پرانی جفاکش زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ اس طرح بلوچستان ہائی کورٹ کی عمارت بھی عمارات سے منفرد ہے، علاوہ ازیں ایک فائیو سٹار ہوٹل کی عمارت بھی شہر کو چار چاند لگائے ہوئے ہے۔ کوئٹہ گولف کورس کے ساتھ ہی بین الاقوامی شہرت کا حامل کمانڈ اینڈ سٹاف کالج واقع ہے۔ یہاں سڑک کے ساتھ ساتھ ''ارک'' کے علاقے تک سیبوں سے لدے درخت دور تک نظر آتے ہیں۔ سیب کے موسم میں ان درختوں کی شاخیں لال لال سیبوں کے بوجھ سے جھکی نظر آتی ہیں۔ کوئٹہ کی تاریخ جاننے کے لئے اگر ایک نظر قومی عجائب گھر پر ڈال لی جائے تو اس کے ماضی کے کئی شاندار ادوار آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں۔ علاقے کی تاریخ کا ایک اور مدفن عیسائی قبرستان بھی ہے۔ یہاں قبروں پر لگے کتبے اور ان کی عبارتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ انیسویں صدی میں کوئٹہ کے باسیوں کی زندگی کسی قدر دشوار تھی۔ اب بھی شہر کے بعض حصے قدیم دور

کی یاد دلاتے ہیں۔نئی نئی عمارات اور نو تعمیر شدہ گھروں کے ساتھ ساتھ کوئٹہ میں قدیم طرز کے بازار، یادگاریں اور لوگ بھی نظر آئیں گے۔کوئٹہ کے لوگ بڑے مہمان نواز اور خوش اخلاق ہیں۔مہمان کو سبز چائے پلائے بغیر نہیں بھیجتے۔اکثر میزبان محبت کے اظہار کے لئے چائے میں ڈھیر ساری چینی ملا دیتے ہیں۔ بلوچی باشندے جو مختلف قبائل کا حصہ ہیں اپنی عزت و وقار کے معاملے میں بڑے حساس ہیں۔اپنے باغات سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ کسی کو پھل توڑتا دیکھ لیں تو فوراً پکڑ لیتے ہیں اور پھر معاملہ چند روپوں میں ختم نہیں ہوتا بلکہ باغ کے مالک کا اصرار ہوتا ہے کہ اس کے پھل کو واپس درخت پر لگایا جائے۔ یوں لوگ پھل چرانے کا تصور بھی نہیں کرتے۔کوئٹہ کو ریل، سڑک اور ہوائی جہاز کے ذریعے باقی ملک سے ملایا گیا ہے،قومی فضائی کمپنی کے علاوہ ایک نجی کمپنی کے جہاز بھی کوئٹہ کے علاوہ خضدار، ژوب اور سوئی وغیرہ جاتے ہیں جبکہ شہر کے اندر اور باہر اونٹوں کے لمبے لمبے کاروان نظر آتے ہیں۔ یہ کاروان زیارت، لورالائی، نوشاکی اور زاہدان وغیرہ جاتے ہیں۔ جبکہ چرواہوں کے قبائل نئی چراگاہوں کی تلاش میں سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں یہ مناظر اس علاقے کی صدیوں پرانی پہچان ہیں۔ تاہم جدت کی دوڑ اور نام نہاد ترقی کے شوق میں علاقے کی بہت سی خوبصورتیاں وقت کی گرد میں بتدریج گم ہو رہی ہیں۔ایک ایسا شہر جو قدیم آثار سے بھرا پڑا ہے اب کسی پرانی چیز کا کھوج خاصا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔شہر کے تاریخی آثار اور نوادرات سے کسی کو دلچسپی نہیں رہی۔ایسے میں دردمند لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ علاقے کے سیبوں کے باغات کا مستقبل کیا ہوگا کیونکہ شہر تیزی سے بڑا ہو رہا ہے ایسے میں کسی مربوط منصوبہ بندی کی اشد ضرورت ہے۔کوئٹہ شہر سے باہر نکلیں تو تاحد نظر چٹیل اور بنجر اراضی دیکھنے کو ملتی ہے جبکہ کہیں کہیں صحرا بھی ہیں۔اس خطے کی حالت دیکھ کر یہاں کے رہنے والوں کے طرز بود و باش اور زندگی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔سخت موسم اور بنجر زمینوں کے ساتھ رہتے رہتے یہ لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ برطانوی حکومت کو یہاں براہِ راست حکمرانی کی جرأت نہ ہوئی اور یہاں بالواسطہ طرز کی حکومت قائم کی گئی۔ کوئٹہ کے بازار اور دکانیں یہاں آنے والوں کے لئے بہت دلچسپی کا باعث ہیں جو مختلف قسم کے ملکی اور غیر ملکی مال سے بھری رہتی ہیں۔ قیمتیں بھی مناسب ہوتی ہیں۔ تاہم اکثر لوگ بھاؤ تاؤ کرتے نظر آئیں گے۔ جناح روڈ کوئٹہ کا اہم تجارتی مرکز ہے۔ یہاں بنک، سٹور اور ریستوران بھی کچھ موجود ہے، جناح روڈ کے ساتھ ساتھ بھی کئی بازار ہیں جو پردہ دار خواتین اور مردوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہاں مرد عموماً پگڑی یا ٹوپی ضرور پہنتے ہیں۔ پرانے بازاروں میں مشہور قندھاری بازار اور لیاقت بازار ہیں۔ بلوچی شیشے کا کام اور کڑھائی، اونی واسکٹیں، ٹوپیاں، قیمتی پتھر اور خشک میوے کوئٹہ کے بازاروں کی سوغات ہیں۔ بہترین افغانی اور ایرانی قالینوں کی خریداری کے لئے کوئٹہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ اس کے علاوہ یہاں پرانی اشیاء اور نوادرات بھی فروخت ہوتی ہیں۔ کوئٹہ میں بیشتر اشیاء افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا سے آتی ہیں اس لئے ان کی ورائٹی خاصی زیادہ ہوتی ہے۔ اپنے حسن، ماحول، اور گہما گہمی کی بناء پر کوئٹہ روز بروز ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنتا جا رہا ہے جہاں اپریل سے اکتوبر تک موسم انتہائی خوشگوار اور ٹھنڈ ہوتا ہے۔

مضمون نگار: محمد نعیم

بلوچستان میں نوادرات



میلوں میں پھیلا ہوا بلوچستان کا علاقہ اپنے دامن میں کئی تاریخی واقعات لئے ہوئے ہے یہ سرزمین تیل اور گیس سے مالا مال ہے دنیا کی قدیم تہذیبوں کے آثار بلوچستان میں پائے جاتے ہیں۔ ساحل سمندر کے کنارے بسیلہ میں اسلامی تہذیب کے اولین نقوش کے آثار ملتے ہیں بلوچستان، افغانستان، ایران سے آنے والے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ رہی ہے۔ بلوچستان کا بیشتر علاقہ پہاڑوں پر مشتمل ہے قدیم انسان کا مسکن پہاڑوں کے دامن میں رہا۔ آئے دن اخبارات میں بلوچستان سے دریافت ہونے والے نوادرات کے بارے رپورٹ ملی ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا حنوط شدہ لاش ممی کے بارے متنازعہ خبریں شائع ہوتی رہیں۔ بلوچستان کا علاقہ نوادارات کے لئے مشہور ہے۔ بلوچستان نوادرات کے شوقین کی توجہ کا مرکز ہے۔ قریبی ممالک سے دریافت ہونے

والے نوادرات بلوچستان لائے جاتے ہیں۔ تاکہ نوادرات کو بھاری قیمت پر فروخت کیا جا سکے عزیز بھٹی کے مطابق نوادرات کی اہمیت صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ اکثر ادوار میں نوادرات دنیا کی سب سے قیمتی شے رہے ہیں۔ آج بھی دنیا بھر میں نوادرات حاصل اور جمع کرنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ تاریخی پس منظر رکھنے والے نوادارات کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ نوادرات کا شوق رکھنے والے عموماً دولت مند ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے شوق اور خواہشات کو دیکھتے ہوئے مختلف ممالک میں جعلی نوادرات تیار کر کے فروخت کرنے والے جعلسازوں کی بھی چاندی ہو گئی ہے۔ کسی عام سی شے کو کسی قدیم تاریخی شخصیت سے وابستہ کر کے رقم ہتھیا لینے والے بھی دنیا میں موجود ہیں۔ آثار قدیمہ کی تلاش کے دوران جو نوادرات ملتے ہیں ان کے خریدار بھی دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں قدیم شاہی خاندانوں کے افراد کے پاس بھی ایسے نوادرات ہوتے ہیں جن کو شوقین لوگ بھاری قیمت دیکر خرید لیتے ہیں۔ بلوچستان میں قلات، مکران، خاران اور بسیلہ چار ریاستیں تھیں جن کے والیان کے پاس بہت سے نوادرات تھے اور اب بھی ہیں۔ خاص طور پر خان آف قلات اور ان کے خاندان کے افراد کے پاس بہت سے نوادرات ہیں۔ قلات میں خان آف قلات کے محل میں جائیں تو ہر کمرے میں کوئی نہ کوئی ایسی نادر چیز دکھائی دیتی ہے جو تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ ڈرائنگ روم میں ایک کرسی رکھی ہوئی ہے جس پر چاندی چڑھی ہوئی ہے۔ خان آف قلات کے محل کی بالائی منزل پر وہ کمرہ بھی ہے جہاں قائداعظم آ کر ٹھہرا کرتے تھے، وہاں بھی نوادرات موجود ہیں۔ ان میں کچھ تلواریں بھی تھیں جن میں سے ایک تلوار قائداعظم کو بلوچستان کے دورے کے موقع پر پیش کی گئی تھی۔ خان آف قلات، نواب جوگیزئی، جام آف لسبیلہ، جمالی خاندان، نواب بگٹی اور دوسری قبائلی شخصیات کے پاس تاریخی اور قیمتی قالین اور دوسرے قیمتی نوادرات ہیں۔

حال ہی میں کوئٹہ سے 300 کلومیٹر دور محکمہ کسٹمز نے بسیمہ کے قریب ایک بس سے 147

قیمتی نوادرات قبضے میں لئے جو کسی دوسرے ملک سے سمگل کر کے لائے گئے تھے۔ ان نوادرات میں مٹی کے چار پیالے، تین ٹوٹے ہوئے پیالے دو بڑے برتن، ایک صلیب نما ٹائل بیزوں کی 41 انیاں، لوہے کی 35 انگوٹھیاں، پانچ پلیٹیں، تین ٹوٹی ہوئی پلیٹیں، دو چھوٹے برتن، ایک مربعہ ٹائل، 24 خنجر لوہے کے پانچ کڑے لوہے کے دو بڑے کڑے، یک گھنٹی لوہے کے زیورات کے 5 ٹکڑے ایک تانبے کا پیالہ ایک گلاس زنجیر کے ساتھ ٹکڑے دو ٹوٹے ہوئے ہک، دو ہیلمٹ یا پیالے دو نوکیلی سلاخ یا تیر چار کلہاڑیاں دو ہک صراحیاں اور مٹی کا ایک چراغ بھی شامل ہے۔ بلوچستان میں پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں سمگل شدہ نوادرات ملے ہیں جو محکمہ آثارِ قدیمہ کی انتظامیہ کے سپرد کر دیئے گئے ہیں جو ان کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ نوادرات اسلامی عہد کے اوائل سے تعلق رکھتے ہیں اور آثارِ قدیمہ کی تلاش کے دوران ملے ہوں گے۔ جو چوری کر کے سمگل کئے جا رہے تھے۔ ان کی قیمت کئی کروڑ روپے ہوگی۔ بلوچستان میں مہر گڑھ (ضلع بولان) کے مقام پر سات ہزار سال پرانی تہذیب کے آثار ملے ہیں اور کھدائی کے دوران قدیم شہر کے آثار کے ساتھ قدیم دور کی اشیاء بھی ملی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئٹہ کے قریب کلی گل محمد، تربت اور خاران اور بعد دوسرے علاقوں میں بھی آثارِ قدیمہ ملے ہیں۔ مزید آثارِ قدیمہ کی تلاش جاری ہے۔



راقم حاجی ایم زمان کھوکھر کوئٹہ کے بازار میں کھڑے ہیں

بلوچستان میں اسلام کے اوّلین نقوش

حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد میں مسلمان فاتحین کی بلوچستان آمد کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا البتہ عرب سندھ کے تعلقات چونکہ عہد قدیم سے چلے آرہے ہیں اس لئے آنحضرت اس خطہ سے واقف ضرور تھے۔ آپ نے برصغیر میں جہاد کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے اس جہاد میں شریک ہونے والوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ ہونے کی بشارت دی تھی۔ امام نسائی نے اس حدیث کے لئے باب غزوۃ الہند کا مستقل عنوان قائم کیا۔ عہد خلافت حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے برصغیر آنے کی مستند روایات موجود ہیں۔ خلافت راشدہ میں سندھ اور بلوچستان کی طرف کئی مہمات روانہ کی گئیں۔ چونکہ تمام فتوحات عارضی نوعیت کی ہوتی تھیں بعد میں از سرنو مہم بھیجنی پڑھتی تھی۔ اس طرح بلوچستان کے مختلف علاقوں میں مختلف ادوار میں مہمات روانہ کی گئیں۔ بلوچستان میں اسلام کی روشنی حضرت عمر فاروقؓ کے آخری ادوار میں 23 ھجری بمطابق 642-643 عیسوی میں پہنچی جب اسلامی افواج بصرہ کے امیر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور بحرین کے امیر حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی قیادت میں ایران میں جہاد کر رہی تھیں۔ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص کی قیادت میں ایک لشکر مکران روانہ کیا تھا جس کو بڑی کامیابی ہوئی۔ مکران کی فتح کے بعد بلوچستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ بلوچستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ عہد بنو امیہ میں بھی جاری رہا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی عہد میں خضدار، لسبیلہ فاران وغیرہ پہلی مرتبہ فتح ہوئے۔ بیشتر مقامات اسلامی افواج کے زیر سایہ آ گئے۔ فتوحات کا یہ سلسلہ محمد بن قاسم کی فتح سندھ تک تکمیل کو پہنچا۔ محمد بن قاسم نے اسی مہم میں مکران کے سب سے بڑے شہر پنجگور کو فتح کیا۔ اسی مہم میں لسبیلہ بھی فتح ہوا۔ مکران کے گورنر محمد بن ہارون انتقال کر گئے ان کا مزار لسبیلہ میں ہے۔ بلوچستان میں اسلامی حکومتوں کا دور دسویں صدی عیسوی کے آخر تک رہا۔ خطہ بلوچستان اشاعت اسلام کی ابتدائی چار صدیوں میں مکمل طور پر اسلامی تعلیمات کی روشنی سے منور ہو چکا تھا۔ بلوچستان میں جن صحابہ کرامؓ اتابعین کی آمد ہوئی

بیشتر کا وصال بھی یہیں ہوا۔ بلوچستان تاریخ اور مذہب از پروفیسر محمد اشرف منہاس قیصرانی کے مطابق ان کے نام حضرت الحکمؓ بن ابی العاص ثقفی، حضرت ربیع بن زیاد حارثی مذحجیؓ، حضرت الحکم بن عمرو بن مجدع التغلبی غفاریؓ، حضرت سہیل بن عدی خزرجی انصاریؓ، حضرت عاصمؓ بن عمر التمیمی، حضرت صحارؓ بن عباس العبدی، حضرت عبداللہ بن عمیر الاشجعیؓ، حضرت نسیر بن وسیم بن ثور عجلیؓ، حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب بن قیس تمیمی مازنیؓ، حضرت حکیم بن جبلہ العبدیؓ، حضرت عبیداللہ بن معمر بن عثمان قرشیؓ، حضرت عمیر بن عثمان بن سعدؓ، حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی، حضرت سعید بن کندیر قشیریؓ، حضرت تاغر بن دعرؓ، حضرت حارث بن مرہ العبدیؓ، حضرت خریت بن راشد ناجی سامیؓ، حضرت عمر بن عبیداللہ التمیمیؓ، حضرت ابوالیمان معلیٰ بن راشد بنال الہذلی بصریؓ، حضرت عباد بن زیاد بن ابوسفیانؓ، حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکیؓ، حضرت عبداللہ بن سوار بن ہمام عبدیؓ، حضرت یاسر بن سوار عبدیؓ، حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلیؓ، حضرت منذر بن جارود عبدیؓ، حضرت اعشیٰ ہمدانؓ، حضرت حری بن حری باہلیؓ، حضرت راشد بن عمرو جدیدی عبدی ازدیؓ، حضرت سعد بن ہشام انصاریؓ، حضرت سعید بن اسلم بن زرعہ کلابیؓ، حضرت صیفی بن فسیل شیبانیؓ، حضرت کرز بن ابوکرز حارثی کوفیؓ، حضرت مجاعہ بن سعرؓ



ایک زرتشتی مقبرہ

تمیمیؒ میں صحابہ کرام کے بعد برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت و ترویج کا سلسلہ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے جاری رکھا۔ رشد ہدایت کی شمعیں روشن کیں۔ سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ نے بلوچستان میں اسلام کو پروان چڑھایا۔ محمد عثمان حسن کے تحقیقی مضمون جو روزنامہ جنگ میگزین مورخہ 20 جولائی 1994 میں شائع ہوا کے چند اقتباسات کے مطابق اسلامی فن تعمیر کا آغاز برصغیر میں 711ء میں محمد بن قاسم کی سرزمین سندھ میں آمد سے شروع ہوا۔ اسلامی فوجوں نے سب سے پہلے بلوچستان کے علاقے مکران میں " کٹر "یعنی کیچ کو (جو تربت کا علاقہ کہلاتا ہے) فتح کیا اور پھر یہاں "میری" قائم کی یعنی جہاں "میر" یا آج کی زبان میں " گورنر" تعینات ہوتے تھے۔ "میریٔ" کا جائے وقوع اور اس کے کھنڈرات جو آج سے بیس سال قبل تک بہتر حال میں تھے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دریائے کیچ کے کنارے واقع ہیں اور دور تک کھجوروں کے باغات ہیں ایک اہم اور قدیم شاہراہ جو کہ مغرب سے مند کے علاقے سے بلوچستان میں داخل ہوتی ہے ادھر ہی سے گزرتی ہے۔ "میری" کو ایک قلعہ نما کمپلکس سمجھ لیں جہاں فوج کے علاوہ اہم دفاتر بھی ہوتے تھے اس قلعے پر کھڑے ہو کر اگر چاروں طرف نظر دوڑائی جائے تو پورے علاقے میں معمولی سی حرکت بخوبی نظر آ سکتی ہے۔ ویسے اس جگہ کا تعلق قبل از تاریخ



ڈھاڈر کا ایک مقبرہ

کے زمانے سے ہے اور مسلمانوں کی آمد کا صحیح تاریخ کا تعین کرنا مشکل ہے مگر یہ طے شدہ بات ہے کہ ادھر ہی سے برصغیر میں مزید اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا کیونکہ بغیر اس علاقے کو زیر کئے عسکری لحاظ سے آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا۔ ضلع ناران میں راس کوہ کے درمیان ایک درہ ہے جو کہ جھلاورد کے نام سے مشہور ہے اس کے عقب میں ایک پہاڑی چوٹی ہے جسے آج تک نقشہ پر کوہ کبران سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس پہاڑی چوٹی کے دامن میں ایک گاؤں "گلستان" کے نام سے آباد ہے اس درہ اور جگہ کی ہمیشہ سے خاص اہمیت رہی ہے۔ اس جگہ کو تاریخ میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے کیکنان، کز کنان یا کرکنان وغیرہ مگر چچ نامہ میں اسے کیکانان اور بلاذری نے "قیقان" کے نام سے یاد کیا ہے۔ 38 ہجری میں اسلامی لشکر نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ کی اجازت سے ادھر کا رخ کیا۔ شدید جنگ کے بعد اس جگہ کو فتح کیا۔ جب اسلامی لشکر کو خلیفۂ وقت کی شہادت کی خبر ملی تو یہ لشکر واپس مکران چلا گیا۔ اس سے ایک بات تو ظاہر ہوتی ہے کہ کز یا کیچ یعنی تربت کا علاقہ 38 ھجری سے قبل اسلام کے زیر سایہ آچکا تھا اور "میری" آباد تھی۔ کیکان یا قیقان پر بعد بھی مہم جوئی جاری رہی۔ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے دوران کز یا کیچ نامہ کے مطابق جس کا ذکر بلاذری نے بھی کیا ہے سنان بن سلمٰی نے اس علاقے سمیت خضدار اور ہدیہ یا بدحا جو کہ آج کل گناوہ کہلاتا ہے فتح کیا۔ امیر معاویہ کی خلافت کے دور میں ہی ابوالاشف نے تمام



میری کے کھنڈرات

علاقے کو پورے طرح زیر کر کے امن قائم کیا اور حاکم مقرر کئے بعد میں خضدار کو اس کے نواحی علاقے کا صدر مقام بنایا گیا ہے۔ کیونکہ چچ نامہ کے تحت وہ حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جب ان کی ولادت کی خبر حضور ﷺ کو ان کے والد نے دی تو آپ نے فرمایا اپنے بیٹے پر خوش ہو اس پر انہوں نے عرض کیا اگر میں خود کو اور اس کو راہ خدا میں قربان کر دوں تو وہ ایسے ہزار بیٹوں سے بہتر ہوگا جو خدا کی راہ میں قربان نہ ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام سنان رکھا۔ چچ نامہ کے مطابق جب انہیں بلوچستان میں ایک آراستہ لشکر کے ساتھ مہم پر روانہ کیا گیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے تیرا باپ تیری مردانگی پر ناز کرتا تھا آج تیرا دن ہے۔ بہت سی ولایتیں تیرے قبضے میں آئیں گی اور ان کی صلاح ہوگی۔ اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ ہمارے بلوچستان میں آرام فرما ہیں۔ کیکان یا قیقان کے کھنڈرات ابھی تک باقی ہیں ۔ درہ کے دونوں جانب کوفی رسم الخط میں یہاں سے گزرنے والوں کے نام سینکڑوں کی تعداد میں ابھی تک کھدے ہوئے ہیں تاہم پرانی تاریخیں پڑھنا مشکل ہے کیونکہ وہ تقریباً مٹ چکی ہیں مگر بعد کی تاریخوں کو پڑھا جا سکتا ہے۔ یہاں پرانی مسجدوں کے نشانات بھی ملتے ہیں جو کبھی آباد تھیں مگر اب ان کی نشاندہی پتھر کی دیواروں سے کر دی گئی ہے۔ ان پتھروں پر بھی نمازیوں نے اپنے نام کھودے ہوئے ہیں۔ درے کے برابر میں ہی زرتشتی تہذیب کا پرانا شہر آباد تھا جہاں پتھروں کی



مٹھوی کا ایک مقبرہ

سلوں پر کھدی ہوئے مختلف تصاویر ایک وسیع علاقے میں بکھری پڑی ہیں ان کا تعلق مذہبی اعتقادات سے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر کو انسانی ہاتھوں نے انتقام کے طور پر تباہ کیا ہے۔ اس علاقے میں پرانے زرتشتیوں کے مقبرے ہیں جن میں پرندوں کو انسانی گوشت کھلانے کے بعد ان کی ہڈیاں رکھ دی جاتی تھیں یہ ابھی تک بہت خستہ حالت میں موجود ہیں۔ مگر خاصی تعداد میں نابود ہو چکے ہیں۔ یہ مقبرے آج سے بیس سال پہلے خاران اور مکران میں عام تھے ان پر پکی مٹی کے ٹائلز زیبائش کے طور پر استعمال ہوئے ہیں جن پر مختلف مذہبی خاکے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً خیر و شر کی لڑائی، آگ، سورج اور آتش دان وغیرہ یہاں بعض مسلمانوں کے مقبرے بھی ہیں جو اسی طرز کے ہیں مکران کے ٹائلوں پر نقش و نگار صرف سجانے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ یہ ابھی خستہ حالت میں ہیں اور صرف دو رہ گئے ہیں جو منہدم ہونے کے قریب ہیں ایک تو جھلاوار کے درے میں واقع ہے اور دوسرا سوراب سے مغرب سے ذرا آگے ہے گویا اسلامی فن تعمیر کا آغاز جس میں وسطی ایشیاء کی جھلک نظر آتی ہے محمد بن قاسم کی آمد سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا کہیں تاریخ تو لکھی ہوئی نہیں ملتی مگر یقیناً یہ 711ء سے بہت پرانے ہیں۔ ارمابیل ایک پرانا مقام ہے جو کہ "دم" یعنی مٹی کے ڈھیر یا کھنڈرات کی شکل میں لسبیلہ سے کچھ فاصلے پر موجود ہے۔ واضح رہے کہ



محمد بن ہارون (لسبیلہ) کا مقبرہ مرمت کے بعد

اس زمانے میں قمبر لسبیلہ کو کہا جاتا تھا۔ محمد بن ہارون کا مقبرہ جسے بڑی کوششوں کے بعد محکمہ آثارِ قدیمہ نے اس کی مرمت کی مگر شکل کافی بدل کر رکھ دی۔ اس مقبرے پر کوئی تاریخ تو نہیں ہے مگر یہ مقبرہ یقیناً بہت پرانا ہے جھلاوراور گیدڑ کے مقبرے اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ سب سے پرانا قبرستان جو ہماری نظر سے گزرا وہ پسنی کا ہے۔ جہاں ایک قبر پر تاریخ 300 ہجری (1000) عیسوی کی درج ہے ان قبروں کی ساخت اور ان پر نقش ونگار اسی زمانے کے ہیں۔ یہ قبریں یا مقبرے طرزِ تعمیر میں تقریباً ایک ہی ساخت کے ہیں۔ بلوچستان میں اس طرزِ تعمیر کا سب سے اہم قبرستان ضلع لسبیلہ میں ہے جہاں مختلف طرز کی قبریں نظر آتی ہیں جو غریب لوگ تھے انہیں کچی قبریں نصیب ہوئی یا زیادہ سے زیادہ پتھروں کی سلوں سے انہیں مزین کر دیا گیا۔ تاہم کھاتے پیتے لوگوں کی قبریں پتھروں پر مختلف نقش ونگار سے مزین سلوں سے بنائی جاتی تھیں کہیں پر ایک خانہ اور کہیں اوپر نیچے تین خانے بھی بنے ہوئے ہیں مگر میت کے دفنانے کا طریقہ مختلف ہے۔ ان مزین قبروں یا مقبروں میں سے کچھ کو "شامی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جہاں میت کو زمین سے اوپر پتھر کے نے ہوئے خانے میں رکھا جاتا تھا اور دوسری رومی کہلاتی ہیں جہاں میت زیر زمین دفن کی جاتی تھی ان میاں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ رومی قبروں پر کھدائی سے سپاہیوں اور



جام علی خان (لسبیلہ) کا مقبرہ

جانوروں کی شکلیں بنائی گئی ہیں۔ اکثر سپاہی مختلف ادوار کے ہتھیاروں سے لیس نظر آتے ہیں جن سے ان کے دور کا تعین بھی کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ مستورات کی قبروں پر زیورات کی شکل کی کھدائی دونوں طرح کی قبروں پر نظر آتی ہے۔ جہاں تک شاہی قبروں کا تعلق ہے تو یہ شاید ان مسلمانوں کی ہیں جنہوں نے زرتشتی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا مگر چونکہ زرتشتی مذہب میں زمین پاک سمجھی جاتی ہے چنانچہ میت کو اوپر رکھا جاتا ہوگا اور یہ رواج نسل درنسل چلتا رہا۔ جہاں تک رومی قبروں کا تعلق ہے تو ان پر کھدائی سے جو تصویریں بنی ہوئی ہیں ان کا تعلق وسطی ایشیاء سے ظاہر ہوتا ہے۔ لسبیلہ میں جام علی خان اور بیگم اور دختر کا مقبرہ ہے جو خوبصورتی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ وقت گزرنے اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حالت خاصی خستہ ہے۔ یہ مقبرہ 1742/43ء میں بنوایا گیا تھا۔ جام علی خان جاموٹ قبیلہ کے حکمران تھے ان کا سلسلۂ نسب عبدالمناف سے جاملتا ہے جن کا تعلق قریش قبیلے سے تھا۔ اب جہاں تک ٹھٹھہ کے قبرستان کا تعلق ہے تو اس طرز تعمیر میں مغربی ایشیاء کی جھلک نظر آتی ہے یہ طرز تعمیر بھی عربوں کے ہمراہ ادھر آئی مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ تمام مکران میں اس قسم کے کھنڈرات ملتے ہیں۔"

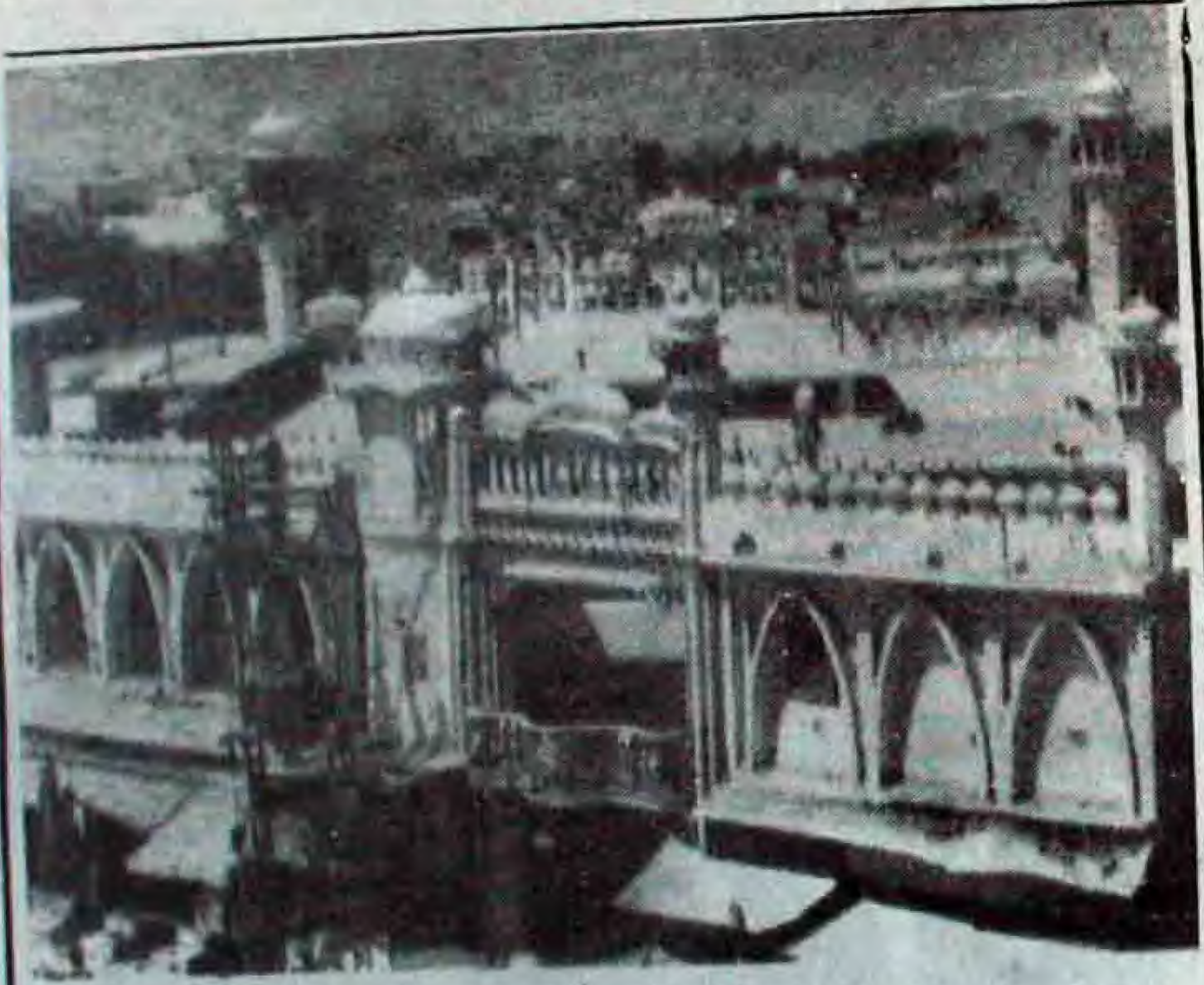


ہندان کی قبریں یا مقبرے

گوادر میں ابھی تک ایک بزرگ کا مقبرہ موجود ہے جسے گزیٹر کے مطابق ناخدا جنگی نے بنوایا تھا جو یہاں کے کامتی سردار تھے۔اس کی سن تعمیر 873ہجری یعنی 1468ء بتائی جاتی ہے مگران کے گزیٹر کے مطابق اس سے بھی پرانے اس طرز کے تین مقبرے اور موجود تھے مگر آج ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔بلوچستان کی برصغیر میں ہمیشہ سے ایک پل یا باب کی سی حیثیت رہی ہے۔قومیں،لشکر اور قبیلے تاریخ کے مختلف ادوار میں ادھر ہی سے گزرتے رہے۔کچھ نے ادھر سکونت اختیار کرلی مگر جانے والے اپنے نشانات چھوڑ گئے۔



کوئٹہ کی قندھاری مسجد



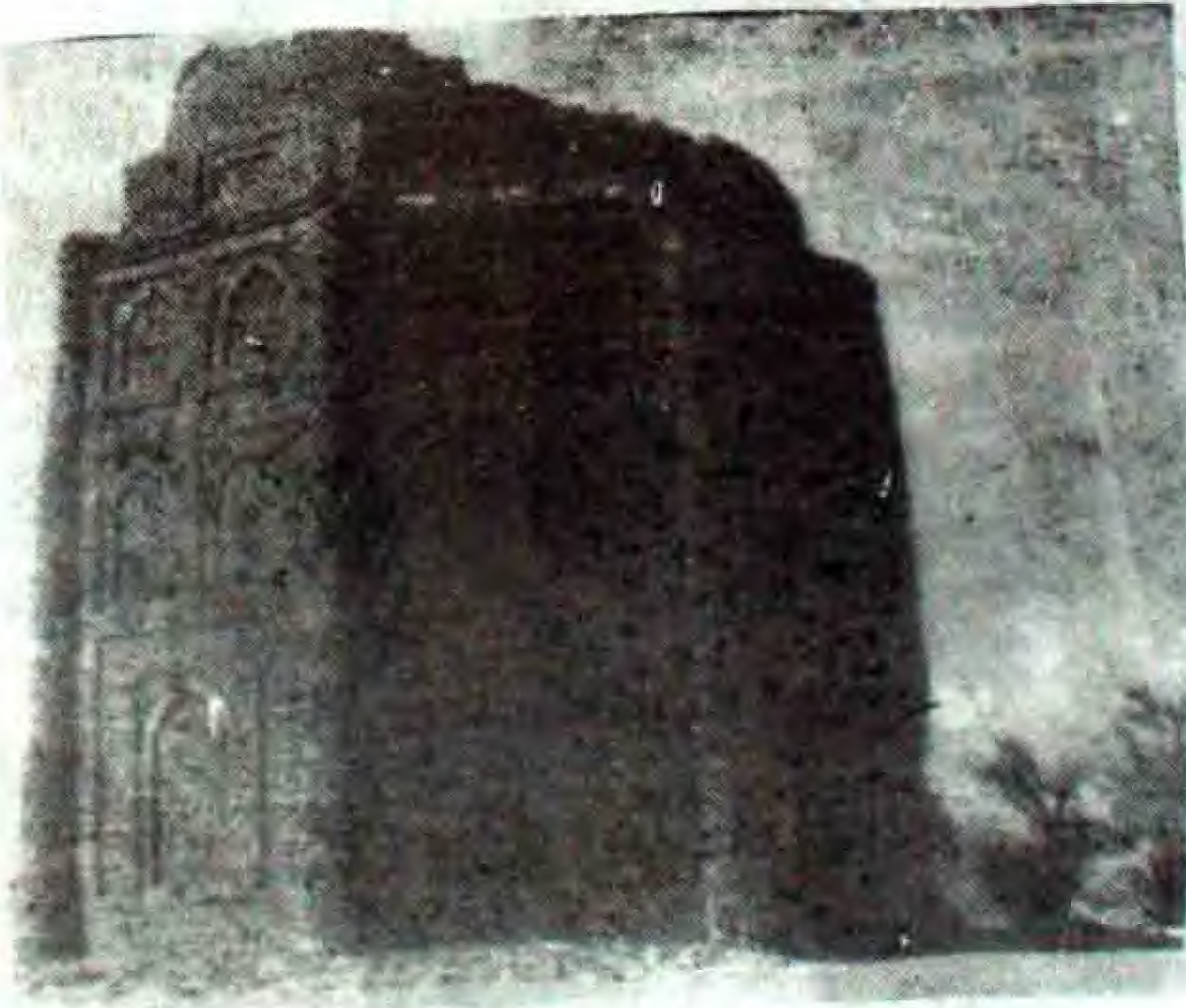
جامع مسجد کوئٹہ



میر احمد یار خان کی تعمیر کردہ جدید مسجد محل قلات



میر نصیر خان نوری کی تعمیر کردہ جامع مسجد گنداواہ



مٹھڑی کا ایک مقبرہ

راقم کے
وہ مضامین
جو قومی
اخبارات
ورسائل میں
شائع ہوئے

بریک شا

یہ نام پاکستان میں بسنے والے کسی شخص کا نہیں ہے جب کبھی صوبہ سرحد میں سفر کرنے کا اتفاق ہو تو کنڈیکٹر مسافروں کو گاڑی سے اُتارنے کے لئے گاڑی روکنے کیلئے ڈرائیور کو متوجہ کرتا ہے کہتا ہے بریک شا۔ وہ ہاتھ سے اِشارہ نہیں کرتا نہ ہی ہاتھ سے بس کو مکے مارتا ہے نہ ہی گھنٹی بجاتا ہے بلکہ وہ منہ سے کہہ دیتا ہے بریک شا اور بس، ویگن رُک جاتی ہے۔ مسافر گاڑی سے اُتر جاتے ہیں پنجاب میں تو کنڈیکٹر ڈرائیور کو اُستاد کہتا ہے اُستاد جی روک کے۔ دورانِ سفر اَسّی سالہ مسافر بیس سالہ ڈرائیور سے مخاطب ہوتا ہے اُستاد جی روک کے۔ تو وہ ڈرائیور پھولا نہیں سماتا کہ اَسّی سالہ بزرگ نے اسے اُستاد جی کہہ کر پکارا ہے غریب عوام مزدوروں محنت کشوں کے گھریلو مسائل معلوم کرنے ہوں تو ست رفتار ٹوٹی پھوٹی بس ویگن میں سفر کیجئے۔ غریب افلاص زدہ لوگوں کی دردبھری کہانیاں اس طبقہ کی عورتوں سے دورانِ سفر سنی جاسکتی ہیں عورت خاموش نہیں رہ سکتی سیٹ پر بیٹھتے ہی ساتھ والی زنانہ سواری سے شجرہ ملا کر دُکھ بھری کہانیاں شروع کر دیتی ہیں راقم کو بھی کئی بار بریک شا کہنے والوں کے دیس میں سفر کرنے کا اِتفاق ہوا بار بار بریک شا کہنے والے کا حلیہ بیان کرنا ضروری ہے بریک شا کا اِشارہ دینے والے کنڈیکٹر کی عمر بیس پچیس سال کے قریب ہے قمیض بٹنوں سے بے نیاز سر کے بال کھلے ہوئے۔ کھلے پائنچہ والی شلوار کو ہائی چپل نچلے ہونٹ میں نسوار بات کرتے تو منہ سے پرفیوم جیسی خوشبو آئے۔ بس مالکان جذباتی جھگڑالو قسم کے کنڈیکٹر بھرتی کرتے ہیں۔ یہ خوبی بریک شا میں موجود ہے۔ گاڑی چند قدم چلتی بریک شا کی آواز پر رُک جاتی مسافر سوار ہوتے اُتر جاتے ڈرائیور بھی بریک شا کے اشارہ کا پابند ہے۔ نصف درجن کے قریب گلے اور بازو پر تعویز باندھے ہوئے ڈرائیور صاحب شیشے سے مسافروں کی تمام نقل وحرکت کا جائزہ لیتا رہتا ہے بلکہ کنڈیکٹر کا وہ تابعدار ہے سواریوں کو بس میں سوار کرنے کیلئے بریک شا کے اِشارہ پر بس رُک گئی۔ پیچھے سے آنے والی بس نے بریک شا کی گاڑی سے آگے بڑھ کر سواریاں بٹھانے کی کوشش کی یہ بریک شا

نے فوراً لپک کر پیچھے سے آنے والی گاڑی کے ڈرائیور کو گریبان سے پکڑ کر نیچے اُتار لیا۔ دھینگا مشتی میں گالیوں کا تبادلہ ہوا ایک فریق نے پانہ ہتھوڑا نکال لیا دوسرے نے راڈ وغیرہ اس سے بیشتر کہ فریقین کے سر کھل جاتے مسافروں نے معاملہ رفع دفع کر دیا لیکن اس کے باوجود بریک شا اُچھل اُچھل کر پیچھے سے آنے والی گاڑی کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر پر ناکام حملے کی کوشش کرتا رہا بس نے پوری رفتار بھی نہ پکڑی بریک شا کی آواز پر گاڑی رُک گئی مسافروں کے ساتھ بھیڑ بکریوں مرغے بھی سوار کر لئے صوبہ سرحد میں مسافر خواتین کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ مرد سواریوں کو چھت پر سوار کر کے راستہ میں جو سٹاپ آیا بریک شا نے خالی نہیں جانے دیا اب بس نے کسی حد تک رفتار پکڑی تو کنڈیکٹر نے اب استاد ابریک شا یعنی اُستاد کے لفظ کا اضافہ کر دیا بس رُک گئی۔ کنڈیکٹر ڈرائیور ایک ہوٹل میں جا گھسے مسافروں سے کہہ دیا نماز پڑھ لیں ہوٹل والوں سے ڈرائیوروں کنڈیکٹروں کو کھانا مفت ملتا ہے ان کے کھانے کا بل مسافروں سے نکال لیا جاتا ہے کھانے مشروبات چائے مسافروں کو مہنگی فروخت کی جاتی ہے۔ اگر بس ویگن سے کوئی حادثہ ہو جائے تو ہوٹل والے ان کی پوری مدد کرتے ہیں تا کہ مستقل طور پر بس ان کے ہوٹل پر کھڑی کی جائے ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی کنڈیکٹر نے کہا استاد اذا چلو بس کیا تھی شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ڈرائیور سیٹ پر سوائے سٹیرنگ کے کوئی چیز نظر نہ آئی قسم قسم کی آوازیں نکالتی ہوئی یہ بس کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد منزل مقصود پر پہنچی۔ بریک شا کا اشارہ دینے والے کنڈیکٹر نے نسوار کی ڈبیہ کھول کر نچلے ہونٹ کے درمیان رکھ کر پچکاریاں لینی شروع کیں جسکی چھینٹ کسی نہ کسی مسافر پر پڑتیں لیکن جلدی میں کوئی مسافر اس بات پر دھیان نہ دیتے جب بس خالی ہوئی تو ہر سیٹ کے نیچے نسوار تھوک کے نشانات دیکھنے کو ملے یہ نسوار جراثیم کش ہے۔ لہٰذا اسکی وجہ سے بیماریوں کے جراثیم مر جاتے ہیں بیماریاں ان لوگوں کے قریب نہیں آتیں۔ ایک انگریز سیاح نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے یہ لوگ نچلے ہونٹ میں کوئی چیز رکھ کر بار بار تھوکتے ہیں۔ یہ نسوار تمباکو کے پتوں اور راکھ کو جلا کر تیار کی جاتی ہے

گل بی بی اور شاہ بی بی

یہ نام کسی فلمی اداکاروں کے نہیں نہ ہی قومی یا صوبائی اسمبلی خواتین اراکین کے ہیں نہ ہی یہ کالج کی پروفیسر یا سکول کی استانیوں کے ہیں۔ بلکہ اس بدقسمت ملک افغانستان کی معصوم بچیوں کے ہیں جن کے بزرگ جو برطانوی سامراج اب امریکی سامراج کے خلاف سینہ پر ہے۔ افغانستان جسکی تاریخ انقلاب سے بھری پڑی ہے۔ فاتحوں کی سرزمین جہاں اسلام کے اولین نقوش پائے جاتے ہیں۔ برصغیر میں مسلمان حملہ آور جن کے ہمراہ اولیاء کرام مبلغین اسلام تشریف لاتے رہے۔ برصغیر پاک وہند کو اسلام کی کرنوں سے منور کیا۔ انگیریز سامراج پورے ہندوستان پر قابض ہوا۔ اس کی نظریں وسطی ریاستوں پر تھیں۔ برطانوی سامراج کے راستہ میں افغانستان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑا تھا۔ برطانوی سامراج نے افغانستان میں کامیابی کے لئے سازشوں کا جال بچھانا شروع کیا کہ جرمن کے ٹیلر نے برطانوی سامراج کے ہتھکنڈے ناکام بنادیئے اور دوسری جنگ عظیم نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ محکوم قوموں میں آزاری کی لہر پیدا ہوگئی۔ برطانیہ کو دنیا سے بستر گول کرنا پڑا۔ اُسکی جگہ امریکی سامراج نے لے لی۔ اسکی نظریں بھی وسطی ریاستوں کے وسائل پر جمی ہوئی ہیں۔ امریکی سامراج اپنے مفادات کی خاطر انسانوں کا قتل عام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اب تک کئی ملکوں میں ہزاروں بے گناہ لوگوں کا خون کر چکا ہے افغانستان بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہے گذشتہ کئی سالوں میں افغانستان میں کئی انقلاب آئے۔ جسکی وجہ سے افغانستان کے غریب مفلوک حال لوگوں کو پاکستان میں پناہ لینی پڑی۔ محنت مزدوری کے سلسلہ میں یہ لوگ چاروں صوبوں میں عارضی قیام گاہوں میں رہائش پذیر ہیں پشاور سے لیکر کراچی تک ہر اضلاع میں افغان مہاجرین قیام پذیر ہیں۔

بالخصوص پنجاب کے ہر اضلاع عارضی پڑاؤ کئے ہوتے ہیں وسطی پنجاب میں ان کی تعداد زیادہ ہے محنت مزدوری کے علاوہ گدھوں کے ذریعہ مٹی کی بھرائی۔ اب تو محنت کے بل بوتے پر یہ لوگ ٹریکٹرٹرالیوں تعمیرات کی بڑی مشینری کے مالک بن چکے ہیں پاکستان بھر میں جائیداد کے مالک ہونے کے علاوہ کاروبار پر بھی چھا گئے ہیں۔ افغان مہاجرین اور قبائلی علاقہ کے لوگوں کے لئے پاکستان جنت سے کم نہیں انہیں یورپ یا اسلامی ممالک میں جانے کی ضرورت نہیں پاکستان ہی اُن کے لئے سونے کی چڑیا ہے شہروں کے گردونواح جگیوں میں یہ لوگ پڑاؤ کئے ہوئے ہیں بجلی گیس پانی پراپرٹی کے ٹیکس کی فکر نہیں۔ بھیڑ بکریاں پالنا کپڑے کا کاروبار سمگلنگ الیکٹرونکس کے سامان کی خرید فروخت۔ فٹ پاتھوں پر جوتے کپڑے سویٹر جرسیاں غیر ملکی سامان کی فروخت ان کا کاروبار ہے۔ یہ کاروباری طبقہ خوشحال ہے۔ دوسری طرف ان مہاجرین میں ایسے غریب لوگ ہیں جنہیں دو وقت کی



معصوم افغان بچے دربدر ٹھوکریں کھا کر پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے کاغذ اکٹھے کرتے ہیں اور جوتے پالش کرتے ہیں

مشکل سے روٹی میسر ہے ان کے بچے جوتے پالش کرتے ہیں یا پھر گندگی کے ڈھیر سے کاغذ اکٹھے کرتے ہیں۔ افغانستان اور قبائلی علاقوں سے ایجنٹ قسم کے لوگ انہیں پنجاب میں لاتے ہیں۔ اس کے عوض ان غریب لوگوں سے بھاری رقوم وصول کرتے ہیں۔ ان کے قیام اور کام حفاظت کی ذمہ داری بھی ان ایجنٹوں کے ذمہ ہوتی ہے۔ جوان مزدوروں سے منتھلی بھی وصول کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا کی صورت میں جرگہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں۔ افغان مہاجرین اور قبائلی علاقوں کے ان لوگوں کے معصوم بچے دن بھر گندگی کے ڈھیروں سے کاغذ اکھٹے کرتے رہتے ہیں کوئی تقریب ہو یا پھر شادی کے موقع پر اتنے باراتی نہیں ہوتے جتنے یہ بچے بارات کے ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ تقریب یا شادی کے بعد مہمانوں کے بچے ہوئے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے بچے کھچے کھانوں کا صفایا ہو جاتا ہے کچھ تھیلوں میں بھر کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں ایسے ہی معصوم بچوں میں گل بی بی شاہ بی بی نام کی کئی معصوم بچیاں جو سارا دن گلی کوچوں میں گندگی کے ڈھیر سے کاغذ چنتی ہیں غریب مفلسی میں آنکھ کھولنے والی ایسی معصوم بچیوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں گندے پھٹے ہوئے کپڑے بکھرے ہوئے سر کے بال دیکھ کر اس بات کا خیال آتا ہے کہ ان معصوم بے گناہوں کو امریکی سامراج نے کسی جرم کی سزا دی ہے انہیں گھر سے بے گھر کر دیا ہے گل بی بی اور شاہ بی بی کسی بڑی مالدار امریکی کے گھر پیدا ہوتیں انہیں ہر قسم کی سہولتیں میسر آتیں۔ یہ خوبصورت معصوم چہرے اعلیٰ سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے۔ بہترین خوراک لباس میسر آتا۔ لیکن انسانیت کے علمبرداروں کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے معلوم نہیں ان کے مفادات کی خاطر کتنی گل بیبیاں، شاہ بیبیاں بھینٹ چڑھ چکی ہیں اسلحہ اور انسانوں کی تباہی کا سامان نہ ہوتا تو یہ دنیا آج گلزار بن چکی ہوتی گل بی بی اور شاہ بی بی کو بھی وہ سہولتیں میسر آتیں جو دنیا کے امیر ممالک کے باشندوں کو حاصل ہیں۔

ملتان میں انبیاء کرام کے نو گز لمبے مزار



گجرات کے مشہور سرحدی گاؤں بڑیلہ شریف میں حضرت قنیطؑ کا 210 فٹ لمبا مزار ہے۔ حضرت قنیطؑ حضرت آدمؑ کے بیٹے ہیں۔ راقم نے کچھ سال قبل حضرت قنیطؑ کے مزار پر ایک تحقیقی مضمون تحریر کیا جو پڑھنے والوں نے بہت پسند کیا۔ ایک روز حضرت قنیطؑ خواب میں ملے۔ سرخ سفید نورانی چہرہ ریش مبارک سفید اس بزرگ نے فرمایا۔ اس سرزمین پاک پر میں ہی نہیں میرے علاوہ اللہ کے کئی نیک بندوں کے نو گز لمبے مزار ہیں جو رشد ہدایت کے لئے اس سرزمین پر آئے ان کے مزارات پر حاضری دو اور ان پر لکھو راہنمائی ہوتی رہے گی۔ اس دوران حافظ شمس الدین جو ولی اللہ، درویش ہو گزرے جو کشف القبور کے بحر بیکراں ہو گزرے ہیں۔ برصغیر پاک ہند میں نو گز لمبے مزارات پر عرصہ چالیس سال تک حاضری دیتے رہے

ہیں۔ علم کشف القبور کے ذریعے اسم اور جائے مدفن معلوم کیا۔ ان کے ہاں سے برصغیر کے نوگز لمبے مزارات کے بارے ایک شجرہ ملا۔

حافظ شمس الدینؒ کا وصال ہوئے سو سال ہو چکا ہے۔ ان کے تقریباً سو سال بعد راقم کو برصغیر پاک ہند کے نوگز لمبے مزار جن میں بیشتر مزار انبیاء کرام مرسلین اور ان کے خلفاء، نمازیوں، شہداء کے ہیں انکے مزارات پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان نیک لوگوں کی نظر کرم سے بڑے سائز کی چھ کتب ''گجرات تصاویر کے آئینے میں'' ''گجرات تاریخ کے آئینے میں'' ''سیالکوٹ سے خیبر تک'' ''پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار'' ''جنوبی پنجاب سندھ میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات'' اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان'' ''حجاز مقدس کا روحانی سفر'' تحریر کی ہیں۔ ہر کتاب چھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر نوگز لمبے مزار، قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تصاویر بمعہ تفصیل درج ہیں۔ یہ تحقیقی مرحلہ چھ سات سالوں میں مکمل ہوا۔ درہ خیبر سے لے کر کراچی، کوئٹہ، ملتان، آزاد کشمیر اور ہندوستان تک روحانی سفر کئے۔ وطن عزیز میں زیادہ تر سفر موٹر سائیکل پر کیا۔ گرمی سردی بارش ژالہ باری آندھی طوفان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ دنیا کی قدیم تہذیبیں پانی یعنی آبی گزرگاہوں کے کنارے پروان چڑھیں۔

پاکستان کا خطہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ دریا، چشمے، آبی گزرگاہیں اس خطہ کا مقدر ہیں۔ یہ زرعی خطہ مون سون کی بارشوں کی زد میں ہے۔ دنیا کی بیشتر اقوام نے اس خطہ کی خوشحالی کے پیش نظر ادھر کا رخ کیا۔ اس علاقہ کی تاریخ جنگ و جدل، قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں اللہ کے نیک بندے رشد ہدایت کے لئے تشریف لاتے رہے ان کے نوگز لمبے مزار آج بھی تباہ شدہ بستیوں، آبی گزرگاہوں، قدیمی راستوں، ٹبوں ٹیلوں پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ نوگز لمبے مزار کچھ تو تباہ شدہ بستیوں پر ہیں کچھ ٹبوں ٹیلوں سے ہٹ کر ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''باہر نکلو نافرمان قوموں کا حشر ان کی تباہ شدہ بستیوں کی صورت میں دیکھو ان سے

ملتان کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ یہ شہر کئی بار اجڑا کئی بار آباد ہوا۔ ملتان وطن عزیز کی قدیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ ان تہذیبوں کے آثار ملتان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں تاریخ کے اوراق کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ کے ولیوں کے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مزار ہیں۔ لاہور ملتان روڈ پر لاہور کے قریب کئی نوگز لمبے مزار ہیں۔ ہر مزار کے اندر ایک تاریخ دفن ہے۔ راقم کے مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے وطن عزیز کے جس علاقہ میں کوئی نوگز لمبا مزار ہے وہاں قرب جوار عہد حاضر کے کسی نہ کسی ولی اللہ، درویش کا مزار آستانہ ضرور موجود ہے۔ راقم نے ملتان کی برگزیدہ ہستیوں کے مزارات پر حاضری دی۔ نوگز لمبے مزار کے گردنواح کے مکین ان مزارات کا احترام ملحوظ خاطر نہیں رکھتے بلکہ بے ادبی کر رہے ہیں۔ ملتان میں انبیاء کرام کے مزارات کی تفصیل:

یہاں انبیاء کرام کے چھ مزار ہیں ان میں پانچ نوگز لمبے مزار ہیں۔ چھٹا مزار اٹھارہ گز لمبا ہے۔ ملتان محلّہ میں صاحب مزار کا نام حافظ شمس الدین کے قلمی نسخہ انوار الشمس کے مطابق حضرت سلسانوش علیہ السلام ہے جو حضرت یوسف کی اولاد عبرت حاصل کرو"۔ یہ حقیقت ہے جب یہ بستیاں تباہ ہوئیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے ضرور فرمایا ہوگا اے میرے نیک بندے نیکوکاروں کی جماعت لے کر اس بستی سے نکل جاؤ پھر اچانک نافرمان قوموں کی بستیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ برباد ہوگئیں۔ بلکہ صفحہ ہستی سے ان کا نام نشان مٹ گیا۔ آج بھی کھدائی کے دوران مٹی کے برتن، چکیوں کے پاٹ، انسان کے استعمال میں ہونے والی اشیاء کے ثبوت ملتے ہیں۔ جس زمانہ میں یہ لوگ یہاں آئے یہاں گنبد، مینار کا رواج نہیں تھا۔ چونکہ یہ نیک بندے اپنے قبیلہ کے سردار، جرنیل، صحابی اور غازی تھے۔ بیشتر کو اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لئے نبوت سے نوازا تھا۔ عقیدت اور احترام کے علاوہ ان کی اہمیت، انفرادیت کے پیش نظر ان کے مزار لمبے تعمیر کر دیئے جاتے۔ نبی کی یہ شان ہوتی ہے جہاں ان کا وصال ہوتا ہے وہی پر دفن کر دیا جاتا ہے۔ وطن عزیز میں

سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مزار بھی پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کی لمبائی نو گز ہے۔ بوہڑ والا دروازہ میں صاحب مزار کا نام قلمی نسخہ کے صفحہ نمبر 326 نمبر شمار 399 کے مطابق ملک مرطوش علیہ السلام ہے جو حضرت داؤدؑ کی اولاد سے بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرے نو گز لمبے مزار میں صاحب مزار کا نام شجرہ کے صفحہ نمبر 327 نمبر شمار 435 کے مطابق حضرت طرطوشؑ ہے۔ دہلی دروازہ کے قریب بھی نو گز لمبا مزار ہے۔ صاحب مزار کا نام حادانامؑ ہے اس نام کا اندراج قلمی نسخہ مذکور کے صفحہ نمبر 325 نمبر شمار 378 پر درج ہے۔ یہ مزار بھی پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس نو گز لمبے مزار کو مقامی طور پر پیر جمال کے نام سے پکارتے ہیں۔ اندرون بوہڑ گیٹ پیر نو گزہ بیرون بوہڑ گیٹ حضرت پیر برہان الدین نزد ستار ہوٹل کے قریب ہے۔ یہ مزار اٹھارہ فٹ لمبا ہے۔ گلی حمام والی میں بھی نو گز لمبا مزار ہے۔ مزار کو حضرت سید شیخ محمد موسیٰ کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ مزار بھی پختہ تعمیر ہے۔ بیرون دہلی گیٹ مسجد پیر گوہر سلطان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ محلہ بھی صاحب مزار یعنی پیر گوہر سلطان کے نام سے مشہور ہے۔ مزار گوہر سلطان کی لمبائی بھی نو گز ہے۔ یہاں تسبیح کا ایک دانہ بھی رکھا ہوا ہے جسکی جسامت بڑی چکی کے پاٹ جتنی ہے۔ یہ مزار محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ تمام مزار پختہ تعمیر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ مقامی طور پر انہیں متذکرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن شجرہ میں درج شدہ نام عبرانی زبان کے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ہم نے ہر قوم قبیلہ کے پاس ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے۔ انبیاء کرام کے یہ نو گز لمبے مزار اس بات کے داعی ہیں کہ ملتان کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ گویا جب سے دنیا معرض وجود میں آئی ہے ملتان کی سرزمین اسی روز سے ہے۔ اہالیان ملتان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اولیائے کرام کے آستانوں کے علاوہ اس دھرتی کی گود میں انبیاء کرام کے مزارات بھی ہیں۔ پاکستان بھر میں نو گز لمبے مزارات کی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی متذکرہ کتب میں درج ہے۔

گردے بیچنے والے غریب مزدور لوگ

زمین داروں کی گلیوں کو جگمگا کر بھی
میرے مکاں میں جلتے رہے دکھوں کے چراغ

گذشتہ کئی دنوں سے اخبارات ٹیلی ویژن پر گردے فروخت کرنے والوں کے بارے اشاعت اور نشریات کا سلسلہ جاری ہے صوبہ پنجاب اور سندھ پاکستان بھر میں بالخصوص ضلع سرگودھا گوجرانوالہ منڈی بہاؤالدین دیگر اضلاع میں بڑے بڑے زمینداروں کو اپنی زمینوں کے لئے کھیت مزدوری کی ضرورت ہوتی ہے زراعت ایک ایسا شعبہ ہے جہاں چوبیس گھنٹے مزدوروں سے دن رات کام لیا جاتا ہے۔ مزدور کنبہ کے سربراہ کو کچھ پیشگی رقم دے کر انہیں ہمیشہ کے لئے پابند کر کے ان سے دن رات جبری مشقت لی جاتی ہے یوں ان مزدوروں کے ذمہ رقم بڑھتی ہی جاتی ہے برصغیر پاک و ہند کے اصل باشندے جنہیں مسلم شیخ مصلی کہا جاتا ہے۔ جو اس پیشہ سے وابستہ ہیں نسل در نسل غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں۔ جب تک یہ نام نہاد رقم ادا نہ ہو یہ مزدور مقید محبوس رہتے ہیں ان کے آزادی سلب کر لی جاتی ہے بعض اوقات ان مزدوروں کو رات کے اندھیرے میں گن پوائنٹ پر بھاری معاوضہ وصول کر کے نئے مالک کے پاس فروخت کر دیا جاتا ہے۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے خوف کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے یہ مزدور نسل در نسل فروخت ہوتے رہتے ہیں ان کے گھر پیدا ہونے والا بچہ بھی مقروض ہوتا ہے ان مزدوروں کے پاس اپنے رہائشی مکان تک نہیں ہیں برفانی راتوں میں نہری پانی سے زمینوں کو سیراب کرنا گرمی حبس دھوپ میں دھان کی فصل کاشت کرنا ان مزدوروں کا ہی کام ہے ان مزدوروں کی عورتیں زمینداروں کے گھروں میں صفائی گوبر اُٹھانا کپڑے دھونا مال مویشی کے لئے چارہ کاٹنا مالکوں کی خواتین کے پاؤں دبانا جیسے فرائض سرانجام دیتی ہیں ان مزدوروں کے معصوم بچے مال مویشی بھیڑ بکریاں کو چراگاہ میں لے جانا واپس لانا جیسی

خدمات سرانجام دیتے ہیں یوں یہ بچے تعلیم سے بے خبر پروان چڑھتے ہیں یہ مجبور مقہور لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان مزدوروں کے کھاتہ میں مالکان ناروا رقم کا اندراج کر دیتے ہیں غیر حاضری کی صورت میں مالکان کی جانب سے بھاری جرمانہ درانتی ٹوکہ ٹوٹ جائے مالک کے مال مویشی اس کے کھیت میں داخل ہو جائیں یا کھاد زیادہ پڑ جائے یا ٹیوب ویل زیادہ چلے تو مالکان بھاری جرمانہ کر کے مزدور کے کھاتہ میں اندراج کر دیتے ہیں۔ تاروں کی روشنی میں کام پر جانے والے اور رات گئے واپس آنے والے یہ مزدور کیوں مقروض ہے ان کی محنت کا ثمر زمیندار بڑے شہروں میں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان مزدوروں کے بچوں کے لئے تعلیم کے دروازے بند ہوتے ہیں علاج معالجہ کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں معاشرہ میں انہیں حقیر اور نیچ سمجھا جاتا ہے کسی مجلس یا محفل میں چارپائی پر بیٹھنے مالک کے سامنے آنکھ اُوپر کر کے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات بیشتر مزدوروں کو رات کے وقت زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور اگر کوئی مزدور بھاگ جائے تو اُسے گرفتار کر کے عقوبت خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے اسے ایسی سزا دی جاتی دوسرے مزدور اس سے عبرت حاصل کریں۔ اس تشدد آمیز سلوک کی وجہ سے یہ مزدور گردے بیچنے پر مجبور ہیں تاکہ جو رقم ملے وہ مالکوں کو ادا کر کے آزادی حاصل کر سکیں۔ تعزیرات پاکستان میں جبری مشقت بیگار ممنوع ہے۔ بانڈڈ لیبر ایکٹ 1992ء کے تحت پیشگی رقم کی وصولی معطل کر دی گئی ہے۔ محبوس مزدوروں کے ذمہ مذکورہ ایکٹ کے نفاذ کے بعد پیشگیاں ختم ہو چکی ہیں حکومت مزدوروں کی آزادی کا اہتمام کر کے بوگس کھاتے کالعدم قرار دیئے جائیں۔ ان مزدوروں کی فلاح و بہبود کیلئے قانون پر عملدرآمد کروایا جائے۔ ان محبوس مزدوروں کو رہائی دلائی جائے۔ ان مزدوروں کے اوقات کار مقرر کیے جائیں۔ ان کی تنخواہیں مقرر کی جائیں۔ جبری مشقت بیگار عقوبت خانوں کا خاتمہ کیا جائے۔ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 491 کے تحت کسی شخص یا مزدور کو محبوس نہیں رکھا جا سکتا۔

جب انسان نے سوچ بچار کی اور ترقی کی منازل طے کرتا گیا

انسان شروع شروع میں جنگلوں اور پہاڑوں غاروں میں رہتا اور پتوں سے جسم ڈھانپتا۔ یہی پتے اسکی خوراک تھے۔ سوچ بچار کے بعد پھر آہستہ آہستہ ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ کھیتی باڑی پتھروں کے اوزار کا استعمال جھونپڑی میں رہنا شروع کیا۔ انسانی خوراک کے استعمال میں ہونے والی اشیاء، اجناس سبزیاں پھل، جانور پرندے، جڑی بوٹیوں، خشک میوہ جات کو منتخب کیا۔ انسانی صحت کے لئے ضروری اشیاء کا مرکب تیار کر کے اس کو سالن کا نام دیا۔ سالن میں شامل چیزیں انسانی صحت کے لئے ضروری ہیں سالن کسی بھی چیز کا بنایا جائے اس میں گھی، نمک مرچ ہلدی، گرم مصالہ جات پیاز، لہسن دھنیا شامل کیا جاتا ہے طب کی رو سے یہ اشیاء انسانی صحت کے لئے بہت ضروری ہیں اور ان اجزا میں اللہ تعالیٰ نے کئی بیماریوں کی شفا رکھی ہے۔ روئے زمین پر پیدا ہونے والی اشیاء میں کوئی نہ کوئی حکمت رکھی ہے طاقت ور اور زیادہ پیداوار دینے والے اجناس گندم چاول، جو جوار باجرہ دالیں چنے کی کاشت شروع کی۔ جنکا ذائقہ بھی اچھا ہے۔ جسم ڈھانپنے کے لئے کپاس اون کا استعمال شروع کیا۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی زمین پر لاتعداد سبزیاں اگتی ہیں لیکن انسان نے ان سبزیوں کو پسند کیا جو انسان کی صحت کے لئے طاقت بخش ہیں۔ ان کا ذائقہ بھی اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے۔ ہلکے وزن والے پھل درختوں کی ٹہنیوں کے ساتھ پکتے ہیں جبکہ بھاری وزن والے پھل جیسے تربوز، خربوزہ، شکر قندی زمین پر بیل کے ساتھ پکتے ہیں۔ چوپائے جو پالتو بنائے ان میں دودھ دینے والے جانور اونٹ، بھینس، گائے، بکری، بھیڑ، بار برداری کے لئے اونٹ، گھوڑا، گدھا کاشت کاری کے لئے بیل درندے جو بنی نوع انسان کے لئے کارآمد نہیں انہیں جنگلی اور خونخوار ہی رہنے دیا۔ یہ گوشت خور جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، گیدڑ، لومڑ، ریچھ، وغیرہ ہیں۔ البتہ رکھوالی کے لئے کتا اور گھر میں حشرات الارض کے خاتمہ کے لئے بلی کو پالتو بنایا۔ پرندوں میں جو پرندے سال میں صرف ایک بار انڈے دیتے ہیں انہیں آوارہ ہی رہنے دیا۔ لیکن جو پرندے سال بھر انڈے دیتے ہیں جیسے

مرغی، بطخ، انہیں پالتو بنایا اور ان کی افزائش نسل بھی زیادہ ہوتی ہے مرغی بطخ کے علاوہ باقی پرندوں کے دو تین ہی بچے ہوتے ہیں لیکن مرغی بطخ کے درجن بھر بچے ہوتے ہیں۔ پھل دینے والے درختوں کے باغ لگائے۔ اور ان سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو۔ سایہ کے لئے بوہڑ، پیپل، ایندھن اور رہائش گاہوں کی تعمیر کرنے کے لئے لکڑی کے حصول کے لئے دوسرے درخت کیکر، شیشم کی پرورش کی جڑی بوٹیاں جو انسانی صحت کے لئے بہت ضروری ہیں ان کو تلاش کیا۔ ان جڑی بوٹیوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے ایک ایک جڑی بوٹی میں لاتعداد بیماریوں کا شفار کھا ہے۔ حکماء نے ایک ایک جڑی بوٹی کی اہمیت اور افادیت کے لئے برسوں تحقیق کی۔ برسوں کی تحقیق کے بعد انہیں انسانی صحت کے لئے ضروری قرار دیا۔ اور ان کے استعمال کی ترکیب بتائی۔ برصغیر پاک وہند ایک قدیمی خطہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ لاتعداد خودرو جڑی بوٹیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ جو پہاڑوں دریاؤں ندی نالوں کھیتوں میں جنگل بیاباں ریگستانوں میں پائی جاتی ہیں ان جڑی بوٹیوں میں سرفہرست ہیرڑ بلیلہ، آملہ میں ان جڑی بوٹیوں کے مرکب کو ترپھلہ کہتے ہیں۔ حکماء کے مطابق جو شخص ترپھلہ کا استعمال کرے زندگی بھر کوئی بیماری اسکے نزدیک نہیں آسکتی۔ تمام بیماریوں کی جڑ معدہ ہے اگر معدہ درست ہے تو سب کچھ درست ہے ہیرڑ آملہ بلیلہ معدہ کے لئے لاجواب جڑی بوٹیاں ہیں ان تینوں جڑی بوٹیوں کو کوٹ کر ان کا سفوف بنا کر بطور خوراک استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تحقیق میں یہ پہلو سامنے آیا ہے۔ ان جڑی بوٹیوں میں کینسر اور دوسری موذی بیماریوں کا شفا ہے۔ انسانی جسم میں جتنے بھی اعضاء کام کر رہے ہیں ترپھلہ کا استعمال ان کے لئے بہت مفید قرار دیا ہے انسان نے جب تک طبِ مشرقی کا استعمال جاری رکھا وہ صحت مند رلا جب سے انگریز حکمران آئے انہوں نے ہمارا کلچر بگاڑ کر رکھ دیا۔ جب انگریز نے انگریزی دوائی کا استعمال شروع تو انسانی صحت گرنا شروع ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحبان دوائیوں کا مرکب بنا کر دیتے ہیں کہ کوئی تو کارگر ہوگی اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سائیڈ افیکٹ ہو جاتا ہے ایک بیماری کے خاتمہ کے ساتھ انسان دوسری کئی بیماریوں میں مبتلا ہو

جاتا ہے۔ آج اپنے ارگرد دیکھیں سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتالوں میں مریضوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے لوٹ مار کے علاوہ شفاء نام کی کوئی چیز نہیں ہے انسان زندہ درگور ہو جاتا ہے آخری مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ انسان نے سوچ بچار کی اور مرحلہ وار ترقی کرتا گیا انسان جب ایک قدم اُٹھا کر آگے بڑھاتا ہے تو پاؤں کی حرکت کی وجہ سے نصف دائرہ بن جاتا ہے جب دوسرا قدم آگے بڑھاتا ہے اس سے بھی نصف دائرہ بن جاتا ہے۔ نصف نصف دائروں کو ملایا جائے تو پورا ایک سرکل بن جاتا ہے۔ انسان کے قدموں کی حرکت دیکھ کر اس نے پہیہ ایجاد کیا۔ پہیہ نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ سانپ بچھو کے ڈسنے سے فوراً عمل ہوتا ہے علاج کے فوری عمل کے لئے انجکشن ایجاد ہوا۔ انسان نے اپنے جسم کی کارگردگی کا جائزہ لیا۔ اور موٹر گاڑی ایجاد کر لی۔ گاڑی کے اندر پمپ نصب ہوتا ہے جسے انسان کے اندر دل کام کرتا ہے دل خون سپلائی کرتا ہے اور انسان زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح موٹر گاڑی کا پمپ انجن کو تیل سپلائی کرتا ہے اور گاڑی رواں دواں رہتی ہے پرندوں کے اڑنے کا جائزہ لیا اور ہوائی جہاز ایجاد کر لیا۔ پانی پر تیرنے والے جانوروں کا مشاہدہ کیا اور بحری جہاز معرض وجود میں آیا۔ سورج چاند کی روشنی سے متاثر ہو کر بجلی اور روشنی کے آلات ایجاد ہوئے۔ کائنات کا سارا نظام غور و فکر کے لئے بنایا گیا ہے جوں جوں انسان غور و فکر کرتا رہا نئی نئی ایجادات ہوتی گئی منہ سے بولنا اور کان سے سننا ٹیلیفون کی ایجاد کا موجب بنا۔ جب انسان ہاتھ سے پتھر اُٹھا کر پھینکتا ہے وہ پتھر اتنا ہی دور جاتا ہے جتنی کہ طاقت استعمال ہوتی ہے اس فارمولے بندوق گولی بنائی گئی۔ کمپیوٹر فیکس اور آسمان پر گھومنے والے سیاروں کے ذریعے کائنات کے چھپے راز اُگلے جا رہے ہیں سائنسدانوں کا خیال ہے انسان جو بات کرتا ہے وہ خلا میں موجود رہتی ہے اب انسان سینکڑوں ہزاروں سال پہلے گزرے ہوئے عظیم لوگوں کی گفتگو تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ اور وہ عنقریب اس کوشش میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی زیر طبع دسویں کتاب

ریاض الجنت کا تعارف

اگست سال 2002ء صبح سویرے چھت پر ساون کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں نماز فجر سے فارغ ہوا آنکھیں بند کر لیں۔ حج کے دوران ادا شدہ روح پرور مناظر ذہن اور آنکھوں کے سامنے آ گئے بے اختیار آنسوؤں نکل آئے۔ یہ آنسوں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا ذریعہ بنے اور مجھے حجاز مقدس سے بلاوہ آ گیا۔ ٹریول ایجنسی کے پاس عمرہ کے لئے کاغذات جمع کروائے اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے لئے حاضری کی تاکید کی اور سترہ رمضان المبارک چھ بجے اسلام آباد سے سعودی ایئر لائن کی فلائٹ سے حجاز مقدس کے لئے روانگی ہوئی۔ مدینہ منورہ میں آٹھ روزہ قیام کے دوران تمام نمازیں مسجد نبوی ﷺ میں ادا کیں۔ مسجد نبوی میں ریاض الجنت ایسا مقام ہے یہاں ہر مسلمان سجدہ کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ اس مقام کے بارے حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے روضہ کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے چنانچہ عمرہ مبارک کی ادائیگی اور حجاز مقدس میں قیام کے دوران کتاب کا نام بھی ریاض الجنت تجویز ہوا۔ خواب میں راقم کے سامنے کتاب ریاض الجنت کا نام آیا تھا۔ سال 2000 کو حج کے دوران مسجد نبویؐ میں پہلا سجدہ دینے کا شرف بھی ریاض الجنت میں حاصل ہوا۔ جس کی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب حجاز مقدس کا روحانی سفر میں درج ہے۔ نویں کتاب پشاور سے کوئٹہ تک اشاعت کے آخری مرحلے میں پہنچی۔ ریاض الجنت کتاب کی رسم بسم اللہ روحانی ادبی شخصیت شاعر، دانشور ادب کی بے لوث خدمت کرنے والی شخصیت فقیر اثر انصاری کے ہاتھوں سرانجام پائی۔ اس موقع پر معروف ادیب عارف علی میر، مصنف غفور اسلم، آئینہ گجرات کے ایڈیٹر جمشید افضل کھوکھر اور کئی علمی ادبی شخصیات موجود تھیں۔ مقررین نے راقم کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نئی کتاب ریاض الجنت تحریر کرنے پر مبارکباد پیش کی اور حضور نبی اکرم ﷺ سے راقم کی گہری عقیدت کی تعریف کی۔ راقم نے زیر طبع ریاض الجنت کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا۔ راقم نے جدہ،

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں شاہوں کے بڑے بڑے محل جو سمندروں، پہاڑوں شہروں میں جدید انداز میں وسیع عریض رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں دیکھے لیکن جب مسجد نبویؐ میں روضہ رسولؐ پر حاضری دی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے کہ میرے آقا جو مالک کائنات بھی ہیں ایک چھوٹے سے مکان میں دفن ہیں۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے لئے بڑا عالی شان محل بھی تیار کروا سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے لئے چھوٹا اور سادہ سا حجرہ پسند فرمایا۔ ہم روزانہ یہ نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں سلام اس پر جس نے بادشاہی میں فقیری کی۔ کتاب میں آپؐ کی عملی زندگی بنی نوع انسان کے لئے عظیم کارناموں، غزوات، غیر مسلموں کا خراج تحسین، خلفائے راشدین کے کارنامے، صحابہ کرام کے مکانات جو مسجد نبویؐ کے قریب تھے ان کی تفصیل جنت المعلیٰ جنت البقیع میں جلیل القدر صحابہ اور اولیائے کرام کا تعارف شامل ہے۔ معرکہ خیبر کی تفصیل خیبر کے قلعے چشمے کھجوروں کے باغ جو راقم نے خیبر میں گھوم پھر کر تفصیلات اور فوٹو حاصل کئے۔ معرکہ خیبر میں حضرت علیؓ نے بہادری کے جوہر دکھائے کے علاوہ حضرت سلیمان فارسیؓ کے باغ کا تاریخی پس منظر خاکشفاء وہ مقام جہاں آپ کی اونٹنی ٹھہری جنگ بدر جنگ احد کے شہداء کی سوانح حیات کے علاوہ قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تفصیل بیان ہوگی۔ تاریخ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ مکہ مکرمہ میں عجائب گھر میں قدیمی تاریخی نوادرات کا تاریخی پس منظر کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ حج اور عمرہ کرنے والے کو درپیش مسائل اور مشکلات کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کے حل کے لئے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ کتاب ریاض الجنت عقیدت لگن سے تحریر ہوگی۔ راقم نے گھوم پھر کر معلومات اور فوٹو گرافی کی ۔ گجرات تصاویر کے آئینے میں۔ گجرات تاریخ کے آئینے میں۔ سیالکوٹ سے خیبر تک۔ پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار۔ گندھارہ تہذیب تصاویر کے آئینے میں۔ خطہ یونان گجرات۔ جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات۔ اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان دہی کی کہانی تصاویر کی زبانی۔ حجاز مقدس کا روحانی سفر۔ گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں۔ پشاور سے کوئٹہ تک تحریر کر چکا ہے۔ ان کتب کو ہر شعبہ زندگی کے افراد نے پسند کیا۔ انشاء اللہ کتاب ریاض الجنت بھی بہترین کتاب ہوگی۔

کتابیات

تاریخ پشاور .... از اے جے سنگھو گلاب پبلشرز اُردو بازار لاہور۔

تاریخ کوہاٹ .... از احمد پراچہ .... بک سنٹر 32 حیدر روڈ راولپنڈی کینٹ۔

اسلامی ہند کے افغان جرنیل .... قادر دار خان گنڈاپور گومل ارٹ پبلشرز ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

مراتب سلطان .... حاجی الحرمین سید میاں محمد عالمگیر شاہ .... فقیر صاحب کریانوالے حیائے محلہ میانہ میانوالی۔

مختصر تاریخ باجوڑ .... استاد محمد گلاب باشندہ کوٹلی چارمنگ وضح ترخو علاقہ حامدند باجوڑ ایجنسی۔

برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش .... محمد اسحاق بھٹی ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ لاہور۔

نئ اٹلس .... پروفیسر محمد شریف از کتابستان پرنٹنگ کمپنی اُردو بازار لاہور۔

حضرت بابا عبدالرحمٰن .... الحافظ شریف احمد افغانی پیش امام دربار رحمان بابا پشاور۔

شہزادگان غوث الثقلین .... از محمد اظہر قادری شاہ پوری وکر انجمن غوثیہ خدام سدرہ شریف لاہور۔

تذکرہ: پیراں زکوڑی شریف .... از بشیر احمد بیگ نقشبندی شعبہ نشرو اشاعت دارلعلوم خانقاہ عالیہ زکوڑی شریف ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

مواہب رحمانیہ .... از خواجہ محمد اسمٰعیل .... جلد اوّل، جلد دوئم، جلد سوئم۔ امیر
مکتبہ سراجیہ محمدیہ خانقاہ احمدیہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان ماضی اور حال کے آئینے میں .... الحاج قادر دار
گنڈاپور۔ الحاج قادر دار خاں گنڈاپور عقب پرائمری سکول نمبر 5 ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

حضرت حاجی بہادر کوہاٹی اسرا الحقائق۔ سید منصور علی شاہ ایڈووکیٹ شاہ کنز
بازار کلاں کوہاٹ۔

بنوں تاریخ کے آئینے میں .... از طفیل احمد خان نیئی طارق روڈ صدر بازار
بنوں چھاؤنی۔

تاریخ بنوں .... از پروفیسر شمشیر علی خان کتاب گھر چوک بازار بنوں۔

فرنگی راج اور غیرت مند مسلمان .... از ڈاکٹر محمد نواز خان .... امیر
المجاہدین نیاز علی خان اپی گورا ایک مرکز شمالی سرزیرستان ایجنسی وزیرستان۔

تذکرہ: صوفیائے بلوچستان .... از ڈاکٹر انعام الحق کوثر اُردو سائنس بورڈ
299 لوئیر مال لاہور۔

اسلامی تصوف اور صوفیائے سرحد .... از ڈاکٹر عبدالرشید تصوف
فاؤنڈیشن الفلاح پلازہ، جی 4 ذکر اسلام آباد۔

عالم میں انتخاب پشاور .... ڈاکٹر سید امجد حسین مکتبہ ہندکو زبان محلّہ اسلام آباد
نشتر آباد پشاور۔

تاریخ بلوچستان ....از موسیٰ خان جلال زی اڈاد انٹر پرائزز 27 ٹمپل روڈ یو۔ ای۔ ایل۔ بلڈنگ لاہور۔

تذکرہ: وادی دامان ....از ڈاکٹر ایم عطاء اللہ دربار عالیہ اٹل شریف تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔

تاریخ پنجاب ....از کنیالال بندی۔ سماجی ادب کلب روڈ لاہور۔

سیالکوٹ سے خیبر تک ....از حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ضلع کچری گجرات۔

صد سالہ تقریبات ڈیرہ تہذیب و ثقافت کے آئینے میں ....

از ملک طاہر سرفراز خان اعوان۔ ڈپٹی کمشنر ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

تاریخ پشتون ....از سردار شیر محمد گنڈاپور شیخ شوکت علی اینڈ سنز ایم اے جناح روڈ کراچی۔

ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور۔

ہفت روزہ ندائے ملت لاہور۔

سنڈے میگزین روزنامہ پاکستان لاہور۔

سنڈے میگزین روزنامہ خبریں لاہور۔

سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت لاہور۔

سنڈے میگزین روزنامہ جنگ لاہور۔

ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی۔

تاریخ مخزن پنجاب .... مفتی غلام سرور لاہوری۔ دوست ایسوی ایٹس الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔

بلوچستان تاریخ اور مذہب .... پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی ناشر ادارہ و تدریس کوئٹہ بلوچستان۔

گندھارا .... از محمد ولی اللہ خان ستارہ امتیاز لوک ورثہ اسلام آباد۔

تاریخ بلوچستان .... رائے بہادر ہتورام 107 تلخیص، تعارف سلیم اختر پبلیشرز چوک اردو بازار لاہور۔

بزم تیموریہ .... دربار آبری از مولان محمد حسین آزاد۔

بلوچستان تاریخ کے آئینے میں .... از جسٹس میر خدا بخش بجارانی

مری .... ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق مسرز بک لیڈ جناح روڈ کوئٹہ۔

ہفت روزہ آئینہ گجرات .... ایڈیٹر جمشید افضل کھوکھر۔

پشاور کا عجائب گھر۔

ماضی کے دریچوں سے .... محمد ابراہیم ضیاء۔ تاج الدین پبلشرز بابو حیدرہ روڈ پشاور۔

کتاب فیوضات حسنہ پیران زکوڑی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

Ancient pakistan vol.....vi Excavation in the, Gomalvally Rehman dheri excavation Report No.1.

ISLAMIC ARCHITECTURE OF PAKISTAN

VORTHESN WAZIRISTAN AND DAWAR

ملتان ضمنیات .... از ڈاکٹر مہر الحق بیکن بکس گلگشت ملتان ٹورسٹ گائیڈ

شاؤال کا آنکھوں دیکھا حال .... از محمد عالم خان محسود مقام اشاعت ڈیرہ اسمٰعیل خان

تذکرہ پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ .... از خان روشن خان نوری کلی تحصیل صوابی ضلع مردان

کوہاٹ تاریخ کے آئینے میں .... از ذوالفقار شاہ

تذکرہ سرفروشاں صوبہ سرحد .... از محمد شفیع صابر یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

تذکرہ علماء و مشائخ سرحد .... از فقیر محمد امیر شاہ قادری سکنہ الحسن کوچہ آقا پیر جان یکہ توت پشاور

پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار .... از حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

جناب محمد شریف صاحب۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان نے بیشتر کتب اپنی لائبریری سے مہیا کیں۔ راقم اُن کا تہہ دِل سے ممنون و مشکور ہے۔

مصنف کی زیر طبع کتب

☆ ریاض الجنت

مسجد نبوی میں جنت کا وہ ٹکڑا جہاں ہر مسلمان سجدے کے لئے بیقرار رہتا ہے

☆ خواجہ غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کے حضور

☆ اولیائے گوجر خان کہوٹہ

☆ گجرات کے دیہات اور ان کی تاریخ تفصیل کے ساتھ

☆ زوال پذیر نظام کے آخری ایام

☆ کچہری میں تیس سال

☆ گجرات سیاست کے آئینے میں

☆ گجرات صنعت وحرفت کے آئینے میں

☆ خاکسار تحریک اور علامہ عنایت اللہ المشرقیؒ

☆ پاکستان کا مطلب یہ نہیں تھا

☆ سیالکوٹ تاریخ کے آئینے میں

☆ منڈی بہاؤالدین، آزاد کشمیر تاریخ کے آئینے میں

معروف قانون دان بین القوامی شہرت یافتہ ادیب صحافی محقق
حاجی ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی تحریر کردہ کتب کی ایک جھلک

1) گجرات تصاویر کے آئینے میں...... ☆ نوگز لمبے مزار ☆ اولیائے کرام کے آستانوں کا تعارف ☆ قصبوں، دیہات کی تاریخ

2) گجرات تاریخ کے آئینے میں..... ☆ گجرات کی مکمل تاریخ انبیاء کرام اولیائے عظام ☆ تاریخی واقعات کی تفصیل ☆ گجرات کے بارے مکمل معلومات جس پر پہلی بار قلم اُٹھایا گیا ہے۔

3) سیالکوٹ سے خیبر تک ...... ☆ قدیمی گزرگاہ ناروال ☆ گوجرانوالہ ☆ سرگودھا ☆ خوشاب ☆ منڈی بہاؤالدین ☆ گجرات ☆ میرپور مظفرآباد ☆ جہلم ☆ چکوال ☆ راولپنڈی ☆ اسلام آباد ☆ اٹک ☆ نوشہرہ ☆ پشاور ☆ درہ خیبر کی تاریخ ☆ دریاؤں کے شمالی علاقہ جات کا تعارف شامل ہے۔

4) پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار گندھارہ تہذیب تصاویر کے آئینے میں خطہ یونان گجرات ......
☆ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں پاکستان بھر میں نوگزی قبروں کی تفصیل جن میں بیشتر قبریں انبیاء کرام مرسلین اُنکے صحابہ غازیوں اور شہداء کی ہیں۔ ☆ گندھارہ تہذیب اس خطہ میں پروان چڑھی۔ سرسید احمد خان نے گجرات کو خطہ یونان قرار دیا۔ مکمل تفصیل ملاحظہ فرمائیں ☆ گجرات بہادروں علمی ادبی لوگوں کی سرزمین۔

5) جنوبی پنجاب سندھ، بلوچستان میں اولیاء کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات ...
☆ دریاؤں کے کنارے قدیمی بستیوں ☆ لاہور جنوبی پنجاب ☆ ملتان ☆ اوچ شریف بہاول پور ☆ ٹھٹھہ ☆ کراچی
☆ بلوچستان کے اہم قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تفصیل طویل سفر کر کے اکٹھی کی ہیں۔

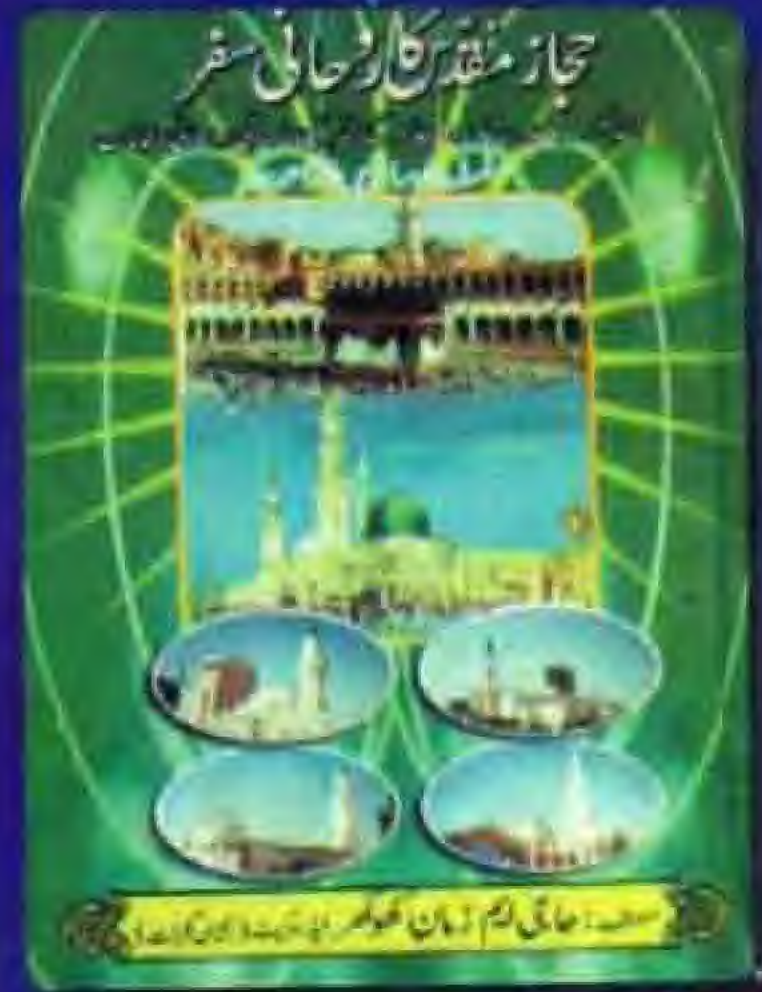
6) اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی ..... ☆ ہندوستان کے کونے کونے میں اولیائے کرام کے آستانے ہیں مسلمان حکمرانوں کی تعمیر کردہ عمارتیں باغ، قلعے، مساجد دہلی کی مکمل تاریخ مرتب کرنے کیلئے راقم نے چھ بار ہندوستان کا سفر کیا۔ ہندوستان کی سیر کیلئے ایک سال دہلی کیلئے ایک ماہ درکار ہے۔

7) حجاز مقدس کا روحانی سفر ...... ☆ راقم نے حج کے دوران مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ کے قدیمی تاریخی مقامات کی تصویریں حاصل کر کے ان کی تفصیل کتاب کی صورت میں پیش کی معلوماتی کتاب ہے۔

8) گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں ...... ☆ گجرات کی علمی ادبی شخصیات اور تباہ شدہ بستیوں کی کہانی اور ان میں دریافت ہونے والی اشیاء کی تفصیل گذرگاہوں کی مکمل تاریخ۔

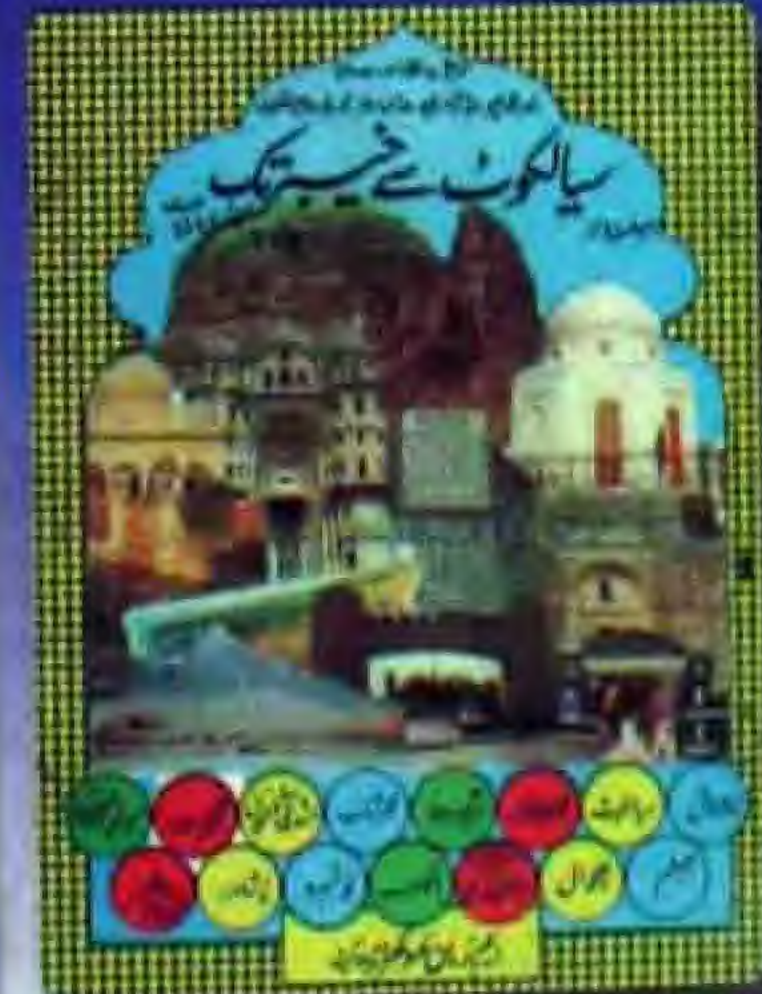
9) پشاور سے کوئٹہ تک ..... ☆ پشاور قبائلی علاقے ☆ کوہاٹ ☆ بنوں ☆ ہنگو ڈیرہ اسمٰعیل خان ☆ کوئٹہ کی تاریخ ☆ یہ کتاب چھ سو صفحات اور بڑے سائز میں قدیمی، تاریخ، روحانی مقامات کی تصویریں ☆ طالب علموں، لائبریریوں کیلئے خصوصی رعائت۔ گھر کے ہر فرد کیلئے ان کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔

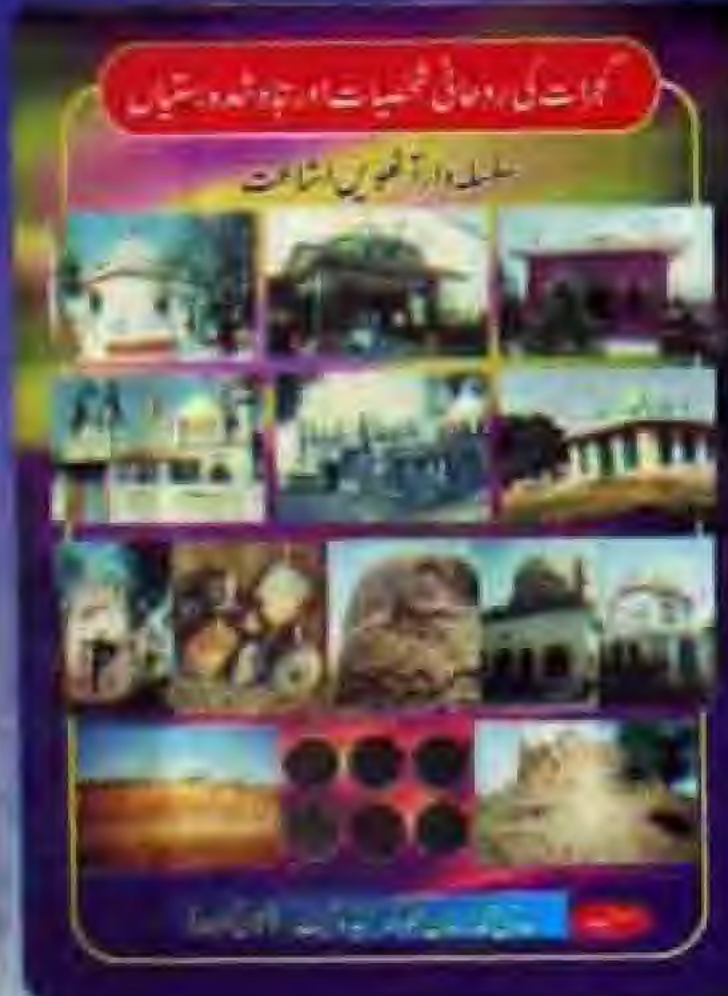
الحاج محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی تحریر کردہ دیگر کتب



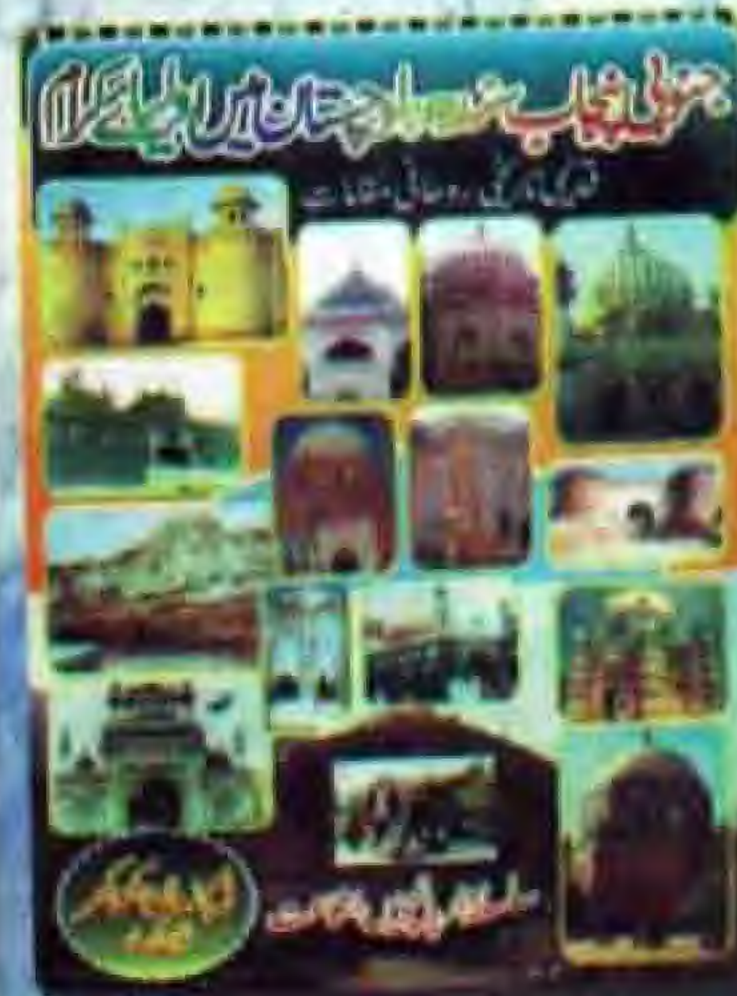













حاجی محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ (نشان گجرات)

